إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ

یہ تو تمام جہاں والوں کے لیے سراسر نصیحت ہے۔ (سورۂ ص: ۸۷)

تفسیر

ذِکْرٌ لِّلْعَالَمِیْن

حافظ جلال الدین القاسمی

جلد دوم

ناشر

مجمع بلقیس للبحوث الاسلامیة

حیدرآباد الہند

Scanned by CamScanner

بسم اللہ الرحمن الرحیم

إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ

یہ تو تمام جہاں والوں کے لیے سراسر نصیحت ہے۔ (سورۂ ص: ۸۷)

تفسیر

ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ

حافظ جلال الدین القاسمی

جلد دوم

ناشر

مجمع بلقيس للبحوث الإسلامية

حیدرآباد الہند

Library
No.
Ahlehadees

Scanned by CamScanner

©جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب : ذکر للعالمین (جلد دوم)

مؤلف : حافظ جلال الدین القاسمی

اشاعت اوّل : مئی 2018ء - رمضان المبارک ۱۴۳۹ھ

تعداد : 3000

ہدیہ : -/850 ₹ (مکمل سیٹ ر تین جلد)

ناشر

مجمع بلقیس للبحوث الاسلامیۃ حیدر آباد الھند

MUJAMMA BILQIS LIL BUHOOSIL ISLAMIAH

HYDERABAD (INDIA)

ملنے کے پتے

MUJAMMA BILQIS LIL BUHOOSIL ISLAMIAH

H. S. Residency, 9-4-134/a/5/23/1/a, Vali Colony,

Near Habeeb Masjid, Tolichowki,

Hyderabad, Telengana - 500 008 (INDIA)

Contact: 9963146652 / 9177919827 Email: mbilqis.bi@gmail.com

JAMIATUN NISWAN AS SALAFIA

#7-29, Thondawada (V), Chandragiri (M), Tirupati, Chittoor (Dist)

Andhra Pradesh, India - 517505. www.jans.co.in. Email: jnastpt@gmail.com

Contact: 9346761142 / 9346761143 / 9550554230

ACCOUNT DETAILS

MASJID-E-BILQIS EDUCATIONAL AND WELFARE TRUST

A/c: 295411100000140 IFSC: ANDB0002954

BANK: ANDHRA BANK, SEVEN TOMBS BRANCH

HYDERABAD :500008. TELANGANA

Scanned by CamScanner

شروع اللہ کا نام لے کر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

Scanned by CamScanner

﴿ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴾

(سورہ ص: ۲۹)

یہ ایک بڑی برکت والی کتاب ہے جو ہم نے آپ کی طرف نازل کی تاکہ یہ لوگ اس کی آیات پر تدبر کریں اور عقل رکھنے والے اس سے نصیحت حاصل کریں

Scanned by CamScanner

فہرست مضامین

نمبر شمار	عناوین	صفحات
	پارہ نمبر ۱۱ یعتذرون	
1	گیارہواں پارہ	20
2	" والسابقون الأولون " اس آیت میں تین گروہوں کا ذکر ہے	22
3	"من تَحْتِهَا " اور "تَحْتَهَا "میں فرق	24
4	منافقین کی قسمیں	25
5	بدویّوں کی قسمیں	25
6	جنگ تبوک میں پیچھے رہنے والوں کی تین قسمیں	26
7	تطہیر اور تزکیہ میں فرق	26
8	مسجدِ ضرار کے بنانے میں تین غرضیں	28
9	مسجد تقویٰ کی دو طرح مدح کی گئی	30
10	مسجد قباء میں نماز پڑھنے کا ثواب	30
11	کیا ایک مسجد میں جماعتِ ثانیہ ہو سکتی ہے؟	30
12	"السائحون "اور "الصائمون "کا معنی	32
13	غزوۂ تبوک	33
14	" وما کان المؤمنون لینفروا کافة ...."میں دو فریق کا ذکر	36
15	بیمار کے لیے دعا	37
16	سورة یونس	38
17	" هو الذی جعل الشمس ضیاءً..." کی تفسیر سائنس کی روشنی میں	39
18	گمراہی کا پہلا زینہ	40
19	" فمن اظلم ممن افتریٰ علی الله کذبا ..." کی تفسیر	42

Scanned by CamScanner

نمبر شمار	عناوین	صفحات
20	جنتی عورتیں	46
21	مجرمین کے پانچ احوال	46
22	نفس کو کامل بنانے کی چار منزلیں	48
23	قرآن کی خصوصیات	48
24	''فرح'' اور ''استبشار'' میں فرق	49
25	موسیٰ علیہ السلام کی دعاء	50
26	رسول اپنی قوم کے لیے ہدایت چاہتا ہے نہ کہ گمراہی تو موسیٰ علیہ السلام نے بد دعا۔۔۔	52
27	مشاہدۂ عذاب کے بعد ایمان معتبر و نافع نہیں ہوتا، پھر قوم یونس کا ایمان معتبر کیوں؟	53
28	فرعون کی ممی (Mummy) کے متعلق کچھ معلومات	53
29	داعیوں کو تنبیہ	54
30	پیغمبر کو آخری ہدایت	56
31	مدعو کی نفسیات	56
32	سورۃ هود	57
33	حکمت کی تعریف	57
34	توبہ کے دو رکن	58
35	عنایت کی دو قسمیں	58
	پارہ نمبر / ۱۲ وما من دآبۃ	
36	بارہواں پارہ	62
37	جانور اور انسان غذا نہ ملنے کے سبب بھوکے کیوں مرجاتے ہیں؟	62
38	روزی اللہ کے ہاتھ کے ذمہ ہے تو ملے گی پھر ہاتھ پیر چلانے کی ضرورت کیا ہے؟	62
39	خلق کی ابتداء کیسے ہوئی؟	64
40	فطری کمزوریاں	65
41	عام انسانی کمزوری کا علاج	65
42	''أُمَّةٌ'' کی تفسیر	67
43	ہود علیہ السلام کے دعوت دین کی تین اصولی باتیں	70

Scanned by CamScanner

نمبر شمار	عناوین	صفحات
44	مہمانی کے اصول	73
45	سورۃ یوسف	79
46	یعقوب علیہ السلام کے نکاح میں دو سگی بہنیں	79
47	"أحد عشر کوکبا" کی تفسیر	80
48	اچھا خواب دیکھے تو کسی نیک آدمی سے تعبیر پوچھے، برا خواب دیکھے تو؟	80
49	"یلعب" (کھیل کود) کی تفسیر	81
50	شرائطِ لعب	82
51	یوسف علیہ السلام کا کرتہ عجائب روزگار	83
52	یوسف علیہ السلام کی برأت کی گواہی	83
53	زنا پر آمادہ کرنے کے دو وسیلے	83
54	یوسف علیہ السلام اور عزیز مصر کی بیوی کے ارادوں میں فرق	84
55	"ولقد همت به وهم بها" کی تفسیر	85
56	یوسف علیہ السلام خطا سے رک گئے، اسکی دلیل	85
57	جیل میں دعوتِ دین کا طریقہ	87
58	یوسف علیہ السلام کی رہائی میں تاخیر کی دو حکمتیں	89
	پارہ نمبر ۱۳ وما أبرّئ	
59	تیرہواں پارہ	92
60	انسان کی جسمانی، اخلاق، روحانی حالتیں	92
61	نفس کو زیر کرنے کے طریقے	93
62	تقدیر و تدبیر	95
63	شاہِ مصر کا قانون	96
64	مجرم کے بارے میں رحم کی اپیل	97
65	جھوٹے اور سچے ولی میں فرق	101
66	قمیص یوسف علیہ السلام کی تین نشانیاں	105
67	احسان کے تین ارکان	106

Scanned by CamScanner

نمبر شمار	عناوین	صفحات
68	صبر کی دو قسمیں	107
69	سوء اور فحشاء کی تعریف	108
70	''مخلِص'' اور ''مخلَص'' میں فرق	109
71	سورہ یوسف میں پانچ خوابوں کا تذکرہ	111
72	نفس کے احوال	112
73	دعوت کی بنیادیں اور داعی کے اوصاف	113
74	خواب تین طرح کے ہوتے ہیں	114
75	سورہ یوسف کا خلاصہ دو جملوں میں	114
76	کیا ڈونیشن دیکر سیٹ لینا جائز ہے؟	114
77	قصہ یوسف میں عبرتیں	116
78	سورۃ الرعد	117
79	بجلی ایک مگر پہلو دو	119
80	حق و باطل کے لیے بارش کی مثال	120
81	صفاتِ ''اولوا الألباب''	123
82	اطمینانِ قلب	124
83	منع حمل کی پانچ صورتیں حرام ہیں	126
84	اعضاء کی پیوندکاری	127
85	''بدأ'' اور ''نسخ'' میں فرق	127
86	سورۃ ابراھیم	129
87	کافر کے تین اوصاف	130
88	''بغی'' کی دو قسمیں	130
89	''عِوَج'' اور ''عَوَج'' میں فرق	131
90	''ارسال'' اور ''بعث'' میں فرق	131
91	''رسول'' اور ''نبی'' میں فرق	131
92	''انجیٰ'' اور ''نجّیٰ'' میں فرق	132

Scanned by CamScanner

نمبر شمار	عناوین	صفحات
93	منکرین قرآن کی تین خصلتیں	132
94	قرآن عربی زبان میں کیوں اتارا گیا؟	133
95	صابرین کی تین قسمیں	134
96	ایام اللہ میں تین اقوال	135
97	مصیبتوں سے آزمائش کی حکمت	136
98	قتل اور ذبح میں فرق	136
99	"الإتیان" اور "المجی" میں فرق	136
100	ریب اور شک میں فرق	137
101	"وما کان لنا" کی تعبیر کا راز	138
102	شرکِ اعتقادی اور شرکِ عملی	139
103	"سبیل" اور "طریق" کا فرق	139
104	"ریح" اور "ریاح" کا فرق	140
105	شیطان کی تقریر	142
106	جنت کی دو نعمتیں	143
107	مساوات اور مماثلة میں فرق	144
108	"ندّا" اور "مثل" میں فرق	144
109	"مثل" اور "نظیر" میں فرق	144
110	"مثل" اور "شکل" میں فرق	144
111	درخت کے چار اوصاف	145
112	کلمہ طیبہ اور کلمہ خبیثہ	145
113	"لا إله إلا الله" کا مفہوم وشرائط ومعانی	147
114	اہل حق کے نزدیک توحید کی قسمیں	149
115	شریعت میں عقیدے کے تین نام	149
116	دعائے ابراہیمی کی شرح اور اہم نکات	151
117	اسرار دعاء	156

Scanned by CamScanner

صفحات	عناوین	نمبر شمار
161	ظالموں کے تین احوال	118
161	سورة الحجر	119
	پارہ نمبر ۱۴ ربما	
164	چودھواں پارہ	120
164	چار چیزیں بدبختی کی علامت ہیں	121
165	"إنا نحن نزلنا الذكر وإنا له لحفظون" کے اہم نکات	122
166	شیعہ کے دو اعتراض	123
166	قرآن کے علاوہ دیگر کتابیں محفوظ کیوں نہیں؟	124
166	کفار جو انبیاء کا مذاق اڑاتے تھے اس کے چند اسباب	125
168	آبِ رسانی کا عجیب و غریب نظامِ الٰہی	126
169	بادلوں میں تین طرح کی تلقیح ہوتی ہے	127
171	جہنم کے سات دروازے اور اس میں داخل ہونے والے	128
173	جنت کے تین اہم صفات	129
174	اللہ نے صرف محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر کی قسم کھائی ہے دیگر انبیاء کے علاوہ	130
177	انسان کا اللہ سے گہرا ربط	131
178	سورة النحل	132
178	ذات الٰہی کا ثبوت	133
179	قوت عقلیہ و فکریہ	134
181	مشیت اور رضا میں فرق	135
184	قرآن میں امت کے چار معنی ہیں	136
185	تقلید کا رد	137
187	شہد کی تحقیق اور اسکے فوائد	138
194	"ولا تكونوا كالتي نقضت غزلها" میں تین عہدوں کا ذکر ہے	139
195	شیطان کا بس کن پر چلتا ہے اور کن پر نہیں	140
196	ذبیحہ کی تین صورتیں	141

Scanned by CamScanner

نمبر شمار	عناوین	صفحات
142	مخاطب تین طرح کے لوگ ہوتے ہیں	198
	پارہ نمبر ۱۵ سبحٰن الذی	
143	پندرہواں پارہ	202
144	سورۃ الاسراء	202
145	مکہ سے مسجد اقصیٰ کی مسافت	202
146	بیت المقدس پر پہلا اور دوسرا حملہ	202
147	مسجد حرام کے ساتھ مسجد اقصیٰ کا ذکر کیوں؟	204
148	مشرکین مکہ کا سفر معراج پر شک وشبہ	204
149	بنی اسرائیل کے فسادات اور ان کا ذکر	205
150	"عبادا لنا" کی حکمت	206
151	براق کا ذکر اور معراج کا تحفہ	206
152	"وکان الانسان عجولا" سے انسان کی ایک فطری کمزوری کا بیان	207
153	بستی کی تباہی کے اسباب	209
154	اہل عمل کی تین قسمیں اور قبولیت اعمال کی شرطیں	210
155	اسراف تین چیزوں کا نام ہے	212
156	اسراف وتبذیر میں فرق	212
157	"من املاق" اور "خشیۃ املاق" میں فرق	213
158	زنا کی قباحتیں	213
159	ناپ تول میں کمی	214
160	فقہ اور فہم میں فرق	215
161	خواب کی حقیقت اور تعبیر رؤیا	216
162	امام کے معنی	218
163	اوقاتِ نماز کا ذکر	219
164	تہجد کا ذکر مع نماز تراویح	219
165	"مدخل صدق" اور "مخرج صدق" کے معانی	221

Scanned by CamScanner

نمبر شمار	عناوین	صفحات
166	"قل کل یعمل علی شاکلته" کی تفسیر	222
167	روح کی حقیقت	224
168	خلق اور امر	225
169	نفس اور روح میں فرق	225
170	"البکاء" و "والبکی" و "التباکی" کے درمیان فرق	225
171	نکاتِ سورۂ اسراء	227
172	سورۃ الکھف	229
173	دین کا فتنہ اور اس سے نجات کا ذریعہ	229
174	مال کا فتنہ اور اس سے نجات کا طریقہ	229
175	علم کا فتنہ اور اس سے نجات کا طریقہ	230
176	حکومت کا فتنہ اور اس سے نجات کا طریقہ	230
177	اصحاب کہف کی صفات	231
178	اصحاب کہف کی تعداد	233
179	قبر پرستوں کا رد	234
180	دنیوی زندگی کی مثال۔۔۔	235
181	دنیا کو پانی سے تشبیہ دینے کی دس وجہیں	235
182	عالم آخرت سے غافل کرنے والی دو چیزیں	236
183	معلم کی سب سے عظیم صفت	239
184	"إمرا" اور "نکرا" میں فرق	241
185	موسیٰ علیہ السلام اور خضر کا واقعہ	241
186	خضر، فرشتہ، ولی یا نبی تھے؟	242
	پارہ نمبر/ ١٦ قال ألم	
187	سولہواں پارہ	246
188	مسکین کون ہے؟	247
189	واقعات میں حکمتیں۔	248

Scanned by CamScanner

صفحات	عناوین	نمبرشمار
249	واقعہ خضر وموسی علیہ السلام میں اسکول انتظامیہ کے لیے اصول	190
250	سورج کرۂ زمین سے بدرجہا بڑا ہے پھر وہ سمندر میں کیسے ڈوب گیا؟	191
250	اصحاب کہف کے واقعہ میں دروس	192
251	ذوالقرنین کے واقعے میں چند خاص باتیں۔	193
252	ذوالقرنین کون ہے؟	194
252	ذوالقرنین کی تین مہم	195
254	نکات سورۂ کہف	196
254	عبدہ کی تفسیر	197
255	کسی چیز کو جاننے کے دوطریقے	198
258	اللہ کی گرفت کی دوشکلیں	199
259	یاجوج ماجوج کی صفات	200
261	سورۃ مریم	201
265	عیسیٰ علیہ السلام کی آٹھ صفتیں	202
265	تین بڑے نازک اوقات	203
270	اللہ کے لئے اولاد ماننا دووجہتوں سے ہوسکتا ہے	204
270	گناہ کا کفارہ	205
271	سورۃ طٰہٰ	206
273	"جان"، "ثعبان" اور "حیۃ" میں فرق	207
274	مناظرہ کا طریقہ	208
278	بخشش کے لیے چار شرطیں	209
279	ہارون علیہ السلام نے اپنی قوم کو عجیب نصیحت فرمائی	210
280	الجزاء من جنس العمل کے دونمونے	211
280	اللہ کی ربوبیت اور غیراللہ کی معبودیت میں فرق	212
282	شفاعت اور اس کی قسمیں	213

پارہ نمبر ۱۷ اقترب للناس

Scanned by CamScanner

نمبر شمار	عناوین	صفحات
214	سترہواں پارہ	290
215	حساب سے تین چیزیں مراد ہیں۔	290
216	مشرکین کے تین شبہات اور انکے جوابات	291
217	دشمن کی گواہی	292
218	شفاعت کے لئے شرائط	296
219	"رَشد" اور "رُشد" میں فرق	299
220	توریہ اور تقیہ میں فرق	300
221	سلیمان علیہ السلام اور داؤد علیہ السلام کا تذکرہ	301
222	صبر کا پھل	304
223	قبولیت دعا کا راز	305
224	دعا کے دو جز ہیں	305
225	دعاء یونس علیہ السلام کا مخصوص انداز	306
226	عظمت اور کبریائی میں فرق	307
227	دعاوں کی قبولت کا راز	308
228	سورۃ الحج	311
229	سورہ حج کو قیامت کے ذکر سے کیوں شروع کیا؟	311
230	انسان کی تخلیق کا ذکر اور اس کے مراحل	313
231	قولِ طیب سے کیا مراد ہے؟	317
232	صنم اور وثن میں فرق	320
233	جہاد کے چار مراحل	321
234	اسلامی اقتدار کی علامت	322
235	جہاد کے دو مقاصد	322
236	اسلامی حکومت کے بنیادی اہداف	322
237	عبادت کے دو پہلو	324
238	جہاد کی تین قسمیں ہیں	326

Scanned by CamScanner

نمبر شمار	عناوین	صفحات
	پارہ نمبر/۱۸ قد أفلح	
239	اٹھارہواں پارہ	330
240	سورة المؤمنون	330
241	فلاح کا مطلب	330
242	مومن کی نمایاں دو صفتیں	332
243	انسانی تخلیق کے سات ادوار	334
244	رسولوں پر ایمان نہ لانے کے دو بنیادی اسباب	336
245	ایک اہم معاشی مسئلہ کے تین اصول	339
246	قرآن میں برزخ دو معنوں میں آیا ہے	342
247	سورۃ النور	344
248	اسلام نے زنا کے اسباب ودواعی کے سدِ باب کے لیے تین تدبیریں	345
249	انسان کی تین حالتیں	345
250	زنا کی سزا	345
251	لعان کے احکام	347
252	عفو درگزر	349
253	عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت	351
254	عورت کی تین حالتیں	353
255	نور کی دو قسمیں	356
256	آیت نور کی تفسیر	356
257	نکات سورۂ نور (الف)	368
258	قذف میں تین باتیں	368
259	شاہد اور قاذف میں فرق	370
260	رأفة اور رحمة میں فرق	371
261	قوم لوط کی بعض بری صفات	372
262	''عفو'' اور ''صفح'' میں فرق	373

Scanned by CamScanner

صفحات	عناوین	نمبر شمار
379	مسئلہ تجارت اور ذکر میں لوگوں کی تین قسمیں	263
383	"مبیّن" اور "بیّن" میں فرق	264
384	جو اللہ اور اس کے رسول کے فرمان کو رد کر دیتے ہیں ان کی تین حالتیں	265
385	پانچ چیزیں نصرت الٰہی کے اسباب میں سے	266
386	کیا عورت مرد کو دیکھ سکتی ہے؟	267
387	زنا اور شرک میں مماثلت	268
387	نکات سورۂ نور (ب)	269
389	مذنب اور مسرف کا فرق	270
393	بغی، فحشاء، منکر میں فرق	271
393	پردہ کے تین اوقات	272
397	سورة الفرقان	273
	پارہ نمبر/۱۹ وقال اللذین	
402	انیسواں پارہ	274
405	نزول قرآن میں تدریج کی حکمت	275
405	قرآن کی دو اہم خوبیاں	276
406	دعوت کا مقابلہ کرنے کے دو طریقے	277
409	جہاد بالقرآن	278
412	زُور کی تفسیر	279
414	نکاتِ سورۂ فرقان	280
414	عبودیت کی قسمیں	281
414	مشرکین کا چھ چیزوں پر اعتراض	282
418	سورة الشعراء	283
420	دل کو تین جگہوں پر تلاش کرو	284
422	نبیوں کے سات قصے	285
428	سورة النمل	286

Scanned by CamScanner

نمبر شمار	عناوین	صفحات
287	بلاغت کا اسلوب	430
288	ہدہد کے قول سے علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کا استدلال	431
289	قرآن کے تین جانور اور دعاۃ کے لیے پیغام	431
290	خطوط میں بسم اللہ لکھنا سنت انبیاء۔	432
291	جنگ میں دو چیزیں ضروری ہیں	433
292	سلیمان علیہ السلام نے سفیرِ بلقیس کے ساتھ سختی کیوں کی؟	434
293	تخت کی ہیئت بدلنا ایک قسم کا تفنن	435
	پارہ نمبر ۲۰ أمن خلق	
294	بیسواں پارہ	438
295	"أمن يجيب المضطر...." کی تفسیر	439
296	"ويجعلكم خلفاء الأرض..." کی تفسیر	439
297	"أمن يهديكم فى ظلمات البر والبحر" کی تفسیر	439
298	"أمن يبدأ الخلق" کی تفسیر	440
299	پانچ سوالات اور ان کے جوابات	440
300	علامات قیامت کا ذکر	442
301	"ويوم ينفخ فى الصور ففزع من فى السموات" کی تفسیر	444
302	نکاتِ سورۂ نمل	446
303	آخرت میں لوگوں کی تین قسمیں ہونگی۔	446
304	انسان کی تین قسمیں	446
305	فسق کی دو قسمیں ہیں	447
306	نعمت کی دو قسمیں ہیں	447
307	عمل صالح ہونے کے لیے دو بنیادی شرطیں	448
308	ذلت اور صغار میں فرق	448
309	صفات الٰہیہ تین قسم کی ہیں	449
310	معاملہ تین طرح کا ہوتا ہے	451

Scanned by CamScanner

نمبر شمار	عناوین	صفحات
311	مسلمان آج تین قسم کے ہیں	452
312	مستسلم اور منافق کے درمیان فرق	452
313	نفخہ کی قسمیں	453
314	تلاوت کی دو قسمیں	454
315	سورۃ القصص	455
316	اُحسن القصص اور قصص میں ایک خوبصورت مناسبت	455
317	فیملی پلاننگ کا موجد	456
318	کوئی ملازمت یا عہدہ سپرد کرنے کی دو شرطیں	461
319	عورت کی عظمت	461
320	ملازم کی دو صفات	462
321	نصیحت کو بار بار دہرانے میں حکمت	464
322	صابرین کے صفات	465
323	قارون کو پانچ چیزوں کا مشورہ دیا گیا	469
324	سورۃ العنکبوت	472
325	آزمائش اور امتحان تین طریقے سے ہوگا	472
326	بزرگوں کی غلط منطق	473
327	قوم لوط کا حال	476
328	غیر اللہ کے پرستاروں کی مثال	478

Scanned by CamScanner

پارہ نمبر

۱۱

سورة التوبة

(آیت: ۹۴)

تا

سورة هود

(آیت: ۵)

مجمع بلقيس للبحوث الإسلامية
حيدرآباد الهند

Scanned by CamScanner

گیارھواں پارہ

يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ؕ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا
اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ؕ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ
وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٩٤﴾ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ
اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ اِنَّهُمْ رِجْسٌ ؗ وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ
جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٩٥﴾ يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ
فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٩٦﴾

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کے پاس واپس جاؤ گے تو آپ سے عذر کریں گے آپ کہہ دیں کہ عذر مت کرو ہم ہر گز تمہاری بات نہیں مانیں گے اللہ نے ہمیں تمہارے سب حالات بتا دیئے ہیں اور ابھی اللہ اور اُس کا رسول تمہارے عملوں کو دیکھیں گے پھر تم غائب و حاضر کے جاننے والے (اللہ وحدہٗ لاشریک) کی طرف لوٹائے جاؤ گے پس جو کچھ تم عمل کرتے رہے ہو وہ سب تمہیں بتائے گا۔ (۹۴) جب آپ اُن کے پاس لوٹ کر جاؤ گے تو تمہارے رُوبرو اللہ کی قسمیں کھائیں گے تا کہ آپ اُن سے درگزر کر دیں۔ سو اُن کی طرف التفات نہ کرنا، یہ ناپاک ہیں اور جو کام یہ کرتے رہے ہیں اُن کے بدلے اُن کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ (۹۵) یہ آپ کے آگے قسمیں کھائیں گے تا کہ آپ ان سے خوش ہو جائیں لیکن اگر آپ اُن سے خوش ہو جاؤ گے تو اللہ نافرمان لوگوں سے خوش نہیں ہوتا۔ (۹۶)

﴿يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ﴾ ان تین آیات میں ان ۸۰ منافقین کا ذکر ہے جو غزوۂ تبوک میں مسلمانوں کے ساتھ نہیں گئے تھے، مسلمانوں کی بخیریت واپسی پر اپنے عذر پیش کر کے ان کی نگاہوں میں وفادار بننا چاہتے تھے، ان کے علاوہ کچھ اور

منافقین تھے جو بادیہ نشین تھے، بالمقابل شہریوں کے حق سے انکار کی کیفیت ان میں زیادہ پائی جاتی تھی اس کی وجہ بھی بتادی گئی کہ چونکہ وہ شہر سے دور رہتے ہیں، انہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی باتیں سننے کا اتفاق نہیں ہوتا ہے، یہ زکوٰۃ کو تاوان و جرمانہ سمجھتے ہیں، دیتے بھی ہیں تو رضائے الٰہی کی خاطر نہیں دیتے اور منتظر رہتے ہیں کہ کب مسلمانوں پر بلائے ناگہانی اترتی ہے اور وہ اس کے چنگل میں پھنس کر مغلوب ہوتے ہیں یا کب یہ پیغمبر مرتا ہے اور مشرکین کو تم پر غلبہ ہوتا ہے۔

﴿لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ﴾ فسق کے معنی ہیں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے باہر نکلنا۔

"فسقتِ الرُّطبۃُ" اس وقت کہا جاتا ہے جب کھجور اپنے خوشوں سے باہر آجائے۔

﴿لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ﴾ منافقین کی ایک خاص شناخت یہ ہے کہ وہ اللہ کے بجائے بندوں کو خوش کرنے میں لگے رہتے ہیں۔

جو شخص اپنے آپ کو روپیہ کا مالک کو سمجھے گا اس کا خرچ کرنا یقیناً اس پر گراں ہوگا اور جو کوئی اللہ کو اس کا مالک سمجھے گا اسے خرچ کرنا غنیمت معلوم ہوگا۔

وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ۭ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۹۸﴾

اور بعض دیہاتی ایسے ہیں کہ جو کچھ خرچ کرتے ہیں اُسے تاوان سمجھتے ہیں اور تمہارے حق میں مصیبتوں کے منتظر ہیں اُنہی پر بُری مصیبت (واقع) ہو اور اللہ سننے والا (اور) جاننے والا ہے۔ (۹۸)

﴿يَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ۭ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ﴾ معلوم ہوا کہ حاسد اور بدبین لوگ خود گرفتار بلا ہوجاتے ہیں۔ دوائر، دائرہ کی جمع ہے، وہ مصیبت جس سے نجات نہ ہوسکے جو دائرہ کی طرح انسان کو گھیر لے۔

وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ۭ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ۭ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۹﴾

اور بعض دیہاتی ایسے ہیں کہ اللہ پر اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اُس کو اللہ کی قربت اور پیغمبر کی دعاؤں کا ذریعہ سمجھتے ہیں، دیکھو بلاشبہ وہ اُن کے لیے (موجبِ) قربت ہے اللہ اُن کو عنقریب اپنی رحمت میں داخل کرے گا بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (۹۹)

﴿وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ﴾ میں ذکر کیا گیا جیسے ذوالبجادین رضی اللہ عنہ اور ان کی قوم۔

اعراب (دیہاتی) کی دوسری قسم جن کو اللہ نے شہر سے دور رہنے کے باوجود ایمان کی توفیق دی اور ایمان کی بدولت ان کی

Scanned by CamScanner

جہالت دور فرمادی، یہ اللہ کے راستے میں خرچ کردہ مال کو اللہ کے قرب کا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں لینے کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔

شہر کا ماحول علمی ہوتا ہے اور دیہات کے لوگوں کے رہن سہن کے طریقے اور معاشی ذرائع محدود اور معمولی ہوتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دیہات کے لوگوں کے اندر گہرا شعور نہیں ہوتا، ان کی طبیعت میں سختی اور سوچنے کے انداز میں سطحیت پائی جاتی ہے، ان کے لیے مشکل ہوتا ہے کہ وہ دین کی نزاکتوں کو سمجھیں اور اس کو اندر اتاریں۔

کافر دیہاتی: ﴿اَلۡاَعۡرَابُ اَشَدُّ كُفۡرًا﴾

مومن دیہاتی: ﴿وَمِنَ الۡاَعۡرَابِ مَنۡ يُّؤۡمِنُ بِاللّٰهِ﴾

مدینہ کے اردگرد کے منافقین: ﴿وَمِمَّنۡ حَوۡلَـكُمۡ مِّنَ الۡاَعۡرَابِ مُنٰفِقُوۡنَ﴾

خود شہر مدینہ کے منافقین: ﴿وَمِنۡ اَهۡلِ الۡمَدِيۡنَةِ ۛ مَرَدُوۡا عَلَى النِّفَاقِ﴾

وَالسّٰبِقُوۡنَ الۡاَوَّلُوۡنَ مِنَ الۡمُهٰجِرِيۡنَ وَالۡاَنۡصَارِ وَالَّذِيۡنَ اتَّبَعُوۡهُمۡ بِاِحۡسَانٍ ۙ رَّضِىَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡهُ وَاَعَدَّ لَهُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ تَحۡتَهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَاۤ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ ﴿۱۰۰﴾

جن لوگوں نے سبقت کی (یعنی سب سے) پہلے (ایمان لائے) مہاجرین میں سے بھی اور انصار میں سے بھی اور جنہوں نے نیکوکاری کیساتھ اُن کی پیروی کی اللہ اُن سے خوش ہے اور وہ اللہ سے خوش ہیں اور اُس نے ان کیلئے باغات تیار کئے ہیں جن کے نیچے سے نہریں بہہ رہی ہیں (اور) وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے یہ بڑی کامیابی ہے۔ (۱۰۰)

﴿وَالسّٰبِقُوۡنَ الۡاَوَّلُوۡنَ﴾ اس میں تین گروہوں کا ذکر ہے:

(۱) مہاجرین کا (۲) انصار کا (۳) ان دونوں گروہوں کے السابقون الاولون (پہلے پہل ایمان لانے والوں) کا۔

مہاجر: جن کے یہاں دعوت کا ماحول سازگار نہ ہو۔

انصار: جن کے یہاں دعوت کا ماحول سازگار ہوتا ہے۔

راجح قول کے مطابق جنگ بدر تک ایمان لانے والے لوگ سابقون اولون ہیں، جنہوں نے اسلام کی دعوت پر پہلے لبیک کہا، دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم جو اگرچہ اولیت کا درجہ تو حاصل نہ کر سکے تاہم انہوں نے پورے اخلاص کے ساتھ سابقین اولین کے نقش قدم کی پیروی کی ایک مرتبہ آگے بڑھ کر انہوں نے پیچھے مڑنے کا نام نہ لیا، احسان کی قید سے معلوم ہوا کہ کچھ لوگ اور بھی تھے جو اخلاص کے ساتھ نہیں بلکہ نفاق کی بیماری لے کر اسلام میں داخل ہوئے تھے، اللہ نے احسان کی قید لگا کر ان کو خارج کر دیا اور اپنے رضوان (خوشنودی) کا پروانہ دو گروہوں کو سنا دیا۔

Scanned by CamScanner

﴿اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ﴾ میں ﴿بِاِحْسَانٍ﴾ کی قید قابل غور ہے، صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین معصوم نہ تھے، عصمت خاصۂ نبوت ہے اس لیے ان کی اتباع کا حکم مطلق نہیں بلکہ یہ قید لگی ہوئی ہے کہ ان افعال میں ان کی اتباع کی جائے جو سنت سے ثابت ہیں۔

﴿بِاِحْسَانٍ﴾ ''ای ما یتبعون فیہ من افعالھم واقوالھم لا فیما صَدَرَ عنھم من الھفوات والزّلّات اذ لم یکونوا معصومین'' (قرطبی)

یعنی جو صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے طریقے پر چلے گا وہ جنت کا مستحق ہے۔

رائج یہ ہے کہ سابقین اولین میں وہ تمام مہاجرین ہیں، جنہوں نے ہجرت میں پہل کر کے نبی ﷺ کا دل مضبوط کیا اور دوسروں کے لیے نمونہ بنے اور وہ انصار جنہوں نے ہجرت سے پہلے اسلام قبول کر لیا اور جب آپ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو آپ کا ساتھ دیا۔ سب سے افضل خلفائے اربعہ، پھر بدری، پھر احد میں شریک ہونے والے، پھر حدیبیہ میں رسول ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرنے والے جسے بیعت رضوان کہا جاتا ہے اور جو لوگ ان کے بعد آئے۔ اس سے تمام متاخرین صحابہ اور تابعین اور وہ تمام لوگ مراد ہیں جو قیامت تک، اقوال و افعال میں ان سابقین اولین کے نقش قدم پر چلتے رہیں گے۔

سابقین اولین (افضلیت)

(۱) خلفائے اربعہ

(۲) بدری

(۳) اُحدی

(۴) حدیبیہ میں بیعت رضوان میں حصہ لینے والے۔

﴿وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ﴾

(۵) متاخرین صحابہ جو بعد میں ایمان لائے۔

(۶) تابعین

(۷) وہ تمام لوگ جو قیامت تک ان کے نقش قدم پر چلنے والے ہوں گے۔

﴿رَّضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾

''کل من سلک سبیلھم فھو من التابعین باحسان وھو ممن رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ''

(بدائع التفسیر لابن قیم)

لیکن یہ تبعیت احسان کے ساتھ مقید ہے، تبعیت مطلق نہیں ہے، باحسان میں ''باء'' مصاحبت کے لئے ہے، ایک چیز میں تو اتباع ہو اور دوسری میں نہ ہو یہ تبعیت احسان کے ساتھ ہو گویا احسان اور متابعت شرط ہیں حصول رضائے الٰہی میں۔

﴿وَرَضُوْا عَنْهُ﴾ یہ نہ کہا جاتا تو ان کے ایمان و اخلاص کا اصلی مقام نمایاں نہ ہوتا کیونکہ انہیں اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی محبت ہوگئی تھی کہ دین کی راہ کی مصیبتوں میں لذت پاتے تھے۔قربانیوں کی ایک طویل مدت میں کہیں یہ بات نہیں دکھائی دیتی کہ مصیبتوں پر ان کے چہروں پر کڑواہٹ آئی ہو،یعنی اللہ کی راہ میں جو کچھ پیش آیا اسے انہوں نے جھیلا ہی نہیں بلکہ کمال محبت ایمانی کی وجہ سے اس میں راضی بھی رہے یہی وہ مقام ہے جو ان کے درجے کو تمام مدارج ایمان و عقل سے ممتاز کر دیتا ہے،کوئی پریشانی آئی تو اپنی خامی کا علاج سمجھا۔کوئی مشکل پیش آئی تو اپنے صبر کا امتحان جانا،دکھ ملا تو صبر،سکھ ملا تو شکر،کبھی بھی کوئی چیز ان کے ایمان کو متزلزل نہ کر سکی۔

اگر صرف ﴿رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ﴾ پر اکتفا کیا جاتا تو یہ اشتباہ رہ جاتا کہ یہ رضا موقوف ہے یا دائمی ہے لہٰذا آگے ﴿خٰلِدِیْنَ فِیْهَا اَبَدًا﴾ بیان کر کے یہ واضح کر دیا گیا کہ ان کو رضائے الٰہی دائمی طور پر حاصل ہے،میرا خیال یہ ہے کہ روافض کے رد کے لیے یہ آیت ہی کافی ہے۔

جنت کی بشارت سے پہلے یہ کہنا کہ میں ان سے راضی ہوگیا،یہ اس بات کا اعلان ہے جو صحابہ سے بغض و کینہ رکھے وہ درحقیقت اللہ کی ناراضگی کو دعوت دے رہا ہے کہ جس سے اللہ راضی ہوگیا اس سے تم راضی نہیں ہو۔

﴿مِنْ تَحْتِهَا﴾ اور ﴿تَحْتَهَا﴾ میں فرق:

پورے قرآن میں ﴿تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ﴾ صرف صحابہ کے لیے آیا ہے ﴿رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ﴾

"تحت" میں وہ چیز مَس (Touch) نہیں ہوتی جیسے ﴿وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا﴾ ظاہر ہے کہ خزانہ دیوار کے نیچے اس سے بالکل متصل نہیں تھا کچھ نیچے تھا اور "مِن تحتِ" کا مطلب مَس (Touch) ہے یعنی عام جنتیوں کو جو باغات ملیں گے وہ ایسے ہوں گے کہ نہریں ان کے نیچے سے شروع ہوں گی۔

"تحتیت" میں اتصال:

"من تحت" باغ کے اندر نہریں۔نہر الگ،باغات الگ۔باغ اونچائی پر اور نہریں الگ۔

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ؕ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِیْنَةِ ؔ مَرَدُوْا عَلَی النِّفَاقِ ۫ لَا تَعْلَمُهُمْ ؕ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ؕ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَیْنِ ثُمَّ یُرَدُّوْنَ اِلٰی عَذَابٍ عَظِیْمٍ ۚ﴿۱۰۱﴾

اور تمہارے گردونواح کے بعض دیہاتی منافق ہیں اور بعض مدینے والے بھی نفاق پر اڑے ہوئے ہیں تم انہیں نہیں جانتے،ہم انہیں جانتے ہیں،ہم انہیں دہرا عذاب دیں گے پھر وہ بڑے عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے۔(۱۰۱)

Scanned by CamScanner

منافقین کی قسمیں:

(۱) شہری منافقین

(۲) بادیہ نشین (دیہی منافقین)

(۳) مدینہ کے ارد گرد بادیہ نشین ان میں اور اہل مدینہ میں کچھ منافقین ایسے ہیں کہ وہ اپنے نفاق پر پردہ ڈالنے میں ایسے طاق ہیں کہ آپ ہزار دانائی کے بعد بھی انہیں نہیں جان سکتے۔ (حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ چودہ پندرہ منافقین کو جانتے تھے۔ تمام منافقین کو نہ جانتے تھے۔)

بدویوں کی دو قسمیں:

(۱) شوکت اسلام سے دب کر اسلام ظاہر کرتے تھے مگر صدقہ وزکوۃ کو تاوان خیال کرتے تھے۔ مسلمانوں کے لیے برے دن کا انتظار کرتے تھے کہ ان پر کوئی حادثہ آ جائے ان کے جواب میں بطور بددعا فرمایا گیا کہ "انہیں پر گردش آئے" خبر دیتا ہے اور اس کا ظہور بھی ہوا ان کے بارے میں ﴿اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ (سورۂ توبہ:۹۷) کہا گیا۔

(۲) دیہی مخلص مسلمان: یہ صدقہ وخیرات کو باعث ثواب سمجھتے تھے اور صدقہ کو رسول کی دعا کا وسیلہ جانتے تھے۔

اسی طرح مدینہ کے ارد گرد رہنے والے بدو منافقین، انہیں ﴿وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ﴾ سے ظاہر کیا اور خود مدینہ کے منافقین، یہ نفاق پر اڑے ہوئے ہیں اور اس فن نفاق میں اتنے چالاک ہیں کہ اے نبی ﷺ باوجود فراست تامہ کے آپ بھی ان سے واقف نہیں، ہاں ہم ہی ان کو جانتے ہیں۔ ﴿لَا تَعْلَمُهُمْ ۭ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ﴾ اس میں رسول کے علم غیب کلی کی صریح نفی موجود ہے یعنی ان منافقین کو ہم ہی جانتے ہیں آپ نہیں جانتے۔

﴿سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ﴾

﴿سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ﴾ "ای عذاب الدنیا و عذاب القبرِ" (یعنی دنیا کا عذاب اور قبر کا عذاب) (قرطبی)

﴿ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ﴾ اس سے آخرت کا عذاب مراد ہے۔ کیونکہ ثُمَّ تراخی کے لیے آتا ہے تو ایک عذاب دنیا کا، ایک برزخ کا اور ایک آخرت کا۔ ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ﴿سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ﴾ (دوگنا عذاب) سے مراد (۱) قتل (۲) قید ہے (۳) اور ﴿ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ﴾ سے مراد عذاب قبر ہے۔

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ۭ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۰۲﴾

اور کچھ اور لوگ ہیں کہ اپنے گناہوں کا (صاف) اقرار کرتے ہیں انہوں نے اچھے اور برے عملوں کو ملا جلا

Scanned by CamScanner

دیا تھا قریب ہے کہ اللہ اُن پر مہربانی سے توجہ فرمائے بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔(۱۰۲)

﴿عَسَى﴾ کا نکتہ: عَسَى کلام الٰہی میں تحقیق کے لیے ہے اس میں رمز یہ ہے کہ بندے کو اپنی توبہ اور ندامت پر ناز نہیں کرنا چاہیے بلکہ اس کی قبولیت کی امید رکھے، ایسے لوگوں کے لیے تین باتیں کہی گئیں:

(۱) توبہ قبول کرے گا۔

(۲) گناہوں کا کفارہ ہوگا۔

(۳) ان کے صدقات قبول کرنے کا وعدہ۔

جنگ تبوک سے پیچھے رہنے والوں کی تین قسمیں ہیں:

(۱) وہ منافق ﴿مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ﴾

(۲) توبہ کرنے والے ﴿وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ۭعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾

(۳) حالت توقف میں تھے ان کو حکم الٰہی کے انتظار میں رکھا گیا۔

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۳﴾

اُن کے مال میں سے زکوٰۃ قبول کرلو کہ اس سے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اُن کو (ظاہر میں بھی) پاک اور (باطن میں بھی) پاکیزہ کرتے ہو اور اُن کے حق میں دعائے خیر کرو کہ آپ کی دعا اُن کے لیے موجبِ تسکین ہے اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔(۱۰۳)

نکتہ عجیبہ: ﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً﴾ نفاق کی بیماری اصلاً حُبّ مال سے پیدا ہوتی ہے، انفاق سے اس بیماری کی جڑ کٹتی ہے جس سے رذائل کٹتے اور فضائل پروان چڑھتے ہیں، انفاق سے اپنا فائدہ ہوتا ہے کسی پر احسان نہیں۔

تطہیر اور تزکیہ میں فرق:

تطہیر میں غالب پہلو، ظاہری و باطنی رذائل سے پاک کرنے کا ہے اور تزکیہ میں رذائل سے پاک کرنے کے ساتھ ساتھ صلاحیتوں اور خوبیوں کو نشوونما دینے کا ہے۔

تزکیہ: کسی شئی کی ایسی صفائی جو اس شئی کی بقا اور ترقی کی ضامن ہو جیسے آم کے بور پر جراثیم کش دوا چھڑکنا عمل تزکیہ ہے، دوا کا یہ چھڑکاؤ باکورۃ کی بقا اور ترقی کا ضامن ہے۔

﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ﴾ جو صفائی بقا و ترقی کا سبب ہو۔

تزکیہ: اسی سے زکوٰۃ بھی ہے، ہر صفائی کو تزکیہ نہیں کہتے ہیں، مثلاً آم کے بور پر دوا چھڑکنا تا کہ کیڑے مر جائیں ورنہ وہ ٹکورا بھی نہیں رہے گا دوسرے اس کی ترقی رک جائے گی۔(۱) جذبات کا تزکیہ (۲) عمل کا تزکیہ (۳) فکر کا تزکیہ

اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَيَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۴﴾

کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ اللہ ہی اپنے بندوں سے توبہ قبول فرماتا اور صدقات (وخیرات) لیتا ہے اور بیشک اللہ ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔(۱۰۴)

﴿اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَيَقْبَلُ التَّوْبَةَ﴾ جب انسان توبہ کرتا ہے اور اللہ کے راستے میں خرچ بھی کرتا ہے تو توبہ کی قبولیت کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔توبہ کے ساتھ خیرات ایسے ہے جیسے پاسپورٹ کے ساتھ ویزا۔

گناہوں کی تلافی کے لیے زبان وقلب کی توبہ کے ساتھ عملی توبہ بھی ہونی چاہئے عملی توبہ کی ایک شکل یہ ہے کہ آدمی اللہ کی راہ میں خرچ کرے۔گناہ کے بعد اس کا اعتراف کرنا ایسا ہے جیسے ایک آدمی گڈھے میں گر گیا تھا۔

(۱) اپنے گرنے کو خود محسوس کرے۔

(۲) گناہ پر شرمسار ہونا یہ معنی رکھتا ہے کہ وہ اس گڈھے کو بری جگہ سمجھتا ہے پھر خیرات سے اس کی تلافی کرنا گویا گڈھے سے نکلنے کے لیے ہاتھ پاؤں مارنا ہے۔

وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۰۶﴾

اور کچھ اور لوگ ہیں جن کا کام اللہ کے حکم پر موقوف ہے چاہے اُن کو عذاب دے اور چاہے معاف کر دے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔(۱۰۶)

اس آیت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ یہ تین اشخاص تھے: کعب بن مالک، ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع رضی اللہ عنہم۔

﴿خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا﴾ عَنِ الْحَجَّاجِ بْنِ أَبِي زَيْنَبَ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا عُثْمَانَ النَّهْدِيَّ يَقُولُ: ”مَا فِي الْقُرْآنِ آيَةٌ أَرْجَى عِنْدِي لِهَذِهِ الأُمَّةِ مِنْ قَوْلِهِ: ﴿وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا﴾“ (مصنف ابن أبي شيبہ: کتاب الزہد:۳۶۳۸۹)

ابو عثمان نہدی کہتے ہیں کہ میرے نزدیک اس آیت ﴿وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا﴾ (سورۂ توبہ:۱۰۲) سے زیادہ اُمید دلانے والی آیت قرآن میں نہیں ہے۔

منافقین جنگ تبوک میں نہیں گئے، ہاں کچھ صحابہ سستی کی وجہ سے نہ جا سکے، وہ نادم ہوئے آخرش اللہ نے ان کی توبہ قبول کی۔

Scanned by CamScanner

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًۢا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۷﴾

اور (ان میں ایسے بھی ہیں) جنہوں نے اس غرض سے مسجد بنائی ہے کہ ضرر پہنچائیں اور کفر کریں اور مومنوں میں تفرقہ ڈالیں اور جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول سے پہلے جنگ کر چکے ہیں اُن کے لیے گھات کی جگہ بنائیں اور قسمیں کھائیں گے کہ ہمارا مقصود تو صرف بھلائی تھی مگر اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ جھوٹے ہیں۔ (۱۰۷)

﴿وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا﴾

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ تشریف لانے سے پہلے قبیلۂ خزرج میں ایک شخص ابو عامر نامی تھا۔ یہ حنظلہ رضی اللہ عنہ (غسیل الملائکہ) کا باپ تھا، جاہلیت میں عیسائی بن کر راہبانہ زندگی اختیار کر لی تھی، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ پہنچے تو اس نے روحانیت کے میدان میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا حریف سمجھا، بدر میں مسلمانوں کی فتح سے یہ چراغ پا ہو گیا اور اسلام دشمنی پر کمر باندھ لی، مکہ پہنچ کر اس نے قریش کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف جنگ پر ابھارا حتیٰ کہ معرکۂ اُحد پیش آیا، اسی بدبخت نے میدان احد میں دو گڑھے کھدوائے تھے، جس میں گر کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زخمی ہوئے، اسلام کی جڑیں مضبوط ہوتے ہی وہ بھاگ کر ہرقل کے پاس روم پہنچ گیا مدینہ کے منافقین کا ایک گروہ اس کا ہمنوا تھا، اس نے مدینہ کے منافقین کو لکھا کہ میں عنقریب ایک لشکر جرار لے کر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لڑنے آ رہا ہوں تم ایک اڈہ قائم کرو، مدینہ میں اس وقت دو مسجدیں تھیں، مسجد نبوی جو شہر کے اندر تھی، مسجد قبا شہر کے مضافات میں تھی، منافقین نے مسجد قبا کے قریب یہ مسجد ضرار تعمیر کی، جنگ تبوک جانے سے پہلے منافقین نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی تھی کہ آپ مسجد کا افتتاح کر دیں آپ نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ ابھی جنگ کی تیاری میں مشغول ہوں واپس آ کر دیکھوں گا، تبوک کے لیے تیس ہزار کی جمعیت روانہ ہوئی، واپسی پر مدینہ کے قریب مقام ذی اوان پر یہ آیات نازل ہوئیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مالک بن دخشم اور معن بن عدی رضی اللہ عنہما کو بھیجا کہ اس کو پیوند خاک کر دیں، انہوں نے حکم کی تعمیل میں اسے جلا دیا۔

مسجد مذکور (ضرار) کے بنانے میں تین غرضیں ذکر کی گئیں ہیں:

(۱) ﴿ضِرَارًا﴾ ضرر اور ضرار میں فرق ہے۔ ضرر اس نقصان کو کہتے ہیں جس میں کرنے والے کا فائدہ اور دوسروں کا نقصان ہو۔ ضرار دوسروں کو وہ نقصان پہونچانا ہے جس میں پہنچانے والے کا اپنا فائدہ نہ ہو۔

﴿كُفْرًا﴾ قرآن وحدیث سے اعراض جو ان کے اندر رچا بسا تھا اس کی پرورش کے لیے پرورش گاہ۔

Scanned by CamScanner

(۲) ﴿تَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ یعنی مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کے ٹکڑے ہو جائیں اور ان کی وحدت پارہ پارہ ہو جائے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جس مسجد کی بنیاد مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کرنا ہو قرآن اس مسجد کو مسجد ماننے کے لیے تیار نہیں۔

(۳) ﴿وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ﴾ اللہ اور رسول کے دشمنوں کی پناہ گاہ ہو جہاں مسلمانوں کے خلاف سازشیں ہوں۔

﴿اِرْصَادًا﴾ مسجد کے نام پر ایک اڈہ بنالیں تاکہ ان کی معاندانہ سرگرمیاں وہاں سے جاری رہیں۔

اس آیت سے علماء نے استدلال کیا ہے جو مسجد، مسلمانوں کے درمیان تفریق پیدا کرنے کی غرض سے بنائی جائے وہ مسجد ضرار ہے، اسے ڈھادیا جائے اور جو مسجد ریا، نمود کے لیے بنائی گئی ہو تو اس میں بھی نماز نہ پڑھنا بہتر ہے۔

ضرار: مسلمانوں کے عقیدہ و عمل کو نقصان پہنچایا جائے، بجائے قرآن وحدیث کے، بزرگوں کے قصے بیان کر کے آہستہ آہستہ قرآن وحدیث سے دور کر دیا جائے۔

قبر پر بنی مسجد گرادی جائے گی اور کوئی شخص مسجد میں دفن کیا جائے تو اس کی لاش وہاں سے نکال کر دوسری جگہ منتقل کر دی جائے گی، اسلام میں مسجد اور قبر دونوں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے، جو چیز پہلے ہوگی اسے باقی رکھا جائے گا جو بعد میں وجود میں آئے، اسے ختم کر دیا جائے، منافقین اعانت اسلام کے بجائے اس کو مٹانے کی کوشش کرتے تھے ان میں سے ایک کوشش مسجد ضرار تھی۔

لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾

آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس (مسجد) میں کبھی (جا کر) کھڑے بھی نہ ہونا البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے اس قابل ہے کہ اُس میں جایا (اور نماز پڑھایا) کرو۔ اُس میں ایسے لوگ ہیں جو پاک رہنے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ پاک رہنے والوں ہی کو پسند کرتا ہے۔ (۱۰۸)

﴿لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى﴾ آیت میں تقویٰ اور رضوان کو پختہ اور ٹھوس زمین اور نفاق کو کراڑے (ندی کا وہ کنارا جسے پانی نے نیچے سے کاٹ دیا ہو اور وہ بے سہارا کھڑا ہوا ہو) سے تشبیہ دی ہے۔

تقویٰ: ایک وسیع المعنی لفظ ہے، اس میں تمام منہیات خصوصاً نفاق سے بچنا ہے۔

مسجد تقویٰ:

مسجد کی بنیاد در اصل زمین پر نہیں بلکہ بانیوں کے دلوں پر قائم ہوتی ہے، تقویٰ کی بنیاد قلب پر رکھیں تو مسجد ہے، شر و فساد کی بنیاد پر رکھی جائے تو مسجد نہیں بت خانہ ہے۔

Scanned by CamScanner

مسجد تقویٰ کی دو طرح مدح کی گئی:

(۱) ﴿لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى﴾ تقویٰ سے بنائی گئی۔

(۲) ﴿يُحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا﴾ وہ عقائد فاسدہ اور اعمال سیئہ سے پاک تھے اور قضاء حاجت میں ڈھیلا کے ساتھ پانی کا استعمال کرتے یعنی طہارت ظاہری و باطنی کے جامع تھے۔

"جُرف" ندی کا کنارہ ہوتا ہے جس کے نیچے کی مٹی کو پانی نے کاٹ کر بہا دیا ہو اور اوپر کا حصہ بے سہارا کھڑا ہو۔ جو لوگ اپنے عمل کی بنیاد تقویٰ اور رضوان الٰہی سے بے نیازی پر رکھتے ہیں اس "جرف" کی مثال ہے جس کے نیچے ٹھوس زمین نہ ہو، جو شخص اس پر مکان بنائے گا وہ خود ہلاک ہوگا اور جو سرمایہ زندگی اس عمارت میں رکھے گا وہ بھی ضائع ہو جائے گا۔

عَنْ عَبْدِ الْحَمِيدِ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو الْأَبْرَدِ، مَوْلَى بَنِي خَطْمَةَ أَنَّهُ سَمِعَ أُسَيْدَ بْنَ ظُهَيْرٍ الْأَنْصَارِيَّ، وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يُحَدِّثُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُ قَالَ: "صَلَاةٌ فِي مَسْجِدِ قُبَاءَ كَعُمْرَةٍ" (ابن ماجہ: کتاب إقامة الصلوٰة والسنة: ۱۴۱۱، صحیح)

مسجد قبا میں نماز پڑھنا ایک عمرے کے برابر ثواب ہے۔

سوال: کیا ایک مسجد میں جماعت ثانیہ ہو سکتی ہے؟

جواب: جماعت ثانیہ کی تین صورتیں ہیں:

(۱) پہلے سے طے کر لیں کہ ہم دوسری جماعت کریں گے یا دوسری جماعت کے لیے باقاعدہ امام متعین ہو اور وقت بھی متعین ہو، دوسری جماعت کی یہ صورت ناجائز ہے، اس پر سب کا اتفاق ہے اس لیے کہ اس میں تفریق بین المسلمین ہے۔

(۲) عارضی طور پر کبھی کسی عذر کی بنا پر جماعت اولیٰ چھوٹ جائے، اب ایسے لوگ جماعت کر سکتے ہیں یا نہیں اس میں اختلاف ہے، راجح مسلک یہ ہے کہ جماعت کر سکتے ہیں۔

اس کی دو دلیلیں دی گئی ہیں:

پہلی دلیل: "وَإِنَّ صَلَاةَ الرَّجُلِ مَعَ الرَّجُلِ أَزْكَى مِنْ صَلَاتِهِ وَحْدَهُ، وَصَلَاتُهُ مَعَ الرَّجُلَيْنِ أَزْكَى مِنْ صَلَاتِهِ مَعَ الرَّجُلِ، وَمَا كَثُرَ فَهُوَ أَحَبُّ إِلَى اللهِ تَعَالَى" (ابوداؤد، کتاب الصلاۃ: ۵۵۴، حسن)

دوسری دلیل: ترمذی کتاب الصلوۃ - عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ وَقَدْ صَلَّى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: "أَيُّكُمْ يَتَّجِرُ عَلَى هَذَا؟" فَقَامَ رَجُلٌ فَصَلَّى مَعَهُ (ترمذی، ابواب الصلاۃ عن رسول اللہ ﷺ: ۲۲۰، صحیح)

(۳) اگر مسجد سوق (مارکیٹ کی مسجد) ہو اور اس میں بار بار لوگ آتے ہوں تو دو تین یا زائد آدمی مل کر جماعت بنا سکتے ہیں اور کوئی اس میں متعین امام نہ ہو تو یہ صورت بھی جائز ہے۔ حنابلہ کا مسلک یہی ہے۔

Scanned by CamScanner

اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْیَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَیْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْیَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ۝۱۰۹

بھلا جس شخص نے اپنی عمارت کی بنیاد اللہ کے خوف اور اُس کی رضامندی پر رکھی وہ اچھا ہے یا وہ جس نے اپنی عمارت کی بنیاد گر جانے والی کھائی کے کنارے پر رکھی کہ وہ اُس کو دوزخ کی آگ میں لے گری۔ اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔(۱۰۹)

﴿اَفَمَنْ اَسَّسَ﴾ علوِ بنیان کے لئے توثیق اساس ضروری ہے، جتنی بنیاد مضبوط ہوگی عمارت اتنی ہی بلند ہوگی، عمارت میں سے کوئی شئی گر جائے تو اسکا تدارک ممکن ہے، مگر بنیادیں گر جائے تو عمارت گر جائے گی، عارف اساس مضبوط کرتا ہے اور جاہل عمارت مضبوط کرتا ہے۔

ایمان اساس ہے اور اعمال عمارت ہیں اور تبییض (کلر کرنا) ارخاءِ ستور (پردہ لٹکانا) وغیرہ احسان ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ ۫ وَعْدًا عَلَیْهِ حَقًّا فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَیْعِكُمُ الَّذِیْ بَایَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ۝۱۱۱

اللہ نے مومنوں سے اُن کی جانیں اور اُن کے مال خرید لیے ہیں (اور اس کے) عوض میں اُن کے لیے جنت (تیار کی) ہے، یہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں تو مارتے بھی ہیں اور مارے بھی جاتے ہیں، یہ تورات اور انجیل اور قرآن میں سچا وعدہ ہے جس کا پورا کرنا اُسے ضرور ہے اور اللہ سے زیادہ وعدہ پورا کرنے والا کون ہے، تو جو سودا تم نے اُس سے کیا ہے اس سے خوش رہو اور یہی بڑی کامیابی ہے۔(۱۱۱)

﴿اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ ہر سودے میں نفع نقصان نہیں ہوتا، سستی چیز لے کر بہت ہی قیمتی چیز جنت دی گئی ہے۔

- مبیع: جنت
- بائع: اللہ
- مشتری: مؤمنین
- ثمن: مؤمنوں کی جان و مال

Scanned by CamScanner

نکتہ یہ ہے کہ اللہ نے جان و مال کو خرید لیا ہے اور بدلے میں جنت دی جب کہ جان و مال سب اسی کی عطا ہے تو بھلا ایسا کون سا خریدار ہے کہ سامان بھی اسی کا اور خریدار بھی وہی ہے اور بدلے میں بہت ہی قیمتی چیز دے رہا ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ یہاں بائع (بیچنے والا) مومن ہے اور مشتری (خریدار) اللہ ہے اور مبیع (بیچی جانے والی چیز) مومن کی جان ہے، ظاہر ہے یہ ایسا سودا ہے جس میں نفع ہی نفع ہے جس میں نقصان کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ الخ﴾

نکتہ: انسان کسی چیز کو دو وجہوں سے بیچتا ہے۔ پیسے کی ضرورت ہو تو وہ چیز بیچ کر پیسہ حاصل کر لیتا ہے یا مال بڑھانے کی تمنا ہوتی ہے۔ اللہ کے لیے یہ دونوں صورتیں ممکن نہیں لہٰذا آیت پر غور کیجئے اللہ نے یہ نہیں کہا کہ میں نے مومنین کی جانوں اور مالوں کے بدلے جنت کو بیچ دیا کیونکہ جنت کو بیچنے میں نہ تو اللہ کو اس کی ضرورت ہے نہ اس کے خزانے میں کوئی اضافہ ہو سکتا ہے۔ لہٰذا انداز یہ اختیار فرمایا کہ میں نے مومنوں کی جانوں اور مالوں کو جنت کے بدلے خرید لیا ہے اور لفظ "انفس" استعمال فرمایا جو جمع قلت ہے جو کسی چیز کی قلت اور بے قیمتی پر دلالت کرتا ہے، تو اگر اس بے قیمت اور ادنیٰ شئی کی قیمت اللہ نے جنت ٹھہرائی تو اگر انسان اپنا قلب سلیم اللہ کے حوالے کردے تو اس کی قیمت تو بہت اونچی لگنی چاہئے۔

اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾

توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، حمد کرنے والے، روزہ رکھنے والے، رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے، نیک کاموں کا حکم کرنے والے اور بُری باتوں سے منع کرنے والے، اللہ کی حدوں کی حفاظت کرنے والے (یہی مومن لوگ ہیں) اور اے پیغمبر مومنوں کو (جنت کی) خوشخبری سنادو۔ (۱۱۲)

اس آیت میں ان کی ۹/ صفتیں بیان کی گئیں جو تنویر روح اور تمدن اور باہمی اصلاح کا عطر ہیں۔

"وٗ" کا نکتہ:

واو ثمانیہ ہے، آٹھویں نمبر پہ ﴿وَالنَّاهُوْنَ﴾ ہے، جنت کے لیے سورۂ زمر میں ﴿وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا﴾ ہے اور جہنم ﴿فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا﴾ جس سے پتہ چلا ہے کہ جہنم کے سات اور جنت کے آٹھ دروازے ہیں۔

﴿السَّآئِحُوْنَ﴾ اور ﴿اَلصَّائِمُوْنَ﴾ کا معنی:

﴿السَّآئِحُوْنَ﴾ سے مراد طلاب علم بھی ہیں اور روزہ دار بھی۔

﴿السَّآئِحُوْنَ﴾ "سیاحۃُ قلوبِ المؤمنینَ فی محبّۃِ اللہ"

Scanned by CamScanner

نکتہ عجیبہ:

توبہ اور عبادت کو قرین بنایا گیا، حمد اور سیاحت ایک ساتھ لایا گیا، حمد بدن کی (زبان کی) عبادت ہے اور سیاحت قلب کی عبادت ہے۔

﴿السَّآئِحُوْنَ﴾ سیاحت اور صوم میں مناسبت یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں سفر کرنے والا جتنی مشقتیں اٹھاتا ہے جو تمام کی تمام صوم میں جمع ہیں، (بھوک پیاس دونوں کی تکلیف برداشت کرتا ہے) سفر میں اہل وعیال سے دور رہتا ہے۔ جیسے حالتِ صوم میں بیوی موجود ہے، مگر اس سے مقاربت نہیں کر سکتا۔ مستند تفسیر ابن کثیر وغیرہ ﴿السَّآئِحُوْنَ﴾ کی ﴿اَلصَّآئِمُوْنَ﴾ ہے۔ کیوں؟

﴿السَّآئِحُوْنَ﴾ کیونکہ ﴿السَّآئِحُوْنَ﴾ (روزہ دار) سے پہلے جتنی صفتیں ہیں سب ﴿سَآئِحُوْنَ﴾ میں آ جاتی ہیں کیونکہ روزہ رکھنے کے بعد توبہ، عبادت، رکوع، سجود سب کرنا ہے۔ نہیں کرے گا تو فاقہ مانا جائے گا۔

تائب کا خون اس کا خون جگر ہوتا ہے اسی وجہ سے مجاہد کے برابر کہا گیا۔

﴿اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ...الخ﴾

مومنوں کی کچھ صفات ذکر کی گئیں۔

آیت میں "سیاحت" سے مراد روزے ہیں، صحیح ترین قول یہی ہے۔ ایک گروہ نے اس سے چالیس دن کے چلّے میں نکلنا مراد لیا ہے۔ جگہ جگہ قرآن میں "ینفقون" کا لفظ ہے جس کا مطلب ہے اللہ کی راہ میں خرچ کرنا، اسی طرح سیاحت سے محض گھومنا پھرنا نہیں بلکہ ایسے کام کے لیے نقل وحرکت کرنا جس میں اللہ کی رضا مطلوب ہو۔

غزوۂ تبوک:

جیش العسرۃ (رجب ۹ ہجری) ایک قافلہ شام سے آیا، اہل قافلہ نے بتایا کہ قیصر کی فوجیں مدینے پر حملہ آور ہونے کے لیے تیار ہیں۔ نبی ﷺ نے خیال فرمایا کہ حملہ آور فوج کی مدافعت عرب کی سرزمین سے باہر مناسب ہے، اس جنگ کی تیاری میں مسلمانوں نے صدقہ وخیرات کرنے میں بھی ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کی کوشش کی۔ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے ملک شام کے لیے ایک قافلہ تیار کیا تھا جس میں پالان اور کجاوے سمیت دوسو اونٹ تھے اور دوسو اوقیہ (تقریباً ساڑھے انتیس کلو) چاندی تھی، آپ نے یہ سب صدقہ کر دیا، اس کے بعد پھر ایک سو اونٹ پالان اور کجاوے سمیت صدقہ کیا، اس کے بعد ایک ہزار دینار (تقریباً ساڑھے پانچ کلو سونے کے سکے) لے آئے اور انہیں نبی ﷺ کی آغوش میں بکھیر دیا، رسول اللہ ﷺ انہیں اُلٹتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے، آج کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ جو بھی کریں انہیں ضرر نہ ہوگا۔ اس کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ نے پھر صدقہ کیا، اور صدقہ کیا، یہاں تک کہ ان کے صدقے کی مقدار نقدی کے علاوہ نوسو اونٹ اور ایک سو گھوڑے تک جا پہنچی اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ دوسو اوقیہ (تقریباً ساڑھے ۲۹ کلو) چاندی لے آئے، ابوبکر

رضی اللہ عنہ نے اپنا سارا مال حاضرِ خدمت کر دیا اور بال بچوں کے لیے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کچھ نہ چھوڑا۔ ان کے صدقے کی مقدار چار ہزار درہم تھی اور سب سے پہلے یہی اپنا صدقہ لے کر تشریف لائے تھے، عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا آدھا مال خیرات کیا۔ عباس رضی اللہ عنہ بہت سا مال لائے۔ طلحہ، سعد بن عبادہ اور محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہم بھی کافی مال لائے، عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ نوّے وسق (یعنی ساڑھے تیرہ ہزار کلو) کھجور لے آئے۔ بقیہ صحابہ بھی پے در پے اپنے تھوڑے زیادہ صدقات لے آئے، یہاں تک کہ کسی کسی نے ایک مُد یا دو مُد صدقہ کیا کہ وہ اس سے زیادہ کی طاقت نہیں رکھتے تھے، عورتوں نے بھی ہار، بازو بند، پازیب، بالی اور انگوٹھی وغیرہ جو کچھ ہو سکا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔ کسی نے بھی اپنا ہاتھ نہ روکا اور بخل سے کام نہ لیا، صرف منافقین تھے جو صدقات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والوں پر طعنہ زنی کرتے تھے، کہ یہ ریا کار ہے اور جن کے پاس اپنی مشقت کے سوا کچھ نہ تھا، ان کا مذاق اڑاتے تھے کہ یہ ایک دو کھجور سے قیصر کی مملکت فتح کرنے اُٹھے ہیں۔ (الرحیق المختوم)

وہ تین جو پیچھے رہ گئے تھے وہ کعب بن مالک، مرارہ بن ربیع، ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ بخاری میں یہ واقعہ تفصیل سے آیا ہے:

کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''دو تو گھر بیٹھے رہے لیکن میں نماز میں حاضر ہوتا رہتا تھا، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرتا تھا اور خیال کرتا تھا کہ جواب میں ہونٹ آپ کے ہلتے ہیں یا نہیں۔ نوبت یہاں تک پہونچی کہ میرے اعزہ نے مجھ سے ملنا جلنا ترک کر دیا، چالیس راتوں کے بعد انہیں یہ حکم دیا گیا کہ اپنی بیویوں سے بھی دور رہیں، مزید دس دن گذرے پورے پچاس دن پر اللہ نے توبہ قبول کر لی، اس وقت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی باری تھی، کوہ سلع سے ایک آدمی نے پکارا کعب رضی اللہ عنہ بشارت ہو، میں نے دونوں کپڑے اتار کر اسے دیدئے اور دو کپڑے مستعار لے کر پہن لیے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ میں اس خوشی میں اپنا سارا مال صدقہ کرتا ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''امسِک بعضَ مالکَ'' (کچھ مال اپنے پاس رکھ لے)

خلاصہ: جب دین داؤ پر لگا ہوا ہو اور حکم نفیر عام کا ہو تو ایسے موقع پر معمولی تساہل بھی شریعت کی نگاہ میں انتہائی سنگین جرم ہے۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۱۱۵

اور اللہ ایسا نہیں کہ کسی قوم کو ہدایت دینے کے بعد گمراہ کر دے جب تک اُن کو وہ چیز نہ بتا دے جس سے وہ پرہیز کریں بیشک اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔ (۱۱۵)

﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ﴾ ''اِضلال'' اللہ کی طرف سے سزا ہے اس نے تبیین کی مگر انہوں نے قبول نہیں کی تو انہیں سزا یہ دی کہ انہیں گمراہ کر دیا۔ ''وَمَا أَضَلَّ اللّٰهُ أَحَدًا قَطُّ إِلَّا بَعْدَ هٰذَا الْبَيَانِ''

کچھ لوگ مشرکین کے لیے استغفار کرتے تھے، ان کو اپنے فعل پر سخت ندامت ہوئی، کہا گیا تمہیں استغفار کی ممانعت نہیں بتلائی گئی تھی اگر اس سے پہلے تم نے ان کے لیے استغفار کیا تو تم گمراہ نہیں ہوئے۔

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِیِّ وَالْمُهٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ فِیْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ یَزِیْغُ قُلُوْبُ فَرِیْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَیْهِمْ ؕ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۱۷﴾

بیشک اللہ نے پیغمبر پر مہربانی کی اور مہاجرین اور انصار پر باوجود اس کے کہ اُن میں بعضوں کے دل جلد پھر جانے کو تھے، مشکل کی گھڑی میں پیغمبر کیساتھ رہے پھر اللہ نے اُن پر مہربانی فرمائی بیشک وہ ان پر نہایت شفقت کرنے والا (اور) مہربان ہے۔(۱۱۷)

﴿لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ﴾ توبہ کو دو مرتبہ ذکر کیا:

۱) شروع آیت میں۔

۲) آخر آیت میں۔

کیونکہ توبہ کی دو قسمیں ہیں:

۱) توبہ توفیق

۲) توبہ قبول۔

پہلے توبہ کی توفیق دی پھر توبہ قبول کی، کعب کی توبہ کے قبولیت کے اس دن کو نبی ﷺ نے فرمایا "خیرُ یومٍ مر علیه منذ وَلدتْه أمُه إلى ذلك اليوم" (صحیح بخاری، کتاب المغازي: ۴۴۱۸)

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۱۱۹﴾

اے اہلِ ایمان! اللہ سے ڈرتے رہو اور سچوں کیساتھ رہو۔(۱۱۹)

نکتہ: یہ تینوں سچے تھے، اس لیے ان کی توبہ قبول ہوئی۔ ﴿كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ﴾ لوگوں کو آئندہ سے ڈرنے اور صدق اختیار کرنے کا حکم دیا گیا۔ نکتہ یہ ہے کہ صدق بڑی جانکاہی اور استقلال کے بعد حاصل ہوتا ہے۔

وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِیْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰۤی اِذَا ضَاقَتْ عَلَیْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَیْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَیْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَیْهِمْ لِیَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۱۸﴾

Scanned by CamScanner

اور اُن تینوں پر بھی جن کا معاملہ ملتوی کیا گیا تھا یہاں تک کہ جب زمین باوجود فراخی کے اُن پر تنگ ہو گئی اور اُن کی جانیں بھی اُن پر دوبھر ہو گئیں اور اُنہوں نے جان لیا کہ اللہ (کے ہاتھ) سے خود اس کے سوا کوئی پناہ نہیں پھر اللہ نے اُن پر مہربانی کی تا کہ توبہ کریں، بیشک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔(۱۱۸)

"تَخَلَّفَ" کا مطلب ہے پیچھے رہ جانا اور "خَلَّفَ" کا مطلب ہے پیچھے کر دینا اور آیت مذکورہ میں "تَخَلَّفُوْا" نہیں کہا بلکہ ﴿خُلِّفُوْا﴾ کہا، کیوں کہ اللہ تعالی ہی نے ان تینوں کو پیچھے کر دیا تھا، ہاں ان کے علاوہ جتنے لوگ تھے وہ متخلف (پیچھے رہ جانے والے) تھے۔

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ؕ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

اور یہ تو ہو نہیں سکتا کہ مومن سب کے سب نکل آئیں تو یوں کیوں نہ کیا کہ ہر ایک جماعت میں سے چند اشخاص نکل جاتے تا کہ دین (کا علم سیکھتے اور اس) میں سمجھ پیدا کرتے اور جب اپنی قوم کی طرف واپس آتے تو ان کو ڈر سناتے تا کہ وہ بچیں۔(۱۲۲)

﴿وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً﴾ دو فریق میں سے ایک جہاد میں جایا کرے دوسرا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس رہ کر مسائل دینیہ حاصل کرے پھر جب وہ جہاد سے لوٹیں تو ان لوگوں نے جو کچھ سیکھا ہے وہ انہیں سکھا دیں۔

فرقہ: کسی بڑی جماعت سے بہت سے لوگوں کا الگ شدہ حصہ کو کہتے ہیں اور طائفة، چھوٹے، ہم مذہب اور ہم خیال گروہ کو کہتے ہیں۔سب جہاد میں نہ نکلیں کچھ لوگ رسول کے پاس رہ کر دین سیکھیں، مسلمانوں کے پورے گروہ کو جماعت کہتے ہیں اور ہر شہر اور گاؤں میں اسی خیال کے لوگوں کے مجموعے کو فرقہ کہتے ہیں، پھر اس فرقے میں سے نکلی ہوئی چھوٹی جماعت طائفة کہلاتی ہے۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۲۹﴾

(لوگو!) تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک پیغمبر آئے ہیں! تمہاری تکلیف اُن کو گراں معلوم ہوتی ہے اور تمہاری بھلائی کے بہت خواہشمند ہیں اور مومنوں پر نہایت شفقت کرنے والے (اور) مہربان ہیں۔(۱۲۸) پھر اگر یہ لوگ پھر جائیں (اور نہ مانیں) تو کہہ دو کہ اللہ مجھے کفایت کرتا ہے، اُس کے سوا

Scanned by CamScanner

کوئی معبود برحق نہیں اُسی پر میرا بھروسہ ہے اور وہی عرشِ عظیم کا مالک ہے۔(۱۲۹)

﴿رَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾

﴿رَأْفَةٌ﴾ کا مطلب ہے "دفع الالم" (کسی کی تکلیف دور کردینا)

رحمت: (تکلیف دور کر کے تسکین کی صورت مہیا کرنا) مثلاً نبی اکرم ﷺ گنہ گاروں کی شفاعت فرما کر جہنم سے بچائیں گے یہ رأفت ہے اور جنت میں داخل کروائیں گے یہ رحمت ہے۔ مثلاً کانٹا چبھ گیا تو کانٹا نکالنا رافت ہے اور اس کے بعد اس پر دوا لگانا رحمت ہے۔

بیمار کے لیے دعا:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَنْ عَادَ مَرِيضًا لَمْ يَحْضُرْ أَجَلُهُ فَقَالَ عِنْدَهُ سَبْعَ مِرَارٍ: أَسْأَلُ اللّٰهَ الْعَظِيمَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ أَنْ يَشْفِيَكَ، إِلَّا عَافَاهُ اللّٰهُ مِنْ ذَلِكَ الْمَرَضِ"

(ابوداؤد، کتاب الجنائز: ۳۱۰۶، صحیح)

جو آدمی کسی بیمار کی عیادت کرے جس کی موت کا وقت نہ آیا ہو وہ اس کے پاس سات مرتبہ یہ پڑھے "أَسْأَلُ اللّٰهَ الْعَظِيمَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ أَنْ يَشْفِيَكَ" تو اللہ اس کو اس مرض سے عافیت دے دے گا۔

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

سورۃ یونس (مکیۃ)

الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ① اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ
مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ قَالَ
الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ② اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِىْ
سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ
اِذْنِهٖ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ③

الٓرٰ. یہ بڑی دانائی کی کتاب کی آیتیں ہیں۔(۱) کیا لوگوں کو تعجب ہوا کہ ہم نے انہی میں سے ایک مرد کو بھیجا کہ لوگوں کو ڈر سنا دو اور ایمان لانے والوں کو خوشخبری دے دو کہ اُن کے رب کے ہاں اُن کا سچا درجہ ہے (ایسے شخص کی نسبت) کافر کہتے ہیں کہ یہ تو صریح جادوگر ہے۔(۲) تمہارا رب تو اللہ ہی ہے جس نے آسمان اور زمین چھ دن میں بنائے پھر عرش (عظیم) پر قائم ہوا، وہی ہر ایک کام کا انتظام کرتا ہے، کوئی (اُس کے پاس) اُس کی اِجازت حاصل کیے بغیر (کسی کی) سفارش نہیں کرسکتا یہی اللہ تمہارا رب ہے تو اُسی کی عبادت کرو بھلا تم غور کیوں نہیں کرتے؟(۳)

﴿اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا﴾ شرک پسند دنیا انسان کو اللہ کا اوتار مان لے گی، اللہ کا بیٹا مان لے گی، لیکن رسول ﷺ کو انسان (بشر) یا یوں کہیے کہ بشر کو رسول ماننے کے لیے تیار نہیں، حیرت کی بات ہے۔

﴿قَدَمَ صِدْقٍ﴾ "لفلان فی کذا قَدَمَ صِدْق أو قدم سوء" فلاں کو اچھی یا بری بات میں کمال حاصل ہے۔

﴿مُدْخَلَ صِدْقٍ﴾ (بنی اسرائیل:۸۰) ایسا داخلہ جو ظاہر و باطن میں اچھا ہو، جس میں بزدلی اور کمزوری کا شائبہ نہ ہو اور اس کے نتائج نہایت اعلیٰ ہوں۔

﴿يُدَبِّرُ الْاَمْرَ﴾ عالم کو پیدا کر کے بیکار نہیں چھوڑ دیا، ہر آن ہر چیز کا انتظام و انصرام بھی اسی کے ہاتھ ہے۔

Scanned by CamScanner

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ
وَالْحِسَابَ ؕ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ۝۵

وہی تو ہے جس نے سورج کو روشن اور چاند کو منور بنایا اور چاند کی منزلیں مقرر کیں تا کہ تم برسوں کا شمار اور (کاموں کا) حساب معلوم کرو یہ (سب کچھ) اللہ نے تدبیر سے پیدا کیا ہے سمجھنے والوں کیلئے وہ اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان فرماتا ہے۔(۵)

﴿جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً﴾

ضیاء، ضوء کی جمع ہے، شاید اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ روشنی میں سات رنگ ہوتے ہیں وہی رنگ بارش میں قوس قزح میں ظاہر ہوتے ہیں۔

﴿هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً﴾

ضیاء میں روشنی کے ساتھ حرارت بھی ہوتی ہے، یاد رہے کہ شمس ایک نیوکلیائی تعامل گاہ (Nuclear Ractor) ہے، روشنی وحرارت کا مصدر ہے، جدید تحقیقات کے مطابق اس میں موجود ہائیڈروجن (Hydrogen)، ہیلیم (Helium) میں تبدیل ہو رہی ہے اور شمس کی سطح کا درجۂ حرارت تقریباً ۶۰۰۰ ڈگری سینٹی گریڈ ہے۔

یہ عقیدۂ آخرت کی ایک دلیل ہے کہ اس کارگاہ ہستی میں اللہ کی ایک نشانی سورج و چاند ہیں، اس کی حرارت کی اس دنیا کو کتنی ضرورت ہے اور چاند سے سالوں کا مہینوں اور دنوں کا حساب معلوم ہوتا ہے ان کی تخلیق میں گہری مقصدیت ہے تو تم بے مقصد کیسے ہو سکتے ہو؟

﴿وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ﴾

۲۸ منزلیں ہیں، ہر رات ایک منزل ہوتی ہے، پہلی منزل میں چاند چھوٹا ہوتا ہے، پھر بتدریج بڑا ہوتا جاتا ہے، چودھویں کو بدر، اس کے بعد سکڑنا شروع ہو جاتا ہے، ایک دو راتیں چھپا رہتا ہے، پھر ہلال بن کر طلوع ہوتا ہے، اس میں فائدہ یہ ہے کہ تم مہینوں اور برسوں کی گنتی معلوم کر سکو۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ یَهْدِیْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِیْمَانِهِمْ ۚ تَجْرِیْ مِنْ
تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ۝۹

(اور) جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے اُن کو اللہ تعالی اُن کے ایمان کی وجہ سے (ایسے محلوں کی) راہ دکھائے گا (کہ) اُن کے نیچے نعمت کے باغوں میں نہریں بہہ رہی ہوں گی۔(۹)

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ ایمان جنت کی طرف لے جانے کے لیے رہنما ہے اور عمل مُعین

(مددگار) ہے۔

دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۚ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰﴾

(جب وہ) اُن میں (اُن کی نعمتوں کو دیکھیں گے تو بے ساختہ) کہیں گے سبحان اللہ! اور آپس میں اُن کی دعا اسلام علیکم ہوگی اور اُن کا آخری قول یہ (ہوگا) کہ اللہ رب العالمین کی حمد (اور اُس کا شکر) ہے۔(۱۰)

﴿سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ﴾ وعدۂ الٰہی کے مطابق "نعماء" (نعمتیں) دیکھیں گے تو ﴿سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ﴾ کہیں گے اور ایک دوسرے سے ملیں گے تو سلام اور جب بات ختم کر چکیں گے تو الحمدللہ رب العالمین کہیں گے۔

وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ ۭ فَنَذَرُ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۱﴾

اور اگر اللہ لوگوں کی بُرائی میں جلدی کرتا جس طرح وہ طلب خیر میں جلدی کرتے ہیں تو اُن کی (عمر کی) میعاد پوری ہو چکی ہوتی سو جن لوگوں کو ہم سے ملنے کی توقع نہیں انہیں ہم چھوڑے رکھتے ہیں کہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں۔(۱۱)

﴿وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ...الخ﴾

انسان خود پر اور اپنی اولاد پر، اہل پر فی حال الغضب ہلاکت کی بددعا کرتا ہے لیکن اللہ ان کی بددعا قبول نہیں کرتا ورنہ مدعو علیہ ہلاک ہو جاتا کیونکہ اللہ جانتا ہے کہ بددعا کرنے والے اس کا قصد نہیں کیا ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ دعا کی قبولیت میں تعجیل کرتا ہے اور بددعا کی قبولیت میں تاخیر کرتا ہے۔

یہ ایک اعتراض کا جواب ہے کہ انکار حق پر کوئی سزا ملنی ہے تو جلدی کیوں نہیں ملتی؟ جواب یہ ہے کہ اللہ کی سنت ہے کہ لوگوں کو سنبھلنے کا موقع دیا جائے۔ جو لوگ اس مہلت سے غلط فائدہ اٹھاتے ہیں، ان کو بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیا جاتا ہے۔

گمراہی کا پہلا زینہ:

﴿لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا﴾ آخرت سے غفلت انسان کی گمراہی کا پہلا زینہ ہے، دوسرے دنیا پر رضامندی گمراہی کی دوسرا زینہ، پھر دنیوی رنگینیوں میں ایسا منہمک ہو جاتا ہے کہ آخرت کی کھٹک ہی نہیں رہتی، پھر روزِ مرہ کی نشانیاں، زلزلے اور فسادات بھی ضمیر کو بیدار نہیں کرتے۔ اللہ بیزار لوگ معاد پر نہیں معاش پر مطمئن نظر آتے ہیں۔ وہ مادی ترقی سے خوش

Scanned by CamScanner

ہوتے ہیں۔ان کا دماغ دنیا بھر کی معلومات کا کمپیوٹر ہوتا ہے مگر آخرت کے معاملے میں ایک زنگ آلود مشین۔

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ: عَنْ صُهَيْبٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "عَجَبًا لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ، إِنَّ أَمْرَهُ كُلَّهُ خَيْرٌ، وَلَيْسَ ذَاكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ، إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ، فَكَانَ خَيْرًا لَهُ، وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ، صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ" (مسلم، کتاب الزھد:۲۹۹۹)

انسان تکلیف میں اللہ کو یاد کرتا ہے اور خوشحالی میں بھلا دیتا ہے مگر مومن کا معاملہ اس سے الگ ہے کہ اگر اسے خوشحالی پہنچتی ہے تو شکر کرتا ہے، یہ اس کے لیے بہتر ہوتا ہے اور اگر اسے بدحالی پہنچتی ہے تو صبر کرتا ہے یہ بھی اس کے لیے بہتر ہوتا ہے۔

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖٓ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآىِٕمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ۭ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲﴾

اور جب انسان کو تکلیف پہنچتی ہے تو لیٹا اور بیٹھا اور کھڑا (ہر حال میں) ہمیں پکارتا ہے پھر جب ہم اس تکلیف کو اس سے دُور کر دیتے ہیں تو (بے لحاظ ہو جاتا اور) اس طرح گزر جاتا ہے کہ گویا کسی تکلیف کے پہنچنے پر ہمیں کبھی پکارا ہی نہ تھا اسی طرح حد سے نکل جانے والوں کو اُن کے اعمال آراستہ کر کے دکھائے گئے ہیں۔(۱۲)

﴿فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ۭ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ آدمی سرکشی کو اپنے لیے پسند کر لے تو اس کا ذہن اسی طرف مڑ جائے گا اور اس کا ذہن اس سرکشی کو درست ثابت کرنے کے لیے خوشنما الفاظ فراہم کرے گا، اسی کا نام تزئین اعمال ہے۔مگر یہ ایسا ہے کہ کوئی شخص اپنے ہاتھ میں انگارہ لے لے اور یہ سمجھے کہ اسے نہیں جلائے گا کیونکہ اس نے اس کا نام سرخ پھول رکھ دیا ہے۔

فضول کاروں کے ساتھ شیطان کا برتاؤ یہ ہوتا ہے کہ وہ انسان کی نظر میں سیاہ کو سفید اور سفید کو سیاہ کر دکھاتا ہے۔آدمی شریعت سے کھیلتا ہے، اور سمجھتا ہے کہ وہ شریعت کی خدمت کر رہا ہے۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ۭ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ اِنِّىْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵﴾

اور جب اُن کو ہماری آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو جن لوگوں کو ہم سے ملنے کی اُمید نہیں وہ کہتے ہیں کہ (یا تو) اس کے سِوا کوئی اور قرآن (بنا) لاؤ یا اس کو بدل دو۔کہہ دیجئے کہ مجھے اختیار نہیں ہے کہ اسے اپنی طرف سے بدل دوں میں تو اُسی حکم کا تابع ہوں جو میری طرف آتا ہے اگر میں اپنے رب کی

Scanned by CamScanner

نافرمانی کروں تو مجھے بڑے (سخت) دن کے عذاب سے خوف آتا ہے۔(۱۵)

﴿ قُلۡ مَا یَکُوۡنُ لِیۡۤ اَنۡ اُبَدِّلَهٗ مِنۡ تِلۡقَآیِٔ نَفۡسِیۡ ﴾

﴿ فَقَدۡ لَبِثۡتُ فِیۡکُمۡ عُمُرًا مِّنۡ قَبۡلِهٖ ﴾

یہ دونوں آیتیں قرآن کے منجانب اللہ ہونے کی دلیل ہیں۔

(۱) اس میں تبدیلی اور دوسرا قرآن لانا میرے اختیار میں نہیں۔

(۲) چالیس سال میں نے تمہارے درمیان گزارے ہیں کیا کسی استاد سے سیکھا ہے اور میری امانت وصداقت کی گواہی تو تم بھی دیتے ہو۔

مشرکین چاہتے ہیں کہ ایسا قرآن لاؤ جس میں بتوں کی مذمت نہ ہو یا پھر موجودہ قرآن میں ترمیم کرو۔

چالیس سال بعد کیا یہ ممکن ہے جو لوگوں سے جھوٹ نہ بولے وہ اللہ پر جھوٹ باندھے گا؟

قُلۡ لَّوۡ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوۡتُهٗ عَلَیۡکُمۡ وَلَاۤ اَدۡرٰىکُمۡ بِهٖ ۖ فَقَدۡ لَبِثۡتُ فِیۡکُمۡ عُمُرًا مِّنۡ قَبۡلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۶﴾

(یہ بھی) کہہ دیجئے کہ اگر اللہ چاہتا تو (نہ تو) میں ہی یہ (کتاب) تمہیں پڑھ کر سناتا اور نہ ہی تمہیں اس سے واقف کرتا، میں اس سے پہلے تم میں ایک عمر رہا ہوں (اور کبھی ایک کلمہ بھی اس طرح کا نہیں کہا) بھلا تم سمجھتے نہیں؟(۱۶)

قرآن کے منجانب اللہ ہونے کی دلیل ﴿فَقَدۡ لَبِثۡتُ فِیۡکُمۡ عُمُرًا مِّنۡ قَبۡلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ﴾ سمجھایا گیا کہ ذرا سوچو کہ نزول قرآن سے پہلے چالیس سال کی مدت ہمارے رسول ﷺ نے تمہارے درمیان گزاری ہے۔ اس دوران وہ کبھی جھوٹ نہیں بولا تو آخر چالیس سال بعد جھوٹ بولنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔

فَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَرٰی عَلَی اللّٰهِ کَذِبًا اَوۡ کَذَّبَ بِاٰیٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا یُفۡلِحُ الۡمُجۡرِمُوۡنَ ﴿۱۷﴾

تو اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ افتراء کرے اور اُس کی آیتوں کو جھٹلائے بیشک گنہگار فلاح نہیں پائیں گے۔(۱۷)

افتراء: اپنی طرف سے بات بنا کر کسی کی طرف منسوب کر دینا افتراء ہے۔

آیت میں دو حقیقتیں بیان کی گئی ہیں:

(۱) اپنے پاس سے کلام بنائے اور اسے اللہ کی طرف منسوب کر دے۔

Scanned by CamScanner

(۲) اللہ کی طرف سے کلام لانے والے کا مقابلہ کرے۔ایسے لوگ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔

﴿أَفْلَحَ﴾ "فاز وظفر بما طلب" ﴿أَفْلَحَ﴾ کا مطلب ہے اپنے مقصد میں ظفریاب ہوا۔افتراء کے ساتھ کذب کو بطور قید لایا گیا ہے۔(۱) اگر افتراء صحیح ہو اور کذب کی شرط نہ پائی جائے تو شاید ایسا شخص مقررہ عذاب میں گرفتار نہ ہو گو وہ مجرم ضرور ہے اور سزا ضرور پائے گا۔

مثال: میں نے خواب دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ سچے ہیں حالانکہ اس نے خواب نہیں دیکھا تو یہ افتراء ہے۔مگر اپنے حقیقی مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا اگرچہ ایک جماعت اس کو قبول کر لے۔اسی طرح شرک محض افتراء ہے کیونکہ اس کی تائید میں کمزور دلیل بھی موجود نہیں ہے۔

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ۚ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۸﴾

اور یہ (لوگ) اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی پرستش کرتے ہیں جو نہ اُن کا کچھ بگاڑ ہی سکتی ہیں اور نہ کچھ بھلا ہی کر سکتی ہیں۔اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہماری سفارش کرنے والے ہیں کہہ دیجئے کہ کیا تم اللہ کو ایسی چیز بتاتے ہو جس کا وجود اُسے نہ آسمانوں میں معلوم ہوتا ہے اور نہ زمین میں۔وہ پاک ہے اور (اُس کی شان) ان کے شرک کرنے سے بہت بلند ہے۔(۱۸)

﴿وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ...الخ﴾ المتخذین شفعاء مشرکون

﴿وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ﴾

مشرکین مکہ معبودان باطلہ کو اللہ کے یہاں سفارشی سمجھتے تھے جیسے آج کل کے جاہل اپنے پیروں کے بارے میں عقیدہ رکھتے ہیں جس کی کوئی دلیل موجود نہیں۔

﴿هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾

سفارشی ہیں تو کیا سفارشی کی عبادت کرنا جائز ہے؟

هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ حَتّٰٓي اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ ۚ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَاۗءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ وَّجَاۗءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ لَىِٕنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۲۲﴾

Scanned by CamScanner

وہی تو ہے جو تمہیں جنگل اور دریا میں چلنے پھرنے اور سیر کرنے کی توفیق دیتا ہے یہاں تک کہ جب تم کشتیوں میں (سوار) ہوتے ہو اور کشتیاں پاکیزہ ہوا (کے نرم نرم جھونکوں) سے سواروں کو لے کر چلنے لگتی ہیں اور وہ اُن سے خوش ہوتے ہیں تو ناگہاں زناٹے کی ہوا چل پڑتی ہے اور لہریں ہر طرف سے اُن پر (جوش مارتی ہوئی) آنے لگتی ہیں اور وہ خیال کرتے ہیں کہ (اب تو) لہروں میں گھر گئے تو اُس وقت خالص اللہ ہی کی عبادت کر کے اُس سے دعا مانگنے لگتے ہیں کہ (اے اللہ) اگر تو ہمیں اس سے نجات بخشے تو ہم (تیرے) بہت ہی شکر گزار ہوں۔ (۲۲)

﴿هُوَ الَّذِیْ یُسَیِّرُكُمْ فِی الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ﴾

یہ توحید کی نفسیاتی دلیل ہے، انسان پر جب حقیقی افتقار و بے بسی کی حالت طاری ہوتی ہے تو وہ خود ساختہ معبودوں کو چھوڑ کر رب حقیقی کی طرف متوجہ ہوتا ہے، یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ فطرت میں ایک اللہ کے سوا کسی اور کے لیے کوئی شہادت موجود نہیں، افتقار (محتاجگی) کی حالت ختم ہوتے ہی پھر گمراہی میں کھو جاتا ہے۔

﴿وَظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ اُحِیْطَ بِهِمْ﴾ مجبوری کے نقطہ پر پہنچ کر ہر آدمی اللہ کا اقرار کر لیتا ہے۔ یہی اطاعت آدمی اس وقت کیوں نہیں کرتا جب مجبور کرنے والی کوئی شئی اس کے سامنے نہ ہو۔

اِنَّمَا مَثَلُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا یَاْكُلُ النَّاسُ وَ الْاَنْعَامُ ؕ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَ ازَّیَّنَتْ وَ ظَنَّ اَهْلُهَاۤ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَیْهَاۤ ۙ اَتٰىهَاۤ اَمْرُنَا لَیْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِیْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾

دنیا کی زندگی کی مثال مینہ کی سی ہے کہ ہم نے اُس کو آسمان سے برسایا پھر اُس کیساتھ سبزہ جسے آدمی اور جانور کھاتے ہیں ملا کر نکلا یہاں تک کہ زمین سبزے سے خوشنما اور آراستہ ہو گئی اور زمین والوں نے خیال کیا کہ وہ اس پر پوری دسترس رکھتے ہیں ناگہاں رات کو یا دن کو ہمارا حکم (عذاب) آ پہنچا تو ہم نے اُس کو کاٹ (کر ایسا کر) ڈالا کہ گویا کل وہاں کچھ تھا ہی نہیں۔ جو لوگ غور کرنے والے ہیں اُن کے لیے ہم (اپنی قدرت کی) نشانیاں اسی طرح کھول کھول کر بیان کرتے ہیں۔ (۲۴)

﴿اِنَّمَا مَثَلُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا﴾

آسمان کا پانی زوج کے پانی کی طرح ہے۔ اور زیر زمین بمنزلہ رحم اُنثیٰ (عورت) اور زمین میں پانی کا اختلاط ان کے

اختلاط کے مشابہ ہے اور نباتات کی روئیدگی انسانی توالد کی طرح ہے، کونپل کا نکلنا، بچپن کے مشابہ ہے اور بالیدگی کے ایام میں لہلہانا، شباب کے مشابہ ہے، پھر زرد ہونا، آثار پیری کے مشابہ ہے، پھر گر پڑنا، موت سے ہمکنار ہونا ہے اور خاک سے نکلنا اور خاک میں مل جانا، قبر میں جانے کے مشابہ ہے۔

پھر سال آئندہ بارش ہوتے ہی پھر نکل پڑتی ہے۔ اسی طرح صور ماء الحیات کی طرح ہوگا اور جیسے ہی صور پھونکا جائے گا، انسان نباتات کی طرح زمین سے نکل پڑیں گے۔ اس مثال سے انسان کی ابتدا سے انتہا تک کا مشاہدہ کرادیا گیا۔

﴿اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ﴾

یہاں دنیا کی مثال دلہن سے دی گئی ہے، جس نے ہر رنگ کے اچھے اچھے کپڑے پہن لیے اور اس کے علاوہ طرح طرح کے خوبصورت زیورات سے آراستہ ہوگئی، یہ دل کی گہرائیوں میں اتر جانے والی تعبیر ہے کہ دلہن جس نے ہر طرح کی زینت اختیار کر لی ہے اور سج سنور کر بیٹھی ہوئی ہے تاکہ موت آئے اور اسے لے جائے، یہ قرآن کی تصویری تعبیرات میں سے ایک حیرت انگیز تعبیر ہے جو تمہیں قید کر لے تاکہ تمہاری روح میں ایسا معنی ومفہوم گھل جائے جس معنی ومفہوم کو قرآن کی تعبیر کے سوا دنیا کی کوئی تعبیر نہیں پہنچ سکتی۔

وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ؕ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۵﴾

اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے اور جس کو چاہتا ہے سیدھا رستہ دکھاتا ہے۔ (۲۵)

﴿وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ﴾ اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا آفات سے سلامت نہیں، سلامتی کا گھر نہیں ہے۔

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ؕ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۶﴾

جن لوگوں نے نیکوکاری کی اُن کیلئے بھلائی ہے اور (مزید برآں) اور بھی اور اُن کے مونھوں پر نہ تو سیاہی چھائے گی اور نہ رسوائی، یہی جنتی ہیں کہ اُس میں ہمیشہ رہیں گے۔ (۲۶)

﴿لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ﴾

﴿اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى﴾ "الحسنیٰ": الجنة، ﴿وَزِيَادَةٌ﴾ "النظر إلى الجنة"

عَنْ صُهَيْبٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي قَوْلِهِ: ﴿لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الحُسْنَى وَزِيَادَةٌ﴾ (یونس: ۲۶) قَالَ: "إِذَا دَخَلَ أَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ نَادَى مُنَادٍ: إِنَّ لَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ مَوْعِدًا، قَالُوا: أَلَمْ يُبَيِّضْ وُجُوهَنَا وَيُنَجِّنَا مِنَ النَّارِ وَيُدْخِلْنَا الْجَنَّةَ؟ قَالُوا: بَلَى، قَالَ فَيُكْشَفُ الْحِجَابُ، قَالَ: فَوَاللَّهِ مَا أَعْطَاهُمْ شَيْئًا أَحَبَّ إِلَيْهِمْ مِنَ النَّظَرِ إِلَيْهِ" (ترمذی: أبواب صفة الجنة: ۲۵۵۲، صحیح)

Scanned by CamScanner

حسنی سے مراد جنت ہے اور زیادہ سے مراد دیدار الٰہی ہے جیسا کہ صہیب رضی اللہ عنہ سے مروی ترمذی کی مندرجہ بالا روایت ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: جنت والے جنت میں داخل ہو جائیں گے تو ایک ندا دینے والا ندا دے گا تم سے اللہ نے ایک اور وعدہ کر رکھا ہے جسے وہ پورا کرنے والا ہے، جنتی کہیں گے کیا ہمارے چہرے روشن نہیں ہوئے؟ کیا ہمیں جہنم سے نجات نہیں ملی؟ کیا اس نے ہمیں جنت میں داخل نہیں کر دیا؟ (تو اب کون سی کمی رہ گئی ہے) آپ ﷺ نے فرمایا تب اللہ حجاب ہٹا دے گا، اللہ کی قسم جنتیوں کو جو کچھ ملا ہوگا ان سب چیزوں سے زیادہ پیاری چیز انہیں اللہ کی نظر کرنا ہوگا۔

جنتی عورتیں:

عَنْ اَنَسِ ابْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "وَلَوْ أَنَّ امْرَأَةً مِنْ نِسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ اطَّلَعَتْ إِلَى الأَرْضِ لَأَضَاءَتْ مَا بَيْنَهُمَا، وَلَمَلَأَتْ مَا بَيْنَهُمَا رِيحًا، وَلَنَصِيفُهَا - يَعْنِي الخِمَارَ - خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا" (بخاری: کتاب الرقاق: ٦٥٦٨)

وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍۭ بِمِثْلِهَا ۙ وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ كَاَنَّمَاۤ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٢٧﴾

اور جنہوں نے بُرے کام کیے تو بُرائی کا بدلہ ویسا ہی ہوگا اور اُن کے مونہوں پر ذلت چھا جائے گی اور کوئی اُن کو اللہ سے بچانے والا نہ ہوگا اُن کے مونہوں (کی سیاہی کا یہ عالم ہوگا کہ اُن) پر گویا اندھیری رات کے ٹکڑے اڑھا دیئے گئے ہیں، یہی دوزخی ہیں کہ ہمیشہ اُس میں رہیں گے۔ (۲۷)

مجرمین کے پانچ احوال:

(۱) ﴿جَزَآءُ سَيِّئَةٍۭ بِمِثْلِهَا﴾ (ان کی بدی کی سزا اس کے برابر ملے گی)

(۲) ﴿وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ﴾ (اور ان کو ذلت چھائے گی)

(۳) ﴿مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ﴾ (ان کو اللہ تعالیٰ سے کوئی نہ بچا سکے گا)

(۴) ﴿كَاَنَّمَاۤ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا﴾

چہرے رات کی طرح کالے، گویا ان کے چہروں پر اندھیری رات کے پرت کے پرت لپیٹ دیے گئے ہیں۔

(۵) یہ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَشُرَكَآؤُكُمْ ۚ

Scanned by CamScanner

فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَقَالَ شُرَكَآؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۸﴾

اور جس دن ہم ان سب کو اکٹھا کریں گے پھر مشرکوں سے کہیں گے کہ تم اور تمہارے شریک اپنی اپنی جگہ ٹھہرے رہو تو ہم اُن میں تفرقہ ڈال دیں گے اور اُن کے شریک (اُن سے) کہیں گے کہ تم ہمیں تو نہیں پوجا کرتے تھے۔(۲۸)

کفار مکہ صرف بتوں کو ہی نہیں بلکہ جنوں، اساف، نائلہ اور بعض اچھے بزرگ لات وعزیٰ جیسوں کو بھی پوجتے تھے، ایسے لوگ قیامت کے دن کہیں گے ہم ان کی عبادت سے غافل تھے۔

﴿مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ﴾ اللہ بتوں کو زبان دے گا وہ انکار کریں گے اگرچہ مشرکوں نے ان کو دنیا میں پوجا تھا مگر انکار اس وجہ سے کریں گے کہ ان کو اس کی کچھ خبر نہ تھی۔

بعض نے کہا کہ مطلب یہ ہے کہ ہمارے حکم سے تم نے ہم کو نہیں پوجا تھا بلکہ اپنی خواہش سے تم خواہش پرست تھے۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۸﴾

کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اس کو اپنی طرف سے بنالیا ہے؟ کہہ دیجئے کہ اگر سچے ہو تو تم بھی اس طرح کی ایک سورت بنالاؤ اور اللہ کے سوا جن کو تم بلاسکو بلا بھی لو۔(۳۸)

قرآن اگر ایک انسانی دماغ تیار کرسکتا ہے تو کئی انسانی دماغ مل کر بڑھ چڑھ کر یہ کام کرسکتے ہیں!

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ؕ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۴۹﴾

کہہ دیجئے کہ میں تو اپنے نقصان اور فائدے کا بھی کچھ اختیار نہیں رکھتا مگر جو اللہ چاہے ہر ایک اُمت کے لیے (موت کا) ایک وقت مقرر ہے جب وہ وقت آجاتا ہے تو ایک گھڑی بھی دیر نہیں کرسکتے اور نہ جلدی کرسکتے ہیں۔(۴۹)

﴿قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ﴾ بدرجہ اولیٰ بے اختیار ہوئے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۷﴾

Scanned by CamScanner

لوگو! تمہارے پاس رب کی طرف سے نصیحت اور دلوں کی بیماریوں کی شفا اور مومنوں کے لیے ہدایت

اور رحمت آ پہنچی ہے۔(۵۷)

نفس کو کامل بنانے کی چار منزلیں:

(۱) تہذیب ظاہر: (اعمال بد سے بچنا) موعظۃ اسی کے لیے ہے۔

(۲) تہذیب باطن: (اخلاق بد وعقائد فاسدہ سے بچنا) یہ شفاء ہے۔

(۳) عقائد حقہ اور اخلاق فاضلہ سے آراستہ ہونا۔ یہ منزل ھدی ہے۔

(۴) انوار الٰہی سے جگمگا اٹھنا۔ یہ حاصل ہے مقام رحمت کا۔

قرآن کی خصوصیات:

(۱) یہ کتاب موعظت ہے یعنی برائیوں سے روکنے اور نیکیوں کی ترغیب دینے کے لیے مکمل نصیحت نامہ ہے۔

(۲) شفاء ہے یعنی اس پر عمل ہو تو ہر قسم کی قلبی بیماریاں دور ہو جائیں۔

(۳) ہدیٰ ہے یعنی الٰہی رہنما ہے۔

(۴) رحمت ہے یعنی اس کی رہنمائی میں چلنے والے قدم قدم پر اللہ کی رحمت سے مستفید ہوتے ہیں۔

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ۭ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۵۸

کہہ دیجیے کہ (یہ کتاب) اللہ کے فضل اور اُس کی مہربانی سے (نازل ہوئی ہے) تو چاہیے کہ لوگ اس سے خوش ہوں، یہ اُس سے کہیں بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں۔(۵۸)

قال أبو سعيد الخدري: "فضل الله": القرآن و "رحمته": أن جعلكم من أهله، "هو خير مما يجمعون": من الذهب والفضة۔

"الفرح": لذةٌ تقع في القلب بإدراك المحبوب ونيلِ المشتهي فيتولَّدُ من إدراكه حالةٌ تسمّى الفرح والسرور كما أن الحزن والغم من فقد المحبوب۔

قرآن میں "فرح" کی دو قسمیں:

۱) مطلق۔

۲) مقید۔

۱) مطلق، ذم کے معنی میں آیا ہے۔ ﴿لَا تَفْرَحْ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ﴾

۲) مقید کی دو قسمیں ہیں:

۱) مقید بالدنیا ینسیٰ صاحبہ فضل اللّٰہ ومنتہ فھو مذموم کقولہ ﴿حتی إذا فرحوا بما اوتوا أخذتھم بغتۃ﴾،

۲) مقید بفضل اللّٰہ وبرحمتہ ولہ قسمان، الأول: فضل ورحمۃ بالسبب کقولہ تعالیٰ ﴿قل بفضل اللّٰہ وبرحمتہ﴾، والثانی: فضل ورحمۃ بالمسبب کقولہ تعالیٰ ﴿فرحین بما آتٰھم اللّٰہ من فضلہ﴾

"فرح" اور "استبشار" میں فرق:

"إن الفرح بالمحبوب بعد حصولہ والإستبشار یکون بہ قبل حصولہ علی ثقۃ من حصولہ" ﴿فرحین بما آتٰھم اللّٰہ من فضلہ ویستبشرون بالذین لم یلحقوا بھم من خلفھم﴾

فرح: کسی وقتی لذت سے بہت خوش ہونا فرح کہلاتا ہے۔

فخر: اپنی طرف فضائل ومناقب منسوب کر کے ان پر ناز کرنا او اپنے منہ میاں مٹھو بننا فخر کہلاتا ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ؕ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۹﴾

کہہ دیجئے کہ بھلا دیکھو تو اللہ نے تمہارے لیے جو رزق نازل فرمایا تو تم نے اُس میں سے (بعض کو) حرام ٹھہرایا اور (بعض کو) حلال (ان سے) پوچھو کیا اللہ نے تمہیں اس کا حکم دیا ہے یا تم اللہ پر افتراء کرتے ہو؟ (۵۹)

اس آیت میں مقلد حضرات کے لیے وعید شدید ہے جو افتاء کی کرسی پر براجمان ہو جاتے ہیں اور حلال وحرام کے فتوے صادر کرتے ہیں حالانکہ ان کا مبلغ علم بس اتنا ہوتا ہے کہ امت کے کسی فرد (امام) نے جو بات کہہ دی اسے نقل کر دیتے ہیں انہیں کتاب وسنت کے دلائل کا علم نہیں ہوتا حالانکہ فتوے کتاب وسنت کے دلائل کی روشنی میں دیئے جانے چاہئیں۔

اَلَاۤ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۶۴﴾

سن رکھو کہ جو اللہ کے دوست ہیں اُن کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے۔ (۶۲) (یعنی) وہ جو ایمان لائے اور پرہیزگار رہے۔ (۶۳) اُن کے لیے دنیا کی زندگی میں بھی بشارت ہے اور آخرت میں

Scanned by CamScanner

بھی۔اللہ کی باتیں بدلتی نہیں۔یہی تو بڑی کامیابی ہے۔(۶۴)

انہیں خوف نہیں ہوگا یعنی آنے والے عذاب سے انہیں خوف نہ ہوگا اور انہیں حزن نہیں ہوگا یعنی جو خیر دنیا میں فوت ہو گیا اس پر غمزدہ نہ ہوں گے۔اللہ ان کے دلوں میں مستقبل کے تئیں اطمینان ڈال دے گا۔

﴿لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ﴾ جملہ اسمیہ ہے جو استمرار پر دلالت کرتا ہے۔

﴿يَحْزَنُوْنَ﴾ صیغۂ مضارع ہے جو استمرار پر دلالت کرتا ہے کہ ان کے دلوں میں طمانیت بھری ہوگی کبھی ان کے دلوں میں حزن آئے گا ہی نہیں۔"لأن الإطمينانَ يطردُ الحزنَ" کیونکہ اطمینان حزن کو بھگا دیتا ہے۔اور"لا" کی تکرار سے نفی مذکور کی تاکید ہے اور ضمیر"هم"، حکم کی تائید کرتی ہے۔

ان کے لیے دنیا میں خوشخبری ہے۔یعنی دنیا میں مومنین کے دلوں میں محبت اور لوگوں کی زبانوں پر ان کا اچھا نام ہوگا۔

عَنْ أَبِي ذَرٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ: قِيلَ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَرَأَيْتَ الرَّجُلَ يَعْمَلُ الْعَمَلَ مِنَ الْخَيْرِ وَيَحْمَدُهُ النَّاسُ عَلَيْهِ؟ قَالَ: "تِلْكَ عَاجِلُ بُشْرَى الْمُؤْمِنِ" (مسلم، کتاب البر والصلۃ: ۲۶۴۲)

اور آخرت میں خوشخبری کا مطلب ہے، روح قبض ہونے کے وقت خوشخبری، قبر میں اللہ کی رضا کی خوشخبری، آخرت میں جنت میں دخول کی خوشخبری۔

﴿الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ﴾ ایمان والے ہیں اور تقویٰ ان کی لازمی صفت ہے، کیونکہ ﴿يَتَّقُوْنَ﴾ صیغۂ مضارع ہے جو تجدد اور استمرار پر دلالت کرتا ہے اور ایمان و تقویٰ کی لازمی صفت۔ولایت کے حصول کا وسیلہ ہے۔

ایمان کی قید سے شرک نکل گیا اور تقویٰ کی صفت سے بدعات اور دیگر اخلاقی رذائل نکل گئے۔

اولیاء اللہ سے مراد کون ہیں؟

﴿اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾

ولی کے بارے میں ایک گروہ کا تصور یہ ہے کہ انہیں عالم میں تصرف حاصل ہے اور تصرف کے اعتبار سے انہوں نے ان کی درجہ بندی کی ہے۔جیسے غوث، قطب، ابدال وغیرہ۔پھر ان کی طرف ایسی کرامتیں منسوب کیں، جن کا کوئی سر ہے نہ پیر۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ مِنَ الْعِبَادِ عِبَادًا يَغْبِطُهُمُ الْأَنْبِيَاءُ وَالشُّهَدَاءُ" قِيلَ: مَنْ هُمْ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: "هُمْ قَوْمٌ تَحَابُّوا بِرُوحِ اللهِ عَلَى غَيْرِ أَمْوَالٍ وَلَا أَنْسَابٍ وُجُوهُهُمْ نُورٌ - يَعْنِي عَلَى مَنَابِرَ مِنْ نُورٍ، لَا يَخَافُونَ إِنْ خَافَ النَّاسُ، وَلَا يَحْزَنُونَ إِنْ حَزِنَ النَّاسُ" ثُمَّ تَلَا هَذِهِ الْآيَةَ ﴿أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ (صحیح ابن حبان: ۵۷۳، صحیح)

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ اس آیت میں اولیاء اللہ سے کون مراد ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا وہ لوگ خالص اللہ کے لیے ایک دوسرے سے محبت کریں کوئی دنیوی غرض درمیان میں نہ ہو،

Scanned by CamScanner

ان کی علامت یہ ہے عَنْ أَبِي الضُّحَى فِي قَوْلِهِ: ﴿أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ قَالَ: هُمُ الَّذِينَ إِذَا رُءُوا ذُكِرَ اللَّهُ۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۵۲۷۹) اولیاءاللہ وہ ہیں جنہیں دیکھ کر اللہ یاد آ جائے۔

فرشتے انہیں موت کے وقت خوش خبری دیتے ہیں کہ آخرت میں ان کے لیے جنت ہے۔ اور قیامت کی ہولنا کی کا انہیں کوئی خوف نہ ہوگا۔ دنیا کی لذتیں حاصل نہ ہوسکیں اس پر غم نہیں ہوگا۔

وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۶﴾

اور اپنی رحمت سے قومِ کفار سے نجات بخش۔ (۸۶)

بنی اسرائیل غلامی کی زندگی بسر کر رہے تھے انہیں نماز کی پابندی کا حکم دیا گیا تھا۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۷﴾

اور ہم نے موسیٰ اور اُس کے بھائی کی طرف وحی بھیجی کہ اپنے لوگوں کے لیے مصر میں گھر بناؤ اور اپنے گھروں کو قبلہ (یعنی مسجدیں) ٹھہراؤ اور نماز پڑھو اور مومنوں کو خوشخبری سنادو۔ (۸۷)

ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر ہے کہ قبلہ سے مراد متقابلۃ ہے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم: ۱۰۵۳۲) یعنی مسلمانوں کا ایسا جدا محلہ ہو کہ جس کے گھر ایک دوسرے کے مقابل ہوں، موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ مصر میں اپنی قوم کے لیے جدا محلہ ہی بنا لو تاکہ کفر وشرک کی نجاست کی بدبو نہ آئے، عرب نماز کی جگہ کو قبلہ کہتے ہیں یعنی گھروں میں نماز پڑھ لو، یعنی گھروں کو قبلہ رخ بناؤ اور ان میں خفیہ طور پر نماز پڑھو تاکہ فرعونیوں کو تمہاری عبادت کی خبر نہ ہو۔ ﴿وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ﴾ ، ﴿وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور نماز قائم کرو، نماز کی برکت سے اللہ یہ بلا دور کر دے گا۔ قبلہ کا ایک مطلب "مُتقابِلَةٌ لِإعتضاد البعضِ بالبعضِ" ہے۔ یعنی آمنے سامنے ہوتا کہ ایک کو دوسرے سے تقویت ملے۔

مسئلہ: اگر کسی جگہ مسجد کی تعمیر ممکن نہ ہو تو کسی مکان وغیرہ کو عارضی طور پر مسجد بنایا جاسکتا ہے؟ یعنی باجماعت نماز کا اہتمام کرو اسی تربیت سے تم اس قابل بن سکو گے کہ باطل سے ٹکر لے سکو جس کے نتیجے میں اللہ تمہیں ظالموں سے نجات دے گا۔

وَقَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۸۸﴾

اور موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اے ہمارے اللہ! تو نے فرعون اور اُس کے سرداروں کو دنیا کی زندگی میں

Scanned by CamScanner

(بہت سا) ساز و برگ اور مال وزور دے رکھا ہے اے اللہ! ان کا مال یہ ہے کہ تیرے رستے سے گمراہ کر دیں، اے اللہ! ان کے مال کو برباد کر دے اور اُن کے دلوں کو سخت کر دے کہ ایمان نہ لائیں جب تک دردناک عذاب نہ دیکھ لیں۔(۸۸)

سوال: رسول اپنی قوم کے لیے ہدایت چاہتا ہے نہ کہ گمراہی، تو موسیٰ علیہ السلام نے یہ بددعا کیسے فرمائی؟

جواب: وحی الٰہی کے ذریعہ انہیں معلوم ہو گیا کہ وہ ایمان لانے والے نہیں۔

"لَا تَدْعُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ وَلَا تَدْعُوا عَلَى أَوْلَادِكُمْ وَلَا تَدْعُوا عَلَى أَمْوَالِكُمْ لَا تُوَافِقُوا مِنَ اللهِ سَاعَةً يُسْأَلُ فِيهَا عَطَاءً فَيَسْتَجِيبُ لَكُمْ" (مسلم، کتاب الزہد والرقائق: ۳۰۰۹) اپنے اور اپنی اولاد اور مال کے لیے بددعا نہ کرو، ایسا نہ ہو کہ قبولیت دعا کا وقت ہو اور یہ بددعا فوراً قبول ہو جائے۔

نکتہ: موسیٰ علیہ السلام کی دعا:

﴿فَلَا يُؤْمِنُوا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ﴾ کی قبولیت کا مشاہدہ موسیٰ علیہ السلام کو کرا دیا کہ فرعون عذاب دیکھ کر ایمان لایا اس سے پہلے ایمان نہ لایا۔

قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيْمَا وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٨٩﴾

(اللہ نے) فرمایا کہ تمہاری دعا قبول کر لی گئی تو تم ثابت قدم رہنا اور بے عقلوں کے رستے نہ چلنا۔(۸۹)

موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی اور ہارون علیہ السلام نے اس پر آمین کہی۔ معلوم ہوا کہ دعا کرنے والے اور اس پر آمین کہنے والے دونوں کی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔

وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْيًا وَّعَدْوًا ۭ حَتّٰٓي اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿٩٠﴾

اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے پار کر دیا تو فرعون اور اُس کے لشکر نے سرکشی اور زیادتی سے اُن کا تعاقب کیا یہاں تک کہ جب اُس کو غرق (کے عذاب) نے آ پکڑا تو کہنے لگا کہ میں ایمان لایا کہ جس (اللہ) پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں فرمانبرداروں میں ہوں۔(۹۰)

اظہار ایمان میں فرعون نے خوب مبالغہ کیا۔ ﴿قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ کہا۔ اس نے تین طرح اظہار ایمان کیا۔ (۱) اٰمَنْتُ (میں ایمان لایا) (۲) یہ کہ نہیں ہے کوئی معبود مگر وہ جس پر بنو اسرائیل ایمان لائے۔ (۳) اور میں مسلمانوں میں سے ہوں۔

Scanned by CamScanner

سوال: مشاہدۂ عذاب کے بعد ایمان معتبر و نافع نہیں ہوتا۔ پھر قوم یونس کا ایمان معتبر کیوں ہوا؟
جواب: قوم یونس عذاب کے آثار ابتدائیہ دیکھ کر ایمان لائی تھی۔

فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ﴿۹۲﴾

تو آج ہم تیرے بدن کو (دریا سے) نکال لیں گے تاکہ تو پچھلوں کیلئے عبرت ہو۔ اور بہت سے لوگ ہماری نشانیوں سے بے خبر ہیں۔ (۹۲)

فرعون کی ممی (Mummy) کے متعلق کچھ معلومات:

فرعون کی ممی قاہرہ کے میوزیم میں موجود ہے۔ یہ ممی ۱۸۹۸ء میں دریافت ہوئی حالانکہ نزول قرآن کے وقت فرعون کی ممی کے بارے میں کسی کو علم نہ تھا، فرعون بحیرۂ مرہ (Bitter Lakes) جو بحر قلزم کا ایک حصہ ہے، میں غرق ہوا، بحیرۂ مرہ نہر سویز کے شمال میں ایک چھوٹا سمندر تھا جو خلیج سویز سے ملا ہوا تھا، بنی اسرائیل اسی کو پار کر کے صحرائے شور (سینا) میں داخل ہوئے تھے، آج تک وہ مقام جزیرہ نمائے سینا کے مغربی ساحل پر موجود ہے جہاں فرعون کی لاش سمندر میں تیرتی ہوئی ملی تھی، اس کو موجودہ زمانہ میں جبل فرعون کہتے ہیں اس کے قریب ایک گرم چشمہ ہے، جس کو مقامی آبادی نے حمام فرعون کے نام سے موسوم کر رکھا ہے، سر گرافٹن الیٹ سمتھ نے ۱۹۰۷ء میں اس کی ممی کی پٹیاں جب کھولی تھیں تو اس کی لاش پر نمک کی ایک تہ جمی ہوئی تھی جو کھارے پانی میں اس کی غرقابی کی ایک علامت تھی، ماہرین اثریات کو فرعون کی لاش قدیم مصری شہر Thebes میں ملی اب وہ قاہرہ کے میوزیم میں ہے۔

فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ فَسْـَٔلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۹۴﴾

اگر تم کو اس (کتاب) کے بارے میں جو ہم نے تم پر نازل کی ہے کچھ شک ہو تو جو لوگ تم سے پہلے کی (اتری ہوئی) کتابیں پڑھتے ہیں اُن سے پوچھ لو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق آچکا ہے تو تم ہرگز شک کرنے والوں میں نہ ہونا۔ (۹۴)

﴿فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ...الخ﴾

یعنی اگر آپ کو شک ہے کہ آپ کا ذکر ان کی کتابوں میں نہیں ہے تو ان سے پوچھئے جو کتاب پڑھتے ہیں جیسے عبداللہ بن سلا وغیرہ۔

فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَاۤ اِيْمَانُهَاۤ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ؕ لَمَّاۤ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۹۸﴾

تو کوئی بستی ایسی کیوں نہ ہوئی کہ ایمان لاتی تو اُس کا ایمان اُسے نفع دیتا ہاں یہ یونس کی قوم کہ جب ایمان لائی تو ہم نے دنیا کی زندگی میں اُن سے ذلت کا عذاب دُور کر دیا اور ایک مدت تک (فوائد دنیاوی سے) اُن کو بہرہ مند رکھا۔ (۹۸)

نینوی: دریائے دجلہ کے مشرقی کنارے پر آباد تھا شہر موصل اس میں آباد ہے، یونس علیہ السلام کی قبر یہیں ہے۔
یونس علیہ السلام ایک دریا کے کنارے پہنچے، وہاں کشتی پر سوار ہوئے، دریا میں سخت طوفان آ گیا، کشتی کا بوجھ کم کیا گیا مگر اس کا کچھ نتیجہ نہ نکلا، تب قرعہ ڈالا گیا، وہ یونس علیہ السلام کے نام نکلا، تو کشتی والوں نے یہ سمجھا کہ طوفان انہیں کے بیٹھنے سے آیا ہے، لوگوں نے پوچھا تم نے ایسا کون سا برا کام کیا ہے جس سے یہ کشتی غرق ہوا چاہتی ہے؟ انہوں نے کہا میں اپنے مالک کی اجازت کے بغیر بھاگ آیا ہوں، تب لوگوں نے انہیں اٹھا کر دریا میں ڈال دیا۔

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

حالانکہ کسی شخص کو قدرت نہیں ہے کہ اللہ کے حکم کے بغیر ایمان لائے اور جو لوگ بے عقل ہیں اُن پر وہ (کفر و ذلت کی) نجاست ڈالتا ہے۔ (۱۰۰)

جو لوگ عقل سے کام نہیں لیتے اللہ ان کے ذہنوں پر گندگی ڈال دیتا ہے۔

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِىْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِىْ فَلَاۤ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِىْ يَتَوَفّٰٮكُمْ ۖۚ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۴﴾

(اے پیغمبر!) کہہ دیجئے کہ لوگو اگر تم کو میرے دین میں کسی طرح کا شک ہو تو (سن رکھو کہ) جن لوگوں کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو میں اُن کی عبادت نہیں کرتا بلکہ میں اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو تمہاری روحیں قبض کر لیتا ہے اور مجھے یہی حکم ہوا ہے کہ ایمان لانے والوں میں ہوں۔ (۱۰۴)

داعیوں کو تنبیہ:

''فَاِنْ كُنْتَ فِىْ شَكٍّ'' داعی اپنے ماحول میں جب حق کی بے وقعتی دیکھتا ہے تو کبھی کبھی اسے شبہ گذرتا ہے کہ میں کہیں غلطی پر تو نہیں ہوں۔ اسی نفسیات سے بچنے کی تاکید کی گئی کہ ہر پیغمبر جو اٹھا فوراً اسے عوامی مقبولیت نہیں حاصل ہوئی

Scanned by CamScanner

اور اگر کوئی بات حق ہو اور غیر کی طرف سے بے توجہی دیکھے یا مخالفت کی وجہ سے چھوڑ دے تو گویا اللہ کی نشانیوں کو جھٹلاتا ہے جو خسارہ ہے۔

داعی: پہلے دلیل کی زبان میں بات کہے دلیل نہ سنیں تو عزم کی زبان میں کہہ دے۔ ﴿فَلَآ اَعۡبُدُ الَّذِیۡنَ تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ﴾ کہ تم اللہ کے علاوہ جن کی عبادت کرتے ہو میں ان کی عبادت نہیں کرتا اور نہ کروں گا۔

وَلَا تَدۡعُ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ مَا لَا یَنۡفَعُکَ وَلَا یَضُرُّکَ ۚ فَاِنۡ فَعَلۡتَ فَاِنَّکَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۱۰۶﴾

اور اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیز کو نہ پکارنا جو نہ تمہارا کچھ بھلا کر سکے اور نہ کچھ بگاڑ سکے اگر ایسا کرو گے تو ظالموں میں ہو جاؤ گے۔ (۱۰۶)

اللہ کے علاوہ بندہ جن کو پکارتا ہے خواہ وہ کوئی صاحب قبر ہو، فرشتہ ہو، جن ہو یا بت ہو وہ نہ نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں اور اگر کوئی ان کو پکارے تو وہ ظالموں میں سے ہے۔ عبادت اور سرکشی دو متضاد چیزیں ہیں، عابد سرکش نہیں ہو سکتا۔

عن الحسن، أنه قال: قال عامر بن قيس رضى الله عنه: ما أبالي ما أصابني من الدنيا وما فاتني منها بعد ثلاث آيات ذكرهنّ الله تعالى في كتابه قوله: ﴿وَإِنْ يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلا كاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ وَإِنْ يُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلا رَادَّ لِفَضْلِهِ﴾ وقوله: ﴿مَّا يَفْتَحِ اللَّهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَحْمَةٍ فَلا مُمْسِكَ لَها وَما يُمْسِكْ فَلا مُرْسِلَ لَهُ مِنْ بَعْدِهِ﴾ وقوله: ﴿وَما مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُها﴾ (تفسیر سمرقندی: ۲/۱۳۶)

عامر بن قیس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ قرآن کی تین آیتوں نے مجھے سارے جہاں سے بے نیاز کر دیا:

(۱) ﴿وَاِنۡ یَّمۡسَسۡکَ اللّٰہُ بِضُرٍّ فَلَا کَاشِفَ لَہٗۤ اِلَّا ہُوَ ۚ وَاِنۡ یُّرِدۡکَ بِخَیۡرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضۡلِہٖ ؕ یُصِیۡبُ بِہٖ مَنۡ یَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِہٖ ؕ وَہُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِیۡمُ﴾ (سورہ یونس: ۱۰۷)

(۲) ﴿وَمَا مِنۡ دَآبَّۃٍ فِی الۡاَرۡضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزۡقُہَا وَیَعۡلَمُ مُسۡتَقَرَّہَا وَمُسۡتَوۡدَعَہَا ؕ کُلٌّ فِیۡ کِتٰبٍ مُّبِیۡنٍ﴾ (سورہ ہود: ٦)

(۳) ﴿مَا یَفۡتَحِ اللّٰہُ لِلنَّاسِ مِنۡ رَّحۡمَۃٍ فَلَا مُمۡسِکَ لَہَا ۚ وَمَا یُمۡسِکۡ ۙ فَلَا مُرۡسِلَ لَہٗ مِنۡۢ بَعۡدِہٖ ؕ وَہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ﴾ (سورہ فاطر: ۲)

وَاتَّبِعۡ مَا یُوۡحٰۤی اِلَیۡکَ وَاصۡبِرۡ حَتّٰی یَحۡکُمَ اللّٰہُ ۚۖ وَہُوَ خَیۡرُ الۡحٰکِمِیۡنَ ﴿۱۰۹﴾

اور (اے پیغمبر!) تمہیں جو حکم بھیجا جاتا ہے اُس کی پیروی کئے جاؤ اور (تکلیفوں پر) صبر کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ فیصلہ کر دے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ (۱۰۹)

Scanned by CamScanner

پیغمبر کو آخری ہدایت:

مخالفین کے رویے سے قطع نظر اس وحی کی پیروی کرتے جاؤ اور مخالفین کتنا ہی زور لگائیں لیکن تم اپنے حق کے موقف پر ڈٹے رہو، یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ آجائے کہ کامیابی ایمان والوں کے لیے ہے اور رسوائی مخالفین کے لیے۔

﴿وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ﴾

داعی کا کام:

اس کا اصلاً کام اعلان حق ہے، امر حق کو مدلل کرے، عملاً مرضی رب پر قائم رہتے ہوئے مرضی رب کی طرف بلائے اور تکلیف آئے تو صبر کرے۔

مدعو کی نفسیات:

قرآن کی دعوت ہے کہ آدمی اللہ ہی کی عبادت کرے، آدمی کے سامنے کھانا رکھ دیا جائے، اگر اس نے اسے قبول کرلیا تو اس نے اپنی ہی جسمانی پرورش کا انتظام کیا ورنہ اس نے خود کو جسمانی پرورش سے محروم رکھا، یہی حال ہدایت کا ہے، جو روح کے لیے رزق ربانی ہے جس نے اسے قبول کیا اس نے روح کی پرورش کا انتظام کیا ورنہ محروم رہا۔

❀❀❀

Scanned by CamScanner

سورة هود (مكية)

الٓرٰ۟ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍۙ۝۱

الٓرٰ. یہ وہ کتاب ہے جس کی آیتیں مستحکم ہیں اور اللہ حکیم وخبیر کی طرف سے بہ تفصیل بیان کردی گئی ہیں۔(۱)

یہ کتاب انتہائی ٹھوس حقائق اور اعلیٰ تعلیمات پر مشتمل ہے۔اس کے مضامین بے حد جچے تلے اور معنی خیز ہیں۔ گویا ہر لفظ اپنے مقام پر جڑا ہوا ایک ہیرا ہے۔

﴿مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ﴾

﴿حكمة﴾ ''مَنَعَ مَنْعاً لِاِصْلَاحٍ'' کسی کو کسی کام سے اس کی اصلاح کے لیے روکنا حکمت کہلاتا ہے۔اسی وجہ سے جانور کی لگام کو ''حَكَمة'' کہتے ہیں۔شاعر کہتا ہے:

''اَبَنى حَنِيْفَةَ اَحْكِمُوْا سُفَهَاءَكُمْ'' یعنی اے بنوحنیفہ! تم اپنے بیوقوفوں کو روکو۔

حکمت کی تعریف:

(۱) مَا يَمْنَعُ مِنَ الْجَهَالَةِ (جو جہالت سے روک دے)

(۲) كُلُّ كَلَامٍ مُوَافِقٌ لِلْحَقِّ (ہر وہ کلام جو حق کے موافق ہو)

(۳) وَضْعُ الشَّيْئِ فِيْ مَوْضِعِهٖ (چیز کو اس کی جگہ پر رکھنا)

وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ؕ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّيْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ۝۳

اور یہ کہ اپنے رب سے بخشش مانگو اور اس کے آگے توبہ کرو وہ تمہیں ایک وقت مقرر تک متاعِ نیک سے بہرہ مند کرے گا اور ہر صاحبِ بزرگی کو اُس کی بزرگی (کی داد) دے گا اور اگر رُوگردانی کرو گے تو مجھے تمہارے بارے میں (قیامت کے) بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے۔(۳)

توبہ کے دو رکن: ﴿تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ﴾

(۱) پلٹ کر صحیح راہ اختیار کرے۔

(۲) اللہ سے معافی مانگے۔

عنایت کی دو قسمیں: ﴿يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا﴾

(۱) دنیا کی عافیت۔

(۲) آخرت کی نجات و ترقی درجات۔

پہلے کی طرف ﴿يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا﴾ سے اور دوسرے کی طرف ﴿وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ﴾ سے اشارہ کیا گیا ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ آخرت میں اعمال کے تفاوت سے مراتب کا تفاوت ہوگا۔

﴿المتاع﴾ "مایُتَبَلَّغُ بِهٖ مِنَ الزَّادِ" وہ زادِ راہ جس کے ذریعہ منزل مقصود تک پہونچا جائے۔ دنیا متاع غرور بھی ہے اور متاع حسن بھی، جو آخرت سے غافل ہوکر دنیا سے استفادہ کرے گا دنیا اس کے لیے متاع غرور ہے، اور جو آخرت کی تیاری کے ساتھ ساتھ اس سے استفادہ کرے گا اس کے لیے دنیا متاعِ حسن ہے۔

متاع حسن کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ انسان موجود پہ قناعت کرے اور جس قدر میسر ہو اس پر مطمئن ہو جائے متاع حسن کا ایک مطلب حلال و پاکیزہ رزق بھی ہے۔

﴿يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا﴾ دنیا میں اور ﴿فَضْلٍ فَضْلَهٗ﴾ آخرت میں ملے گا۔ قرآن کی دعوت یہ ہے کہ انسان صرف ایک اللہ کی عبادت کرے ﴿اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ﴾ شرک سے توبہ کرے۔ ﴿تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ﴾ طاعت پر جم جائے۔ تو دنیا میں جب تک رہے گا متاعِ حسن سے نوازا جائے گا۔ اور مرنے کے بعد اللہ کے فضل سے نوازا جائے گا۔

﴿يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا﴾ بہترین نعمتوں سے نوازے گا۔ تاریخ گواہ ہے جو لوگ شرک سے تائب ہوئے ان کی دنیا بگڑی نہیں سنور گئی۔

اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ ؕ اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ ۙ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۚ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۵

دیکھو یہ اپنے سینوں کو دوہرا کرتے ہیں تا کہ اللہ سے پردہ کریں، سن رکھو جس وقت یہ کپڑوں میں لپٹ کر پڑتے ہیں (تب بھی) وہ اُن کی چھپی اور کھلی باتوں کو جانتا ہے وہ تو دلوں تک کی باتوں سے گاہ ہے۔ (۵)

انسان کی حماقت یہ کہ جب وہ حقیقت کا مواجہۃ (سامنا) کرنے سے گریز کرتا ہے اور سمجھ بیٹھتا ہے کہ اب وہ حقیقت،

حقیقت نہ رہی حالانکہ کسی کے گریز کرنے سے حقیقت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ شتر مرغ طوفان کا احساس کر کے اگر اپنا سر ریت میں چھپالے تو طوفان کا رخ نہیں بدل جاتا۔

(سنو! وہ اپنے سینے موڑتے ہیں تا کہ اس سے چھپ جائیں۔ آگاہ رہو جس وقت وہ خوب اوڑھ لیتے ہیں اپنے کپڑے تو اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں۔ وہ تو سینوں کے بھیدوں سے اچھی طرح باخبر ہے)

وَنَزَلَتْ فِیْ بَعْضِ الْمُنَافِقِیْنَ کَانَ اِذَا مَرَّ بِالنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثَنٰی صَدْرَہٗ وَ ظَھْرَہٗ وَطَأْطَأَ رَأْسَہٗ وَ غَطّٰی وَجْھَہٗ لِکَیْلَا یَرَاہُ النَّبِیُّ فَیَدْعُوْہُ اِلَی الْاِیْمَانِ (الجامع لاحکام القرآن للقرطبی)

کہا گیا کہ یہ آیت بعض منافقین کے بارے میں نازل ہوئی کہ جب وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گذرتے تو اپنا سینہ اور پیٹھ موڑ لیتے اور اپنا سر جھکا لیتے اور چہرہ ڈھک لیتے تا کہ نبی انہیں دیکھ نہ لیں اور انہیں ایمان کی دعوت نہ دیں۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اس میں اللہ کے علم کامل کا بیان ہے کہ بعض مشرکین اپنے گھروں میں داخل ہوتے تو پردے گرا دیتے اور اپنی پیٹھ موڑ لیتے اور خود کو کپڑے سے ڈھک لیتے اور کہتے کہ اب بھی اللہ کو معلوم ہے کہ میرے دل میں کیا ہے؟ تو یہ جواب دیا گیا۔

Scanned by CamScanner

پارہ نمبر

١٢

سورۃ ھود
(آیت:٦)
تا
سورۃ یوسف
(آیت:٥٢)

مُجمّع بلقیس للبحوث الإسلامیۃ
حیدرآباد، الہند

Scanned by CamScanner

بارہواں پارہ

وَمَا مِنۡ دَآبَّةٍ فِى الۡاَرۡضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزۡقُهَا وَيَعۡلَمُ مُسۡتَقَرَّهَا وَمُسۡتَوۡدَعَهَا ؕ كُلٌّ فِىۡ كِتٰبٍ مُّبِيۡنٍ ۝۶

اور زمین پر کوئی چلنے پھرنے والا نہیں مگر اُس کا رزق اللہ کے ذمہ ہے وہ جہاں رہتا ہے اُسے بھی جانتا ہے اور جہاں سونپا جاتا ہے اُسے بھی، یہ سب کچھ کتابِ روشن میں (لکھا ہوا) ہے۔(۶)

ہر ایک ﴿دَآبَّةٍ﴾ (زمین پر چلنے والا) کا علم رکھنا اللہ کے کمال علم کی دلیل ہے اور جہاں بھی وہ ہوں، ان کو روزی پہونچانا اس کے کمال قدرت کی دلیل ہے۔

﴿وَمَا مِنۡ دَآبَّةٍ فِى الۡاَرۡضِ﴾

اس آیت میں اللہ کے کمال علم کا اثبات ہے۔ ہر جاندار کو اللہ کے ہاں سے روزی پہونچ رہی ہے اگر اللہ کا علم ہر چیز کا احاطہ نہ کئے ہوتا تو روزی کا یہ بندوبست کیسے ممکن تھا؟

رزق رسانی کا یہ ہمہ گیر نظام بتا رہا ہے کہ جس نے زندگی بخشی ہے وہی اس کی بقا کا سامان کر رہا ہے۔

زمین اور آسمان کی تخلیق سے پہلے پانی پیدا فرمایا پھر اسی پانی سے تمام جاندار وجود میں آئے۔

سوال: جب ہر جاندار کا رزق اللہ نے اپنے ذمہ لیا ہے تو بہت سے جانور اور انسان غذا نہ ملنے کے سبب بھوکے کیوں مر جاتے ہیں؟

جواب: رزق کی ذمہ داری اسی وقت تک ہے جب تک اس کی عمر پوری نہیں ہو جاتی جب عمر پوری ہو گئی تو اس کو بہر حال مرنا ہے جس کا عام سبب امراض ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ کبھی جلنا، کبھی غرق ہونا، کبھی چوٹ لگنا، سبب ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک سبب یہ بھی ہے کہ اس کا رزق بند کر دیا گیا۔

سوال: روزی اللہ کے ذمہ ہے تو ملے گی پھر ہاتھ پیر ہلانے کی ضرورت کیا ہے؟

جواب: انسان کو اسباب اختیار کرنے کا مکلف بنایا گیا ہے۔ اسباب اختیار کرے مگر اسے موثر بالذات نہ سمجھے بلکہ اعتماد اللہ پر ہو

اسی کا نام توکل ہے۔حدیث ہے حَدَّثَنَا المُغِيرَةُ بْنُ أَبِي قُرَّةَ السَّدُوسِيُّ قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ: قَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللهِ أَعْقِلُهَا وَأَتَوَكَّلُ أَوْ أُطْلِقُهَا وَأَتَوَكَّلُ؟ قَالَ: اعْقِلْهَا وَتَوَكَّلْ (ترمذی، کتاب صفة القیامة: ۲۵۱۷، حسن) اس کو باندھ اور توکل کر۔

﴿مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا﴾

ابن عباس رضی اللہ عنہما کے مطابق جس جگہ انسان زندگی کا اکثر حصہ بسر کرتا ہے وہ مستقر ہے اور جہاں دفن ہوتا ہے وہ مستودع ہے۔

﴿مُسْتَوْدَعَ﴾ کے معنی مدفن کے ہیں۔ مدفن کے لیے مستودع کا لفظ استعمال کرنے میں یہ بلیغ تذکیر ہے کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ جب وہ مرگیا تو فنا ہوگیا۔ وہ فنا نہیں ہوتا بلکہ زمین کی امانت میں دیدیا جاتا ہے اور ایک دن آئے گا یہ امانت زمین اپنے رب کے حوالے کردے گی۔

﴿مُسْتَقَرَّ وَمُسْتَوْدَعَ﴾ مستقر اور مستودع کی ایک تفسیر یہ بھی ہے کہ مستقر سے مراد رحم مادر ہے اور مستودع سے مراد باپ کی صلب ہے۔

نکتہ: ﴿عَلَى اللهِ رِزْقُهَا﴾ کے بعد ﴿يَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا﴾ لاکر یہ بتایا ہے کہ رزق کا سلسلہ رحم مادر ہی سے شروع ہوجاتا ہے۔

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَلَئِنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝

اور وہی تو ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں بنایا ہے (اس وقت) اس کا عرش پانی پر تھا (تمہارے پیدا کرنے سے) مقصود یہ ہے کہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں عمل کے لحاظ سے کون بہتر ہے اور اگر تم کہو کہ تم لوگ مرنے کے بعد (زندہ کرکے) اٹھائے جاؤ گے تو کافر کہہ دیں گے کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔(۷)

اس میں اللہ کے کمال قدرت کا بیان ہے کہ اس نے زمین وآسمان چھ دن میں پیدا کئے۔ اس یوم (دن) کی مقدار کیا ہو؟ اس کا تعین مشکل ہے اس وقت ہمارا آج کل والا شمسی نظام نہ تھا قرآن میں ایک جگہ یوم کی مقدار ایک ہزار سال بیان کی گئی ہے۔ اس حساب سے کائنات کی تخلیق چھ ہزار سال میں ہوئی۔ کائنات کو کُن سے بھی پیدا کرسکتا تھا پھر اتنے عرصے میں بنانے میں کیا حکمت ہے؟ مفسرین کہتے ہیں کہ اس میں انسان کے لیے سبق ہے کہ ہر کام تحمل، وقار اور بہترین اسلوب سے کیا جائے۔ نیز اہتمام کی طرف بھی اشارہ ہے غالباً اس میں وہی حکمت ہے جو پیدائش سے پہلے انسان کے نو ماہ پیٹ میں رہنے کی

Scanned by CamScanner

ہے۔صحیح احادیث سے خلق کی ابتداء یوم الاحد سے ہوئی اور جمعہ کو تمام ہوئی۔

سوال: پہلے پہل خلق کی ابتداء کیسے ہوئی؟

جواب: رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا تو، آپ ﷺ نے فرمایا ہر چیز سے پہلے اللہ تھا اور اس کا عرش پانی پر تھا، پانی اور عرش کے بعد سب سے پہلے اللہ تعالی نے قلم کو پیدا کیا۔ سب سے پہلے اللہ تعالی نے عقل کو پیدا کیا یہ روایت ضعیف ہے۔ آسمان وزمین کی پیدائش سے پچاس ہزار سال پہلے ہی مخلوق کی تقدیریں لکھ دیں۔ اللہ تعالی نے زمین وآسمان بیکار نہیں پیدا کئے۔ یہ سب انسان کے لیے ہیں اور انسان اللہ کی عبادت کے لئے ہیں۔

﴿وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾

کائنات کو چھ ادوار میں پیدا کیا۔ اس میں اشارہ ہے کہ یہ کائنات کوئی اتفاقی حادثہ نہیں بلکہ اس کے خالق نے اس کو ارادہ و اسکیم، ترتیب اور حکمت سے وجود بخشا ہے۔

چھ دن میں کائنات کیوں بنی؟ کیونکہ اچانک بن جانے پر اعتراض ہوتا کہ یہ کائنات اسکیم کے تحت نہیں بنائی گئی اور چھ ہی دن میں کیوں بنی اس کا جواب یہ ہے کہ دنیا عالم اسباب ہے، کام جتنے وقت کا متقاضی ہوتا ہے وقت اتنا ہی لگتا ہے۔

﴿لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾ یہاں یہ نہیں فرمایا گیا کون زیادہ عمل کرتا ہے بلکہ فرمایا کون اچھے عمل کرتا ہے۔ اچھا عمل وہ ہے جو رضاء الہی کی خاطر ہو۔ دوسرا سنت کے مطابق ہو ان دو شرطوں میں سے کوئی ایک شرط فوت ہو جائے تو عمل اچھا نہ رہے گا۔ پھر چاہے وہ کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہو اللہ کے یہاں اس کی کوئی حیثیت نہیں۔

﴿لِيَبْلُوَكُمْ﴾ دنیا دار الابتلاء ہے اور آزمائش عارضی ہوتی ہے۔ امتحان کا کمرہ مستقل رہائش کے لیے نہیں ہوتا۔ پھر دار الابتلاء میں اخفاء کا پہلو اور دار الجزا میں اظہار کا پہلو غالب ہوتا ہے۔ امتحان کے بعد نتیجہ سنانے کے لیے دار الجزاء میں لے جانا ضروری ہے۔ اہل ایمان احکام کے مقابلے میں عقل استعمال نہیں کرتے تو عقل پرست کہتے ہیں کہ یہ موٹی عقل والے ہیں۔

وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ كَفُوْرٌ ﴿٩﴾

اور اگر ہم انسان کو اپنے پاس سے نعمت بخشیں پھر اس سے اس کو چھین لیں تو نا امید (اور) ناشکر (ہو جاتا) ہے۔(۹)

زندگی آزمائش ہے تو تکلیف کی حالت میں مایوس ہونا صحیح نہیں اور راحت کی حالت میں پھولے نہ سمانا بھی درست نہیں۔ پہلی حالت صبر اور دوسری حالت شکر پیدا کرنے کے لیے ہے۔

﴿اَذَقْنَا﴾ یہاں چکھانا ہے پیٹ بھر کر کھانا تو عالم باقی میں ہوگا۔

﴿اَذَقْنَا﴾ کا نکتہ: ذوق کا مطلب ہے چکھانا۔ اس میں اشارہ کر دیا گیا کہ اصل نعمت آخرت کی نعمت ہے۔ دنیا کی ہر

Scanned by CamScanner

راحت نامکمل ہے۔ بس وہ چکھنے اور نمونہ کے درجے میں ہے۔ ساری دنیا آخرت کا شوروم ہے جس میں راحت وکلفت کے صرف نمونے رکھے ہیں۔

نعمت کے ساتھ رزق کا ذکر: ضراء کے ساتھ مَس: گویا کہ دنیا میں جتنی بھی مصیبتیں ہیں وہ مس اور Touch کے درجہ میں ہیں ورنہ حقیقی تکلیف تو جہنم کی تکلیف ہے۔

نعمت کے ساتھ اذقناہ: اللہ نے اذاقتہ (چکھانا) کو اپنی طرف منسوب کیا اور مَسَّتۡهُ تکلیف کے بارے میں فرمایا تکلیف پہنچ گئی۔ تکلیف اور نعمت دونوں اللہ کی طرف سے ہے مگر ادب کا تقاضہ ہے کہ تکلیف کو اس کی طرف منسوب نہ کیا جائے۔

وَلَئِنۡ اَذَقۡنٰهُ نَعۡمَآءَ بَعۡدَ ضَرَّآءَ مَسَّتۡهُ لَيَقُوۡلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّىۡ ؕ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوۡرٌ ۙ﴿۱۰﴾

اور اگر تکلیف پہنچنے کے بعد آسائش کا مزہ چکھائیں (تو خوش ہوکر) کہتا ہے کہ (آہا) سب سختیاں مجھ سے دُور ہوگئیں بیشک وہ خوشیاں منانے والا (اور) فخر کرنے والا ہے۔ (۱۰)

فطری کمزوریاں:

نعمت کے بعد تکلیف آئے تو رحمت سے ناامید ہوکر ناشکری کرنے لگتا ہے یہ خیال نہیں کرتا کہ جس ذات نے پہلے نعمت دی تھی وہ پھر سے دے سکتا ہے۔ اسی طرح مصیبت کے بعد راحت مل جائے تو شکر کرنے کے بجائے اکڑنے لگتا ہے پچھلی حالت کو بھول کر یوں سمجھنے لگتا ہے کہ یہ نعمت میرا حق ہے مجھے ملنا ہی چاہیے اور میں ہمیشہ اسی طرح رہوں گا۔ غافل خیال نہیں کرتا کہ جس طرح پہلی حالت باقی نہیں رہی ہوسکتا ہے کہ راحت کی یہ حالت بھی باقی نہ رہے۔

اِلَّا الَّذِيۡنَ صَبَرُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمۡ مَّغۡفِرَةٌ وَّاَجۡرٌ كَبِيۡرٌ ﴿۱۱﴾

ہاں جنہوں نے صبر کیا اور عمل نیک کئے یہی لوگ ہیں جن کے لئے بخشش اور اجرِ عظیم ہے۔ (۱۱)

عام انسانی کمزوری کا علاج:

(۱) صبر (تمام خلاف شرع کاموں سے پرہیز)

(۲) عمل صالح (تمام فرائض وواجبات کی ادائیگی) ہر ایسی چیز سے پرہیز کریں جو اللہ ورسول کو ناپسند ہو اور ہر ایسے عمل کی طرف دوڑیں جس سے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوں۔ ایسے لوگوں کا بدلہ: ﴿مَّغۡفِرَةٌ وَّاَجۡرٌ كَبِيۡرٌ﴾

(۱) ﴿مَّغۡفِرَةٌ﴾ ان کی خطائیں بخش دی جائیں گی۔

(۲) ﴿اَجۡرٌ كَبِيۡرٌ﴾ اور ان کے نیک عمل کا بڑا بدلہ دیا جائے گا۔

اَمۡ يَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰٮهُ ؕ قُلۡ فَاۡتُوۡا بِعَشۡرِ سُوَرٍ مِّثۡلِهٖ مُفۡتَرَيٰتٍ وَّادۡعُوۡا مَنِ اسۡتَطَعۡتُمۡ

Scanned by CamScanner

مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۳﴾

یہ کیا کہتے ہیں کہ اس نے قرآن ازخود بنالیا ہے؟ کہہ دیجئے کہ اگر سچے ہوتوتم بھی ایسی دس سورتیں بنالاؤ اور اللہ کے سوا جس جس کو بلا سکتے ہو بلا بھی لو۔ (۱۳)

قرآن جیسی دس سورتیں بنالاؤ اس چیلنج نے یہ ثابت کر دکھایا کہ اس کی دعوت برحق ہے یہ اللہ کا کلام ہے تو اسلام کو قبول کرنے میں کون سی چیز مانع ہے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾

یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں آتش (جہنم) کے سوا اور کچھ نہیں اور جو عمل انہوں نے کئے سب برباد اور جو کچھ وہ کرتے رہے سب ضائع ہو گئے۔ (۱۶)

دنیا کے کام مقررہ قوانین کے ماتحت تھے ان کا بدلہ ان کو مل گیا یعنی دین سے بیگانہ ہو کر بھی انسان دنیا حاصل کر سکتا ہے۔

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ۭ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۚ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ ۤ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۷﴾

بھلا جو لوگ اپنے پروردگار کی طرف سے دلیل (روشن) رکھتے ہوں اور ان کے ساتھ ایک (آسمانی) گواہ بھی اس کی جانب سے ہو اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب ہو جو پیشوا اور رحمت ہے (تو کیا وہ قرآن پر ایمان نہیں لائیں گے) یہی لوگ تو اس پر ایمان لاتے ہیں اور جو کوئی اور فرقوں میں سے اس سے منکر ہو تو اس کا ٹھکانہ آگ ہے تو تم اس (قرآن) سے شک میں نہ ہونا یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے حق ہے لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔ (۱۷)

اِمَامٌ: ''اَلْخَيْطُ يَمُدُّ عَلَى الْبِنَاءِ فَيُبْنٰى'' وہ تاگا جس سے معمار دیوار کی کجی معلوم کرتے ہیں، اسے امام کہتے ہیں۔

﴿بَيِّنَةٍ﴾ بینہ کے معنی روشن دلیل کے ہیں۔ جو ہر شخص کے نفس میں اپنے رب کی پہچان اور اس کے حضور جوابدہی کا تصور اور خیر وشر کی تمیز کے سلسلے میں پائی جاتی ہے۔

﴿شَاهِدٌ﴾ شاہد بمعنی گواہ ہے۔ یہاں مراد قرآن ہے۔ جس نے اس فطری دلیل کی تائید کی بلکہ پوری طرح کھول کر رکھ دیا۔ آیت کا مطلب ہے کہ جو شخص بھی اپنی فطرت میں پائی جانے والی دلیل پر قائم ہو وہ قرآن کی دعوت میں کوئی اجنبیت

Scanned by CamScanner

محسوس نہیں کرے گا بلکہ اس کو فطرت سے ہم آہنگ پا کر اس کو قبول کرلے گا۔

﴿ اُمَّۃ ﴾ وہ تمام لوگ ہوتے ہیں جن کی طرف رسول بھیجا جاتا ہے، پھر امت کی دو قسمیں ہیں:

(۱) امت دعوت

(۲) امت اجابت

﴿ عَلٰی بَیِّنَۃٍ ﴾ بینۃ سے مراد فطرت ہے اور شاہد سے مراد شریعت ہے۔ یعنی پچھلی کتابیں جن میں تحریف کے باوجود حق کی جھلک مل جاتی ہے۔

﴿ وَمَنْ یَّکْفُرْ بِہٖ مِنَ الْاَحْزَابِ ﴾ تمام فرقوں سے مراد روئے زمین پر پائے جانے والے تمام مذاہب ہیں جیسے یہودیت، عیسائیت، بدھ مت اور ہندوازم۔ ان میں سے جو بھی محمد ﷺ پر ایمان نہ لائے فَالنَّارُ مَوْعِدُہٗ تو جہنم ان کا ٹھکانہ ہے۔

فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ قَوْمِہٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِیْنَ ھُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاْیِ ۚ وَمَا نَرٰی لَكُمْ عَلَیْنَا مِنْ فَضْلٍۭ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِیْنَ ﴿۲۷﴾

تو ان کی قوم کے سردار جو کافر تھے کہنے لگے کہ ہم تمہیں اپنے ہی جیسا ایک آدمی دیکھتے ہیں اور یہ بھی دیکھتے ہیں کہ تمہارے پیرو وہی لوگ ہوئے ہیں جو ہم میں ادنیٰ درجے کے ہیں اور وہ بھی رائے ظاہر سے (نہ غور و تعمق سے) اور ہم تم میں اپنے اوپر کسی طرح کی فضیلت نہیں دیکھتے بلکہ تمہیں جھوٹا خیال کرتے ہیں۔ (۲۷)

﴿ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا ﴾

ہماری طرح بشر کہا، ظاہری مشابہت کی بنا پر کفار نے انبیاء کو اپنے جیسا جانا، یہ ان کی کور باطنی تھی، سعید اور شقی صورت کے لحاظ سے ایک جیسے ہوتے ہیں جیسے آب تلخ اور آب شیریں دونوں ظاہر کے اعتبار سے ایک اور حقیقت کے اعتبار سے مختلف ہے۔ رہبر کا کام راستہ بتانا ہے اگر کسی گم گشتۂ راہ کو صحرا میں کوئی رہنما مل جائے جو راستے سے بخوبی واقف ہو اور وہ اس کو راستہ بتلائے اور یہ شخص جواب میں کہے کہ تو میرے جیسا انسان ہے میں تیری بات کیسے مانوں؟ بلاشبہ صورت میں یہ دونوں ایک ہیں۔ انسان ہیں، مگر وہ منزل مقصود سے آگاہ ہے اور تم بے خبر ہو۔

وَلَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآىِٕنُ اللّٰهِ وَلَاۤ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَاۤ اَقُوْلُ اِنِّیْ مَلَكٌ وَّلَاۤ اَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ تَزْدَرِیْۤ اَعْیُنُكُمْ لَنْ یُّؤْتِیَهُمُ اللّٰهُ خَیْرًا ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِیْۤ

اَنۡفُسِهِمۡ ۖۚ اِنِّىۡۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۳۱﴾

میں نہ تم سے یہ کہتا ہوں کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں اور نہ ان لوگوں کی نسبت جن کو تم حقارت کی نظر سے دیکھتے ہو کہتا ہوں کہ اللہ ان کو بھلائی (یعنی اعمال کی جزائے نیک) نہیں دے گا جو ان کے دلوں میں ہے اسے اللہ خوب جانتا ہے اگر میں ایسا کہوں تو بے انصافوں میں ہوں۔ (۳۱)

مشرکین جاہلوں کا یہ خیال تھا کہ رسول کو مختار کل ہونا چاہئے عالم الغیب ہونا چاہئے فرشتہ ہونا چاہئے بشر نہیں ہونا چاہئے، ان کی تردید کی گئی۔

﴿وَلَاۤ اَقُوۡلُ اِنِّىۡ مَلَكٌ﴾

﴿مَا نَرٰٮكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثۡلَنَا﴾

نبی کی اطاعت سے بھاگنے کے لیے ہمیشہ یہی بہانہ استعمال کیا گیا ہے:

(۱) یہ تو ہمارے جیسا انسان ہے نبی کیسے ہوسکتا ہے؟ یہ بہانہ لوگ نبی کی زندگی میں کرتے ہیں۔

(۲) بعد میں آنے والے یہ بہانہ کرتے ہیں کہ وہ نبی تو ہے مگر بشر نہیں۔ ظاہر ہے کہ جو بشر نہ ہوگا اس کی اطاعت بشر کیسے کرے گا۔

اَمۡ يَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰٮهُ‌ ؕ قُلۡ اِنِ افۡتَرَيۡتُهٗ فَعَلَىَّ اِجۡرَامِىۡ وَاَنَا بَرِىۡٓءٌ مِّمَّا تُجۡرِمُوۡنَ ﴿۳۵﴾

کیا یہ کہتے ہیں کہ اس (پیغمبر) نے قرآن اپنے دل سے بنا لیا ہے؟ کہہ دیجئے کہ اگر میں نے دل سے بنالیا ہے تو میرے گناہ کا وبال مجھ پر اور جو گناہ تم کرتے ہو اس سے میں بری الذمہ ہوں۔ (۳۵)

﴿فَعَلَىَّ اِجۡرَامِىۡ﴾ جب مخالف دلیل کو نہ مانے اور وضاحت کے بعد بھی انکار پر تل جائے تو داعی کے لیے آخری چارۂ کار یہ ہے کہ یہ کہہ کر خاموش ہو جائے۔ ﴿وَيٰقَوۡمِ اعۡمَلُوۡا عَلٰى مَكَانَتِكُمۡ اِنِّىۡ عَامِلٌ‌ ؕ سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ﴾ اب تم اپنی جگہ عمل کیئے جاؤ میں بھی عمل کر رہا ہوں، تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا یا یہ کہہ کر خاموش ہو جائے ﴿فَعَلَىَّ اِجۡرَامِىۡ وَاَنَا بَرِىۡٓءٌ مِّمَّا تُجۡرِمُوۡنَ﴾ میرا جرم میرے اوپر تمہارا جرم تمہارے اوپر ہے۔

حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَمۡرُنَا وَفَارَ التَّنُّوۡرُ ۙ قُلۡنَا احۡمِلۡ فِيۡهَا مِنۡ كُلٍّ زَوۡجَيۡنِ اثۡنَيۡنِ وَاَهۡلَكَ اِلَّا مَنۡ سَبَقَ عَلَيۡهِ الۡقَوۡلُ وَمَنۡ اٰمَنَ‌ ؕ وَمَاۤ اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِيۡلٌ ﴿۴۰﴾

یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آ پہنچا اور تنور جوش مارنے لگا تو ہم نے (نوح کو) حکم دیا کہ ہر قسم کے جانداروں) میں سے جوڑا جوڑا (یعنی) دو (دو جانور ایک ایک نر اور ایک ایک مادہ) لے لو اور جس شخص کی نسبت حکم ہو چکا ہے (کہ ہلاک ہو جائے گا) اس کو چھوڑ کر اپنے گھر والوں کو اور جو ایمان لایا ہو اس کو

Scanned by CamScanner

کشتی میں سوار کرلو اور ان کی ساتھ بہت ہی کم لوگ ایمان لائے تھے۔(۴۰)

مرد اور عورت کل ملا کر ۸۰ / افراد کشتی میں تھے۔ جن میں تین نوح کے بیٹے (۱) سام (۲) حام اور (۳) یافث تھے۔

وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ؕ اِنَّ رَبِّیْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۴۱﴾

(نوح علیہ السلام نے) کہا کہ اللہ کا نام لے کر (کہ اسی کے ہاتھ میں) اس کا چلنا اور ٹھہرنا (ہے) اس میں سوار ہوجاؤ بیشک میرا پروردگار بخشنے والا مہربان ہے۔(۴۱)

انسان ایک فٹ لوہا نہیں پیدا کرسکتا۔ ہائیڈروجن، آکسیجن اور پٹرول سب اللہ ہی نے بنایا ہے۔

﴿بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا﴾ گاڑیاں جہاز۔ پٹرول سے چلتے ہیں۔ پٹرول کس نے پیدا کیا۔ زمین پر دوڑنے اور فضا میں اڑنے کے لیے جس پاور کی ضرورت ہے وہ طاقت پٹرول سے حاصل کیا جاتا ہے یا کوئلہ سے۔ سوچنے کی بات ہے کہ ان میں سے کون سی چیز انسان نے پیدا کی ہے۔ آج سائنسی ایجادات کے نشے میں جو بدمست ہیں ان کی نظروں سے اصل حقیقت اوجھل ہوجاتی ہے۔ جہاز پر کافر و مومن دونوں سوار ہوتے ہیں مگر مومن کی نگاہ حقیقت پر ہوتی ہے اور کافر کی نگاہ ظاہر پر۔

وَقِيْلَ يٰۤاَرْضُ ابْلَعِیْ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِیْ وَغِيْضَ الْمَآءُ وَقُضِیَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِیِّ وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾

اور حکم دیا گیا کہ اے زمین! اپنا پانی نگل جا اور اے آسمان تھم جا تو پانی خشک ہوگیا اور کام تمام کردیا گیا اور کشتی کوہِ جودی پر جا ٹھہری اور کہہ دیا گیا کہ بے انصاف لوگوں پر لعنت۔(۴۴)

﴿وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِیِّ﴾ جودی پہاڑ کردستان میں واقع ہے یہ کوہستان ارارات کا ایک حصہ ہے جو آرمینیا سے کردستان تک پھیلا ہوا ہے۔ یہ طوفان پورے روئے زمین پر نہیں آیا تھا کیونکہ اس وقت انسانی آبادی ایک مخصوص خطے سے آگے نہیں بڑھی تھی۔

وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۴۵﴾

اور نوح علیہ السلام نے اپنے پروردگار کو پکارا اور کہا کہ پروردگار! میرا بیٹا بھی میرے گھر والوں میں سے (تو اسکو بھی نجات دے) تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب سے بہتر حاکم ہے۔(۴۵)

آج کل پیروں فقیروں سے وابستگی کو ذریعۂ نجات سمجھا جاتا ہے۔ ایمان اور عمل صالح کو ضروری نہیں سمجھا جاتا۔ جب

Scanned by CamScanner

ایمان اور عمل صالح کے بغیر نبی کی نسبی قرابت کام نہیں آسکتی تو یہ وابستگیاں کیا کام آسکتی ہیں؟

قَالَ رَبِّ اِنِّیۡۤ اَعُوۡذُ بِکَ اَنۡ اَسۡـَٔلَکَ مَا لَیۡسَ لِیۡ بِہٖ عِلۡمٌ ؕ وَ اِلَّا تَغۡفِرۡ لِیۡ وَ تَرۡحَمۡنِیۡۤ اَکُنۡ مِّنَ الۡخٰسِرِیۡنَ ﴿۴۷﴾

نوح علیہ السلام نے کہا کہ پروردگار میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں کہ ایسی چیز کا تجھ سے سوال کروں جس کی مجھے حقیقت معلوم نہیں اور اگر تو مجھے نہیں بخشے گا اور مجھ پر رحم نہیں کرے گا تو میں تباہ ہو جاؤں گا۔(۴۷)

﴿وَ اِلَّا تَغۡفِرۡ لِیۡ وَ تَرۡحَمۡنِیۡۤ اَکُنۡ مِّنَ الۡخٰسِرِیۡنَ﴾

نکتہ: استغفار سے گناہ ثابت نہیں ہوتا بلکہ بشری کمزوری کے نتائج سے بچنے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔نوح سے بیٹے کے حق میں دعا اجتہادی غلطی تھی جو شریعت کی نگاہ میں گناہ نہیں بلکہ بشری کمزوری تھا۔

تِلۡکَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الۡغَیۡبِ نُوۡحِیۡہَاۤ اِلَیۡکَ ۚ مَا کُنۡتَ تَعۡلَمُہَاۤ اَنۡتَ وَ لَا قَوۡمُکَ مِنۡ قَبۡلِ ہٰذَا ؕۛ فَاصۡبِرۡ ؕۛ اِنَّ الۡعَاقِبَۃَ لِلۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۴۹﴾

یہ (حالات) منجملہ غیب کی خبروں کے ہیں جو ہم تمہاری طرف بھیجتے ہیں اور اس سے پہلے نہ تم ہی ان کو جانتے تھے اور نہ تمہاری قوم (ہی ان سے واقف تھی) تو صبر کرو کہ انجام پرہیزگاروں ہی کا (بھلا) ہے۔(۴۹)

اس سے معلوم ہوا کہ نبی عالم الغیب نہیں ہوتا اس کو اتنا ہی علم ہوتا ہے جتنا وحی کے ذریعے اللہ اس کو عطا کرتا ہے۔

وَ اِلٰی عَادٍ اَخَاہُمۡ ہُوۡدًا ؕ قَالَ یٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمۡ مِّنۡ اِلٰہٍ غَیۡرُہٗ ؕ اِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا مُفۡتَرُوۡنَ ﴿۵۰﴾

اور ہم نے قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو بھیجا اس نے کہا: میری قوم والو اللہ ہی کی عبادت کرو اور اسکے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں، تم تو صرف بہتان باندھ رہے ہو۔

ہود علیہ السلام نے دعوت دین کی تین اصولی باتیں پیش کیں:

(۱) دعوت توحید

(۲) اگر میں اس کو اللہ کا فرمان اور حق نہ سمجھتا تو آخر کیا ضرورت تھی تمہیں دعوت دینے کی اور تمہاری اصلاح میں مجھے اتنی محنت اٹھانے کی۔

(۳) پچھلی زندگی میں جو گناہ کر چکے اس سے مغفرت مانگو اور توبہ کرو۔

Scanned by CamScanner

نتیجہ: (۱) تمہاری قحط سالی دور ہو جائے گی جس سے رزق میں وسعت ہوگی۔
(۲) تمہاری طاقت وقوت بڑھ جائے گی۔

﴿وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا﴾

آثار قدیمہ کے ایک جدید سائنسدان نے انکشاف کیا ہے کہ اہرام بنانے والی قوم قوم عاد ہے نہ کہ قوم فرعون۔ان کے قدا تنے لمبے تھے کہ وہ اہرام تعمیر کر سکتے تھے۔سائنسداں کے مطابق ''ارم ذات العماد'' میں ارم ہی ہرم ہے۔

يٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى الَّذِيْ فَطَرَنِيْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۵۱﴾

اے میری قوم! میں اس (وعظ ونصیحت) کا تم سے کچھ صلہ نہیں مانگتا میرا صلہ تو اس کے ذمے ہے جس نے مجھے پیدا کیا بھلا تم سمجھتے کیوں نہیں؟ (۵۱)

﴿فَطَرَنِيْ﴾ جس نے مجھے پیدا کیا اس سے مانگنا عزتِ نفس کے خلاف نہیں بلکہ انسان سے مانگنا عزت نفس کے خلاف ہے۔

وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۵۲﴾

اور اے قوم! اپنے پروردگار سے بخشش مانگو پھر اس کے آگے توبہ کرو وہ تم پر آسمان سے موسلا دھار بارش برسائے گا اور تمہاری طاقت پر طاقت بڑھائے گا اور (دیکھو) گنہگار بن کر روگردانی نہ کرو۔ (۵۲)

"مَنْ لَزِمَ الْإِسْتِغْفَارَ جَعَلَ اللّٰهُ لَهُ مِنْ كُلِّ ضِيْقٍ مَخْرَجاً وَمِنْ كُلِّ هَمٍّ فَرَجاً وَرَزَقَهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ"
(ابوداؤد، کتاب الصلاۃ:۱۵۱۸، صحیح)

جو پابندی سے استغفار کرتا ہے۔اللہ اس کے لیے ہر تنگی سے نکلنے کا راستہ بنا دیتا ہے۔اور ہر فکر سے۔ (همّ سے مراد فکر ہے) آزادی دیتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے رزق عطا فرماتا ہے جہاں سے اس کو گمان بھی نہیں ہوتا۔

گناہ سے استغفار کا فائدہ:

کہا جاتا ہے کہ یہ فوت شدہ بزرگ کچھ نہیں کر سکتے ہیں۔کہیں ان کی اس گستاخی پر وہ ان کا بیڑا نہ غرق کر دیں۔اگر تمہارا یہ عقیدہ ہے کہ انہوں نے مجھ پر کچھ کر دیا ہے تو یہ بالکل غلط ہے۔یہ بت کچھ نہیں کر سکتے اگر یقین نہ ہو تو لو میں حاضر ہوں۔

مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۵۵﴾

(یعنی جن کی) اللہ کے سوا (عبادت کرتے ہو تو) تم سب مل کر میرے بارے میں (جو) تدبیر (کرنی

Scanned by CamScanner

چاہو) کرلو اور مجھے مہلت نہ دو۔(۵۵)

انبیاء میں جرأت ایمانی کتنی زیادہ ہوتی ہے تصور کریں۔تنہا ایک نبی ساری قوم کو چیلنج کر رہا ہے کہ میرے خلاف تم سب اور تمہارے معبودان باطلہ مل کر جو بگاڑ سکتے ہو بگاڑ لو اور مجھے قطعاً مہلت نہ دو۔

وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُوْدًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَنَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿۵۸﴾

اور جب ہمارا حکم (عذاب) آپہنچا تو ہم نے ہُود کو اور جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لائے تھے ان کو اپنی مہربانی سے بچالیا اور انہیں عذابِ شدید سے نجات دی۔(۵۸)

﴿عَذَابٍ غَلِيْظٍ﴾ ''غلیظ'' کا مطلب ''گاڑھا'' ہوتا ہے۔کیونکہ گاڑھی چیز میں کوئی پھنس جائے تو اس سے نکلنا مشکل ہوتا ہے۔وہ ٹھوس نہیں ہوتی کہ اس پر سہارا دے کر آدمی باہر نکل آئے اور نہ پتلی ہوتی ہے کہ اس میں چل کر نکل جائے۔جس طرح دلدل کہ اس میں پھنسا باہر نہیں نکل سکتا۔

قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ اَتَنْهٰىنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَاِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ﴿۶۲﴾

انہوں نے کہا کہ صالح علیہ السلام اس سے پہلے ہم تم سے (کئی طرح کی) امیدیں رکھتے تھے (اب وہ منقطع ہوگئیں) کیا تم ہمیں ان چیزوں کے پوجنے سے منع کرتے ہو جن کو ہمارے بزرگ پوجتے آئے ہیں اور جس بات کی طرف تم ہیں بلاتے ہو اس میں ہمیں قوی شبہہ ہے۔(۶۲)

﴿قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ﴾ انبیاء کا اخلاق،نبوت سے پہلے کیسا ہوتا ہے۔وہ قوم وقبیلہ کی آرزوؤں کا مرکز ہوتے ہیں۔وہ اپنی قوم میں اپنی اعلیٰ صلاحیتوں اور پاکیزہ اخلاق واوصاف کے اعتبار سے ممتاز ہوتے ہیں۔ان کے اس وصف کا تقاضا یہ تھا کہ وہ نبوت کے دعوے کے ساتھ آتے تو لوگ سنجیدگی سے سنتے مگر عجیب بات ہے کہ جس کو زندگی بھر صادق وامین سمجھتے اور کہتے رہے اسی کو کذاب کہنے لگے۔

صالح علیہ السلام کی قوم نے ان سے کہا کہ اے صالح! تمہاری اس دعوت سے ہماری امیدوں کو دھکا لگا ہے۔ہم تو سمجھتے تھے کہ تمہاری وجہ سے ہمارے دین آبائی کی عزت میں اضافہ ہوگا۔

وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا ۭ قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ﴿۶۹﴾

اور ہمارے فرشتے ابراہیم علیہ السلام کے پاس بشارت لے کر آئے تو سلام کہا انہوں نے بھی (جواب میں) سلام کہا ابھی کچھ وقفہ نہیں ہوا تھا کہ (ابراہیم علیہ السلام) ایک بھنا ہوا بچھڑا لے آئے۔ (۶۹)

مہمانی کے اصول:

آنے والا پہلے سلام کرے، پھر میزبان تکلفات میں نہ پڑے، جو حاضر ہو لے آئے، مہمانی کرنا آداب اسلام میں سے ہے۔

﴿قَالُوْا سَلٰمًا﴾

ابراہیم علیہ السلام کا سلام فرشتوں کے سلام سے بہتر تھا کہ سلام جملہ اسمیہ ہے جو ثبوت واستمرار پر دلالت کرتا ہے۔

قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ؕ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ﴿۷۳﴾

انہوں نے کہا کیا تم اللہ کی قدرت سے تعجب کرتی ہو؟ اے اہلِ بیت! تم پر اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہیں وہ سزاوارِ تعریف اور بزرگوار ہے۔ (۷۳)

﴿رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ﴾

نکتۂ عجیبہ: رحمت کو واحد اور برکت کو جمع لایا گیا، برکات کو جمع لانے کی حکمت یہ ہے کہ برکت کے مفہوم میں "شیئاً فشیئاً" (آہستہ آہستہ، دھیرے دھیرے اور تدریجی طور پر) خیر وسعادت کی کثرت اور دوام ملحوظ ہے، گویا وہ دائمی خیر ہے جس کے افراد نوبت بہ نوبت (باری باری) ظہور میں آتے رہتے ہیں، ایک فرد گزرا پھر دوسرے فرد نے اس کی جگہ لے لی۔

﴿اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ﴾

اس وقت ابرہیم علیہ السلام کی عمر سو سال تھی اور سارہ کی عمر ۹۰ رتھی۔ وہ ماں باپ کے بغیر بھی پیدا کر سکتا ہے تو بوڑھی عورت کو بچہ عطا کرنا اس کے لیے کیا مشکل ہے؟

﴿كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ﴾ (سورہ رحمٰن: ۲۹)

ہمیشہ وہ اپنی ایسی قدرتیں ظاہر کرنے والا ہے جس سے اس کی اعلیٰ شان کا اظہار ہوتا ہے۔ جیسے دیکھی ہوئی چیز کو دوبارہ دیکھنے سے انسان کو لطف نہیں آتا کیونکہ انسانی فطرت میں جدت کا مادہ رکھا ہوا ہے وہ چاہتا ہے کہ نئے نئے جلوے اس کے سامنے ظاہر ہوں۔

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ ﴿۷۵﴾

Scanned by CamScanner

بیشک ابراہیم علیہ السلام بڑے تحمل والے نرم دل اور رجوع کرنے والے تھے۔(۷۵)

﴿اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ﴾ انابت ایک مخفی اور باطنی صفت ہے انابت کی پہچان کثرت آہ سے ہوتی ہے۔

وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ ؕ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِيْ ضَيْفِيْ ؕ اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ ﴿۷۸﴾

اور لوط علیہ السلام کی قوم کے لوگ ان کے پاس بے تحاشا دوڑتے ہوئے آئے اور یہ لوگ پہلے ہی سے فعلِ شنیع کیا کرتے تھے لوط علیہ السلام نے کہا کہ اے قوم! یہ (جو) میری (قوم کی) لڑکیاں ہیں یہ تمہارے لیے (جائز اور) پاک ہیں تو اللہ سے ڈرو اور میرے مہمانوں (کے بارے) میں میری آبرو نہ کھوؤ۔ کیا تم میں کوئی بھی شائستہ آدمی نہیں؟(۷۸)

﴿قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ﴾

اس وقت مسلمان لڑکی کا نکاح کافر مرد سے جائز تھا۔ محمد ﷺ کی اس تکمیلی شریعت میں حرام ہے۔

﴿بَنَاتِيْ﴾ نبی اپنی امت کے لیے باپ کی طرح ہوتا ہے۔ یہ مجاہد رحمہ اللہ کی تفسیر ہے۔ "مَنْ وَجَدْتُّمُوْهُ يَعْمَلُ عَمَلَ قَوْمِ لُوْطٍ فَاقْتُلُوا الْفَاعِلَ وَالْمَفْعُوْلَ بِهٖ" (ابوداؤد: کتاب الحدود: ۴۴۶۲، صحیح) جب تم کسی کو قوم لوط کا عمل کرتے ہوئے پاؤ تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کردو۔

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۙ مَّنْضُوْدٍ ﴿۸۲﴾

تو جب ہمارا حکم آیا ہم نے اس (بستی) کو (الٹ کر) نیچے اوپر کر دیا اور ان پر پتھر کی تہہ بہ تہہ (یعنی پے در پے) کنکریاں برسائیں۔(۸۲)

﴿سِجِّيْلٍ ۙ مَّنْضُوْدٍ﴾ لوط علیہ السلام کا شہر، شہر سدوم شدید عذاب کی وجہ سے سطح سمندر سے چار سو میٹر نیچے دب کر اب بحر مُردار (Dead Sea) کا حصہ بن چکا ہے۔

وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۸۵﴾

اور اے قوم! ناپ اور تول انصاف کے ساتھ پوری پوری کیا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دیا کرو

Scanned by CamScanner

اور زمین میں خرابی کرتے نہ پھرو۔(۸۵)

﴿وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ﴾ اس آیت سے معلوم ہوا کہ کرۂ ارض پر فساد کا موجب شرک کے بعد ناپ تول کی کمی، معاملات کی خرابی اور لوگوں کو دھوکہ سے غلط چیزیں دینا ہے۔ یہ ظلم و ناانصافی حقیقت میں فساد فی الارض ہے۔

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّىْ وَرَزَقَنِىْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَمَاۤ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَاۤ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ؕ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ؕ وَمَا تَوْفِيْقِىْۤ اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ﴿۸۸﴾

انہوں نے کہا کہ اے قوم! دیکھو تو اگر میں اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں اور اُس نے اپنے ہاں سے مجھے نیک روزی دی ہو (تو کیا میں اُن کے خلاف کروں گا)؟ اور میں نہیں چاہتا کہ جس امر سے میں تمہیں منع کروں خود اُس کو کرنے لگوں، میں تو جہاں تک مجھ سے ہو سکے (تمہارے معاملات کی) اصلاح چاہتا ہوں اور (اس بارے میں) مجھے توفیق کا ملنا اللہ ہی (کے فضل) سے ہے میں اُسی پر بھروسہ رکھتا ہوں اور اُسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔(۸۸)

﴿وَرَزَقَنِىْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا﴾ رزق حسن سے مراد حلال رزق ہے۔

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَاۤ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِىْۤ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ؕ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ﴿۸۷﴾

انہوں نے کہا کہ اے شعیب (علیہ السلام)! کیا تمہاری نماز تمہیں یہ سکھاتی ہے کہ جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے آئے ہیں ہم اُن کو ترک کر دیں یا اپنے مال میں جو تصرف کرنا چاہیں تو نہ کریں، تم تو بڑے نرم دل اور نیک چلن ہو۔(۸۷)

بہت سے لوگ آج بھی خیال کرتے ہیں کہ دین و شریعت کا کام صرف عبادات تک محدود ہے۔ معاملات میں اس کا کیا دخل؟
﴿اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ﴾ نماز دین کی سب سے واضح علامت ہے۔

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ۚ وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ؗ وَمَاۤ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ﴿۹۱﴾

انہوں نے کہا کہ شعیب تمہاری بہت سی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ تم ہم میں

کمزور بھی ہو اور اگر تمہارے بھائی بند نہ ہوتے تو ہم تمہیں سنگسار کردیتے اور تم ہم پر (کسی طرح بھی) غالب نہیں ہو۔ (۹۱)

﴿قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ﴾ آج بھی لوگ کہتے ہیں گہرائی میں مت اترو گمراہ ہوجاؤ گے۔

وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ﴿۱۰۱﴾

اور ہم نے ان لوگوں پر ظلم نہیں کیا بلکہ انہوں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا، غرض جب تمہارے رب کا حکم آپہنچا تو جن معبودوں کو وہ اللہ کے سوا پکارا کرتے تھے وہ اُن کے کچھ بھی کام نہ آئے اور تباہ کرنے کے سوا اُن کے حق میں اور کچھ نہ کرسکے (۱۰۱)

﴿فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ﴾ ان کا عقیدہ تھا کہ یہ معبود ان انہیں نقصان سے بچائیں گے لیکن جب عذاب آیا تو واضح ہوگیا کہ ان کا عقیدہ فاسد تھا۔

وَمَا نُؤَخِّرُهٗٓ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ﴿۱۰۴﴾

اور ہم اُس کے لانے میں ایک وقت معین تک تاخیر کررہے ہیں۔ (۱۰۴)

دنیا میں لوگوں کے عمل کا انجام سامنے نہیں آتا۔ موت کا مطلب ہے مقام امتحان سے مقام عدالت میں لاکر کھڑا کردیا جائے۔

يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ ﴿۱۰۵﴾

جس روز وہ آجائے گا تو کوئی متنفس اللہ کے حکم کے بغیر بول بھی نہیں سکے گا پھر اُن میں سے کچھ بدبخت ہوں گے اور کچھ نیک بخت۔ (۱۰۵)

آج بیوقوف لوگ اس بھروسہ میں ہیں کہ فلاں حضرت ہماری سفارش کرکے ہمیں بچالیں گے۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ﴿۱۰۷﴾

(اور) جب تک آسمان وزمین ہیں ہمیشہ اسی میں رہیں گے مگر جتنا تمہارا رب چاہے بیشک تمہارا رب جو چاہتا ہے کردیتا ہے۔ (۱۰۷)

﴿اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ﴾ اظہار مشیت وقدرت کے لیے ہے۔ انقطاع خلودِ عذاب کی خبر دینے کے لیے نہیں۔ اس قید

Scanned by CamScanner

کی ضرورت کیا تھی؟ شاہ صاحب نے اس کا جواب دیا ہے کہ اس میں توحید کی حفاظت کی گئی ہے کہ بقاء دائم (دائمی بقاء) میں اللہ کے شریک ہونے کا گمان نہ کر بیٹھے کہ جہنم میں جائیں گے تو اللہ کی طرح ہمیشہ باقی رہیں گے۔ فرمایا گیا تمہارا خلود میری مشیت کے تابع ہے جب چاہیں اس کو ختم کر دیں۔

فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ۭ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱۲﴾

سو (اے پیغمبر!) جیسا تمہیں حکم ہوتا ہے (اس پر) تم اور جو لوگ تمہارے ساتھ تائب ہوئے ہیں قائم رہو اور حد سے تجاوز نہ کرنا وہ تمہارے سب اعمال کو دیکھ رہا ہے۔ (۱۱۲)

﴿فَاسْتَقِمْ﴾ صراط مستقیم وہی ہے جس کا اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے۔ اس لیے ﴿كَمَآ اُمِرْتَ﴾ لایا گیا۔ صرف استقامت کافی نہیں۔ جیسے استقامت تبلیغیوں کی اور جینیوں کی ہے۔

استقامت علی الدین جب ہوگی جب تم نفس کے شر سے محفوظ رہو گے۔ اور وہ ﴿اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ﴾ ہے۔

﴿فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ﴾ دنیا میں تمام گمراہیاں اسی استقامت سے ہٹ جانے کی وجہ سے آئی ہیں۔

عقائد میں استقامت سے ہٹنا شرک میں مبتلا ہونا ہے اور اعمال میں استقامت سے ہٹنا بدعات میں مبتلا ہونا ہے۔ استقامت کہتے ہیں سیدھا کھڑا رہنا، کسی طرف ذرا جھکاؤ نہ ہو۔

﴿لَا تَطْغَوْا﴾ حد سے نہ نکلو اور حد سے نکلنے والوں کی صحبت میں نہ بیٹھو۔

حسن بصری رحمہ اللہ نے کہا: اللہ نے پورے دین کو دو حرف 'لا' میں جمع کر دیا ہے۔ ﴿لَا تَطْغَوْا﴾ میں حدود شرعیہ سے نہ نکلو ﴿لَا تَرْكَنُوْٓا﴾ میں بری صحبت سے بچو۔

وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَاۗءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

اور جو لوگ ظالم ہیں اُن کی طرف مائل نہ ہونا نہیں تو تمہیں (دوزخ کی) آگ آ لپٹے گی اور اللہ کے سوا تمہارے اور دوست نہیں ہیں اگر تم ظالموں کی طرف مائل ہو گئے تو پھر تم کو (کہیں سے) مدد نہ مل سکے گی۔ (۱۱۳)

﴿وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا﴾ ظالموں کی صحبت میں نہ بیٹھو۔ ظالموں میں مشرک اور بدعتی بھی شامل ہیں۔

﴿وَلَا تَرْكَنُوْٓا﴾ عکرمہ رحمہ اللہ نے کہا کہ ظالموں کی صحبت میں نہ بیٹھو۔

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ۭ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّـيِّاٰتِ ۭ

Scanned by CamScanner

ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾

اور دن کے دونوں سروں (یعنی صبح اور شام کے اوقات میں) اور رات کی چند (پہلی) ساعات میں نماز پڑھا کرو کچھ شک نہیں کہ نیکیاں گناہوں کو دُور کر دیتی ہیں یہ ان کیلئے نصیحت ہے جو نصیحت قبول کرنے والے ہیں۔(۱۱۴)

ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا کوئی نصیحت فرمائیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گناہ ہوجائے تو اس کے بعد فوراً نیک کام کرو۔ (ترمذی، ابواب البر والصلة: ۱۹۸۷، حسن)

﴿اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ﴾ نیکیاں کرنے سے انسان کی طبیعت میں برائی چھوڑنے کی طاقت پیدا ہوتی ہے اور وہ اسے چھوڑ دیتا ہے۔

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ﴿۱۱۸﴾

اور اگر تمہارا رب چاہتا تو تمام لوگوں کو ایک ہی جماعت کر دیتا لیکن وہ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے۔(۱۱۸)

اگر اللہ چاہتا تو انسانوں کو فرشتوں کی طرح انتخاب واختیار کی آزادی کی قوت نہ دیتا تو لوگ فرقوں میں نہ بٹتے۔ معلوم ہوا کہ اختلاف اللہ کی مشیت ہے اس کی رضا نہیں یہاں ﴿اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ﴾ کہہ کر اشارہ کیا گیا کہ اختلاف سے بچنے والا میری رحمت کا حقدار ہے۔

اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ۭ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ۭ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۱۹﴾

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم!) اور پیغمبروں کے وہ سب حالات جو ہم تم سے بیان کرتے ہیں اُن سے ہم تمہارے دل کو قائم رکھتے ہیں اور ان (قصص) میں تمہارے پاس حق پہنچ گیا اور (یہ) مومنوں کے لیے نصیحت اور عبرت ہے۔(۱۱۹)

﴿اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ﴾ یاقوت حموی نے معجم البلدان میں لکھا ہے کہ رَیّ کے ایک علاقے سے گذرے تو دیکھا کہ ایک بستی آباد و پُر رونق ہے۔ کچھ عرصہ بعد واپس ہوئے تو چار پانچ گھر جو بستی کے ایک کنارے پر تھے، کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہاں آبادی شیعوں اور سنیّوں کی تھی اور سنیّوں میں شافعی اور حنفی تھے۔ شافعیوں اور حنفیوں نے مل کر شیعوں کو ختم کر دیا۔ پھر آپس میں لڑ کر ختم ہو گئے۔ تاریخ یہ بتاتی ہے کہ اختلاف رحمت نہیں بہت بڑا عذاب ہے۔

سورۃ یوسف (مکیۃ)

الۤرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿١﴾ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٢﴾

الٓرٰ. یہ کتاب روشن کی آیتیں ہیں۔(۱) ہم نے اس قرآن کو عربی زبان میں نازل کیا ہے تاکہ تم سمجھ سکو۔(۲)

﴿لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٢﴾﴾ عقل سے کام لینے کا حکم دیا گیا ہے۔مگر عقل، عقل سلیم ہو عقل عیار نہیں۔

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿٣﴾

(اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!) ہم اس قرآن کے ذریعہ سے جو ہم نے تمہاری طرف بھیجا ہے تمہیں ایک نہایت اچھا قصہ سناتے ہیں اور تم اس سے پہلے بے خبر تھے۔(۳)

﴿اَحْسَنَ الْقَصَصِ﴾ بشریت، عبدیت نیز فطرت بشری میں بصیرت کے جتنے سبق اس قصے میں ملتے ہیں کسی اور قصے میں نہیں ملتے۔اس لحاظ سے یہ سورہ بے نظیر ہے۔

﴿لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ﴾ غفلت پردے کا دوسرا نام ہے اس لیے کہ جب دل میں غفلت آتی ہے تو دل پر ایک طرح کا پردہ آجاتا ہے۔

یعقوب علیہ السلام کے نکاح میں دو سگی بہنیں تھیں:

(۱) لیا

(۲) راحیل

اِذْ قَالَ يُوْسُفُ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ ﴿٤﴾

Scanned by CamScanner

انہوں نے کہا کہ بیٹا! اپنے خواب کا ذکر اپنے بھائیوں سے نہ کرنا نہیں تو وہ تمہارے حق میں کوئی فریب کی چال چلیں گے۔ کچھ شک نہیں کہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔(۴)

﴿أَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا﴾

عَنْ أَبِي قَتَادَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الرُّؤْيَا مِنَ اللهِ وَالْحُلْمُ مِنَ الشَّيْطَانِ فَإِذَا رَأَى أَحَدُكُمْ شَيْئًا يَكْرَهُهُ فَلْيَبْصُقْ عَنْ يَسَارِهِ ثَلَاثًا وَلْيَسْتَعِذْ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ثَلَاثًا وَلْيَتَحَوَّلْ عَنْ جَنْبِهِ الَّذِي كَانَ عَلَيْهِ" (ابن ماجہ، کتاب تعبیر الرؤیا:۳۹۰۹، صحیح)

ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: "اچھا خواب من جانب اللہ ہوتا ہے اور برا خواب شیطان کی طرف سے ہوتا ہے تم میں سے کوئی بھی برا خواب دیکھے تو تین بار بائیں طرف تھتکار دے اور تین بار تعوذ پڑھے اور جس کروٹ پر تھا اسے بدل کر دوسری کروٹ اختیار کر لے۔ اور مسلم کی روایت میں ہے "فَإِذَا رَأَى أَحَدُكُمْ مَا يُحِبُّ، فَلَا يُحَدِّثْ بِهَا إِلَّا مَنْ يُحِبُّ" (مسلم:۲۲۶۱) اور بخاری میں ہے۔ "فَإِنَّهَا لَنْ تَضُرَّهُ" (بخاری:۷۰۴۷)

اچھا خواب دیکھے تو کسی نیک آدمی سے تعبیر پوچھے اور برا خواب دیکھے تو یہ چار کام کرے:

(۱) کروٹ بدل لے۔

(۲) بائیں طرف تین مرتبہ تھوکے۔

(۳) اس کے شر سے اللہ کی پناہ چاہے۔

(۴) کسی سے بیان نہ کرے تو یہ خواب اسے نقصان نہیں پہنچائے گا۔

قَالَ يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝۵

انہوں نے کہا کہ بیٹا! اپنے خواب کا ذکر اپنے بھائیوں سے نہ کرنا نہیں تو وہ تمہارے حق میں کوئی فریب کی چال چلیں گے۔ کچھ شک نہیں کہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔(۵)

﴿لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ﴾ حاسدین کے حسد سے بچنے کے لیے نعمت کا چھپانا جائز ہے۔ چھوٹے ناں (نہیں) سننے کی عادت ڈالیں کئی مرتبہ ناں (نہیں) سننا بھی انسان کے لیے رحمت بن جاتا ہے۔

﴿فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا﴾ اگر بچے کو کسی کام سے منع کرو تو سمجھا بھی دو کہ اس ممانعت سے میرا مقصد کیا ہے۔

کسی کو دوسرے کے شر سے بچانے کے لیے اس کی بری خصلت کا اظہار کر دینا چاہئے مثلاً کسی کو معلوم ہو جائے کہ فلاں آدمی کسی کو دھوکہ دینے یا چوری کرنے کا منصوبہ بنا رہا ہے تو اس کو چاہئے کہ اس کو باخبر کر دے یہ غیبت نہیں ہے۔

Scanned by CamScanner

اِذْ قَالُوْا لَیُوْسُفُ وَاَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰۤى اَبِیْنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ؕ اِنَّ اَبَانَا لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنِۚۖ۸

جب انہوں نے (آپس میں) تذکرہ کیا کہ یوسفعلیہ السلام اوراُس کا بھائی ابا کوہم سے زیادہ پیارے ہیں حالانکہ ہم جماعت (کی جماعت) ہیں کچھ شک نہیں کہ ابا صریح غلطی پر ہیں۔(۸)

﴿اَحَبُّ اِلٰۤى اَبِیْنَا مِنَّا﴾ زیادہ محبت آزمائش کا سبب بن جاتی ہے محبت کرنے والا خود بھی امتحان میں پڑے گا اور جس سے محبت ہوگی وہ بھی آزمائش میں پڑ جائے گا۔

اقْتُلُوْا یُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا یَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِیْكُمْ وَتَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِیْنَ۹

تو یوسف علیہ السلام کو (یا تو جان سے) مار ڈالو یا کسی ملک میں پھینک دو پھر ابا کی توجہ صرف تمہاری طرف ہو جائے گی اور اُس کے بعد تم اچھی حالت میں ہو جاؤ گے۔(۹)

﴿وَتَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِیْنَ﴾ شیطان کا یہ حربہ بڑا عجیب ہے کہ وہ انسان کے دماغ میں یہ بات ڈالتا ہے کہ ابھی شباب ہے کرلو خطائیں جی بھر کے، پھر اس مقام پہ عمرِ رواں ملے نہ ملے۔ ابھی تیرے کھیلنے کھانے کے دن ہیں ابھی عمر ہے غلطیاں کر لے بعد میں توبہ کر کے اچھا بن جانا اور شیطان پورا زور صرف کر دیتا ہے کہ یہ ''بعد'' زندگی میں کبھی نہ آئے۔

قَالُوْا یٰۤاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى یُوْسُفَ وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ۱۱

(یہ مشورہ کر کے وہ یعقوب علیہ السلام سے) کہنے لگے کہ ابا جان کیا سبب ہے کہ آپ یوسف کے بارے میں ہمارا اعتبار نہیں کرتے؟ حالانکہ ہم اُس کے خیر خواہ ہیں۔(۱۱)

﴿وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ﴾ ہر گمراہ کرنے والا خیر خواہ کی شکل میں آتا ہے جیسے شیطان نے آدم علیہ السلام کو خیر خواہی کا جھانسہ دے کر ان سے بدخواہی کی۔

اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا یَّرْتَعْ وَیَلْعَبْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۱۲

کل اسے ہمارے ساتھ بھیج دیجئے کہ خوب میوے کھائے اور کھیلے کودے ہم اُس کے نگہبان ہیں۔(۱۲)

﴿یَلْعَبْ﴾ کھیل کود کی شرعی حیثیت:

سیر و تفریح حدودِ شرعیہ کے اندر ہو تو مباح ہے۔

(۱) ایسا کھیل جس میں نہ دین کا فائدہ ہو نہ دنیا کا یہ ناجائز ہے۔

(٢) دنیا کا فائدہ تو ہو مگر اعمال صالحہ میں غفلت کا سبب بن جائے، یہ بھی ناجائز ہے۔

(٣) دنیا کا فائدہ ہو مگر شریعت کے خلاف ہو، ناجائز ہے۔

جیسے: (١) ستر کھلا نہ ہو۔

(٢) کھیل مخلوط نہ ہو۔

(٣) کھیل میں میوزک نہ ہو۔

(٤) ناچنا نہ ہو۔

(٥) کھیل میں کفار سے تشبہ نہ ہو۔

شرائط لعب:

(١) کھیل فی نفسہ حرام نہ ہو۔

(٢) مفضی الی الحرام نہ ہو۔

(٣) مفضی الی ترک الفریضة نہ ہو۔

وَجَآءُوْٓا اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ ﴿١٦﴾

(یہ حرکت کرکے) وہ رات کے وقت باپ کے پاس روتے ہوئے آئے۔ (١٦)

﴿يَبْكُوْنَ﴾ برادران یوسف علیہ السلام شام کے وقت یعقوب علیہ السلام کے پاس روتے ہوئے آئے۔ یہ ایک نفسیاتی بات ہے کہ جس شخص کا موقف کمزور ہو اس کی آواز بلند ہوتی ہے۔

وَجَآءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ؕ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿١٨﴾

اور اُن کے کرتے پر جھوٹ موٹ کا خون بھی لگا لائے یعقوب علیہ السلام نے کہا کہ (حقیقة الحال یوں نہیں ہے) بلکہ تم اپنے دل سے (یہ) بات بنا لائے ہو اچھا صبر (کہ وہی) خوب ہے اور جو تم بیان کرتے ہو اس کے بارے میں اللہ ہی سے مدد مطلوب ہے۔ (١٨)

﴿سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ﴾

قتل ایسا جرم ہے کہ اس جرم کے ارتکاب میں قاتل کتنی ہی احتیاط کیوں نہ برتے کوئی ایسی غلطی ضرور کر بیٹھتا ہے جو ایک سراغ (Clue) کی حیثیت رکھتی ہے۔ جو بالآخر قاتل تک پہونچا دیتا ہے۔ پیراہن پھٹا نہیں صرف خون آلود تھا۔

جو چپ رہے گی زبان خنجر لہو پکارے گا آستیں کا

یوسف علیہ السلام کا کرتہ عجائب روزگار:

(۱) خون آلود کر کے باپ کو دھوکہ دینے کی کوشش کی مگر کرتے کی شہادت سے جھوٹ ثابت ہوا، اس لیے کہ کرتا پھٹا نہ تھا۔

(۲) واقعۂ زلیخا میں پیراہن ہی آپ کی عصمت کی شہادت میں پیش ہوا۔

(۳) یعقوب علیہ السلام کی بینائی لوٹنے کا سبب بنا۔

وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍۭ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ۚ وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزَّاهِدِيْنَ ﴿۲۰﴾

اور اس کو تھوڑی سی قیمت (یعنی) معدودے چند درہموں پر بیچ ڈالا اور انہیں ان (کے بارے) میں کچھ لالچ بھی نہ تھا۔ (۲۰)

﴿ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ﴾ یوسف علیہ السلام بازار مصر میں چند سکوں میں بک گئے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے یہاں حسن ظاہر کی قیمت نہیں حسن باطن کی قیمت ہے۔

ہر ایک نے یوسف علیہ السلام کی برأت اور نزاہت کی گواہی دی:

(۱) شہادت رب العالمین ﴿ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ﴾ (سورۂ یوسف:۲۴)

(۲) زلیخا نے۔ ﴿ وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ﴾ (سورۂ یوسف:۳۲)

(۳) شہادت شاہد۔ ﴿ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ﴾ (سورۂ یوسف:۲۶)

(۴) عزیز مصر کا اعتراف۔ ﴿ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ﴾ (سورۂ یوسف:۲۸)

(۵) شہادت زنان مصر۔ ﴿ اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ﴾ (سورۂ یوسف:۳۱)

(۶) شہادت ابلیس لعین۔ ﴿ قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ. اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ﴾ (ص:۸۲)

وَرَاوَدَتْهُ الَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ۭ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّيْٓ اَحْسَنَ مَثْوَايَ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾

تو جس عورت کے گھر میں وہ رہتے تھے اُس نے ان کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا اور دروازے بند کر کے کہنے لگی (یوسف) جلدی آؤ انہوں نے کہا کہ اللہ پناہ میں رکھے وہ (یعنی تمہارے میاں) تو میرے آقا ہیں انہوں نے مجھے اچھی طرح سے رکھا ہے (میں ایسا ظلم نہیں کرسکتا) بیشک ظالم لوگ فلاح نہیں پائیں گے۔ (۲۳)

زنا پر آمادہ کرنے کے دو وسیلے: ﴿ رَاوَدَتْهُ ﴾

(۱) ڈرانا دھمکانا۔ (۲) بہلانا پھسلانا۔

Scanned by CamScanner

عزیزِمصر کی بیوی نے بہلا پھسلا کر زنا پر آمادہ کرنا چاہا، ﴿رَاوَدَتْهُ﴾ کا لفظ اس کی دلیل ہے جو ''رُوَيْدَ'' سے ماخوذ ہے جس کے معنی نرمی کے ہیں۔

﴿الَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا﴾ اللہ کے یہاں عورت کی عفت وعصمت کی اتنی قدر ہے کہ ایک بے حیا عورت کی بھی بے حیائی کا ذکر کرتے ہوئے اس کا نام نہیں لیا، نام ذکر کرتا تو جملہ مختصر ہو جاتا مگر کلام لمبا ہو گیا لیکن عورت کا نام چھپائے رکھا۔

﴿مَعَاذَ اللّٰهِ!﴾

نکتہ: بسم اللہ الرحمن الرحیم میں اللہ کا ذاتی نام اللہ اور دو صفاتی نام رحمن اور رحیم ہیں مگر ﴿أعوذ باللہ من الشیطن الرجیم﴾ میں اللہ کا صرف ذاتی نام ''اللہ'' ذکر کیا گیا ہے۔ اس کا کوئی صفتی نام نہیں ہے۔ اس میں نکتہ یہ ہے اللہ کہہ رہا ہے کہ اے میرے بندو شیطان میرا اور تمہارا دونوں کا ذاتی دشمن ہے۔ لہٰذا میرا ذاتی نام لے کر اس سے میری پناہ چاہو۔

﴿اَحْسَنَ مَثْوَایَ﴾ عزیزِمصر کی بیوی کو یوسف علیہ السلام نے شرعی دلیل نہیں دی کہ شریعت میں زنا حرام ہے اس لیے میں نہیں کرسکتا، لہٰذا عقلی دلیل دی کہ جس بندے نے میرے ساتھ احسان کیا میں احسان فراموش بن کر اس کے ساتھ نمک حرامی کیسے کرسکتا ہوں؟

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ۚ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ۚ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۲۴﴾

اور اس عورت نے ان کا قصد کیا اور انہوں نے اس کا قصد کیا اگر وہ اپنے رب کی نشانی نہ دیکھتے (تو جو ہوتا، ہوتا) یوں اس لئے (کیا گیا) کہ ہم اُن سے برائی اور بے حیائی کو روک دیں بیشک وہ ہمارے خالص بندوں میں سے تھے۔ (۲۴)

﴿بُرْهَانَ رَبِّهٖ﴾ یہ برہان کیا تھا جسے دیکھ کر حضرت یوسف علیہ السلام مضبوطی سے اپنی بات پر ڈٹے رہے؟ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ وہ برہان حضرت یوسف علیہ السلام کے دل میں وہ پختہ احساس تھا کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے اس لیے انہوں نے فوراً کہہ دیا معاذ اللہ گویا وہ علم الیقین کی حد سے آگے نکل کر عین الیقین کی حد میں داخل ہو گئے تھے۔

﴿وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا﴾

نکتہ: یوسف علیہ السلام اور عزیزِمصر کی بیوی کے ارادوں میں فرق:

عزیزِمصر کی بیوی کے ''هَمَّ'' (ارادہ) کے ساتھ دو تاکیدیں (''ل'' اور ''قد'') ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا ارادۂ گناہ پکا ہو چکا تھا اور یوسف علیہ السلام کے ''هَمَّ'' (ارادہ) میں کوئی تاکید نہیں جس سے ایک نکتہ یہ بھی ملا کہ آدمی کی نیت

Scanned by CamScanner

خالص ہو تو اللہ کی مدد اس کی یاوری کرنے کے لیے تیار رہتی ہے۔ یہاں ایک نکتہ اور پوشیدہ ہے کہ بعض لوگ حالات کا رونا روتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آوے کا آوا بگڑا ہوا ہے۔تو ایک آدمی ان میں اچھا بن کر کیسے رہ سکتا ہے اور گناہوں سے کیسے بچ سکتا ہے؟ یوسف علیہ السلام کی اس ادا سے اللہ نے یہ تعلیم دی ہے کہ تم گناہوں سے بچنے اور بھاگنے کا پکا ارادہ تو کرو اس کے بعد تمام دروازوں کو کھول کر تمہیں باہر نکالنا میرا کام ہے۔

﴿وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا﴾ ''هَمَّ'' دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے، ایک ایسا قصد و ارادہ جس کے ساتھ گناہ کے کر گزرنے کا عزم ہو یہ مذموم ہے۔ دوسرا وہ خیال ہے جو انسان کے ذہن میں پیدا ہو مگر اس کے کر گزرنے کا عزم نہ پایا جائے، ایسے خیال پر مواخذہ نہیں ہوگا۔ فطری میلان سے نبی کی عصمت میں کوئی فرق نہیں آتا جیسے روزہ دار گرمی میں پانی دیکھ کر بشری تقاضے سے اس کو پینے کی خواہش کرتا ہے تو اس کا دین اسے روک دیتا ہے۔ لیکن یہ خیال مرجوح ہے صحیح یہ ہے کہ اگر یوسف علیہ السلام نے اللہ کے برہان کا ایمانی مشاہدہ نہ کیا ہوتا تو ان کے دل میں گناہ کا خیال پیدا ہو جاتا اور نبی کو ایسا ہی ہونا چاہئے اگر دل میں گناہ کا خیال گزر جائے تو نبی اور غیر نبی میں فرق کیا رہ جائے گا؟

عزیز مصر کی بیوی نے یوسف علیہ السلام کا قصد کیا اور اس نے (یوسف علیہ السلام نے) بھی اس عورت کا قصد کیا ہی تو تھا اگر وہ اپنے رب کی طرف سے ایک روشن دلیل نہ دیکھ لیتے، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ''أَلْهَمُّ هَمَّانِ هَمُّ خَطَرَاتٍ وَهَمُّ أَصْرَارٍ''، یعنی ھم کی دو قسمیں ہیں ایک ھمّ خطرات، دوسرا ھمّ اصرار، ھمّ خطرات کا مطلب ہے کوئی بات خطرہ کے طور پر دل میں گزر جائے اور ھمّ اصرار کا مطلب ہے کہ کسی فعل کے کرنے کا ارادہ کر لے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ہے: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فِيمَا يَرْوِي عَنْ رَبِّهِ عَزَّ وَجَلَّ قَالَ: قَالَ: ''إِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ الحَسَنَاتِ وَالسَّيِّئَاتِ ثُمَّ بَيَّنَ ذَلِكَ، فَمَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كَتَبَهَا اللّٰهُ لَهُ عِنْدَهُ حَسَنَةً كَامِلَةً، فَإِنْ هُوَ هَمَّ بِهَا فَعَمِلَهَا كَتَبَهَا اللّٰهُ لَهُ عِنْدَهُ عَشْرَ حَسَنَاتٍ إِلَى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ إِلَى أَضْعَافٍ كَثِيرَةٍ، وَمَنْ هَمَّ بِسَيِّئَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كَتَبَهَا اللّٰهُ لَهُ عِنْدَهُ حَسَنَةً كَامِلَةً، فَإِنْ هُوَ هَمَّ بِهَا فَعَمِلَهَا كَتَبَهَا اللّٰهُ لَهُ سَيِّئَةً وَاحِدَةً'' (بخاری: کتاب الرقاق، ۶۴۹۱)

یعنی جب آدمی کسی برائی کا صرف قصد کرے تو برائی لکھی نہیں جاتی، جب تک اس کا ارتکاب نہ کر لے اور اس کا عمل میں لانا خاص اللہ تعالی کے لیے ترک کر دے تو اس کے لیے ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے، تو یوسف علیہ السلام نے ایک قصد کیا تھا لیکن اس کا عمل میں لانا خالص اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے ترک کر دیا، اس خلوص کی بدولت اللہ تعالیٰ نے یوسف کو بے حیائی سے محفوظ رکھا۔ لہٰذا یوسف علیہ السلام کا گناہ سے رک جانا ایک نیکی ہے۔

﴿لولا﴾ کا جواب ''لَفَعَلَ مَاهَمَّ'' محذوف ہے، یا ہو سکتا ہے کوئی ایسی چیز دکھائی گئی جسے دیکھ کر یوسف اپنے نفس کے داعیہ کو دبانے میں کامیاب ہو گئے، معصومیت کا یہ مطلب نہیں کہ لغزش و خطا کی استعداد سلب کر لی جاتی ہے۔

سوال: وہ دلیل کون سی تھی جسے دیکھ کر یوسف علیہ السلام خطا سے رک گئے؟

Scanned by CamScanner

پہلا جواب: مفسرین کے اس میں مختلف اقوال ہیں:

(۱) اپنے والد یعقوب علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ حالت پشیمانی میں منہ میں اپنی انگلی چبا رہے ہیں۔

(۲) ایک روایت میں ہے کہ یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کے سینہ پر مارا۔

(۳) یوسف علیہ السلام کو اپنے سید و آقا کا خیال آیا۔

(۴) جب یوسف علیہ السلام نے چھت کی طرف اپنی نگاہ اٹھائی تو یہ تحریر ﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰۤى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا﴾ (اسرا:۳۲) دیکھا۔

(۵) کوئی ایک ایسی نشانی تھی جو انہیں اس فعل بد سے ڈرا رہی تھی۔

(۶) مطلق طور پر اس کی تعیین نہیں کی جاسکتی بلکہ زیادہ مناسب وہی کہنا ہے جو اللہ تعالیٰ نے کہا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر: ۳۸۲/۴)

وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ وَّاَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ؕ قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّاۤ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۵﴾

اور دونوں دروازے کی طرف بھاگے (آگے یوسف پیچھے زلیخا) اور عورت نے اُن کا کرتہ پیچھے سے (پکڑ کر جو کھینچا تو) پھاڑ ڈالا اور دونوں کو دروازے کے پاس عورت کا خاوند مل گیا تو عورت بولی کہ جو شخص تمہاری بیوی کیساتھ بُرا ارادہ کرے اُس کی اس کے سوا کیا سزا ہے کہ یا تو قید کیا جائے یا دکھ کا عذاب دیا جائے۔ (۲۵)

﴿مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ﴾

نکتہ: عزیز مصر کی بیوی نے یہ نہیں کہا کہ اس کا کیا بدلہ ہے جو میرے ساتھ برائی کا ارادہ کرے، بلکہ اس نے أهل کا لفظ استعمال کیا اس لیے کہ اہل خانہ کا لفظ استعمال کرنے سے شوہر کی غیرت بھڑک اٹھتی ہے۔

﴿اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا﴾ (سورہ نساء:۷۶) شیطان کا مکر کمزور ہے۔

فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ؕ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾

جب اس کا کرتہ دیکھا (تو) پیچھے سے پھٹا تھا (تب اُس نے زلیخا سے کہا) کہ یہ تمہارا ہی فریب ہے اور کچھ شک نہیں کہ تم عورتوں کے فریب بڑے (بھاری) ہوتے ہیں۔ (۲۸)

﴿اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ﴾ تم عورتوں کا مکر بڑا ہے۔ مگر سب عورتیں اس کے دائرے میں نہیں آتیں بلکہ وہ عورتیں ہوتی ہیں جو زلیخا کے جیسے مکر و حیلہ میں مبتلا ہوں۔

وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ؕ قَالَ اَحَدُهُمَاۤ اِنِّيْۤ اَرٰىنِيْۤ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَقَالَ الْاٰخَرُ

اِنِّیۡۤ اَرٰىنِیۡۤ اَحۡمِلُ فَوۡقَ رَاۡسِیۡ خُبۡزًا تَاۡكُلُ الطَّیۡرُ مِنۡهُ ؕ نَبِّئۡنَا بِتَاۡوِیۡلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۳۶﴾

اور اُن کیساتھ دو اور جوان بھی داخلِ زندان ہوئے، ایک نے اُن میں سے کہا کہ (میں نے خواب دیکھا ہے) دیکھتا (کیا) ہوں کہ شراب (کیلئے انگور) نچوڑ رہا ہوں۔ دوسرے نے کہا کہ (میں نے بھی خواب دیکھا ہے) میں یہ دیکھتا ہوں کہ اپنے سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں اور جانوران میں سے کھا رہے ہیں۔ (تو) ہمیں ان کی تعبیر بتا دیجئے ہم تمہیں نیکوکار دیکھتے ہیں۔ (۳۶)

جیل میں دعوت دین کا طریقہ: ﴿وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجۡنَ فَتَیٰنِ﴾

(۱) بے قصور جیل میں ڈالا جانا سنت یوسفی علیہ السلام ہے۔

(۲) آوے کا آوا بگڑ جائے تو ایک آدمی نیک بن کر کیا کرے گا، اس تصور کی تغلیط یوسف علیہ السلام کا معصیت سے بھاگنا ہے۔

(۳) مصلحین پر لازم ہے کہ وہ خطا کاروں سے شفقت کا معاملہ کر کے انہیں اپنے سے قریب کریں۔ ﴿اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ﴾

(۴) تعبیر خواب کسی صالح آدمی سے پوچھیں۔

(۵) داعی ہر وقت فریضۂ تبلیغ کو مقدم رکھے۔

(۶) حکمت کے ساتھ بات کہے تاکہ دلنشیں ہو جائے۔

(۷) مصیبت سے خلاصی کے لیے کسی کو ذریعہ بنانا توکل کے خلاف نہیں۔

قَالَ لَا یَاۡتِیۡكُمَا طَعَامٌ تُرۡزَقٰنِهٖۤ اِلَّا نَبَّاۡتُكُمَا بِتَاۡوِیۡلِهٖ قَبۡلَ اَنۡ یَّاۡتِیَكُمَا ؕ ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِیۡ رَبِّیۡ ؕ اِنِّیۡ تَرَكۡتُ مِلَّةَ قَوۡمٍ لَّا یُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَهُمۡ بِالۡاٰخِرَةِ هُمۡ كٰفِرُوۡنَ ﴿۳۷﴾

یوسف علیہ السلام نے کہا کہ جو کھانا تمہیں ملنے والا ہے وہ آنے نہیں پائے گا کہ میں اُس سے پہلے تمہیں ان کی تعبیر بتا دوں گا یہ ان (باتوں) میں سے ہے جو میرے رب نے مجھے سکھائی ہیں، جو لوگ اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور روزِ آخرت کا انکار کرتے ہیں میں اُن کا مذہب چھوڑے ہوئے ہوں۔ (۳۷)

﴿طَعَامٌ تُرۡزَقٰنِهٖۤ﴾

یوسف علیہ السلام نے بادشاہ کے ساقی اور نانبائی سے خوابوں کی تعبیر بتانے سے پہلے اپنی بات میں زور پیدا کرنے کے لیے کہا کہ تم دونوں کا کھانا آنے سے پہلے میں تمہارے خواب کی تعبیر بتا دوں گا۔

﴿ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِیۡ رَبِّیۡ﴾ یہ علم مجھے رب کی جانب سے بذریعہ الہام ملا ہے اور مجھے جو یہ رتبۂ بلند ملا ہے اور یہ الہامی علم حاصل ہوا ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ میں نے ان لوگوں کے دین کو قبول نہیں کیا جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخر پر ایمان نہیں

Scanned by CamScanner

رکھتے اور میں خانوادۂ نبوت کا چشم و چراغ ہوں تا کہ آپ کی دعوت کو غور سے سنیں۔

وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَي النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝۳۸

اور اپنے باپ دادا ابراہیم اور اسحٰق اور یعقوب کے مذہب پر چلتا ہوں، ہمیں شایاں نہیں ہے کہ کسی چیز کو اللہ کیساتھ شریک بنائیں یہ اللہ کا فضل ہے ہم پر بھی اور لوگوں پر بھی لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔(۳۸)

﴿وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِيْٓ﴾ اچھے آباء واجداد کی پیروی کریں مگر معیار کتاب وسنت ہے۔
شرک کے ساتھ ﴿مِنْ شَيْءٍ﴾ کا ذکر عموم نفی کی تاکید کے لیے لایا گیا ہے کہ چاہے کوئی چھوٹی چیز ہو یا بڑی چیز۔ اللہ کا شریک بنانا حرام ہے۔

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝۳۹

میرے جیل خانے کے رفیقو! بھلا کئی جدا جدا آقا اچھے یا (ایک) اللہ یکتا و غالب۔(۳۹)

﴿يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ﴾ اللہ تعالیٰ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا تو لفظ صاحب کو رسول کی طرف مضاف فرمایا اور یوسف علیہ السلام نے اپنے قیدی ساتھیوں سے خطاب کیا تو کہا: ''اے میرے جیل کے ساتھیو۔ پہلے میں صحبت اعزاز ہے دوسرے میں نہیں ہے''۔

وَقَالَ لِلَّذِيْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ ۡ فَاَنْسٰىهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ ۝۴۲

اور دونوں شخصوں میں سے جس کی نسبت (یوسف نے) خیال کیا کہ وہ رہائی پا جائے گا اُس سے کہا کہ اپنے آقا سے میرا ذکر بھی کرنا لیکن شیطان نے اُن کا اپنے آقا سے ذکر کرنا بھلا دیا اور یوسف کئی برس جیل خانے ہی میں رہے۔(۴۲)

﴿اُذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ﴾ نبی ﷺ نے فرمایا: ''وَلَوْ لَبِثْتُ فِي السِّجْنِ طُولَ لَبْثِ يُوسُفَ لَأَجَبْتُ الدَّاعِيَ'' (مسلم:۱۵۱، کتاب الایمان) اگر میں جیل میں اتنی مدت رہتا تو قاصد کی بات مان کر جیل سے نکل کر فوراً بادشاہ کے پاس چلا جاتا۔
مصر کے بادشاہ کا نام: ''ریّان بن ولید تھا''، اس نے خواب دیکھا کہ ایک نہر سے سات موٹی گائیں نکلیں پھر ان کے پیچھے سات دُبلی گائیں نکلیں اور ان موٹی گایوں کو کھا گئیں اور سات خشک بالیوں نے سات ہری بالیوں کو لپیٹ میں لے لیا اور کھا گئیں۔

قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ يُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ ؗ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝

بادشاہ نے (عورتوں سے) پوچھا بھلا اس وقت کیا ہوا تھا جب تم نے یوسف کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا؟ سب بول اٹھیں کہ حاشا اللہ ہم نے اُس میں کوئی بُرائی معلوم نہیں کی، عزیز کی عورت نے کہا اب سچی بات ظاہر ہو ہی گئی ہے (اصل یہ ہے کہ) میں نے اُس کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا تھا اور وہ بیشک سچا ہے۔ (۵۱)

﴿حَصْحَصَ الْحَقُّ﴾ عزیز مصر کی بیوی کی شوہر سے بے وفائی سب کے سامنے ظاہر ہو گئی وہ ذلیل و رسوا ہوئی۔

یوسف علیہ السلام کی رہائی میں تاخیر کی دو حکمتیں:

(۱) یوسف علیہ السلام نے شاہی قاصد سے کہا کہ پہلے عورتوں سے میرے معاملے کی تحقیق کرو، ہوسکتا ہے لوگوں کے دل میں یہ خلش رہے کہ یہ وہی شخص ہے جس نے ایک عورت پر شوہر کے غیب میں دست درازی کی تھی۔

(۲) ایسی خیانت کرنے والوں کو بڑے بڑے رتبے ملتے ہیں تو خیانت کی شناعت کم ہو جاتی۔

ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ ۝

(یوسف علیہ السلام نے کہا کہ میں نے) یہ بات اس لئے (پوچھی ہے) کہ عزیز کو یقین ہو جائے کہ میں نے اُس کی پیٹھ پیچھے اُس کی (امانت میں) خیانت نہیں کی اور اللہ خیانت کرنے والوں کی تدبیر چلنے نہیں دیتا۔ (۵۲)

﴿لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ﴾ کہ خائنوں کے فریب کو اللہ تعالیٰ چلنے نہیں دیتا، ساقی جب تعبیر پوچھنے آیا تو آپ نے تعبیر بتانے میں کوئی شرط نہ لگائی، نہ کوئی شکوہ کیا کہ اتنی مدت کے بعد تجھے میرا خیال آیا؟ اور نہ آئندہ اس سے کوئی درخواست کی، اس سے انبیاء کرام کے اخلاق مجسم ہونا معلوم ہوا، ساقی کا اس طرح خطاب کرنا ﴿اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ﴾ (سورہ یوسف: ۴۶) اے صدق مجسم! بتا رہا ہے کہ ان کی راست بازی کا سکہ کس طرح لوگوں کے دلوں پر بیٹھ گیا تھا۔

Scanned by CamScanner

پارہ نمبر

۱۳

سورۃ یوسف

(آیت: ۵۳)

تا

سورۃ الحجر

(آیت: ۱)

مُجمّع بلقیس للبُحوث الإسلامیۃ
حیدر آباد، الهند

Scanned by CamScanner

تیرھواں پارہ

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ ؕ اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۵۳﴾

اور میں اپنے آپ کو پاک صاف نہیں کہتا کیونکہ نفس امارہ (انسان کو) بُرائی ہی سکھاتا رہتا ہے مگر یہ کہ میرا رب رحم کرے بیشک میرا رب بخشنے والا مہربان ہے۔(۵۳)

﴿ وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ ﴾ یوسف علیہ السلام نے کہا جب میرا بے قصور ہونا ثابت ہو گیا میں اس کا کریڈٹ نفس کو نہیں دیتا بلکہ میں اسے اللہ تعالیٰ کا فضل سمجھتا ہوں کیونکہ انسان کا نفس اسے برائیوں پر ابھارتا ہے مگر جن کو اللہ تعالیٰ توفیق دیتا ہے وہ نفس کے ہاتھ میں اپنی باگ ڈور دینے کے بجائے اسے زیر کر لیتے ہیں۔

انسان کے اندر نفسانی خواہشات اس وجہ سے رکھی گئی ہیں کیونکہ انسان کی آزمائش خیر و شر میں مطلوب ہے۔

انسان کی جسمانی، اخلاقی، روحانی حالتیں:

﴿ وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ ﴾

نفسِ امارہ: یہ تمام طبعی حالتوں کا مصدر و سرچشمہ ہے یہ انسان کو بدی کی طرف جو اس کے کمال کے مخالف ہے جھکاتا ہے۔

نفسِ لوامہ: یہ تمام اخلاقی حالتوں کا سرچشمہ ہے یہ انسان کو بدی پر ملامت کرتا ہے، وہ راضی نہیں ہوتا کہ انسان اپنے طبعی لوازم میں شتر بے مہار کی طرح چلے، یہ چاہتا ہے کہ انسان سے اچھے اخلاق صادر ہوں اور وہ تمام بے اعتدالیوں سے دور رہے۔

نفسِ مطمئنہ: یہ تمام روحانی حالتوں کا مبدأ و سرچشمہ ہے۔

﴿ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ﴾ (سورۂ شمس: ۷)

نفس کو معتدل القویٰ بنایا ہے، معتدل القویٰ وہی شخص ہوتا ہے جو کسی ایک طرف جھکا ہوا نہ ہو۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ وہ اپنے اندر ایسی قابلیت رکھتا ہے جو اسے دائیں بائیں گرنے سے محفوظ رکھ سکتی ہے۔ اس میں ترقی کا مادہ ہے جو اعلیٰ درجہ

Scanned by CamScanner

کے مقصود تک پہنچنے کے لیے ہے، یہ دنیوی آلائشوں کا شکار ہو کر بدی کا حکم کرتا ہے۔

(۱) بعض کے نفس پاک ہوتے ہیں، برائی کا حکم نہیں دیتے۔

(۲) نفس بدی کا حکم دیتا ہے مگر مغلوب نہیں ہوتے۔

(۳) نفس بدی کا حکم دیتا ہے مغلوب ہوجاتے ہیں مگر اللہ تعالی کی رحمت بچا لیتی ہے یا توبہ کی توفیق دیتی ہے۔

نفس کا ذاتی اقتضاء بدی ہی کی طرف ہے، برائی سے بچنا اللہ تعالی کی رحمت سے ہے۔ میں جو اپنی برأت کے بارے میں کہہ رہا ہوں تحدیثِ نعمت کے طور پر ہے کہ اس نے اپنی رحمت سے مجھ کو برائی سے دور رکھا۔ فخر اور اعجاب (کہ میں نے گناہ نہیں کیا) بھی ایک قسم کا سُوء ہے اس سے بھی اللہ نے محفوظ رکھا۔ اس بات کے کہنے میں میری نظر اپنی ذات پر نہیں اللہ تعالی کی رحمت پر ہے۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے: "اَلْجَسَدُ کَثِیْفٌ وَالرُّوْحُ لَطِیْفٌ وَالنَّفْسُ بَیْنَهُمَا مُتَوَسِّطَةٌ" کہ بدن کثیف ہے اور روح لطیف ہے اور نفس نہ کثیف اور نہ لطیف ہے۔ اگر برا کرو گے تو کثیف ہوجائے گا اور اگر اچھا عمل کرو گے تو لطیف ہوجائے گا۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے کہا: "اَلنَّفْسُ کُلُّهَا ظُلْمَةٌ وَسِرَاجُهَا التَّوْفِیْقُ" پورا نفس تاریکی اور اس کا چراغ اللہ کی توفیق۔

مَجْرٰی قَضَاءِ الشَّهْوَاتِ: شہوات کے فیصلوں کا ہیڈکوارٹر یہی ہے۔ یہ کش (کھینچنا) کرتا ہے تو آپ مکش (مت کھینچنا) رہے۔

نفس کو زیر کرنے کے تین طریقے:

(۱) نفس کو شہوات سے روکا جائے کیونکہ حیوان کو جب چارہ کم ملتا ہے تو وہ نرم ہوجاتا ہے۔

(۲) عبادات و طاعات کا بوجھ اس پر ڈالا جائے کیونکہ گدھے کو جب چارہ کم دیا جائے اور بوجھ زیادہ لادا جائے تو وہ شیخی چھوڑ دیتا ہے اور مطیع و مُنقاد ہوجاتا ہے۔

(۳) ہر وقت اللہ تعالیٰ سے نفس کے شر و فساد سے بچنے کی دعا کرتا رہے۔ جیسا کہ یوسف علیہ السلام نے فرمایا: ﴿اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ﴾

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِیْ بِهٖٓ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِیْ ۚ فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ الْیَوْمَ لَدَیْنَا مَكِیْنٌ اَمِیْنٌ ﴿۵۴﴾

بادشاہ نے حکم دیا کہ اسے میرے پاس لاؤ میں اسے اپنا مصاحبِ خاص بناؤں گا پھر جب ان سے گفتگو کی تو کہا کہ آج سے تم ہمارے ہاں صاحبِ منزلت اور صاحبِ اعتبار ہو۔ (۵۴)

﴿فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ الْیَوْمَ لَدَیْنَا مَكِیْنٌ اَمِیْنٌ﴾ جب گفتگو کی تو بادشاہ نے یوسف علیہ السلام سے کہا کہ آج سے تم ہمارے معتمد خاص ہو۔ آج بھی بڑی بڑی ڈگریوں کے باوجود خدمت کے لیے انتخاب کی آخری جانچ بالمشافہہ

Scanned by CamScanner

گفتگو (انٹرویو) ہی سے ہوتی ہے۔

قَالَ اجۡعَلۡنِیۡ عَلٰی خَزَآئِنِ الۡاَرۡضِ ۚ اِنِّیۡ حَفِیۡظٌ عَلِیۡمٌ ﴿۵۵﴾

(یوسف علیہ السلام نے) کہا کہ مجھے اس ملک کے خزانوں پر مقرر کر دیجئے کیونکہ میں حفاظت بھی کر سکتا ہوں اور اس کام سے واقف ہوں۔ (۵۵)

یوسف علیہ السلام نے کہا: ﴿ اجۡعَلۡنِیۡ عَلٰی خَزَآئِنِ الۡاَرۡضِ ﴾ اس سے معلوم ہوا کہ انسان کو اگر اپنی اہلیت و صلاحیت پر اعتماد ہو اور کوئی دوسرا شخص قومی امانت کا بوجھ نہ اٹھا سکتا ہو تو وہ اپنے آپ کو عہدے کے لیے پیش کر سکتا ہے۔

مسئلہ: مشرک بادشاہ سے سرکاری تعلق رکھنا ہر صورت میں حرام نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو ایک پیغمبر اس کو روا کیوں رکھتا؟

﴿ حَفِیۡظٌ عَلِیۡمٌ ﴾ مفسرین نے لکھا ہے کہ یوسف علیہ السلام کے پاس اللہ کی دو بڑی نعمتیں تھیں ایک حسن دوسرا علم۔ لہٰذا بادشاہ سے انہوں نے یہ نہیں کہا کہ مجھے خزانوں کا والی بنادو اس لیے کہ میں بہت حسین ہوں اس سے معلوم ہوا کہ حسن کام نہیں آتا علم کام آتا ہے۔

﴿ حَفِیۡظٌ عَلِیۡمٌ ﴾ امانت دار ہوں اور دولت کی تقسیم سے پوری طرح واقف ہوں۔ عہدے کے حصول سے مقصود نفع رسانی ہو، نہ کہ نفس پروری، اور اس عہدے کے لیے اس جیسا کوئی نہ ملے تو اس منصب کے لیے خود کو پیش کرنا جائز ہے۔ یہاں تک کہ کافرانہ نظام حکومت کے ماتحت بھی منصب قبول کرنا حرام نہیں رہ جاتا۔

وَکَذٰلِکَ مَکَّنَّا لِیُوۡسُفَ فِی الۡاَرۡضِ ۚ یَتَبَوَّاُ مِنۡهَا حَیۡثُ یَشَآءُ ؕ نُصِیۡبُ بِرَحۡمَتِنَا مَنۡ نَّشَآءُ وَلَا نُضِیۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۵۶﴾

اس طرح ہم نے یوسف علیہ السلام کو ملک (مصر) میں جگہ دی اور وہ اس ملک میں جہاں چاہتے تھے رہتے تھے۔ ہم اپنی رحمت جس پر چاہتے ہیں کرتے ہیں اور نیکوکاروں کے اجر کو ضائع نہیں کرتے۔ (۵۶)

﴿ وَکَذٰلِکَ مَکَّنَّا ﴾ نیتاؤں کے لیے ہدایت اور درس عبرت۔

تَمۡکِیۡنُ یُوۡسُفَ فِیۡ مِصۡرَ:

یعنی مصر میں یوسف کو حاکم بنانے کے بعد ﴿ وَلَاَجۡرُ الۡاٰخِرَۃِ خَیۡرٌ ﴾ لانا اشارہ ہے کہ دنیا کا جاہ وجلال عارضی ہے اور آخرت کی نعمت باقی رہنے والی ہے اور آخرت کی کامیابی ہی اصل کامیابی ہے۔

خوشحالی کے سات سال بعد قحط سالی شروع ہوئی، اور کنعان تک اس کے اثرات پہنچ گئے، ظاہری اسباب اختیار کرنے کا حکم انسانوں کو دیا گیا ہے، تاہم اس سے قضا میں تبدیلی نہیں ہوتی، ہوگا وہی جو اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا۔

قَالَ لَنۡ اُرۡسِلَهٗ مَعَکُمۡ حَتّٰی تُؤۡتُوۡنِ مَوۡثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاۡتُنَّنِیۡ بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنۡ یُّحَاطَ

Scanned by CamScanner

بِكُمْ ۚ فَلَمَّآ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ۝۶۶

(یعقوب علیہ السلام نے) کہا کہ جب تک تم اللہ کا عہد نہ دو کہ اس کو میرے پاس (صحیح وسالم) لے آؤ گے میں اُسے ہرگز تمہارے ساتھ نہیں بھیجوں کا مگر یہ کہ تم گھیر لئے جاؤ (یعنی بے بس ہو جاؤ تو مجبوری ہے) جب انہوں نے ان سے عہد کرلیا تو (یعقوب علیہ السلام نے) کہا کہ جو قول واقرار ہم کر رہے ہیں اس کا اللہ ضامن ہے۔(۶۶)

﴿فَلَمَّآ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ﴾ اولاد سے خطا ہو جائے تو قطعِ تعلق کی بجائے ان کی اصلاح کی فکر کرنی چاہئے۔

(۱) یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے جھوٹ بول کر والد کو آمادہ کیا کہ یوسف کو ان کے ساتھ تفریح کو بھیجیں۔

(۲) معصوم بھائی سے بے رحمی کا برتاؤ۔

(۳) بے گناہ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا۔

(۴) والد کی دل آزاری کی پرواہ نہ کیے۔

یعقوب علیہ السلام پر واضح ہو گیا تھا کہ انہوں نے جھوٹ بولا اور جان بوجھ کر یوسف کو ضائع کیا۔

وَقَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ۭ وَمَآ اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۝۶۷

اور ہدایت کی کہ اے بیٹا! ایک ہی دروازے میں سے داخل نہ ہونا بلکہ جدا جدا دروازوں سے داخل ہونا اور میں تم کو اللہ کی تقدیر سے روک نہیں سکتا (بیشک) حکم اُسی کا ہے میں اُسی پر بھروسا رکھتا ہوں اور اہلِ توکل کو اُسی پر بھروسا رکھنا چاہئے۔(۶۷)

تقدیر وتدبیر:

(۱) شاید کہ بچوں کو نظر لگ جائے کیونکہ نظر برحق ہے۔

(۲) تو ٹھہرے غیر ملکی، تمہاری وجاہت اور جمعیت خوامخواہ اہل مصر کی نظر میں کھٹکے گی اور کہیں تم ہدفِ حسد نہ بن جاؤ۔ آیت سے معلوم ہوا کہ نفس تدبیر منافی توکل نہیں، البتہ اس تدبیر کو موثر حقیقی سمجھنا منافئ توکل ہے۔

فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِيْ رَحْلِ اَخِيْهِ ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَيَّتُهَا الْعِيْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ۝۷۰

جب انہوں نے ان کا اسباب تیار کر دیا تو اپنے بھائی کے سامان میں گلاس رکھ دیا پھر (جب وہ آبادی

Scanned by CamScanner

سے باہر نکل گئے تو) ایک پکارنے والے نے آواز دی کہ اے قافلے والو! تم تو چور ہو۔(۷۰)

﴿جَعَلَ السِّقَايَةَ فِي رَحْلِ﴾ کسی جائز غرض کے لیے حیلہ جائز ہے البتہ احقاق باطل اور ابطال حق کے لیے ناجائز ہے۔

فَبَدَاَ بِاَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَاۗءِ اَخِيْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَاۗءِ اَخِيْهِ ۭ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ۭ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ ۭ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَاۗءُ ۭ وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ﴿۷۶﴾

پھر یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی کے سامان سے پہلے اُن کے سامان کو دیکھنا شروع کیا پھر اپنے بھائی کے سامان میں سے اُس کو نکال لیا۔ اس طرح ہم نے یوسف علیہ السلام کیلئے تدبیر کی (ورنہ) وہ بادشاہ کے قانون کے مطابق مشیّت الٰہی کے سوا اپنے بھائی کو نہیں لے سکتے تھے۔ ہم جس کے چاہتے ہیں درجے بلند کرتے ہیں اور ہر علم والے سے دوسرا علم والا بڑھ کر ہے۔(۷۶)

﴿كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ﴾ کسی صحیح غرض کے لیے ایسا طریقہ اختیار کرنا جائز ہے جس کی ظاہری صورت حیلے کی ہو بشرطیکہ وہ نص شرعی کے خلاف نہ ہو۔

شاہ مصر کا قانون:

مصر کے قانون کے مطابق چوری کی وجہ سے بنیامین کو نہیں روکا جاسکتا تھا، البتہ دین یعقوب میں تھا کہ چور کو غلام بنا لیا جائے۔

﴿كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ﴾ جائز مصلحت کے تحت حیلہ جائز ہے، جائز مقصد حاصل کرنے کے لیے جائز حیلہ اختیار کرنا جائز ہے لیکن اللہ کے حکم کو توڑنے یا حکم شریعت کو موڑنے کے لیے حیلہ کیا جائے تو پھر ایسا حیلہ اختیار کرنا حرام ہوگا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے بنیامین کو روکنے کے لیے جو حیلہ اختیار کیا وہ بالکل درست تھا۔ خود اللہ تعالیٰ نے یہ طریقہ یوسف علیہ السلام کے دل میں ڈالا تھا جیسا کہ جملہ ﴿كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ﴾ سے واضح ہے۔

اِرْجِعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْكُمْ فَقُوْلُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَمَا شَهِدْنَآ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ ﴿۸۱﴾

تم سب والد صاحب کے پاس جاؤ اور کہو کہ آپ کے صاحبزادے نے (وہاں جاکر) چوری کی اور ہم نے تو اپنی دانست کے مطابق آپ سے (اس کو لے آنے کا) عہد کیا تھا مگر ہم غیب (کی باتوں) کے (جاننے اور) یاد رکھنے والے تو نہیں تھے۔(۸۱)

Scanned by CamScanner

مجرم کے بارے میں رحم کی اپیل:

﴿اِرْجِعُوْٓا اِلٰٓی اَبِیْکُمْ﴾ رحم کی درخواست مسترد ہو گئی تو تمام بھائی سر جوڑ کر بیٹھے کہ اب کیا کیا جائے تو ان میں سے بڑا بھائی روبیل نے کہا میں یہیں رہوں گا تم لوگ کنعان جاؤ اور ابا کو سارا ماجرا سناؤ۔

قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِىْ بِهِمْ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۸۳﴾

(جب انہوں نے یہ بات یعقوب علیہ السلام سے آ کر کہی تو) انہوں نے کہا کہ (حقیقت یوں نہیں) بلکہ یہ بات تم نے اپنے دل سے بنالی ہے تو صبر ہی بہتر ہے عجب نہیں کہ اللہ ان سب کو میرے پاس لے آئے بیشک وہ دانا (اور) حکمت والا ہے۔ (۸۳)

﴿فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ﴾

(۱) مصیبت پر نوحہ کرنا منع ہے۔

(۲) مصیبت کا علاج صبر جمیل ہے۔

(۳) رونا دھونا وہ بُرا عمل ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی غیر کے آگے ہو، جو رونا، یاس کے بجائے امید کا مظہر ہو اور بندہ یہ توقع رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے آگے جتنا روئے گا اس کی رحمت کو جوش میں لائے گا، وہ جائز ہے۔

﴿صَبْرٌ جَمِيْلٌ﴾ مخلوق سے شکوہ نہیں کیا بلکہ کہا: ﴿اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّیْ وَحُزْنِیْٓ اِلَى اللّٰهِ﴾ (سورۂ یوسف:۸۶)

﴿عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِىْ بِهِمْ جَمِيْعًا﴾ یعقوب علیہ السلام کا توکل اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا دیکھئے کہتے ہیں کہ مجھے اللہ میرے بیٹوں (روبین، بنیامین اور یوسف) سے ملا دے گا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کیوں روتے رہے؟ حسن صورت وسیرت کے علاوہ ایک چیز اور ان میں (یوسف) میں تھی کہ علم نبوت کے وارث بننے والے تھے اور کسی بھائی کے اندر یہ صلاحیت نہ تھی گویا یعقوب علیہ السلام کا رونا دنیا کے لیے نہیں بلکہ دین کے لیے تھا۔

صبر جمیل کا نکتہ: اللہ تعالیٰ کے آگے رونا دھونا صبر جمیل کے منافی نہیں۔ ہاں اگر خالق کی بجائے مخلوق کے سامنے روئے دھوئے تو یہ صبر جمیل کے منافی ہے۔

شکوہ کی دو قسمیں:

(۱) شکوہ الی اللہ: اللہ کے سامنے انسان کا شکوہ، یہ محمود ہے۔

(۲) شکوہ من اللہ: مخلوق کے سامنے اللہ تعالیٰ کا شکوہ یہ مذموم بلکہ کفر ہے۔

اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِىْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِىْ يَاْتِ بَصِيْرًا ۚ وَاْتُوْنِىْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹۳﴾

Scanned by CamScanner

یہ میرا کرتہ لے جاؤ اور اُسے والد صاحب کے منہ پر ڈال دو، وہ بینا ہو جائیں گے اور اپنے تمام اہل و عیال کو میرے پاس لے آؤ۔(۹۳)

﴿اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا﴾ یوسف علیہ السلام کی ایک قمیص تھی، جس میں برادرانِ یوسف، جھوٹا موٹا خون لگا کر لائے تھے تو یعقوب علیہ السلام کو غم ہوا تھا اور بعد میں ان کی قمیص جب یعقوب علیہ السلام کے چہرے پر ڈالی گئی تو ان کی بینائی لوٹ آئی، اس سے یہ نکتہ ملا کہ انسان کو کسی سبب سے کوئی مصیبت ملے اور وہ شریعت کے اوپر جما رہے تو اللہ تعالیٰ اسی سبب سے اس بندے کو خوشی عطا کرتا ہے۔ ذرا غور کریں کہ یوسف علیہ السلام کا خواب ہی ان کے غم کا سبب بنا تھا اور خواب ہی ان کے جیل سے نکلنے اور مصر کے حاکم بننے کا سبب ہوا اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب انسان مسبب الاسباب (اللہ) کو راضی کر لے، یا تو یہ یوسف علیہ السلام کی کرامت تھی، یا شدتِ فرح سے بینائی میں قوت پیدا ہو جانا طبعی طور پر بھی ثابت ہے۔(رازی)

﴿وَاْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ﴾

یوسف علیہ السلام نے کہا خاندان کے لوگوں کو لے آؤ۔ افراد خاندان کی تعداد ستر (۷۰) یا ترانوے (۹۳) تھی۔

فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ۚ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ۚ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾

جب خوشخبری دینے والا آ پہنچا تو کرتہ یعقوب کے منہ پر ڈال دیا اور وہ بینا ہو گئے (اور بیٹوں سے) کہنے لگے کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں اللہ کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔(۹۶)

﴿اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾

نبی کو غیب کا علم نہیں ہوتا، اتنا ہی علم ہوتا ہے جتنا اللہ تعالیٰ ان کے اوپر ظاہر کر دے۔

﴿يٰٓاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا﴾ صالحین سے دعا کی درخواست کی جا سکتی ہے۔

﴿سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ﴾ یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کے بارے میں استغفار کو موخر کیوں کیا؟ مفسرین نے اس کی کئی وجہیں بیان کی ہیں جن میں سے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے استغفار کو اس وجہ سے موخر کیا تا کہ وقت سحر میں کریں کیونکہ وہ مستجاب الدعا اوقات میں سے ہے۔

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰٓى اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ﴿۹۹﴾ وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ يٰٓاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ۫ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ۭ وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْٓ اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ ۭ اِنَّ رَبِّيْ

لَطِيۡفٌ لِّمَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الۡعَلِيۡمُ الۡحَكِيۡمُ ﴿۱۰۰﴾

جب (یہ سب لوگ) یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے تو یوسف علیہ السلام نے اپنے والدین کو اپنے پاس بٹھایا اور کہا کہ مصر میں داخل ہو جایئے اللہ نے چاہا تو خاطر جمع سے رہیے گا۔(۹۹) اور اپنے والدین کو تخت پر بٹھایا اور سب یوسف علیہ السلام کے آگے سجدے میں گر پڑے (اُس وقت) یوسف علیہ السلام نے کہا کہ ابا جان یہ میرے اُس خواب کی تعبیر ہے جو میں نے پہلے (بچپن میں) دیکھا تھا میرے رب نے اُسے سچ کر دیا اور اُس نے مجھ پر (بہت سے) احسانات کئے ہیں کہ مجھے جیل خانے سے نکالا اور اس کے بعد کہ شیطان نے مجھ میں اور میرے بھائیوں میں فساد ڈال دیا تھا، آپ کو گاؤں سے یہاں لایا۔ بیشک میرا رب جو چاہتا ہے تدبیر سے کرتا ہے۔ وہ دانا (اور) حکمت والا ہے۔(۱۰۰)

﴿وَخَرُّوۡا لَهٗ سُجَّدًا﴾ پہلی شریعتوں میں اس طرح کا سجدہ جائز تھا، یہ نکتہ بھی بہت اہم ہے کہ غیر اللہ کے سامنے عبادت کی نیت سے سجدہ کرنا منع تھا، لیکن تعظیم کی نیت سے سجدہ کرنا جائز تھا، ہاں شریعت محمدیہ میں ہر طرح کے سجدے کی ممانعت کر دی گئی ہے۔

﴿وَخَرُّوۡا لَهٗ سُجَّدًا﴾ پہلا ترجمہ: اس کے آگے سجدے میں گر گئے۔ دوسرا ترجمہ: اس کے آگے جھک گئے۔

اس آیت میں دوسرا ترجمہ ہی مناسب ہے کیوں کہ بھائیوں کا جھکنا خواب کی تعبیر تھی جس میں یوسف علیہ السلام نے ستاروں کو اپنے آگے جھکتے دیکھا تھا، یہاں اصطلاحی سجدہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیا ستاروں کا سر ہوتا ہے کہ وہ اپنی پیشانی زمین پر رکھیں؟ ستاروں کے سجدہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ بلندی سے اتر کر یوسف کی طرف جھک گئے، یہ سجدۂ عبادت نہ تھا اور نہ نبی اپنے لیے سجدۂ عبادت گوارہ نہ کرتا۔

﴿اَبَوَيۡهِ﴾ بار بار ابویہ کا لفظ لا کر یہ بتایا ہے کہ یوسف علیہ السلام کی حقیقی والدہ فوت ہو چکی تھیں، مگر سوتیلی ماں کے احترام میں یوسف علیہ السلام کی طرف سے کوئی فرق نہیں آیا۔ یوسف علیہ السلام والدین کے استقبال کے لیے شہر سے باہر آئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ استقبال جائز ہے۔ یہاں ایک اہم بات ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ کسی کے استقبال کے لیے آگے جا کر اس کا انتظار کرنا اور بات ہے اور کسی کے آنے پر تعظیماً اس کے لیے کھڑا ہونا دوسری بات ہے۔ پہلی چیز جائز ہے، دوسری ناجائز ہے۔ یوسف علیہ السلام کی روحانیت دیکھئے کہ ان کے بھائی بڑے بڑے کاموں پر ان شاء اللہ نہیں کہتے۔ اور کاموں کو اپنی طرف منسوب کرتے ہیں مگر یوسف علیہ السلام بادشاہ ہوتے ہوئے ہر بات پر ان شاء اللہ کہہ رہے ہیں۔

ماضی انسان کے ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔ حال، ماضی و مستقبل کی سرحد کا نام ہے۔ باقی رہا مستقبل وہی اصل زمانہ ہے جس سے انسان فائدہ اٹھا سکتا ہے، جب انسان مستقبل کے کاموں پر ان شاء اللہ کہتا ہے تو اپنے ارادہ اور فعل میں اللہ تعالیٰ کو شامل کر لیتا ہے۔

Scanned by CamScanner

﴿اِنَّ رَبِّیۡ لَطِیۡفٌ﴾
"ربی، ربنا" جب بندہ ربی سے خطاب کرتا ہے تو گویا وہ اللہ تعالیٰ کے اس لطف خاص کو اپنے حق میں سفارشی بناتا ہے، جس کا تجربہ اسے خود ہے اور جب ربّنا کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے اس عام کرم کو اپنے حق میں سفارشی بناتا ہے جس کا مشاہدہ تمام خَلق میں ہو رہا ہے۔

﴿لَطِیۡفٌ﴾ لطیف کا معنی ہے، مخلوق کی نظر سے مخفی، اور فہم سے بالاتر تدبیریں کرنے والا، غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ اس سورت کے سارے واقعات اللہ تعالیٰ کے اسی اسم لطیف کی تجلیات کے نمونوں سے لبریز ہیں۔

یوسف علیہ السلام جنگل کے کنوئیں میں پڑے رہے، برسوں مصر میں رہے، کبھی یعقوب علیہ السلام کو ان کی خوشبو نہ آئی۔ ادھر قاصد یوسف علیہ السلام کا کرتا مصر سے لے کر چلا، اُدھر یعقوب علیہ السلام کو اس کی خوشبو آنے لگتی ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کی یہ قوتیں ان کا ذاتی کمال نہ تھیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ تھیں۔

رَبِّ قَدۡ اٰتَیۡتَنِیۡ مِنَ الۡمُلۡكِ وَعَلَّمۡتَنِیۡ مِنۡ تَاۡوِیۡلِ الۡاَحَادِیۡثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ۟ اَنۡتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنۡیَا وَالۡاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِیۡ مُسۡلِمًا وَّاَلۡحِقۡنِیۡ بِالصّٰلِحِیۡنَ ﴿۱۰۱﴾

(جب یہ سب باتیں ہو گئیں تو یوسف علیہ السلام نے اللہ سے دعا کی کہ) اے میرے رب! تو نے مجھے حکومت دی اور خوابوں کی تعبیر کا علم بخشا، اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے! تو ہی دنیا میں اور آخرت میں میرا کارساز ہے تو مجھے (دنیا سے) اپنی اطاعت (کی حالت) میں اٹھانا اور (آخرت میں) اپنے نیک بندوں میں داخل کرنا۔ (۱۰۱)

﴿تَوَفَّنِیۡ مُسۡلِمًا﴾ ایمان پر خاتمہ تمام نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت ہے۔

ذٰلِكَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الۡغَیۡبِ نُوۡحِیۡهِ اِلَیۡكَ ۚ وَمَا كُنۡتَ لَدَیۡهِمۡ اِذۡ اَجۡمَعُوۡۤا اَمۡرَهُمۡ وَهُمۡ یَمۡكُرُوۡنَ ﴿۱۰۲﴾

(اے پیغمبر!) یہ اخبارِ غیب میں سے ہیں جو ہم تمہاری طرف بھیجتے ہیں اور جب برادرانِ یوسف نے اپنی بات پر اتفاق کیا تھا اور وہ فریب کر رہے تھے تو تم اُن کے پاس تو نہ تھے۔ (۱۰۲)

﴿ذٰلِكَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الۡغَیۡبِ﴾ علم غیب اور انباء غیب (غیب کی خبر دینا) میں فرق ہے، علم غیب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا علم ذاتی طور پر ہے یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے یہ صفت اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کی نہیں اور اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو جو خبریں اور علوم دیئے ان کو علم غیب نہیں کہیں گے بلکہ وہ انباء غیب ہے۔

وَمَآ اَكۡثَرُ النَّاسِ وَلَوۡ حَرَصۡتَ بِمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۰۳﴾

اور بہت سے آدمی گوتم (کتنی ہی) خواہش کرو ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ (۱۰۳)

﴿وَلَوۡ حَرَصۡتَ بِمُؤۡمِنِيۡنَ﴾ منکرین کے انکار کی اصل علت: قبول حق کی صلاحیت کا مردہ ہونا ہے۔

وَمَا يُؤۡمِنُ اَكۡثَرُهُمۡ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمۡ مُّشۡرِكُوۡنَ ﴿۱۰۶﴾

اور یہ اکثر اللہ پر ایمان نہیں رکھتے مگر (اس کیساتھ) شرک کرتے ہیں۔ (۱۰۶)

﴿وَمَا يُؤۡمِنُ اَكۡثَرُهُمۡ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمۡ مُّشۡرِكُوۡنَ﴾

شرک کی ایک قسم شرکِ خفی ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ عروہ رضی اللہ عنہ نے حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حذیفہ رضی اللہ عنہ یک مریض کے پاس گئے اس کے بازو پر ایک دھاگا بندھا ہوا تھا، دیکھا تو کاٹ دیا اور یہ آیت پڑھی۔

﴿وَمَا يُؤۡمِنُ اَكۡثَرُهُمۡ بِاللّٰهِ﴾

اس آیت کے مفہوم میں ہر وہ شخص داخل ہے جو زبان سے اللہ تعالیٰ کے خالق، مالک ورازق ہونے کا اقرار کرے مگر اس کے باوجود شرک کرے جیسے تعزیہ پرستی، قبر پرستی وغیرہ اور جیسے بہت سے مسلمان یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ تعویذوں اور گنڈوں میں شفا ہے۔

قُلۡ هٰذِهٖ سَبِيۡلِيۡۤ اَدۡعُوۡۤا اِلَى اللّٰهِ‌ عَلٰى بَصِيۡرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِىۡ‌ؕ وَسُبۡحٰنَ اللّٰهِ وَمَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ﴿۱۰۸﴾

کہہ دیجئے کہ میرا رستہ تو یہ ہے میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں (از روئے یقین و برہان) سمجھ بوجھ کر میں بھی (لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں) اور میرے پیرو بھی اور اللہ پاک ہے اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ (۱۰۸)

﴿قُلۡ هٰذِهٖ سَبِيۡلِيۡۤ﴾

کسی دباؤ یا لالچ یا کسی کی تقلید کی وجہ سے یہ رستہ اختیار نہیں کیا بلکہ علی وجہ البصیرت پورے عقل وشعور اور تحقیق کے ساتھ اس رستے پر گامزن ہیں۔

جھوٹے اور سچے ولی میں فرق:

جھوٹا ولی وہ ہے جو کہے کہ میرے پاس کچھ مخفی اذکار ہیں جسے ہم کسی کو نہیں بتا سکتے۔

Scanned by CamScanner

سچا ولی وہ ہے جو ﴿اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ﴾ کہے کہ ''مجھے اللہ مل گیا ہے''۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہیں بھی مل جائے، میں تمہیں بلا رہا ہوں دینے کے لیے نہ کہ تم سے کچھ لینے کے لیے، دعوت الی اللہ بغیر بصیرت کے فتنہ پیدا کرتی ہے۔ اگر میں اللہ تعالیٰ کی طرف بلاؤں اور بصیرت نہ ہو تو قوم میں ضرور فتنہ پیدا ہوگا۔ ﴿اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ﴾ أيْ عَلٰى مَعْرِفَةٍ وَتَحْقِيْقٍ (مفردات) پھر کون کہتا ہے تقلید شرک نہیں ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ؕ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿١٠٩﴾

اور ہم نے تم سے پہلے بستیوں کے رہنے والوں میں سے مرد ہی بھیجے تھے جن کی طرف ہم وحی بھیجتے تھے، کیا ان لوگوں نے ملک میں سیر (وسیاحت) نہیں کی کہ دیکھ لیتے کہ جو لوگ ان سے پہلے تھے اُن کا انجام کیا ہوا اور متقیوں کیلئے آخرت کا گھر بہت اچھا ہے کیا تم نہیں سمجھتے؟ (۱۰۹)

﴿نُوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى﴾

قری سے مراد شہر ہیں، گاؤں میں کوئی بدوی نبی نہیں ہوا کیونکہ بدوی لوگ بہت اکھڑ ہوتے ہیں۔

حسن بصری رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اللہ کا کوئی نبی نہ بدوی ہوا نہ جن نہ کوئی عورت۔

حَتّٰٓى اِذَا اسْتَيْئَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا ۙ فَنُجِّيَ مَنْ نَّشَآءُ ؕ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿١١٠﴾

یہاں تک کہ جب پیغمبر ناامید ہو گئے اور انہوں نے خیال کیا کہ (اپنی نصرت کے بارے میں جو بات انہوں نے کہی تھی اس میں) وہ سچے نہ نکلے تو ان کے پاس ہماری مدد آ پہنچی پھر جسے ہم نے چاہا بچا دیا اور ہمارا عذاب (اتر کر) گنہگار لوگوں سے پھرا نہیں کرتا۔ (۱۱۰)

اللہ تعالیٰ کے یہاں اپنا مرتبہ معلوم کرنے کا پیمانہ یہ ہے کہ انسان یہ دیکھے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے کس کام میں لگا رکھا ہے، اگر وہ دنیا ہی میں پھنسا ہوا ہے تو اللہ تعالیٰ سے دور ہے اور اگر وہ اللہ و رسول کی اطاعت میں لگا ہوا ہے تو وہ اللہ سے قریب ہے۔

❁❁❁

Scanned by CamScanner

فوائد و نکات سورۂ یوسف:

﴿الٓرٰ﴾ قرآن انہیں جیسے حروف سے مرکب ہے، اس کے باوجود اہل عرب اس کے مثل ایک سورت لانے سے قاصر ہیں۔

﴿اَلْمُبِیْنِ﴾ اس کتاب میں جتنے حقائق بیان کیے گئے ہیں وہ عربوں کے لیے واضح ہیں اور اس کے دقائق میں کوئی التباس نہیں۔

﴿لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾ تاکہ تم سمجھ سکو، یہ انزال کتاب کی علت ہے۔

﴿یٰۤاَبَتِ﴾ ماں باپ سے نرمی سے بات کرنا چاہیے۔

﴿یٰبُنَیَّ﴾ ماں باپ کو بچوں پر شفیق ہونا چاہیے۔

﴿فَیَكِیْدُوْا لَكَ كَیْدًا﴾ اہل فضل و کمال سے ہمیشہ حسد کیا جاتا ہے، برائی کو اگر خیر خواہی کے طور پر بیان کیا جائے تو وہ غیبت نہیں ہے اور کسی مسلم بھائی کی کسی حرکت سے خطرہ ہو، تو اس حرکت کو بیان کر دینا غیبت نہیں ہے۔

﴿اِنَّ الشَّیْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ﴾ شیطان انبیاء کو چھوڑ کر تمام لوگوں بشمول اولاد انبیاء پر مسلط ہو سکتا ہے۔

ایک سے زائد بیویوں کے لڑکوں میں اکثر آپسی دشمنی ہوتی ہے، مربی کو حالات کو سمجھنے اور ان کے مطابق تدابیر اختیار کرنا چاہئے۔ خواب کی تعبیر ایک علم ہے، اللہ تعالیٰ اپنے جس نیک بندے کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے، حاسد کی چال اور ماہر کی احتیاط تقدیر کو نہیں بدل سکتی۔ نبوت اللہ تعالیٰ کی طرف سے انتخاب ہے اسے مجاہدے یا تمنا سے حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ شمس و قمر اور نجوم یہ تینوں روشنی اور بلندی میں مختلف ہوتے ہیں، بچوں کی بچپن میں اچھی تربیت ان کی جوانی اور بڑھاپے میں بے شمار فوائد کی ضامن ہوتی ہے۔

﴿وَیُعَلِّمُكَ﴾ تعلیم، انتخاب کے لوازم میں سے ہے۔

﴿اَحَبُّ اِلٰۤى اَبِیْنَا﴾ بڑے بیٹے کے مقابل چھوٹے بیٹے سے زیادہ محبت انسانی فطرت ہے۔

﴿ضَلٰلٍ مُّبِیْنِ﴾ ضلال کا مطلب کبھی ضلال فی الدین یعنی حق کے راستے سے ہٹنا ہوتا ہے، کبھی ہویٰ (خواہش نفس) کے معنی میں ہوتا ہے کبھی رائے کی غلطی کو ضلال کہا جاتا ہے۔ قرب و بعد اور محبت و نفرت کا معیار ضروری نہیں کہ مادی فائدہ ہی ہو۔

﴿وَنَحْنُ عُصْبَةٌ﴾ قوت اور کثرت سے اکثر لوگ غرور میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

﴿اقْتُلُوْا یُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ﴾ شرعی قاعدہ ہے کہ دو تکلیف دہ چیزوں میں جو ہلکی ہو اسے اختیار کرنا چاہئے۔ آدمی غصے کی حالت میں صحیح فیصلہ کرنے سے قاصر ہوتا ہے۔

﴿قَوْمًا صٰلِحِیْنَ﴾ قاتل کی توبہ بھی قبول ہو جاتی ہے۔ آدمی کو اپنے رشتہ داروں سے بھی محتاط رہنا چاہئے۔ ان کی دشمنی غیروں کی دشمنی سے زیادہ سخت ہوتی ہے۔

Scanned by CamScanner

﴿يَلْتَقِطْهُ﴾ پڑی ہوئی چیز اٹھانے کی اجازت ہے۔
کسی کام کے کرنے سے پہلے پلاننگ ضروری ہے۔
حاسد بے اعتبار ہوتا ہے۔
﴿يَرْتَعْ﴾ تفریحی سفر کی اجازت ہے اور دوران سفر انسان ہر جائز چیز سیر ہو کر کھا سکتا ہے۔ کیونکہ لفظ ''یرتع'' حقیقت میں جانوروں اور مویشیوں کے کھانے کے بارے میں آتا ہے جسے اردو زبان میں چَرنا کہتے ہیں، اور یہ اکل کثیر (زیادہ کھانا) کے لیے استعارہ ہے۔ یہ ''رَتَعَتِ الدَّابَّةُ إِذَا أَكَلَتْ فِي الْمَرْعٰى حَتّٰى شَبِعَتْ'' سے مستعار ہے یعنی چوپائے نے چراگاہ میں اچھی طرح چرلیا یہاں تک کہ وہ بالکل آسودہ ہوگیا۔ ﴿يَرْتَعْ﴾ کے بعد ﴿يَلْعَبْ﴾ ہے جس میں اشارہ ہے کہ کھانا کھانے کے بعد تھوڑا ٹہلنا صحت کے لیے بہتر ہے۔
﴿يَلْعَبْ﴾ ایسا کھیل جس میں معصیت نہ ہو، جائز ہے۔
﴿قَالَ اِنِّيْ لَيَحْزُنُنِيْٓ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَاَخَافُ اَنْ يَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَاَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ﴾ حزن فطری امر ہے اور کبھی کبھی آدمی کی بات اسے مصیبت اور آزمائش میں مبتلا کر دیتی ہے۔
﴿غٰفِلُوْنَ﴾ غفلت، آدمی کو عظیم الشان کاموں سے اور اہم ذمہ داریوں سے ہٹانے کا سبب بنتی ہے۔ اعداء اسلام نے اس حقیقت کو سمجھ لیا لہٰذا انہوں نے مسلمانوں کو غفلت میں ڈالنے والے کھیلوں میں غرق کر دیا۔ فرمانبردار اولاد کی پہچان یہ ہے کہ وہ ماں باپ کو غم میں ڈالنے والی کوئی حرکت نہیں کرتی۔ عالم، جاہل کو پہچان لیتا ہے کیونکہ وہ علم سے پہلے جاہل تھا اور جاہل عالم کو نہیں پہچان سکتا کیونکہ وہ جہالت سے پہلے عالم نہیں تھا۔
﴿وَنَحْنُ عُصْبَةٌ﴾ کثرت اور اتحاد طاقت وقوت کا سبب ہے اور دشمن غفلت ہی کی حالت میں اپنا مقصد حاصل کر پاتا ہے۔
کمینہ آدمی بھیڑیئے سے بھی زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔
مومن سے گناہ کبیرہ کا صدور ہو سکتا ہے۔
﴿عِشَآءً يَّبْكُوْنَ﴾ جرائم عام طور پر اندھیرے میں کیے جاتے ہیں۔ بناوٹی رونے کی انتہا حقیقی رونے پر ہوتی ہے۔ آدمی کا رونا اس کے قول کی سچائی کی دلیل نہیں کیونکہ اس میں احتمال ہے کہ یہ آنسو مگرمچھ کے آنسو ہوں۔ جھوٹ میں اس کے باطل ہونے کی دلیل موجود ہوتی ہے۔
﴿فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ﴾ ''اَلصَّبْرُ قُوَّةٌ لِلنَّفْسِ عَلَى احْتِمَالِ الْاٰلَامِ وَالْجَمِيْلُ مِنْهُ هُوَ مَا لَا شَكْوٰى فِيْهِ إِلَى الْخَلْقِ وَلَا جَزَعٍ''۔ صبر نفس کی اس قوت کا نام ہے جو تکلیفوں کو برداشت کرتی ہے اور صبر جمیل وہ ہے جس میں مخلوق کے سامنے جزع و فزع نہ ہو۔ کام اس کو سونپا جائے جو اس کا اہل ہو۔
﴿سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ﴾ عجیب بات ہے کہ ''سوّل'' کا مادہ تین ہی جگہ آیا ہے:
(۱) سامری کے لیے ﴿وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ﴾

Scanned by CamScanner

(۲) یوسف علیہ السلام کے دس بھائیوں کے لیے ﴿سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا﴾

(۳) شیطان کے لیے ﴿اَلشَّيْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ ۭ وَاَمْلٰى لَهُمْ﴾ لفظ ﴿سَوَّلَ﴾ عجیب لفظ ہے اس کا لفظ نرم ہے کیونکہ تسویل کا معنی "تسھیل" (آسان کرنا) ہے مگر اس کے معنی میں جارحیت ہے جیسا کہ بعض علماء نے کہا ہے:

"اَلْكَلَامُ أُنْثٰى وَالْمَعْنٰى ذَكَرٌ" لفظ تو مونث ہے مگر معنی مذکر ہے یعنی لفظ تو عورت کے جیسا ہے مگر معنی مرد جیسا ہے۔

﴿اَمْرًا﴾ نکرہ تفخیم کے لیے ہے یعنی معاملہ تو بڑا عظیم تھا مگر تمہارے نفسوں نے اسے آسان بنا دیا۔ اسی طرح شیطان اور اس کے چیلے بڑے بڑے باطل امور کو آسان اور مزین بنا کر لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں تاکہ وہ بڑی آسانی سے ان کے دام خوش رنگ کے صید زبوں بن جائیں۔

مصیبت میں مومن کا سب سے بڑا ہتھیار صبر ہے۔

قمیص یوسف علیہ السلام کی تین نشانیاں: ﴿وَجَآءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ﴾

(۱) جھوٹا خون۔

(۲) پیچھے سے پھٹی ہوئی۔

(۳) باپ کے چہرے پر ڈالی گئی تو بینائی لوٹ آئی۔

عجیب بات ہے کہ قمیص کا لفظ اس سورۂ کریمہ کے علاوہ پورے قرآن میں کہیں نہیں آیا ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ قمیص اس قصے کا بڑا اہم جزء ہے۔ غور کرنے والا معلوم کر لے گا کہ مجرم کے دلائل ہمیشہ اس کے خلاف ہوتے ہیں۔

﴿وَجَآءَتْ سَيَّارَةٌ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کشادگی قریب ہے اور کشادگی کا طالب ناکام نہیں ہوتا اور کشادگی جس کا آدمی شدت سے انتظار کر رہا ہوتا ہے ایسی جگہ سے آجاتی ہے جہاں سے آنے کا اسے گمان بھی نہیں ہوتا نیز آدمی کے اوپر جو مصیبتیں آتی ہیں ان میں بڑے عظیم فوائد مضمر ہوتے ہیں۔

﴿وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍۭ بَخْسٍ﴾ عدد کا ذکر قلت کی دلیل ہوتی ہے۔

﴿زَاهِدِيْنَ﴾ زھد کی تعریف: "اَلزُّهْدُ إِنْصِرَافُ الرَّغْبَةِ عَنِ الشَّيْءِ إِلٰى مَا هُوَ خَيْرٌ مِنْهُ"۔ خواہش کو بہتر کی طرف پھیر دینا زھد کہلاتا ہے۔

(قیمت) کی تین صفات ذکر کی گئیں: ﴿ثمن﴾

(۱) ﴿بَخْسٍ﴾

(۲) ﴿دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ﴾

(۳) ﴿كَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزَّاهِدِيْنَ﴾ یوسف علیہ السلام کو کنویں سے نکالنے والے یوسف علیہ السلام سے بے رغبت تھے۔

﴿نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا﴾ اس سے معلوم ہوا کہ عزیز مصر لاولد تھا اور یہ کہ اولاد اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔

Scanned by CamScanner

﴿غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ﴾ یوسف علیہ السلام کو نجات دی جب کہ بھائیوں نے انہیں ہلاک کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ یوسف علیہ السلام کو عزیز بنا دیا جب کہ قافلہ والوں نے انہیں غلام بنا کر بیچ دیا تھا۔

﴿وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ اکثر لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ معاملہ کل کا کل اللہ تعالیٰ کے ہاتھوں میں ہے ان کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کیا کرنے والا ہے۔

احسان کے تین ارکان ہیں: ﴿اَحْسَنَ مَثْوَاىَ﴾

(۱) ایمان صحیح

(۲) اعمال صیحہ

(۳) اخلاق فاضلہ

حکیم اور عالم میں فرق۔ "اَلْعَالِمُ الَّذِیْ یَعْلَمُ الْاَشْیَاءَ وَالْحَکِیْمُ الَّذِیْ یَعْمَلُ بِمَا یُوْجِبُهُ الْعِلْمُ"۔ عالم وہ ہے جسے اشیاء (چیزوں) کا علم ہو، اور حکیم وہ ہے جو علم کے مقتضیٰ پر عمل کرے۔ علم نافع، احسان کے ثمرات میں سے ہے یوسف علیہ السلام محسنین میں سے تھے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے انہیں علم بھی دیا اور حکمت بھی دیا۔ علم مال سے بہتر ہے کیونکہ آپ مال کی حفاظت کرتے ہیں اور علم آپ کی حفاظت کرتا ہے۔

محسن کی تعریف:

"هُوَ الَّذِیْ یُحْسِنُ فِیْ کُلِّ شَیْءٍ یُحْسِنُ فِی الْقَوْلِ وَالْعَمَلِ وَیُحْسِنُ فِی الْخُلُقِ وَالتَّفْکِیْرِ"۔ محسن وہ ہے جو ہر چیز میں اچھا ہو۔ قول میں اچھا ہو، عمل میں اچھا ہو، اخلاق میں اچھا ہو، سوچ میں اچھا ہو اور بدلہ سبب سے ملتا ہے نسب سے نہیں۔ اسی وجہ سے "نَجْزِي أَوْلَادَ الْأَنْبِيَاءِ" نہیں کہا بلکہ ﴿نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ﴾ کہا۔

نکتہ: حکیم کو پہلے لایا گیا اور علیم کو بعد میں ذکر کیا گیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ مستقبل میں عقل پرست فلاسفہ آئیں گے جو کہیں گے "اِنَّ الْحُکْمَ فَرْعٌ مِنَ الْعِلْمِ" کہ انسان جب علم والا ہوگا تو حکیم ہوگا اس لیے اللہ تعالیٰ نے حکیم کو پہلے ذکر کیا اور علیم کو بعد میں۔ یہ بتانے کے لیے کہ حکمت علم سے نہیں پیدا ہوتی بلکہ حکمت دین سے پیدا ہوتی ہے۔ نیز حکمت کو علم پر اس لیے مقدم کیا گیا کہ حکمت ہی علم سے بہتر انتفاع کو ممکن بناتی ہے۔ اصحاب رسول کو دیکھیے کہ ان کے زمانے میں معلومات کی قلت تھی مگر وہ علم اور دین کی سمجھ کے اعلیٰ مقام پر تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں حکمت سے نوازا تھا۔ اس لیے ہم قرآن میں دیکھتے ہیں کہ چار جگہ حکم کو علم سے پہلے لایا گیا ہے:

(۱) یوسف علیہ السلام کے بارے میں ﴿آتَيْنٰهُ حُكْمًا وَعِلْمًا﴾ (یوسف: ۲۲)

(۲) سورۂ انبیاء میں لوط علیہ السلام کے بارے میں ﴿آتَيْنٰهُ حُكْمًا وَعِلْمًا﴾ (انبیاء: ۷۴)

(۳) سورۂ قصص میں موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ﴿آتَيْنٰهُ حُكْمًا وَعِلْمًا﴾ (قصص: ۱۴)

Scanned by CamScanner

(۴) سورۂ انبیاء میں داؤد علیہ السلام کے بارے میں ﴿آتَيْنٰهُ حُكْمًا وَعِلْمًا﴾ (انبیاء:۷۹)

یعنی ہم نے ان نبیوں کو دو رتبوں پر فائز کیا تھا:

(۱) رتبہ حکیم پر

(۲) رتبہ علیم پر۔

صبر کی دو قسمیں:

(۱) صبر اضطراری

(۲) صبر اختیاری۔

یوسف علیہ السلام کا اپنے بھائیوں کی طرف سے اذیت پر اور جیل کی مصیبت پر صبر، صبر اضطراری تھا اور عزیز مصر کی بیوی کا آپ علیہ السلام کو گناہ کی طرف مائل کرنے پر گناہ کا ارتکاب نہ کرنا صبر اختیاری تھا۔

﴿وَرَاوَدَتْهُ﴾ عورت ہی جنسی خواہش کو ابھارنے اور زنا کی طرف دعوت دینے میں پہل کرتی ہے۔ اسی وجہ سے سورۂ نور میں زانیہ کو زانی پر مقدم کیا گیا ہے۔

﴿غَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ﴾ بادشاہوں اور امیروں کے محل بہت بڑے بڑے ہوتے تھے۔ تنہائی، خوبصورتی اور منصب یہ سب سے زیادہ فتنہ کو دعوت دیتے ہیں۔

﴿بُرْهَانَ رَبِّهٖ﴾ سے مراد برھان ایمان ہے جو حدیث میں "وَرَجُلٌ دَعَتْهُ إِمْرَأَةٌ ذَاتُ مَنْصَبٍ وَ جَمَالٍ فَقَالَ إِنِّيْ أَخَافُ اللهَ" (صحیح بخاری، کتاب الزہد: ۱۴۲۳)

﴿ظالمین﴾ محسن کے احسان کا بدلہ برائی سے دینا ظلم ہے، معصیت کی طرف دعوت دی جائے تو اس وقت اللہ تعالیٰ کی پناہ لینا چاہیئے۔ شادی شدہ عورت سے زنا شوہر پر ظلم ہے۔ "اَلْاِيْمَانُ عِزٌّ وَالْمَعْصِيَةُ ذُلٌّ" ایمان سے عزت ملتی ہے اور گناہ سے ذلت حاصل ہوتی ہے۔

نکتہ: ابن قیم رحمہ اللہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کی عصمت وعفت کو انتہائی عظیم ذکر کیا ہے کیونکہ ان کے لیے گناہ کے اتنے داعیے جمع ہو گئے تھے جو کسی کے لیے جمع نہیں ہوئے تھے۔

(۱) جوان رعنا تھے۔

(۲) کنوارے تھے۔

(۳) اپنے وطن اور خاندان سے دور تھے اور جہاں آدمی لوگوں کو جانتا ہو، وہ حیا کرتا ہے کہ ان کی نگاہوں میں گر جائے یہ چیز یہاں نہیں تھی۔

(۴) آزاد نہیں تھے بلکہ غلام تھے وہ عورت کے تحت تھے۔

(۵) عورت منصب و جمال والی تھی۔

Scanned by CamScanner

(۶)عورت ہی گناہ کی دعوت دینے والی تھی۔

(۷)مکان ایسا تھا جہاں جاسوس نہیں پہنچ سکتے تھے۔

(۸)دروازے بھی بند کر دیئے گئے۔اس طرح رغبت اور رہبت دونوں کا وجود نہ تھا۔

(۹)عورت کے پاس طلب گناہ کے ساتھ رغبت تامہ بھی تھی۔

نکتہ عجیبہ: شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ اس نے یوسف علیہ السلام سے سوء اور فحشاء کو پھیر دیا اور جب اللہ تعالیٰ نے پھیر دیا تو یوسف علیہ السلام کا اس سے پھر جانا لازمی تھا، اگر یوسف علیہ السلام گناہ کرتے تو توبہ کرتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جس کسی نبی کی خطا کا ذکر فرمایا، اس کی توبہ کا ذکر ضرور فرمایا ہے یوسف علیہ السلام کی توبہ ذکر نہیں کی جس سے معلوم ہوا کہ اس قصے میں یوسف علیہ السلام سے بالکل کوئی گناہ نہ ہوا اور یوسف علیہ السلام کے ارادے کو ''هَمٌّ'' سے تعبیر فرمایا اور ''هَمٌّ'' پر تو ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے

''وَمَنْ هَمَّ بِسَيِّئَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كَتَبَهَا اللّٰهُ لَهُ عِنْدَهُ حَسَنَةً كَامِلَةً''(بخاری، کتاب الرقاق:۶۴۹۱)

﴿إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ﴾

''اَلْإِخْلَاصُ مُنْجِي مِنَ الْكُرُبَاتِ وَالْمَعَاصِي''۔اخلاص تکلیفوں اور گناہوں سے نجات دلانے والا ہے۔

سوء کی تعریف:

''اَلسُّوْءُ هُوَ مَا يَغُمُّ الْإِنْسَانَ۔ فَالسُّوْءُ كُلُّ عَمَلٍ قَبِيْحٍ يَسُوْءُ فَاعِلَهُ إِذَا كَانَ عَاقِلًا سَلِيْمَ الْفِطْرَةِ كَرِيْمَ النَّفْسِ أَوْ يَسُوْءُ النَّاسَ'' سوء وہ ہے جو انسان کو غم میں مبتلا کر دے۔تو سوء ہر وہ برا عمل ہے جو اس کے فاعل کو برا لگے اگر وہ عاقل سلیم الفطرت اور کریم النفس ہو یا لوگوں کو برا لگے۔

فحشاء کی تعریف:

فحش،فحشاء اور فاحشہ تینوں کا مفہوم ایک ہے۔''كُلُّ مَا يَتَجَاوَزُ حَدَّ الْقُبْحِ''۔ہر وہ گناہ جو قباحت کی حد سے تجاوز کر جائے۔

یہاں سوء کا مطلب ہوا اپنے آقا کی امانت میں خیانت کرنا، اور فحشاء کا مطلب ہوا اس کی بیوی کی وجہ سے آقا کو قتل کرنا۔اور سوء کا مطلب مقدمات زنا(بوسہ لینا، چمٹانا وغیرہ) ہیں، اور فحشاء کا مطلب زنا کرنا ہے۔یعنی سوء، وہ گناہ ہے جس کی حد ہو اور فحشاء وہ گناہ ہے جو حد اعتدال سے باہر ہو۔

اسی مفہوم میں امرأالقیس کا یہ شعر ہے ؎

وَجِيْدٌ كَجِيْدِ الرِّيْمِ لَيْسَ بِفَاحِشٍ
إِذَا هِيَ نَصَّتْهُ وَلَا بِمُعَطَّلِ

محبوبہ کی گردن ہرن کی گردن جیسی ہے اور حد اعتدال سے باہر نہیں۔جب وہ گردن کو اٹھاتی ہے اور نہ اس کی گردن

Scanned by CamScanner

زیورات سے خالی ہے۔

مُخلِص اور مُخلَص میں فرق:

مخلِص وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اخلاص کے ساتھ کرے، مخلَص وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی قربت کے لیے چن لیا۔

﴿وَاسْتَبَقَا الْبَابَ﴾ دونوں (یوسف علیہ السلام وامرأۃ عزیز) دروازے کی طرف بھاگے، جس سے ایک نکتہ تو یہ ملا کہ حق و باطل کی کشمکش ہمیشہ سے جاری رہی ہے۔

دوسرا نکتہ عجیبہ: ان میں ہر ایک کوشش کر رہا ہے کہ دروازے پر وہ پہلے پہونچے، تو دوڑنے والے دو ہیں اور راستہ بھی ایک ہے ،منزل بھی ایک ہے ،مگر ھدف و مقصد مختلف ہے۔ایک ھارب (بھاگنے والا) ہے ایک طالب ہے۔ ایک شکاری (ھارب) ہے دوسرا شکار ہے۔ایک جنت کے دروازے کی طرف بھاگ رہا ہے۔ایک جہنم کے دروازے کی طرف رواں دواں ہے۔ ایک پاکیزگی اور طہارت کے دروازے کی طرف بھاگ رہا ہے۔ ایک گندگی اور نجاست کے دروازے کی طرف بھاگ رہا ہے۔ ایک بابِ شرف وعلو کی طرف بھاگ رہا ہے ایک پستی اور گراوٹ کے دروازے کی طرف بھاگ رہا ہے۔

نکتہ عجیبہ: دونوں دروازے پر پہونچے دروازہ کھلا تو وہاں عزیز مصر کو کھڑا پایا فوراً کہنے لگی: ﴿مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ﴾ اس نے "مَنْ فَعَلَ بِاَهْلِکَ" نہیں کہا کہ جو تیرے اہل کے ساتھ برا فعل کرے۔

امرأۃ عزیز کو یقین تھا کہ اس کا شوہر اس کی مخالفت نہیں کرے گا کیونکہ مصر میں عورتوں کو بالادستی حاصل تھی۔ اس نے یوسف علیہ السلام پر تہمت لگائی اور خود سزا بھی تجویز کر دی کہ انہیں جیل بھیج دیا جائے۔ کیونکہ اسے خوف تھا کہ کہیں اس کا شوہر یوسف علیہ السلام کو بیچ نہ دے یا قتل نہ کر دے۔ یہ دلیل تھی کہ اسے یوسف علیہ السلام سے محبت تھی اور اسے امید تھی کہ قید و بند کی صعوبتیں یوسف علیہ السلام کو اس کے سامنے جھکنے پر مجبور کر دیں گی۔

﴿شَهِدَ شَاهِدٌ﴾ قیاس اور عرف و عادت اور قرائن کے اعتبار کی مشروعیت ثابت ہوتی ہے۔ جب تک یہ سب شرع کے اصولوں کے مخالف نہ ہوں۔ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: کہ امرأۃ عزیز کی محبت سچی نہیں تھی کیونکہ "مِنْ شَأْنِ الْمُحِبِّ إِيْثَارُ الْمَحْبُوْبِ"۔ محب کی شان یہ ہوتی ہے کہ محبوب پر سب کچھ نچھاور کر دے۔

﴿مِنْ اَهْلِهَا﴾ گھر والوں کی شہادت اعظم اور اقویٰ ہوتی ہے۔ نیز زبان حال، زبان قال سے بلیغ ہوتی ہے۔

﴿اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ﴾ (سورہ زخرف) سے معلوم ہوتا ہے خائن اور مجرم کا دفاع جائز نہیں اور مجرم اور خائن کی طرف سے وکالت حرام ہے۔

﴿كَيْدَ كُنَّ عَظِيْمٌ﴾ عورتوں کے چکر میں جو پھنس گیا تو ان کے فتنے سے بچنا بہت مشکل ہے کیونکہ عورتوں کا فتنہ شیطان کے فتنے سے زیادہ بڑا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ نساء میں فرمایا ﴿اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا﴾ اور اِنَّ كَيْدَ كِ نہیں کہا بلکہ ﴿كَيْدَ كُنَّ﴾ کہا کیونکہ مکر تمام عورتوں کے دلوں میں مدفون ہے۔ کوئی بھی فیصلہ اس وقت تک نہیں

Scanned by CamScanner

کیا جاسکتا جب تک عینی گواہ نہ ہوں اور گواہ کا بیان سننے اور دلیلوں میں غور نہ کر لیا جائے۔

نام نہاد ترقی یافتہ اور تعیش پسند طبقات میں اخلاقی بگاڑ اور غیرت کی کمی ہوتی ہے۔عزیز مصر غیرت مند نہ تھا اسی وجہ سے چپ چاپ کھڑا رہا۔عزیز مصر نے یوسف علیہ السلام سے کہا ﴿ اَعْرِضْ ﴾ یعنی یہ بات کسی سے مت کہنا اور بیوی سے کہا: ﴿ اِسْتَغْفِرِیْ ﴾ یعنی استغفار امان ہے کہ نہ لوگوں کی طرف سے سزا ہوگی نہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب ہوگا۔

تعزیر کی کئی قسمیں ہیں:

(۱) منہ کالا کر کے تشہیر کرنا۔

(۲) مارنا۔

(۳) قید کرنا۔

(۴) باندھنا۔

(۵) جلاوطن کر دینا۔

﴿ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ﴾ یوسف کی محبت نے اس کا دل پھاڑ دیا ہے یہاں تک کہ اس کے دل تک پہنچ گئی ہے۔ شغاف، حجاب القلب (دل کے پردہ) کو کہتے ہیں بعض لوگوں نے کہا کہ شغاف جلیدۃ رقیقۃ کو کہتے ہیں۔وہ دل پر ایک باریک جھلی ہوتی ہے جسے لسان القلب (دل کی زبان) کہا جاتا ہے، رسوائیوں کو دیواریں نہیں چھپا سکتیں کہا جاتا ہے عشق اور مشک کبھی نہیں چھپتے۔

﴿ تُرَاوِدُ فَتٰـهَا ﴾ طلب مفرط (حد سے بڑھی ہوئی خواہش) کو ظاہر کیا۔

﴿ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ﴾ سے عشق مفرط کو ظاہر کیا۔یعنی اس کی محبت اور طلب میں میانہ روی نہیں ہے۔محبت دل کی گہرائیوں میں اتر چکی ہے عشق مفرط ہے اور مراودۃ یعنی بار بار فاحشہ کی طلب ہے۔یہ طلب مفرط کو ظاہر کرتا ہے۔کیونکہ اگر کوئی گناہ کی دعوت دے اور مدعوا نکار کر دے تو داعی کی خواہش پست ہو جاتی ہے مگر بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ انہیں جتنا منع کیا جائے ان کا شوق بڑھتا جاتا ہے۔یہی حالت امرأۃ عزیز کی تھی۔

جیل کو گناہ پر ترجیح دینا صدیقیت کا مظہر ہے۔

﴿ وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ ﴾ جیل میں جانا ہمیشہ آدمی کے مجرم ہونے کی دلیل نہیں ہوتی۔یوسف علیہ السلام زنان مصر کی محفل میں خاموش تھے ان کے اور مدعو عورتوں کے درمیان بات چیت کا تبادلہ نہیں ہوا اور ہم جانتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام کے اس سکوت نے ان کا مقام ان عورتوں کی نگاہ میں بڑھا دیا تھا کیونکہ خاموشی آدمی کے مرتبے کو بلند کرتی ہے اور زیادہ بولنا آدمی کی ہیبت کم کر دیتا ہے لہٰذا عقلمند آدمی وہ ہے جو اپنے کلام کی حفاظت کرے اور ضرورت کے وقت ہی بولنے کے لیے لب کھولے۔

Scanned by CamScanner

﴿حَتّٰی حِیْنٍ﴾ مومن نرمی اور سختی، آسانی اور پریشانی اور امید و بیم کی حالتوں کے درمیان الٹتا پلٹتا رہتا ہے۔

﴿اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ﴾ اچھے لوگ اہل علم وفضل کے علم وفضل کا اعتراف کرتے ہیں۔

﴿مِمَّا عَلَّمَنِیْ رَبِّیْ﴾ دولتِ علم کا شکریہ ادا کرنا واجب ہے اور اس کی زکوۃ اور اس کا شکریہ، یہ ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کے بندوں میں پھیلائے۔

﴿وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیْٓ﴾ کفروشرک کا طریقہ چھوڑ دینا چاہئے اور انبیاء ومرسلین کے طریقے پر چلنا چاہئے۔

﴿مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ﴾ یہ نفی بمعنی النھی ہے یعنی "لَنَنْتَهِ عَنِ الشِّرْكِ" ہمیں شرک سے باز آجانا چاہئے۔

﴿ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ﴾ بندے پر اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت توحید ہے۔

﴿مُتَفَرِّقُوْنَ﴾ میں تفرق سے اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ اگر کئی معبود ہوتے تو ان کے ارادے الگ الگ ہوتے اور پھر ہر معبود دوسرے پر چڑھ دوڑتا۔ صفتِ قہار لاکر یہ بتایا گیا کہ تمام معبودان باطلہ مقہور وضعیف ہیں۔ یہ نکتہ بھی مستفاد ہوا کہ معبودوں کا متفرق ہونا انسانیت کو متفرق ومنتشر کر دیتا ہے اور انسانوں کو گروہوں میں بانٹ دیتا ہے۔ اور داعی کے لیے ضروری ہے کہ وہ کسی بھی وقت لوگوں کی رہنمائی کرنے سے نہ تھکے۔

﴿بِضْعَ سِنِیْنَ﴾ بضع کا اطلاق تین سے نو تک ہوتا ہے۔

نکتہ: اسباب موجود ہوں مگر اللہ تعالیٰ جب تک نہ چاہے وہ موثر نہیں ہو سکتے، یوسف علیہ السلام نے ساقی سے کہا تھا کہ بادشاہ سے میرا ذکر کرنا مگر وہ بھول گیا۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ انسان اگر اپنے معاملے کو غیر اللہ کو سونپ دے تو یہ آزمائش اور شدت کا سبب بن جاتا ہے۔

﴿اَلْمَلِكُ﴾ اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کے عہد کے بادشاہ کو مَلِک کہا فرعون نہیں کہا کیونکہ یہ مصر کے قبطی بادشاہ فراعنہ کے خاندان سے نہیں تھا بلکہ عمالقہ میں سے تھا جو کنعانی تھے۔ یہ قرآن کا سائنسی اعجاز ہے۔

﴿وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّیْٓ اَرٰی﴾ اچھا خواب کافر و فاسق بھی دیکھ سکتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کی تکلیف دور کرنا چاہتا ہے تو اس کے لیے اسباب مہیا کر دیتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ بادشاہ بھی علماء کے محتاج ہوتے ہیں۔

سورۂ یوسف میں پانچ خوابوں کا تذکرہ ہے:

(۱) یوسف علیہ السلام کا خواب ﴿أَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ﴾ (سورہ یوسف:۴)

(۲) ساقی کا خواب ﴿اِنِّیْٓ أَعْصِرُ خَمْرًا﴾ (سورہ یوسف:۳۶)

(۳) خباز (نانبائی) کا خواب ﴿أَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِیْ خُبْزًا﴾ (سورہ یوسف:۳۶)

(۴) بادشاہ کا گایوں کا خواب دیکھنا ﴿أَرٰی سَبْعَ بَقَرٰتٍ﴾ (سورہ یوسف:۴)

(۵) بادشاہ کا بالیوں کا خواب دیکھنا ﴿وَّسَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ یٰبِسٰتٍ﴾ (سورہ یوسف:۴۳)

Scanned by CamScanner

﴿وَمَا نَحۡنُ بِتَاۡوِيۡلِ الۡاَحۡلَامِ بِعٰلِمِيۡنَ﴾ حق کا معیار کثرت تعداد نہیں بلکہ دلائل ہوتے ہیں۔

﴿اَضۡغَاثُ اَحۡلَامٍ﴾ ضغث گھاس کے گٹھے کو کہتے ہیں پھر قوت متخیلہ میں جو وساٹس شیطانیہ اور خواطر ہوتے ہیں اس کے لیے استعارہ کیا گیا۔

﴿بَعۡدَ اُمَّةٍ﴾ امت کا اطلاق ملت پر، عقیدے پر، اور اندھی تقلید پر بھی ہوتا ہے ﴿اِنَّا وَجَدۡنَاۤ اٰبَآءَنَا عَلٰۤى اُمَّةٍ﴾

نفس کے احوال:

(۱) "اَمَّارَۃٌ۔ ثُمَّ تَکُوۡنُ۔ لَوَّامَۃٌ تَفۡعَلُ الذَّنۡبَ ثُمَّ تَلُوۡمُ عَلَیۡہِ۔ ثُمَّ تَصِیۡرُ مُطۡمَئِنَّۃً" نفس کے تین احوال ہیں۔ امارہ، پھر یہی لوامہ ہوجاتا ہے۔ گناہ ہوجائے تو اس پر ملامت کرتا ہے۔ پھر مطمئنہ ہوجاتا ہے۔

(۲) "اِنَّ اَعۡدٰی عَدُوِّکَ فِیۡ جَنۡبَیۡکَ" تمہارا سب سے بڑا دشمن تمہارے پہلو میں ہے۔ شیطان گناہ کا وسوسہ ڈال کر چلا جاتا ہے۔ اب اگر بار بار گناہ کا تقاضا ہوتو سمجھو کہ یہ نفس ہے۔

(۳) "اَلنَّفۡسُ کَالطِّفۡلِ اِنۡ تُمۡھِلۡہُ شَبَّ عَلٰی حُبِّ الرِّضَاعِ وَاِنۡ تَفۡطِمۡہُ یَنۡفَطِمۡ" نفس کی مثال بچے کی سی ہے کہ اگر اس کو چھوڑ دوتو جوان ہونے کے بعد بھی دودھ پیتا رہے گا۔ اور اگر دودھ چھڑا دوتو چھوڑ دے گا۔

﴿اجۡعَلۡنِیۡ عَلٰی خَزَآئِنِ الۡاَرۡضِ﴾ عہدہ طلب کرنے کا مقصد اللہ کی رضا ہو نہ کہ حکومت اور دنیا کی محبت کے لیے۔ ضرورت پڑے تو انسان اپنے علم وفضل کو ظاہر کرسکتا ہے۔

﴿فَعَرَفَهُمۡ﴾ یوسف کا حسن اخلاق تھا کہ بھائیوں کو پہچان لیا اور ان کی بدسلوکی کو یاد کیا مگر ان کے ساتھ کوئی بدسلوکی نہیں کی۔

﴿خَيۡرُ الۡمُنۡزِلِيۡنَ﴾ مہمانوں کا اکرام انبیاء کی سنت ہے، مُنۡزِل، نُزُلٌ سے مشتق ہوتو طعام اور مَنۡزِلٌ سے ہوتو گھر، اس کا مطلب یہ ہوا کہ مہمان کو کھانا اور ٹھہرنے کی جگہ دی جائے، چھوٹے کمزور بھائی کی مدد کرنا اور اسے سہارا دینا واجب ہے۔

﴿مَاذَا تَفۡقِدُوۡنَ﴾ بے گناہ اپنے قول میں جری ہوتا ہے۔ شریعت یعقوب میں تھا کہ چور صاحب مال کی ایک سال غلامی کرے۔ ادب یہ ہے کہ مجلس میں پہلے بڑا بولے۔

﴿وَمِنۡ قَبۡلُ مَا فَرَّطۡتُّمۡ فِیۡ یُوۡسُفَ﴾ جب دو چور جھگڑتے ہیں تو مال مسروق ظاہر ہوجاتا ہے۔

﴿لَا تَثۡرِيۡبَ عَلَيۡكُمُ الۡيَوۡمَ﴾ تثریب کا مطلب تعییر (عار دلانا) ہے قدرت رکھتے ہوئے معاف کرنا محسنین کی صفت ہے نیز معاف کردینا سب سے بڑا انتقام ہے۔

﴿وَاۡتُوۡنِیۡ بِاَهۡلِكُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ﴾ صلہ رحمی کی تعلیم ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ یعقوب علیہ السلام کے خاندان میں مرد عورت ملا کر کل چھہتر افراد تھے۔

﴿اسۡتَغۡفِرۡ لَنَا﴾ انہوں نے اپنے باپ یعقوب سے مغفرت کی دعا کرنے کے لیے کہا کیونکہ ان کا یہ ظلم صرف ان کے لیے ہی نہیں تھا بلکہ ان کا ظلم متعدی ہوکر ان کے باپ تک پہنچ گیا تھا۔

﴿سَوۡفَ اَسۡتَغۡفِرُ لَكُمۡ﴾ فوراً دعا اس وجہ سے نہیں کی تاکہ وقت سحر کا انتظار کرلوں اور دعا اس وقت قبول ہوجائے۔

﴿فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ﴾ شہر کے باہر نکل کر اہل فضل وکمال کا استقبال کرنا جائز ہے۔

﴿خَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا﴾ یہ سجدہ بادشاہوں اور بڑے لوگوں کا سلام تھا اور اس وقت ان شریعتوں میں ممنوع نہ تھا۔

﴿وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْٓ اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ ۭ اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ﴾

﴿اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَاۗءُ﴾ عام طور پر لفظ ﴿اَحْسَنَ﴾ کا صلہ ﴿اِلٰى﴾ آتا ہے مگر یہاں "بِ" آیا ہے۔ اس کے اندر ایک فائدہ ہے جو ظاہر ہے، کہ اس احسان کے علاوہ بھی اس نے بہت سے احسانات کئے ہیں۔

﴿تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا﴾ موت کی تمنا جائز ہے مگر اس وقت جائز نہیں:

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا يَتَمَنَّيَنَّ أَحَدٌ مِنْكُمُ الْمَوْتَ لِضُرٍّ نَزَلَ بِهِ، فَإِنْ كَانَ لَا بُدَّ مُتَمَنِّيًا لِلْمَوْتِ فَلْيَقُلْ: اللّٰهُمَّ أَحْيِنِي مَا كَانَتِ الْحَيَاةُ خَيْرًا لِي، وَتَوَفَّنِي إِذَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِي" (بخاری، کتاب الدعوات:۶۳۵۱) یعنی پریشانی کے وقت موت کی تمنا کرنا جائز نہیں۔

﴿اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ﴾ مومنوں کی تعداد دنیا میں کافروں سے کم ہے۔

دعوت کی بنیادیں اور داعی کے اوصاف: ﴿عَلٰي بَصِيْرَةٍ﴾

(۱) علم: کیونکہ جاہل داعی نہیں ہوسکتا۔

(۲) عمل: تا کہ وہ اچھا نمونہ بن سکے اور علم کا مقصود بھی عمل ہی تو ہے۔

(۳) اخلاص: کہ دعوت صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہو، ریا اور سمعہ کے لیے نہ ہو۔

(۴) اہم چیز کو مقدم کیا جائے جیسے عقیدہ پھر فعل واجبات اور ترک محرمات۔

(۵) دعوت الی اللہ کی راہ میں آنے والی تکلیفوں پر صبر کرے۔

(۶) اخلاق حسنہ سے مزین ہو۔

(۷) اللہ تعالیٰ کی مدد آنے میں تاخیر ہو تو مایوس نہ ہو۔

(۸) دعوت، حکمت اور موعظت کے ساتھ ہو۔

(۹) آسانی ہو سختی نہ ہو، تبشیر ہو تنفیر نہ ہو۔

﴿وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ﴾ آخرت کے لیے تیاری کی ترغیب۔

﴿عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ﴾ مشرک کو مجرم کہنا صحیح ہے کیونکہ شرک ایسا جرم ہے جو بخشا نہیں جائے گا۔ جب تک موت سے پہلے توبہ نہ کرلے۔

﴿هُدًى وَّرَحْمَةً﴾ ھدی اور رحمت میں فرق یہ ہے کہ ھدی وسائل کا نام ہے یعنی وہ راستہ جو دنیا اور آخرت کی

بھلائیوں کی طرف لے جاتا ہے اور رحمت خود وہی بھلائیاں اور ثواب ہیں اور دنیا و آخرت کی سعادت اس قرآن کی علماً اور عملاً اتباع پر موقوف ہے۔

﴿لِقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ﴾ ھدی اور رحمۃ کو مومنوں کے ساتھ خاص کیا کیونکہ وہی ان سے حقیقی فائدہ اٹھانے والے ہیں۔

خواب تین طرح کے ہوتے ہیں:

(۱) تحت الشعور میں دبی ہوئی خواہش کسی شکل میں ظاہر ہو۔

(۲) معدے کی خرابی کی وجہ سے ڈراؤنے خواب۔

(۳) خواب پریشاں- شیطانی وسوسے فتنے کا باعث ہوتے ہیں، عقیدہ خراب کرتے ہیں۔ رویائے صادقہ پر اس کا اثر محسوس ہوتا ہے۔ متعدد معبودوں کو تسلیم کرنے میں وفاداریاں بٹ جاتی ہیں، ایک غلام بہت سے آقاؤں کی غلامی پسند نہیں کرتا ہے۔

سات موٹی گائیں ہیں، سات دبلی گائیں انہیں کھا رہی ہیں۔ اناج کو بالیوں میں رکھنے سے کیڑے مکوڑوں سے حفاظت ہوتی ہے۔

سورۂ یوسف کا خلاصہ دو جملوں میں:

﴿اِنَّهٗ مَنۡ يَّتَّقِ وَيَصۡبِرۡ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِيۡنَ﴾ یوسف علیہ السلام کی پوری زندگی صبر اور تقویٰ سے عبارت ہے۔

﴿سَوۡفَ اَسۡتَغۡفِرُ لَـكُمۡ﴾ یوسف علیہ السلام نے کہا: ﴿لَا تَثۡرِيۡبَ عَلَيۡكُمُ الۡيَوۡمَ‌ ؕ يَغۡفِرُ اللّٰهُ لَـكُمۡ﴾ اور یعقوب علیہ السلام، یوسف علیہ السلام کے بھائیوں سے اتنے نالاں تھے کہ انہوں نے استغفار کو بعد کے لیے ٹال دیا۔ کیونکہ صاحب معاملہ یوسف علیہ السلام تھے اور یعقوب علیہ السلام نے کہا کہ میں مشورہ کروں گا کیونکہ تم نے ان پر ظلم کیا تھا، اس کے بعد میں دعا کروں گا۔

یہ عفو و درگزر کی انتہا ہے کہ بھائیوں کو ذلیل نہیں کیا بلکہ ذمہ دار شیطان کو ٹھہرادیا۔ ﴿اَنۡ نَّزَغَ الشَّيۡطٰنُ﴾

ملوکیت حرام اور مذموم ہوتی تو یوسف علیہ السلام بطور احسان یہ دعا نہ کرتے، ﴿رَبِّ قَدۡ اٰتَيۡتَنِىۡ مِنَ الۡمُلۡكِ﴾ یہ محمود ہے۔

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "يَا عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ سَمُرَةَ، لَا تَسْأَلِ الإِمَارَةَ، فَإِنَّكَ إِنْ أُوتِيتَهَا عَنْ مَسْأَلَةٍ وُكِلْتَ إِلَيْهَا، وَإِنْ أُوتِيتَهَا مِنْ غَيْرِ مَسْأَلَةٍ أُعِنْتَ عَلَيْهَا (بخاری، کتاب الایمان والنذر: ۶۶۲۲)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے کہا تھا کہ امارت طلب مت کرو۔

سوال: کیا ڈونیشن دے کر سیٹ لینا جائز ہے؟

Scanned by CamScanner

جواب: مسئلہ اس کا نہیں کہ مجھے دوسرا کام مل جائے گا مسئلہ یہ ہے کہ اگر اہلیت وصلاحیت کے باوجود صرف رشوت کی وجہ سے یہ نوکری نہیں لیتا تو وہ رشوت لے کر کسی نا اہل کو یہ عہدہ دیدیں گے۔اس طرح ایک حقدار کا حق مارا جائے گا اور غیر مستحق کو یہ عہدہ مل جائے گا لہٰذا یہ ایک اضطراری کیفیت ہے اور ان حالات میں ڈونیشن دے کر نوکری کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔اس کی مثال ڈونیشن دیئے بغیر میڈیکل وغیرہ میں داخلہ نہیں ہوتا۔تو قوم کو ڈاکٹر کہاں ملیں گے۔

﴿اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ﴾ تم نے میرے ساتھ جب زیادتیاں کیں تو تم نادان تھے۔ یہ یوسف علیہ السلام کے اخلاق کریمانہ کی دلیل ہے کہ بھائیوں کی ان زیادتیوں پر ان کو معذور مانا کہ تم نے اپنی نادانی سے یہ سب کیا تھا۔

۱۱۰ برس کی عمر میں یوسف علیہ السلام کا انتقال ہوا۔یعقوب علیہ السلام جب مصر آئے تو ان کی عمر ایک سوتیس سال تھی اور ایک سوسینتالیس (۱۴۷) کی عمر میں انتقال ہوا۔ پھر وصیت کے مطابق کنعان لایا گیا اور وہاں قبرستان میں یعقوب علیہ السلام کو دفن کیا گیا۔

﴿تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ﴾ یوسف علیہ السلام نے کہا دنیا کی بادشاہت مجھے طریق انبیاء سے نہ ہٹادے اور اپنے بزرگوں سے جاملوں۔

﴿رَبِّ قَدْ اٰتَیْتَنِیْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِیْ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ﴾ میں کمالات روحانیہ جو علم سے متعلق ہیں۔اور اَنْتَ وَلِیّٖ میں اس کی عنایت خاصہ کا ذکر۔

﴿كَظِیْمٌ﴾ یعقوب دل ہی دل میں گھٹتے رہتے تھے۔اسی وجہ سے ان کی صفت ﴿كَظِیْمٌ﴾ لائی گئی۔

﴿قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ﴾ غیر مسلم حکومت میں کوئی عہدہ قبول کرنا جائز ہے۔اس حکومت کے تحت رہے تو اس حکومت کی خیر خواہی کرے۔

﴿فَصَبْرٌ جَمِیْلٌ﴾ مصیبت کے وقت ذہن میں استحضار رہے کہ یہ ابتلاء قادرِ مطلق، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، جو حکیم ہے اور رحیم وشفیق بھی، ظاہر ہے طبعی رنج وغم کے ساتھ یہ تسکین عقلی ساتھ ہے کہ ہماری ہر طرح کی مصلحت اس سے وابستہ ہے۔غیر کے سامنے حرف شکایت نہ لائے اور اعضاء سے خلاف وقار حرکت سرزد نہ ہو۔

﴿قُلْ هٰذِهٖ سَبِیْلِیْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰی بَصِیْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ﴾ (کہہ دیجیے! یہ ہے میری راہ، میں اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہوں پوری بصیرت کے ساتھ، میں بھی اور وہ لوگ بھی جنھوں نے میری پیروی کی ہے)

تیر خوردہ زخمی شکار سے راہ میں ٹپکے خون کے نشانات کو جن کے ذریعہ اس شکار تک پہنچا جاتا ہے "بصیرۃ" کہا جاتا ہے۔ پس بصیرۃ کی اصل ظہور ہے یعنی ایسے دلائل جو حق وصواب تک پہنچادیں۔

Scanned by CamScanner

﴿لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ﴾ قصۂ یوسف علیہ السلام میں عبرتیں:

(۱) عِبْرَةٌ لِلْمُلُوكِ- بادشاہوں کے لیے عبرت کہ وہ عدل کو رواج دیں۔

(۲) عِبْرَةٌ لِأَرْبَابِ التَّقْوٰى- متقین کو عروج ملتا ہے۔

(۳) عِبْرَةٌ لأهل الهوىٰ- خواہش پرستوں کے لیے عبرت۔

(۴) عِبْرَةٌ فی العفو عند المقدرة - قدرت رکھتے ہوئے معاف کرنے کی عبرت۔

(۵) عِبْرَةٌ فی ثمرة الصبر - صبر کے پھل میں عبرت۔

(۶) عِبْرَةٌ للحاسدین - حاسدین کے لیے عبرت۔

(۷) عِبْرَةٌ لأهل العلم - اہل علم کے لیے عبرت کہ اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو علم کی وجہ سے عزت و رفعت عطا فرمائی۔

(۸) عِبْرَةٌ لأهل الدعوة - داعیوں کے لیے عبرت کہ یوسف علیہ السلام جیل میں بھی دعوت دیتے رہے۔

(۹) عِبْرَةٌ لأهل الجمال - حسن والوں کے لیے عبرت کہ خوبصورت ہونے کی وجہ سے جیل کی مشقتیں اٹھانی پڑیں۔

(۱۰) عِبْرَةٌ للمَمَالیک - غلاموں اور نوکروں کے لیے عبرت کہ وہ اپنے آقا کی جان مال، عزت و آبرو کی کس طرح حفاظت کریں۔

❀❀❀

Scanned by CamScanner

سورۃ الرعد (مکیۃ)

اَللّٰهُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ۝۲

اللہ وہی تو ہے جس نے ستونوں کے بغیر آسمان جیسا کہ تم دیکھتے ہو (اتنے) اونچے بنائے پھر عرش پر جا ٹھہرا اور سورج اور چاند کو کام میں لگا دیا، ہر ایک، ایک میعاد تک گردش کر رہا ہے، وہی (دنیا کے) کاموں کا انتظام کرتا ہے (اس طرح) وہ اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کرتا ہے کہ تم اپنے رب کے رُوبرو جانے کا یقین کرو۔ (۲)

﴿بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا﴾ جو اللہ کو نہیں مانتے ان کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اللہ اگر ہے تو ہمیں دکھائی کیوں نہیں دیتا۔ مگر ہماری معلوم کائنات بتاتی ہے کہ عدمِ رویت عدمِ شئی کو مستلزم نہیں مثلاً قوت کشش کا اقرار ہے مگر وہ دکھائی نہیں دیتی۔

﴿بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا﴾ ستون تو ہیں مگر تمہیں نظر نہیں آتے۔ اشارہ کشش ثقل (Gravitational Force) کی طرف ہے۔ جسے ہم دیکھتے نہیں تو معلوم ہوا کہ کسی چیز کا نظر نہ آنا اس کے موجود نہ ہونے کی دلیل نہیں ہے۔

سورج کی گردش:

﴿وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ﴾ سورج اپنے محور پر 25.38 دنوں (60912 گھنٹوں) میں اپنی گردش پوری کرتا ہے۔ محور کے علاوہ پورے نظامِ شمسی کے ساتھ دو سو میل فی سکنڈ کی رفتار سے گھوم رہا ہے۔ سورج ایک سال میں دورہ مکمل کرتا ہے۔ چاند ایک مہینہ میں دورہ مکمل کرتا ہے۔ مستقر یعنی منزل۔ مسخر کر دیا یعنی انسانی خدمت میں لگا دیا۔ تابع کر دیتا تو اختلاف ہوتا۔

﴿كُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی﴾ ہر شئی ایک قانون میں جکڑی ہوئی ہے اور یہ قانون ان کے اندر نہیں خارج سے آ رہا ہے ظاہر ہے کہ کوئی مقنن و حاکم ہے۔

Scanned by CamScanner

وَهُوَ الَّذِىْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِىَ وَاَنْهٰرًا ؕ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشِى الَّيْلَ النَّهَارَ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ③

اور وہی ہے جس نے زمین کو پھیلایا اور اس میں پہاڑ اور دریا پیدا کئے اور ہر طرح کے میووں کی دو دو قسمیں بنائیں، وہی رات کو دن کا لباس پہناتا ہے۔ غور کرنے والوں کیلئے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں۔ (۳)

﴿مَدَّ الْاَرْضَ﴾ زمین نہ کوئی دیوی ہے نہ ماتا۔ ایک فرش ہے اللہ کا پھیلایا ہوا تاکہ مخلوق آزادی سے چل سکے۔

﴿رَوَاسِىَ وَاَنْهٰرًا﴾ کوئی دریا، دیوی دیوتا نہیں۔

﴿جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشِى الَّيْلَ النَّهَارَ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ﴾

چودہ سو سال پہلے جب قرآن نازل ہو رہا تھا اس وقت علم النباتات (Botany) میں اتنی ترقی نہیں ہوئی تھی آج یہ سائنسی حقیقت ہے کہ تمام نباتات میں نر و مادہ حصے ہوتے ہیں۔ فراء کا قول ہے ہر پھل کا مذکر و مونث ہوتا ہے۔

وَفِى الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ ۟ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِى الْاُكُلِ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ④

اور زمین میں کئی طرح کے ایک دوسرے سے ملے ہوئے اور انگور کے باغ اور کھیتی اور کھجور کے درخت بعض کی بہت سی شاخیں ہوتی ہیں اور بعض کی اتنی نہیں ہوتیں (باوجودیکہ) پانی سب کو ایک ہی ملتا ہے، اور ہم بعض میووں کو بعض میں فضیلت دیتے ہیں۔ اس میں سمجھنے والوں کیلئے بہت سی نشانیاں ہیں۔ (۴)

﴿وَفِى الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ﴾ قطعہ ارض ایک ہے۔ پانی بھی ایک، دھوپ بھی ایک اور آب و ہوا بھی ایک۔ مگر ایک درخت کھجور پیدا کر رہا ہے دوسرا سیب۔ کیا اس میں غور و فکر کا کوئی مواد نہیں۔ ذائقہ دار، بدذائقہ، کھٹا، میٹھا، سیاہ، سفید۔ مشین ایک پروڈکشن مختلف۔ ﴿صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ﴾ بعض کی بہت سی شاخیں ہوتی ہیں اور بعض کی اتنی نہیں ہوتیں۔

وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِىْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ الْاَغْلٰلُ فِىْٓ اَعْنَاقِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ⑤

اگر آپ عجیب بات سننی چاہو تو کافروں کا یہ کہنا عجیب ہے کہ جب ہم (مر کر) مٹی ہو جائیں گے تو کیا از سرِ نو پیدا ہوں گے؟ یہی لوگ ہیں جو اپنے رب سے منکر ہوئے ہیں اور یہی ہیں جن کی گردنوں میں

Scanned by CamScanner

طوق ہوں گے اور یہی اہلِ دوزخ ہیں کہ ہمیشہ اس میں (جلتے) رہیں گے۔ (۵)

﴿وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ﴾ آخرت کے منکرین کے نزدیک دوسری زندگی کا عقیدہ غیر علمی ہے مگر معاملہ اس کے برعکس ہے۔ پہلی زندگی کا انکار کوئی نہیں کر رہا ہے کیونکہ وہ موجود ہے پھر پہلی زندگی کا وجود میں آنا ممکن ہے تو دوسری کا ناممکن کیوں؟ بعض لوگ اللہ کو مانتے ہیں مگر آخرت کو نہیں۔ آخرت اللہ کی صفت عدل کا ظہور ہے۔ آخرت کو مانے بغیر ایمان باللہ کا عقیدہ مکمل نہیں ہوتا۔

﴿اُولٰٓئِكَ الْاَغْلٰلُ فِیْٓ اَعْنَاقِهِمْ﴾ کچھ لوگ سیدھی بات کو نہیں مانتے اس کی وجہ انانیت، تعصب و جمود ہوتا ہے۔ وہ اپنے خیالات کے قیدی ہوتے ہیں اس سے نکل کر آزادانہ طور پر وہ سمجھنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ گردن میں طوق ہونا قید اور غلامی کی علامت ہے۔ یہ لوگ اپنے خیالات کے غلام ہیں۔

اَللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِیْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ؕ وَكُلُّ شَیْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ﴿۸﴾

اللہ ہی اس بچے سے واقف ہے جو عورت کے پیٹ میں ہوتا ہے اور پیٹ کے سکڑنے اور بڑھنے سے بھی (واقف ہے) اور ہر چیز کا اُس کے ہاں ایک اندازہ مقرر ہے۔ (۸)

﴿تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى﴾ ماں کا رحم ایک حیرت انگیز فیکٹری ہے۔ اس کا ایک عجیب پہلو یہ ہے کہ وہ مقررہ مقدار کے مطابق عمل کرتی ہے۔ آج کی زبان میں اس طرح کہہ سکتے ہیں کہ ڈمانڈ اور سپلائی کے درمیان ایک توازن رہتا ہے۔ ایسا نہیں ہوتا کہ مرد ہی مرد پیدا ہوں یا عورت ہی عورت۔ دونوں ایک تناسب سے پیدا ہوتے ہیں۔ یہ دلیل ہے کہ کوئی منصوبہ ساز ہے۔

هُوَ الَّذِیْ یُرِیْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّیُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ﴿۱۲﴾

اور وہی تو ہے جو تمہیں ڈرانے اور امید دلانے کیلئے بجلی دکھاتا ہے اور بھاری بھاری بادل پیدا کرتا ہے۔ (۱۲)

بجلی - ایک ہے مگر پہلو دو:

(۱) امید اور خوف۔ خوشگوار موسم کی نوید اور کڑک بن کر چیزوں کو جلا دینا۔

(۲) خوف و رجا۔ دونوں پہلو سامنے رہیں۔ امید ہی امید ہو تو آدمی معصیت پر جری ہو جاتا ہے۔ خوف ہی خوف ہو تو رحمت سے مایوس ہو جاتا ہے۔

وَیُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِیْفَتِهٖ ۚ وَیُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَیُصِیْبُ بِهَا مَنْ یَّشَآءُ وَهُمْ یُجَادِلُوْنَ فِی اللّٰهِ ۚ وَهُوَ شَدِیْدُ الْمِحَالِ ﴿۱۳﴾

اور رعد اور فرشتے سب اُس کے خوف سے اُس کی تسبیح و تحمید کرتے رہتے ہیں اور وہی بجلیاں بھیجتا ہے، پھر

Scanned by CamScanner

جس پر چاہتا ہے گرا بھی دیتا ہے۔اور وہ اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں اور وہ بڑی قوت والا ہے۔(۱۳)

﴿وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ﴾ بجلی، بادل دیوتا نہیں مخلوق ہیں۔

﴿الرَّعْدُ﴾ وہ خوفناک آواز ہے جو بادلوں کی بجلی سے شعلہ لپکنے کی وجہ سے ہوتی ہے اس شعلہ کی وجہ سے ارد گرد کا درجہ حرارت بیس ہزار سینٹی گریڈ تک بڑھ جاتا ہے اور اس سے انتہائی طاقتور دباؤ کی لہریں (Pressure Waves) پیدا ہوتی ہیں انہیں سے آواز پیدا ہوتی ہے۔جہاں تک سائنس کا تعلق ہے بادلوں کی گرج برقی بار Electrical Charge کے خارج ہونے سے پیدا ہوتی ہے۔آبی ذرات کے باہمی عمل سے بادلوں کے اوپری خطے میں مثبت بار (Positive Charge) اور درمیانی خطے میں منفی بار (Negative Charge) پیدا ہوتا ہے اور جب برقی بار کی مقدار کافی بڑھ جاتی ہے تو بجلی خارج ہوتی ہے اور بجلی کی روز بردست حرارت کے ساتھ ہوا میں پھیلاؤ کرتی ہے اور برقی لہر صوتی لہر بن جاتی ہے جسے رعد (گرج) کہا جاتا ہے۔

لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ؕ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ؕ وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۱۴﴾

سُودمند پکارنا تو اُسی کا ہے۔اور جن کو یہ لوگ اُس کے سوا پکارتے ہیں وہ ان کی پکار کو کسی طرح قبول نہیں کرتے مگر اس شخص کی طرح جو اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلا دے تا کہ (دُور ہی سے) اُس کے منہ تک آ پہنچے حالانکہ وہ (اس تک) کبھی بھی نہیں آ سکتا اور (اسی طرح) کافروں کی پکار بیکار ہے۔(۱۴)

سمندر کے سامنے ہاتھ پھیلا کر کہیں کہ ہمارے کھیتوں، باغوں میں آ جا مگر سمندر آپ کی پکار کو نہیں سنے گا، مگر دیکھو کہ نمک کو چھوڑ کر فضا میں بلند ہو جاتا ہے اور میٹھا پانی برستا ہے۔یہ دلیل ہے کہ سمندر عاجز ہے اور کوئی ہے جو اس پر حاکم ہے۔اس سے توحید کا بھی ثبوت ملا کہ ساری کائنات ایک ہی آفاقی قانون میں بندھی ہوئی ہے تو مقنن (قانون بنانے والا) کئی کیسے ہو سکتے ہیں؟ عقل اور آنکھ کا مشاہدہ ایک معبود کا پتہ دیتا ہے، جو ایک سے زیادہ معبود مانے وہ عقل اور آنکھ دونوں سے اندھا ہے۔

اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ؕ وَمِمَّا يُوْقِدُوْنَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَآءَ حِلْيَةٍ اَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ؕ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً ۚ وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ﴿۱۷﴾

اُسی نے آسمان سے مینہ برسایا پھر اس سے اپنے اپنے اندازے کے مطابق نالے بہہ نکلے پھر نالے

Scanned by CamScanner

پر پھولا ہوا جھاگ آ گیا اور جس چیز کو زیور یا کوئی اور سامان بنانے کیلئے آگ میں تپاتے ہیں اس میں بھی ایسا ہی جھاگ ہوتا ہے۔ اس طرح اللہ حق اور باطل کی مثال بیان فرماتا ہے سو جھاگ تو سوکھ کر زائل ہو جاتا ہے اور (پانی) جو لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے وہ زمین میں ٹھہرا رہتا ہے۔ اس طرح اللہ (صحیح اور غلط کی) مثالیں بیان فرماتا ہے (تاکہ تم سمجھو)۔(۱۷)

حق و باطل کے لیے بارش کی مثال:

﴿أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ﴾ یہ حق و باطل کی کشمکش کی مثال ہے۔ تم دیکھتے ہو کہ آسمان سے بارش ہوتی ہے تو مٹی اور کوڑا کرکٹ کی وجہ سے اس میں گدلا پن آجاتا ہے۔ پھر میل کچیل جھاگ کی شکل میں پھول کر اوپر آجاتا ہے، پھر جھاگ مدت قلیل میں سوکھ جاتا ہے لیکن پانی جو زمین اور اہل زمین کے لیے نافع ہے زمین میں ٹک جاتا ہے۔ دوسری مثال سے اسی حقیقت کو سمجھایا گیا ہے کہ چاندی کو کوئی زیور بنانے کے لیے کٹھالی میں پگھلاتے ہیں تو اس کا میل کچیل اوپر آکر اُڑ جاتا ہے اور چاندی باقی رہ جاتی ہے۔

ان دو مثالوں سے ایک تو کائنات کا مزاج معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ انفع کو باقی رکھتی ہے اور غیر نافع کو چھانٹ دیتی ہے پھر اسی پر اللہ نے اپنی اس سنت کو مبنی کیا ہے کہ ٹھیک اسی طرح باطل سے ٹکراتا ہے پھر باطل جھاگ کی طرح اڑ جاتا ہے اور حق جو نافع ہے باقی رہ جاتا ہے۔

ڈارون نے فلسفۂ ارتقاء میں اس کو Survival of The Fittest (بقائے اصلح) کی اصطلاح دی ہے جب کہ قرآن نے بقائے انفع کا اصول دیا ہے جو ڈارون کے اصول سے کہیں زیادہ دقیق اور علمی ہے۔

مومن کو باطل کی عارضی نمائش سے دھوکا نہیں کھانا چاہئے حق بلند ہوتا ہے کیونکہ بلندی سے آتا ہے جب کہ باطل فطری طور پر پست ہوتا ہے کہ زمین سے نکلتا ہے۔

پانی کا جھاگ اور سونے چاندی کا میل جس سے کوئی فائدہ نہیں فضا میں اُڑ جاتا ہے اور پانی اور دھات جس میں فائدہ ہے وہ رہ جاتے ہیں۔ اس میں کائنات کا اصول بیان کیا گیا کہ زندہ وہی چیز رہتی ہے جو نافع ہو۔

لِلَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنَىٰ ۚ وَالَّذِينَ لَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُ لَوْ أَنَّ لَهُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لَافْتَدَوْا بِهِ ۚ أُولَٰئِكَ لَهُمْ سُوءُ الْحِسَابِ ۖ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿١٨﴾

جن لوگوں نے اللہ کے حکم کو قبول کیا اُن کی حالت بہت بہتر ہوگی اور جنہوں نے اُس کو قبول نہ کیا اگر روئے زمین کے سب خزانے اُن کے اختیار میں ہوں تو وہ سب کے سب اور اُن کیساتھ ہی اتنے اور

(نجات کے) بدلے میں صرف کرڈالیں (مگر نجات کہاں) ایسے لوگوں کا حساب بھی بُرا ہوگا اوران کا
ٹھکانہ بھی دوزخ ہے اور وہ بُری جگہ ہے۔(۱۸)

صرف اتنا کرنا جتنا کہا گیا ہے۔
﴿لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰی وَزِیَادَةٌ ۚ وَلَا یَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ۚ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ (سورۂ یونس:۲۶): نیکی کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا یہ اَحْسَنُوا ہے۔یعنی فرائض کے اہتمام کے ساتھ نوافل کا بھی خوب اہتمام کرے۔

اَفَمَنْ یَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰی ۚ اِنَّمَا یَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۱۹﴾

بھلا جو شخص یہ جانتا ہے کہ جو تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل ہوا ہے حق ہے وہ اس شخص کی طرح ہے جو اندھا ہے؟ اور سمجھتے تو وہی ہیں جو عقل مند ہیں۔(۱۹)

﴿كَمَنْ هُوَ اَعْمٰی﴾ موحد بینا اور مشرک اندھا ہوتا ہے۔توحید نور ہے اور شرک ظلمت ہے۔
﴿قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الْاَعْمٰی وَالْبَصِیْرُ﴾ کافر اندھے کی طرح اور مومن بینا کی طرح ہے۔

الَّذِیْنَ یُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا یَنْقُضُوْنَ الْمِیْثَاقَ ﴿۲۰﴾ وَالَّذِیْنَ یَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ یُّوْصَلَ وَیَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَیَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ﴿۲۱﴾ وَالَّذِیْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً وَّیَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّیِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۲﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ یَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّیّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ یَدْخُلُوْنَ عَلَیْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ﴿۲۳﴾
سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۴﴾ وَالَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِیْثَاقِهٖ وَیَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ یُّوْصَلَ وَیُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ ۙ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿۲۵﴾

جو اللہ کے عہد کو پورا کرتے ہیں اور اقرار کو نہیں توڑتے۔(۲۰) اور جن (رشتہ ہائے قرابت) کے جوڑے رکھنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اُن کو جوڑے رکھتے ہیں اور اپنے رب سے ڈرتے رہتے اور بُرے حساب سے خوف رکھتے ہیں۔(۲۱) اور جو اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے (مصائب پر) صبر

Scanned by CamScanner

کرتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور جو (مال) ہم نے اُن کو دیا ہے اُس میں سے پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرتے ہیں اور نیکی سے بُرائی کو دُور کرتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن کیلئے عاقبت کا گھر ہے۔(۲۲) (یعنی) ہمیشہ رہنے کے باغت جن میں وہ داخل ہوں گے اور اُن کے باپ دادا اور بیویوں اور اولاد میں سے جو نیکوکار ہوں گے وہ بھی (جنت میں جائیں گے) اور فرشتے (جنت کے) ہر ایک دروازے سے اُن کے پاس آئیں گے۔(۲۳) اور (کہیں گے) تم پر رحمت ہو (یہ) تمہاری ثابت قدمی کا بدلا ہے اور عاقبت کا گھر خوب (گھر) ہے۔(۲۴) اور جو لوگ اللہ سے عہد واثق کر کے اُس کو توڑ ڈالتے اور جن (رشتہ ہائے قرابت) کے جوڑے رکھنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اُن کو قطع کر دیتے ہیں اور ملک میں فساد کرتے ہیں ایسوں پر لعنت ہے اور اُن کیلئے گھر بھی بُرا ہے۔(۲۵)

صفات اُولوالالباب:

یہاں ان کی دس صفتیں ذکر کی گئی ہیں:

(۱) ایفائے عہد۔
(۲) صلہ رحمی۔
(۳) خشیتِ الٰہی۔
(۴) قیامت میں سخت حساب سے خوف۔
(۵) اللہ کے لیے صبر کرنا۔
(۶) نماز قائم کرنا۔
(۷) اللہ کی راہ میں سراً اور علانیہ خرچ کرنا۔
(۸) برائی کو بھلائی سے دفع کرنا۔
(۹) اللہ نے جس چیز کو جوڑنے کا حکم دیا ہے اسے نہ توڑنا۔
(۱۰) زمین میں فساد نہ کرنا۔

﴿الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ﴾ ایفائے عہد کا تعلق حقوق اللہ سے ہے۔

﴿وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ﴾

﴿وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ﴾ کا تعلق حقوق العباد سے ہے۔ جعفر بن محمد کہتے ہیں کہ صلہ رحمی آدمی پر قیامت کے دن کے حساب کو آسان کر دے گی پھر یہی آیت تلاوت کی۔

Scanned by CamScanner

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّنْ رَّبِّهِ ۚ قُلْ إِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ أَنَابَ ﴿٢٧﴾

اور کافر کہتے ہیں کہ اس (پیغمبر) پر اس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نازل نہیں ہوئی؟ کہہ دو کہ اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جو (اُس کی طرف) رجوع ہوتا ہے اُس کو اپنی طرف کا رستہ دکھاتا ہے۔ (۲۷)

نشانی کے مطالبے کا یہ جواب اپنی بلاغت میں بے نظیر ہے وہ کہتے ہیں کہ کوئی نشانی دکھاؤ تو ہم کو تمہاری صداقت کا یقین آئے جواب میں کہا گیا نادانو! تمہیں راہِ راست نہ ملنے کا اصل سبب نشانیوں کا فقدان نہیں بلکہ تمہاری اپنی ہدایت طلبی کا فقدان ہے، نشانیاں تو ہر طرف بیحد و بے حساب پھیلی ہوئی ہیں۔

الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللَّهِ ۗ أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ ﴿٢٨﴾

(یعنی) جو لوگ ایمان لاتے اور جن کے دل یادِ الٰہی سے آرام پاتے ہیں (اُن کو)۔ اور سن رکھو کہ اللہ کی یاد سے دل آرام پاتے ہیں۔ (۲۸)

اطمینان قلب:

(۱) اللہ کے ذکر سے دل کا اضطراب دور ہو اور اطمینان نصیب ہو۔

(۲) اس کی ملاقات کا یقین رکھے۔

(۳) جس سے اللہ خوش ہو بندہ بھی اس سے خوش رہے۔

(۴) جو کچھ اللہ دے بندہ اس پر قناعت کرے۔

اطمینان اس وقت حاصل ہوتا ہے جب اصل مقصود مل جائے۔ حدیث میں ہے کہ ایک جنگ میں ایک عورت کا بچہ گم ہو گیا تھا۔ وہ جس بچے کو دیکھتی اپنے سینے سے لگا لیتی پھر آگے بڑھ جاتی۔ آخر اسے اپنا بچہ مل گیا اور وہ اطمینان سے بیٹھ گئی۔

مثال: بچہ رو رہا ہے، کھلونا دیدیا اُس نے پھینک دیا، بسکٹ دیدیا، پھینک دیا، پھر بھی روئے جا رہا ہے۔ ماں سمجھ رہی ہے کہ وہ بھوکا ہے۔ اس کے منہ میں پلاسٹک کا نپل ڈال دیا۔ تھوڑی دیر کے لیے بچے کا اضطراب رفع ہوا اس کے بعد پھر رونے لگا پھر ماں نے سینے سے لگا کر جب اسے اپنا دودھ پلایا تو اُسے اطمینان و سکون ہو گیا اور سو گیا۔ کیونکہ اسے اپنا مقصودِ اصلی مل گیا۔ فطرت میں اللہ نے یہ بات ودیعت کر دی ہے کہ وہ اللہ سے کم پر راضی نہیں ہوتی۔ آج دنیا میں ہر آدمی کسی نہ کسی شکل میں اللہ کی تلاش میں ہے۔ تھوڑی دیر کے لیے کسی موڑ پر کسی چیز کو اللہ سمجھ کر رک جاتا ہے مگر اس کا اضطراب رفع نہیں ہوتا جب تک اسے اس کا حقیقی معبود جو مقصودِ اصلی ہے مل نہ جائے۔

Scanned by CamScanner

طمانیت قلب، ذکر الٰہی سے حاصل ہوتی ہے۔ دوسری چیزیں وقتی بہلاوا ہیں جیسے بھوکے بچے کو پل دو پل بہلایا جا سکتا ہے مگر جب تک ماں اسے اپنا دودھ نہیں پلاتی بچے کی بے چینی نہیں جاتی۔

اَفَمَنْ هُوَ قَآىٕمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ ۚ وَ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ قُلْ سَمُّوْهُمْ ؕ اَمْ تُنَبِّـُٔوْنَهٗ بِمَا لَا یَعْلَمُ فِی الْاَرْضِ اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ؕ بَلْ زُیِّنَ لِلَّذِیْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ وَ صُدُّوْا عَنِ السَّبِیْلِ ؕ وَ مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۳﴾

تو کیا جو (اللہ) ہر متنفس کے اعمال کا نگران (ونگہبان) ہے (وہ بتوں کی طرح بے علم و بے خبر ہو سکتا ہے؟) اور ان لوگوں نے اللہ کے شریک مقرر کر رکھے ہیں ان سے کہو کہ (ذرا) ان کے نام تو لو کیا تم اُسے ایسی چیزیں بتاتے ہو جس کو وہ زمین میں (کہیں بھی) معلوم نہیں کرتا یا (محض) ظاہری (باطل اور جھوٹی) بات کی (تقلید کرتے ہو) اصل یہ ہے کہ کافروں کو ان کے فریب خوبصورت معلوم ہوتے ہیں اور وہ (ہدایت کے) رستے سے روک لئے گئے ہیں۔ اور جسے اللہ گمراہ کرے اُسے کوئی ہدایت کرنے والا نہیں۔ (۳۳)

اللہ کے تعلق کو چھوڑتے ہیں تو شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں، انسان بغیر ساتھی کے نہیں رہتا، اللہ کو چھوڑنے کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پھر انسان چھوٹی چھوٹی چیزوں کا سہارا ڈھونڈنے لگتا ہے اور شرک میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

شرکاء جو تم نے ٹھہرا رکھے ہیں ان کے معاملے میں تین ہی صورتیں ممکن ہیں:

﴿وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ﴾

(۱) اللہ نے، نبی نے، فرشتے نے کس نے تمہیں اطلاع دی کہ یہ صفات اور اختیارات میں اللہ کے شریک ہیں؟

(۲) اللہ کو خود خبر نہیں کہ زمین میں اس کے کچھ شریک بن گئے ہیں۔ اب آپ حضرات اللہ کو اطلاع دینے چلے ہیں۔

(۳) تم بلا سند یونہی کسی کو فریاد رس، بندہ نواز، غریب نواز، فلاں علاقے کے سلطان ٹھہرا لیتے ہو۔

﴿بَلْ زُیِّنَ لِلَّذِیْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ﴾ شرک کی حمایت میں جو لوگ آستین چڑھائے ہوئے ہیں یہ محض اپنے اقتدار اور پیشوائی کو بچائے رکھنے کی ان کی ایک چال ہے۔ ان سے گدی نہیں چھوڑی جاتی۔ یہ جاننے کے باوجود کہ شرک کے موقف میں کوئی وزن نہیں اپنی ضلالت پر اڑے ہوئے ہیں۔

﴿مَكْرُهُمْ﴾ شرک کو مکاری کہنے کی وجہ یہ ہے کہ جن کو اللہ کے حقوق و اختیارات میں شریک کر لیا گیا ان میں سے کسی نے کبھی ان صفات کا دعویٰ نہیں کیا اور نہ یہ تعلیم دی کہ تم ہمارے سامنے مراسم عبودیت ادا کرو ہم تمہارے کام بنا دیں گے۔ یہ تو چالاک انسانوں کا کام ہے کہ لوگوں کو ان کا معتقد بنایا اور اپنے آپ کو ان کا نمائندہ ٹھہرا کر اپنا اُلو سیدھا کرنا شروع کر دیا۔

(۱) اعلان: بلا واسطہ۔ اللہ کہتا۔

Scanned by CamScanner

(۲) اعلان: بالواسطہ۔ نبی یا فرشتہ کہتا۔

(۳) اعلان: خود وہ شریک کہتا کہ مجھے اللہ نے اپنے اختیارات میں شریک کیا ہے۔ یہاں ان تینوں باتوں میں سے ایک بات بھی نہیں، اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ تم نے خود گھڑا ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ۚ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ﴿۳۸﴾

اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم!) ہم نے تم سے پہلے بھی پیغمبر بھیجے تھے اور ان کو بیویاں اور اولاد بھی دی تھی اور کسی پیغمبر کے اختیار کی بات نہ تھی کہ اللہ کے حکم کے بغیر کوئی نشانی لائے۔ ہر (حکم) قضا (کتاب میں) مرقوم ہے۔(۳۸)

آیت میں تردید ہے بودھ مت اور دیگر مذاہب جاہلی کی جہاں شادی اور خانہ داری کو وصول الی اللہ (اللہ تک پہونچنا) کے منافی سمجھ لیا گیا۔ آیت میں عبرت ہے ہمارے زمانے کے تارک الدنیا مشائخ کے لیے جنھوں نے شادی کو ولایت و روحانیت کے منافی سمجھا۔ عام قاعدہ ہے کہ انبیاء کے ازواج ہوتی تھیں۔

﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً﴾ ازواجاً سے رہبانیت کی نفی اور ذریۃ سے خاندانی منصوبہ بندی کی نفی ہوتی ہے کیونکہ ذریۃ جمع ہے جس کا اطلاق کم سے کم تین پر ہوتا ہے۔

منع حمل-ضرورتاً جائز ہے!

"عَنْ جَابِرٍ قَالَ: كُنَّا نَعْزِلُ وَالْقُرْآنُ يَنْزِلُ"۔(مسلم:۱۴۴۰)

امام ابن باز رحمۃ اللہ علیہ اس سے استدلال کرتے ہیں جب عورت کے بہت سارے بچے ہوں اور ان کی کثرت کی وجہ سے اسلامی تربیت مشکل ہے تو حمل کو منظم کرنا جائز ہے۔ یعنی پری کاشن (Precaution) استعمال کیا جا سکتا ہے۔ ورنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تَزَوَّجُوا الْوَدُودَ الْوَلُودَ فَإِنِّي مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْأُمَمَ" (ابوداؤد:۲۰۵۰) (میں قیامت کے دن امت کی کثرت پر فخر کروں گا) اور اللہ نے فرمایا: ﴿نحن نرزقکم﴾ (ہم تمہیں روزی دیتے ہیں)

منع حمل کی پانچ صورتیں حرام ہیں۔

(۱) بلا کسی سبب کے معاشرے میں منع حمل کا رواج عام ہو جانا۔

(۲) منع حمل کا سبب روزی روٹی کا خوف ہو۔ کیونکہ یہ عقیدہ قضا و قدر سے ٹکراتا ہے۔

(۳) منع حمل کا سبب زوجین میں اختلاف ہو ایک بچہ چاہتا ہو ایک نہ چاہتا ہو۔

(۴) منع حمل کا محرک غیر اسلامی تہذیب کی اندھی تقلید ہو اور ان کے طرز زندگی پر فریفتگی ہو کہ ان کے وہاں کم بچے ہیں تو ان

کی تربیت اچھی ہو رہی ہے اس لیے ہمارے یہاں بھی ایسا ہونا چاہئے۔

(۵) منع حمل کے لیے کوئی ایسا وسیلہ اختیار کیا جائے جو کلّی طور پر انقطاع نسل کا سبب ہو جیسے نسبندی وغیرہ۔

دنیا میں رائج فیملی پلاننگ اور اسلام جس فیملی پلاننگ کی اجازت دیتا ہے اس میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ دنیا میں رائج فیملی پلاننگ کی بنیاد سراسر مادہ پرستی پر ہے کہ زیادہ سے زیادہ بچے ہوں گے تو کھائیں گے کیا؟ اور آبادی جیسے جیسے بڑھے گی وسائل کم ہوتے جائیں گے۔ اس کے برعکس اسلام یہ کہتا ہے جتنے بچے پیدا ہوں گے وہ اپنی روزی روٹی لے کر آئیں گے اور آبادی جیسے جیسے بڑھے گی اللہ وسائل کا اسی حساب سے انتظام کرتا جائے گا۔

صحابہ کرام کے یہاں منع حمل کی جتنی صورتیں ملتی ہیں وہ حمل کے وجود میں آنے سے پہلے کی ملتی ہیں لہٰذا آج بھی وسائل وہی استعمال کئے جائیں جو حمل سے پہلے ہوں۔ اسقاط حمل (Abortion) کی صورت اضطراری حالت میں اختیار کی جائے گی۔ اخف الضررین (دو تکلیفوں میں سے جو ہلکی ہو) پر حمل گرا دیا جائے گا۔ (۱) بیوی کی صحت متاثر ہو سکتی ہے۔ (۲) مسلمان ڈاکٹر کہے۔

اعضاء کی پیوندکاری:

اعضاء کی پیوندکاری کے تین شرائط ہیں:

(۱) مریض کو اس کی حقیقی ضرورت ہو۔

(۲) کوئی مباح صورت موجود نہ ہو۔

(۳) تجربہ کار ڈاکٹر کی رائے سے شفا کا غالب گمان ہو۔

آنکھ اور دل وغیرہ کا متبرع (ڈونیٹ کرنے والا) اس سے بے نیاز ہو جاتا ہے جب کہ بیمار کو اس کی ضرورت ہے یہ دوسری نیکیاں انجام دے سکتا ہے۔ یہ مثلہ نہیں ہے۔ مصلحت کے پیش نظر ایسا عمل جائز ہو جاتا ہے جو عام حالات میں جائز نہیں ہوتا۔ شام کی لڑائی جس میں عمرو بن العاص t قیادت کر رہے تھے ان کے بھائی ہشام بن العاص t شہید ہو کر ایک تنگ مقام پر گر پڑے جہاں سے لشکر کو گذرنا اور مسلمانوں کو گذرنے میں تامل تھا۔ عمرو رضی اللہ عنہ نے لشکر کو حکم دیا کہ ان کو روندتے ہوئے آگے بڑھیں۔ معرکہ جب ختم ہوا تو ان کے جسم کے ٹکڑوں کو جمع کر کے دفن کیا گیا۔ عمرو رضی اللہ عنہ کے اس فعل پر کسی صحابی نے نکیر نہیں کی۔

﴿يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ﴾

بدا اور نسخ میں فرق: ﴿يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ﴾

"بدا" پہلے ایک حکم دیا پھر اس میں کچھ نقصان معلوم ہوا تو اس کو بدل دیا یعنی غلطی اور خطا بدا کے مفہوم اور حقیقت میں داخل ہے۔

Scanned by CamScanner

"نسخ" ایک حکم کا زمانہ ختم ہو جائے اور دوسرے حکم کا زمانہ آ جائے۔

نکتہ: اللہ کے یہاں دو دفتر ہیں ایک بڑا دفتر اسے ام الکتاب کہا۔ دوسرا چھوٹا دفتر اس کی طرف "لکل اجل کتاب" سے اشارہ کیا۔ اللہ کے یہاں ہر دور کے لیے ایک کتاب ہے اس میں محو و اثبات ہوتا ہے۔ ام الکتاب میں نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ ﴿یمحو اللہ﴾ ﴿لکل اجل کتاب﴾ کے بعد واقع ہوا ہے۔ حکومتوں کا فنا و زوال اور قوموں کا عروج و اقبال ادبار اور روزی میں فراخی و تنگی اسی سے متعلق ہے۔

❀❀❀

Scanned by CamScanner

سورة ابراهيم (مكية)

الٓرٰ ۟ كِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰهُ اِلَيۡكَ لِتُخۡرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوۡرِ ۙ بِاِذۡنِ رَبِّهِمۡ
اِلٰى صِرَاطِ الۡعَزِيۡزِ الۡحَمِيۡدِۙ ①

الرٰ۔ (یہ) ایک (پرنور) کتاب (ہے) اس کو ہم نے تم پر اس لئے نازل کیا ہے کہ لوگوں کو اندھیرے سے نکال کر روشنی کی طرف لے جاؤ (یعنی) ان کے رب کے حکم سے غالب اور قابلِ تعریف (اللہ کے) رستے کی طرف۔ (۱)

سورۂ ابراہیم: ﴿اَلظُّلُمٰتِ﴾، "ظلمة" کی جمع ہے۔ پورے قرآن میں نور کو بارہ مقامات پر واحد لایا گیا ہے اور ان تمام مقامات میں نور کو ظلمت کے ساتھ لایا گیا ہے۔ اشارہ ہے کہ حق ایک ہوتا ہے اور گمراہی اور فساد کے راستے کثیر ہیں۔

﴿بِاِذۡنِ رَبِّهِمۡ﴾ کوئی یہ نہ سوچے کہ گمرہی سے ہدایت کی طرف لانا یہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھوں میں ہے بلکہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس ہدایت کا ایک سبب ہیں اور صفت ربوبیت لاکر یہ بتایا گیا کہ ہدایت لوگوں پر اللہ کا لطف وفضل ہے اور ہدایت لطف محض ہے۔

﴿وَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ﴾

اللہ کسی کو ضلالت دیتا ہے اور کسی کو ہدایت دیتا ہے۔ "عزیز" لاکر یہ بتایا گیا کہ اللہ کسی کو گمراہ کرنا چاہے تو کوئی اس کی مشیت کے آڑے نہیں آسکتا اور "حکیم" لاکر یہ بتایا گیا کہ کسی کی ہدایت اور ضلالت کا ارادہ کسی حکمت اور تدبیر محکم پر مبنی ہوتا ہے۔

﴿الۡعَزِيۡزِ﴾ "هو القاهرُ لكلّ من سواه" (اپنے علاوہ ہر چیز پر غالب)

﴿الۡحَمِيۡدِ﴾ "هو المحمودُ في جميعِ أقواله وأفعاله وشرعه وامره والمحمود في ذاته" وہ اپنے تمام اقوال، افعال، شرع وامر میں قابل تعریف ہے اور بذاتہ قابل تعریف ہے۔

Scanned by CamScanner

الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ بَعِيْدٍ ③

جو آخرت کی نسبت دنیا کو پسند کرتے ہیں اور (لوگوں کو) اللہ کے رستے سے روکتے اور اس میں کجی چاہتے ہیں یہ لوگ پرلے سرے کی گمراہی میں ہیں۔ (۳)

کافر کے تین اوصاف:

پہلی صفت:

﴿الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ﴾ یہ کافروں کی پہلی صفت ہے کہ وہ حب دنیا کو طلب کرتے ہیں یعنی یہ دنیا کے بیحد حریص ہیں اور صرف حریص ہی نہیں وہ دنیا کو آخرت پر ترجیح بھی دیتے ہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی دنیا کو آخرت پر ترجیح نہ دے تو دنیا کی محبت مذموم نہیں۔

دوسری صفت:

﴿وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ یہ خود ''سبیل ھدیٰ'' سے اعراض کرتے ہیں ساتھ ساتھ دوسروں کو اس سے روکتے ہیں اور ﴿يَصُدُّوْنَ﴾ کو فعل مضارع لا کر یہ بتایا ہے کہ یہ مسلسل اللہ کے راستے سے روکتے ہیں۔ اللہ کے راستے سے روکنے کے کئی اقسام ہیں۔ اپنی تحریروں اور تقریروں کے ذریعے یہ اسلام اور مسلمانوں کی صورت کو مسخ کر کے پیش کرتے ہیں اور نبی پر طرح طرح کے طعن کرتے ہیں۔

تیسری صفت:

﴿وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا﴾ یہ چاہتے ہیں کہ اسلام ان کی اغراض فاسدہ اور اھواء خبیثہ کے موافق ہو جائے اور ﴿يَبْغُوْنَ﴾ لفظ ﴿بَغْي﴾ سے مشتق ہے جس کے معنی حد سے تجاوز کرنے کے ہیں یعنی یہ بگاڑ میں حد سے زیادہ بڑھے ہوئے ہیں کہا جاتا ہے ''بغتِ السماء'' جب بارش حد ضرورت سے باہر ہو۔

بغی کی دو قسمیں ہیں:

(۱) بغی محمود۔
(۲) بغی مذموم۔

بغی محمود یہ ہے کہ آدمی ایک شئی سے اس شئی کی طرف تجاوز کرے جو اس سے افضل ہے جیسے آدمی عدل سے احسان کی طرف تجاوز کرے۔

بغی مذموم یہ ہے کہ آدمی حق سے باطل کی طرف اور خیر سے شر کی طرف تجاوز کر جائے۔ ''العوج ضد الاستقامة'' یعنی

عوج استقامت یعنی سیدھے پن کی ضد ہے۔

عِوج اور عَوج میں فرق:

﴿عَوَج﴾ بفتح العین اور ﴿عِوج﴾ بکسر العین میں فرق۔ ﴿عَوَج﴾ وہ ٹیڑھ پن جسے سر کی آنکھوں سے دیکھا جاسکے۔

﴿عِوج﴾ وہ ٹیڑھ پن جس کا فکر اور بصیرت سے ادراک کیا جاسکے۔

﴿فِىْ ضَلٰلٍۭ بَعِيْدٍ﴾ یعنی یہ صفات مذکورہ ان میں گمرہی کی انتہا کو پہنچی ہوئی ہے اور حرف ''فی'' سے اشارہ ہے کہ یہ اس ضلالت اور ٹیڑھ پن میں غرق ہیں۔

لفظ ارسال اور بعث میں فرق:

رسول، رسل کے مادے سے بنا ہے اور ارسال کے مادے میں نرمی، آسانی اور سہولت کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے ''ناقة رسلة'' ایسی اونٹنی جو ''سهلة السير'' یعنی آسانی سے چلنے والی ہو اور لفظ ''بعث'' میں ابھارنے اور برانگیختہ کرنے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ ارسال رسل ان کی قوموں کی طرف انہیں کی زبان میں ہوتا ہے جس میں تخفیف اور تیسیر ہوتی ہے۔

رسول اور نبی میں فرق:

ان دونوں میں عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے تو ''فکلُّ رسولٍ نبیٌّ ولیس کلُّ نبی رسولاً''

''ان الرسولَ هو الذی أُوحِیَ الیه بشرعٍ وبرسالةٍ وأُمِر بتبلیغها والنبی هو الذی اوحی الیه ولَمْ یُؤمر بالبلاغ'' عام طور پر رسول اور نبی کی مذکورہ تعریفات کی جاتی ہیں مگر یہ صحیح نہیں کیونکہ تبلیغ کو چھوڑنا کتمان وحی ہے۔ سب سے بہترین قول ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا ہے۔

''فالنبی هو الذی یُنبئه الله وهو یُنبئی بما نبأه الله فان ارسل مع ذلک الی من خالف امر الله لیبلغه رسالة من الله الیه فهو رسول واما اذا کان یعمل بالشریعة قبله ولم یرسل هو الی احد یبلغه عن الله رسالة فهو نبی''۔ (النبوات:۲۵۵)

نبی وہ ہے جس کو اللہ خبر دے اور وہ اس خبر کو دوسروں تک پہونچائے۔ تو اگر وہ اس کے ساتھ اللہ کے حکم کے مخالف کی طرف بھیجا جائے کہ وہ اسے اللہ کا پیغام پہونچائے تو وہ رسول ہے۔ اور جب وہ اس کے پہلے کی شریعت پر عمل کر رہا ہو اور اس کو کسی کی طرف نہیں بھیجا گیا کہ وہ اسے اللہ کا پیغام پہنچائے تو وہ نبی ہے۔

﴿بِلِسَانِ قَوْمِهٖ﴾ ''القوم مشتقة من القیام وهم الذین یقومون للحرب'' قوم قیام سے مشتق ہے جس کے معنی کھڑے ہونے کے ہیں۔ چونکہ وہ لوگ لڑائی کے لیے کھڑے ہوتے ہیں اس لیے انہیں قوم کہا جاتا ہے۔

Scanned by CamScanner

أنجیٰ اور نَجّٰی میں فرق:

"تُستعملُ نَجّی للتَّرَيُّثِ والتَّمَهُّلِ فی التَّنجيةِ وتستعمل أَنجی للإسراع فی الانقاذ والاغاثة والتخليص من الشدة والكرب"۔

﴿نَجّٰی﴾ کے مفہوم میں بچانے میں تاخیر داخل ہے۔اور ﴿انجیٰ﴾ کے مفہوم میں تکلیف کو دور کرنے میں تعجیل داخل ہے جہاں اللہ نے بنی اسرائیل کے جرائم بیان کئے وہاں ﴿نجّی﴾ ذکر کیا جو بنی اسرائیل کے فرعون کی پکڑ سے نجات میں تاخیر کے مناسب تھا اور جہاں ان کے جرائم کا ذکر نہ کیا وہاں "انجی" مناسب تھا۔

﴿اَلَّذِیۡنَ یَسۡتَحِبُّوۡنَ الۡحَیٰوۃَ الدُّنۡیَا﴾ اس میں منکرین قرآن کی تین صفتیں بیان کی گئیں:

(۱) دنیا کی موجودہ زندگی کی محبت نے انہیں آخرت کے معاملات سے اندھا کر رکھا ہے۔

(۲) ﴿وَیَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ﴾ چونکہ وہ خود اندھیریوں میں ہیں لہٰذا اپنی غلطی پر پردہ ڈالنے کے لیے دوسروں کو بھی روشنی کی شاہراہ یعنی "راہ حق" سے روکتے ہیں۔

(۳) ﴿وَیَبۡغُوۡنَهَا عِوَجًا﴾ اپنی بدباطنی و بدعملی کے سبب اس فکر میں لگے رہتے ہیں کہ اللہ کے روشن راستے میں کوئی کجی نظر آئے تو ہمیں طعن و اعتراض کا موقع ملے۔ایک مطلب یہ ہے کہ قرآن وسنت میں کوئی چیز ان کے خیالات کے موافق مل جائے تو اس کو اپنی حقانیت کے استدلال میں پیش کریں۔

آج کل بے شمار اہل علم اس میں مبتلا ہیں جو پہلے ایک موقف قائم کرتے ہیں پھر قرآن وسنت میں اس کے دلائل ڈھونڈتے ہیں۔مگر مومن کا کام ہے خالی الذہن ہو کر کتاب وسنت کو سمجھے۔

منکرین قرآن کی تین خصلتیں:

(۱) دنیا کو ترجیح۔

(۲) خود اندھیروں میں ہیں دوسروں کو بھی روشنی کی اس شاہراہ سے روکتے ہیں۔

(۳) اس سیدھے پن میں کجی نکالتے ہیں اور بے جا اعتراض کرتے ہیں۔

وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوۡمِهٖ لِیُبَیِّنَ لَهُمۡ ؕ فَیُضِلُّ اللّٰهُ مَنۡ یَّشَآءُ وَیَهۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۴﴾

اور ہم نے کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر اپنی قوم کی زبان بولتا تھا تا کہ انہیں (احکامِ الٰہی) کھول کھول کر بتا دے پھر اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور وہ غالب (اور) حکمت والا ہے۔(۴)

Scanned by CamScanner

قرآن عربی زبان ہی میں کیوں اتارا گیا؟

پچھلی امتوں کے رسول ان کے ہم زبان بھیجے گئے ان کو ترجمہ کی محنت کی ضرورت نہ تھی۔ رسول اکرم ﷺ صرف عربی زبان میں کیوں مبعوث کئے گئے؟ غور وفکر سے کام لیا جائے تو جواب صاف ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی بعثت تمام اقوام دنیا کی طرف ہوئی ہے۔ جن میں سیکڑوں زبانیں رائج ہیں۔ اب ان سب کی ہدایت کے لیے دو ہی صورتیں ممکن تھیں ایک یہ کہ قرآن ہر قوم کی زبان میں جدا جدا نازل کیا جاتا۔ جس سے تحریف قرآن کے بے شمار دروازے کھل جاتے۔ اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ قرآن کے ایک عربی زبان میں نازل ہونے کے باوجود اس کی تعبیر وتفسیر میں کس قدر اختلافات (جائز حدود میں) ہوئے اور ناجائز طریقوں سے اختلافات کی کوئی حد نہیں۔ اس صورت میں نقطۂ وحدت باقی نہ رہتا۔

عربی زبان ہی کیوں؟

کیونکہ آسمان والوں یعنی فرشتوں کی زبان، لوح محفوظ کی زبان اور جنتیوں کی زبان عربی ہے۔

قرطبی میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی زبان عربی تھی اس میں کچھ تغیرات ہوئے تو سریانی بن گئی۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۵﴾

اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نشانیاں دے کر بھیجا کہ اپنی قوم کو تاریکی سے نکال کر روشنی میں لے جاؤ اور اُن کو اللہ کے دن یاد دلاؤ اس میں اُن لوگوں کیلئے جو صابر (وشاکر) ہیں (قدرتِ الٰہی کی) نشانیاں ہیں۔ (۵)

اس میں ایک پہلو یہ ہے کہ ایسا وعظ ہونا چاہئے جو دلوں کو نرم کرنے والا ہو۔ بعض واعظین اپنی تقریروں میں وہ اسالیب اختیار کرنے پر قادر نہیں ہوتے جس سے سامعین کے نفوس ان کی طرف کھنچیں اور وہ نصیحت حاصل کریں بلکہ وہ ہمیشہ ترھیب کا اسلوب اختیار کرتے ہیں۔

مامون کے پاس ایک واعظ آیا اور اس سے سخت انداز میں نصیحت کرنے لگا تو مامون نے ڈانٹتے ہوئے اس سے کہا کہ اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ فرعون کے پاس جائیں اور اس سے نرم انداز میں بات کریں اور موسیٰ علیہ السلام تم سے بہتر ہیں اور میں فرعون سے بدتر نہیں ہوں تو واعظ سامع بن گیا اور سامع واعظ یا یوں کہا جائے کہ واعظ موعوظ بن گیا اور موعوظ واعظ۔ اللہ نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا: ﴿اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ﴾ اور محمد سے کہا ﴿لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ﴾ (سورہ ابراہیم:۱) یہ دلیل ہے کہ محمد ﷺ کی نبوت عالمگیر ہے۔

﴿لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ﴾ کہ ان ایام میں ان کے لیے نصیحت ہے جو مصائب پر صبر اور نعمتوں پر شکر کرتے ہیں۔ نیز یہ بھی اشارہ ہوا کہ صبر وشکر ایمان کی روح ہیں اور یہ دونوں مومن کے باطن کے آئینہ دار ہیں۔

Scanned by CamScanner

صابرین کی تین قسمیں:

(۱)مُتَصَبِّرٌ

(۲)صَابِرٌ

(۳)صَبَّارٌ

"متصبر" وہ ہے جو بتکلف صبر کرے۔ "صبور" یعنی "قوی علی الصبر"(صبر میں قوی) ہواور "صابر" کا مطلب "مُتلبِّس بالصبر"(صبر کرنے والا) ہے۔اور "صبار" صیغہ مبالغہ ہے یعنی بہت زیادہ صبر کرنے والا۔اللہ کی سنت جاریہ، یہ ہے کہ وہ اپنے اولیاء کا طویل امتحان لیتا ہے تاکہ معلوم ہو کہ کون اپنے دعوی ایمان میں صادق ہے اور کون کاذب کیونکہ صبّار بروزن فعّال ہے جو تکرار فعل پر دلالت کرتا ہے جیسے "حداد" اور "نجاد" وغیرہ اور شکور صیغہ فعول بھی مبالغہ کا صیغہ ہے مگر اس کا مطلب ہے کہ وہ فعل شکر پر قوت رکھتا ہے۔

شکر کی تین قسمیں ہیں:

(۱)شکر اللسان: زبان کا شکر

(۲)شکر القلب: دل کا شکر

(۳)شکر الجوارح: اعضاء کا شکر

نکتہ: صبار اور شکور کے درمیان واوَ کی فصل نہیں لائی گئی اور یوں نہیں کہا گیا "صبار و شکور"۔ یہ اشارہ ہے کہ مومن میں جب یہ دونوں صفتیں مجتمع ہوتی ہیں تو وہ نعمتوں اور مصائب سے فائدہ حاصل کرتا ہے۔جس طرح ﴿التائبون الحامدون السائحون... الخ﴾(التوبۃ:۱۱۲) میں صفات کے درمیان واوَ کی فصل نہیں لائی گئی اس میں اشارہ کیا گیا کہ یہ سب صفات ان میں مجتمع ہیں اور گویا وہ صفت واحدہ ہیں جس کا مطلب ہے کہ علیحدہ علیحدہ ہر ایک صفت میں وہ کامل ہیں اور وہاں ﴿الآمرون بالمعروف﴾ اور ﴿الناھون عن المنکر﴾ کے درمیان واوَ عطف جو لایا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں صفتوں میں تضاد ہے۔ یہ نکتہ بھی معلوم ہوا کہ آزمائش صرف مصائب سے ہی نہیں ہوتی بلکہ نعمتوں سے بھی ہوتی ہے جیسا کہ اللہ نے ایک جگہ فرمایا ﴿وَ نَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَ الْخَيْرِ فِتْنَةً﴾(الانبیاء:۳۵) اس میں واعظین کے لیے نصیحت ہے کہ وہ ترغیب اور ترھیب دونوں کو پیش نظر رکھیں تاکہ مصیبت میں مبتلا شخص مایوس نہ ہو اور نعمتوں والا سرکش نہ ہو۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝۵

Scanned by CamScanner

اور ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر بھیجا کہ اپنی قوم کو تاریکی سے نکال کر روشنی میں لے جاؤ اور اُن کو اللہ کے دن یاد دلاؤ اس میں اُن لوگوں کیلئے جو صابر (وشاکر) ہیں (قدرتِ الٰہی کی) نشانیاں ہیں۔(۵)

ایام اللہ میں تین اقوال ہیں:

(۱) قوم موسیٰ پر نعمتیں اور بلائیں: جیسے بدلیوں کا سایہ، من وسلویٰ کا نزول اور فرعون کی جابرانہ حکومت میں طرح طرح کی تکلیفیں اور مشقتیں۔

(۲) جو حادثات امتوں پر آئے: جیسے قوم نوح اور عاد وثمود پر۔

(۳) انتصارات (غلبے اور کامیابیاں): یعنی وہ جنگیں جن میں انہیں کامیابیاں ملیں۔

نکتہ: سارے ایام، ایام اللہ ہیں۔ یہاں خاص طور سے اس کا ذکر کرنے سے یہ بتایا ہے کہ وہ ایام ہیں جن میں جماعتوں اور افراد پر اہم نعمتوں کا نزول اور خرق عادت انتقام کا ظہور ہوا اور خطاب، تکلم سے غیبت کی طرف جو پھر گیا ہے کہ ﴿أرسلنا﴾ کہنے کے بعد ﴿بأیام الله﴾ کہا گیا جب کہ محل "بایّامی" تھا اس میں اشارہ ہے کہ ان ایام کا معاملہ بڑا عظیم تھا اور یہ موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کے ساتھ خاص نہ تھا اور عرب جب دن کی شدت بیان کرتے تھے تو اسے زمانے کی طرف منسوب کرتے تھے۔ جیسے: "نهاره صائم" (اس کا دن روزہ دار ہے) "مکر اللیل" (رات کی سازش) گویا یہ مجازِ عقلی کے باب سے ہے۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۟﴿۶﴾

اور جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ نے جو تم پر مہربانیاں کی ہیں اُن کو یاد کرو جب کہ تمہیں فرعون کی قوم (کے ہاتھ) سے مخلصی دی وہ لوگ تمہیں بُرے عذاب دیتے تھے اور تمہارے بیٹوں کو مار ڈالتے تھے اور عورت ذات یعنی تمہاری لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتے تھے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی (سخت) آزمائش تھی۔(۶)

﴿اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ﴾ ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ جب فرعون کا ذکر کرتا ہے تو اس کے ساتھیوں کا بھی ذکر کرتا ہے جو اس کے ظلم پر اس کی معاونت کرتے تھے اور حق کو باطل اور باطل کو حق کرتے تھے اور اس کے تمام گناہوں میں شریک رہتے تھے لہٰذا قیامت کے دن وہ فرعون کے ساتھ عذاب میں شریک رہیں گے۔ اس میں عام لوگوں اور خصوصاً خاص لوگوں اور حاکموں کو متنبہ کیا گیا ہے کہ وہ اچھی صحبتیں اختیار کریں جو حق پر اس کی معاونت کریں اور حاکم پر واجب ہے کہ وہ

Scanned by CamScanner

ایسے وزراء منتخب کرے جو عدل پر اس کی مساعدت اور معاونت کریں۔

﴿یَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ﴾ "سام" کا مطلب ہے "ابتغاء" چاہنا اور لفظ "سوء"، ساء سے ہے یعنی ایسے کام سونپنا جو طاقت سے باہر ہو۔ اس میں جسمانی اور نفسیاتی دونوں تکلیفیں شامل ہیں۔ اور "سام" کا مطلب یہ ہوا کہ وہ تمہارے اوپر یہ "تکلیف مالا یطاق" (ایسی تکلیف جسے انسان برداشت نہ کرسکے) بطور ذلت کے ڈالتے تھے۔ فرعون قوم موسیٰ علیہ السلام سے جو کام لیتا تھا وہ انتہائی مشقت بھرا ہوتا تھا۔ یہ جسمانی عذاب تھا۔ اور ماؤں کی گود سے بچوں کو چھین کر ذبح کر دینا اور بچیوں کو باقی رکھ کر ان کو لونڈیاں بنا لینا یہ نفسیاتی عذاب تھا۔

﴿وَفِیْ ذٰلِكُمْ﴾ اشارہ بعید لا کر شدت عذاب اور عظمت نجات کو ظاہر کیا گیا۔

مصیبتوں سے آزمائش کی حکمت:

کمزور مومنوں کو مصیبتوں سے اس لیے آزمایا جاتا ہے کہ وہ ظلم سے لڑنے اور اس سے نکلنے کی کوشش کریں اور یہ سمجھیں کہ نجات کا راستہ پھولوں کی سیج نہیں ہے تو پہلے وہ اپنی ذات اور اپنے نفس کی اصلاح کریں۔ ذلت سے نجات کی قیمت اور حریت و کرامت کا حصول بڑی بڑی قربانیوں اور طویل جدوجہد کے بعد حاصل ہوتا ہے۔

قتل اور ذبح میں فرق:

﴿وَیُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ﴾ ذبح۔ "شق حلق الحیوانات" (حیوانات کے حلق کو پھاڑ دینا) کو کہتے ہیں اور قتل اعدام الحیاۃ (زندگی کو ختم کرنا) کو کہتے ہیں۔ جب تک بنی اسرائیل نے قوم فرعون کے خلاف احتجاج نہیں کیا تھا تب تک انہیں قتل کیا جاتا تھا اور جب انہوں نے احتجاج کی راہ اختیار کی تو انہیں ذبح کیا جانے لگا۔

اَلَمْ یَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۛ وَالَّذِیْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۛ لَا یَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ؕ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَرَدُّوْۤا اَیْدِیَهُمْ فِیْۤ اَفْوَاهِهِمْ وَقَالُوْۤا اِنَّا كَفَرْنَا بِمَاۤ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ وَاِنَّا لَفِیْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَاۤ اِلَیْهِ مُرِیْبٍ ⑨

بھلا تمہیں اُن لوگوں (کے حالات) کی خبر نہیں پہنچی جو تم سے پہلے تھے (یعنی) نوح اور عاد اور ثمود کی قوم اور جو اُن کے بعد تھے جن کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں (جب) اُن کے پاس پیغمبر نشانیاں لے کر آئے تو اُنہوں نے اپنے ہاتھ اُن کے مونہوں پر رکھ دیئے (کہ خاموش رہو) اور کہنے لگے کہ ہم تو تمہاری رسالت کو تسلیم نہیں کرتے اور جس چیز کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو ہم اسکے قوی شک میں ہیں۔ (۹)

"الاتیان" اور "المجیئ" میں فرق:

"ان مادۃ الاتیان تدل علی الیسر والسھولۃ وان مادۃ المجیئ تدل علی الصعوبۃ علی وجہ العموم" اتیان

Scanned by CamScanner

کے مفہوم میں آسانی اور سہولت داخل ہے۔ اور شہدت میں عام طور پر سختی کا مفہوم پایا جاتا ہے۔

﴿قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ﴾ ان تینوں اقوام کی ترتیب زمانی کا لحاظ کر کے ذکر کیا گیا ہے کیونکہ قوم نوح کی تعداد زیادہ تھی اور قوم عاد بدن کے اعتبار سے زیادہ قوی تھی اور قوم ثمود ہنر کے اعتبار سے قوی تھی کیونکہ یہ چٹانیں تراش کر محلات بنانے میں ماہر تھے۔

﴿فَرَدُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فِيْٓ اَفْوَاهِهِمْ﴾ کے آگے ﴿اِنَّا كَفَرْنَا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ﴾ کہا یعنی پہلے کنایۃً انکار کیا پھر زبان سے جہراً انکار کیا۔ کیونکہ ﴿فَرَدُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فِيْٓ اَفْوَاهِهِمْ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ رسولوں کی بات سن کر انہوں نے اپنے ہاتھوں کو اپنے منہ پر رکھا کہ تم ایسی باتیں کہنے سے رک جاؤ۔

﴿فِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ﴾

''ریب'' اور ''شک'' میں فرق:

''ان الريب درجة أعلى من الشك بدليل وصف الشك به فالريب هو الشك مع التهمة''

ریب، شک کا اعلیٰ درجہ ہے۔ منکرین رسول کے شک کی صفت ﴿مُرِيْبٍ﴾ لائے جو ان کے شدت انکار کی دلیل ہے۔

قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يَدْعُوْكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرَكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۭ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَاۗؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝۱۰

ان کے پیغمبروں نے کہا کہ کیا (تمہیں) اللہ (کے بارے) میں شک ہے جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے؟ وہ تمہیں اس لیے بلاتا ہے کہ تمہارے گناہ بخشے اور فائدہ پہنچانے کے لیے ایک مدت مقرر تک تمہیں مہلت دے۔ وہ بولے تم تو ہمارے ہی جیسے آدمی ہو تمہارا یہ منشاء ہے کہ جن چیزوں کو ہمارے بڑے پوجتے رہے ہیں ان (کے پوجنے) سے ہمیں بند کردو تو (اچھا) کوئی کھلی دلیل لاؤ (یعنی معجزہ دکھاؤ)۔ (۱۰)

﴿اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ جب نبیوں سے ان کی اُمتوں نے کائنات کے خالق کے وجود پر دلیل مانگی تو انہوں نے کہا کہ تم اللہ کے وجود کے بارے میں شک کرتے ہو اور اس کے وجود پر دلیل مانگتے ہو؟ پھر انہوں نے دلیل دی، ﴿فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ یعنی اللہ سے زیادہ ظاہر کائنات میں کوئی شئی نہیں تو اخفی کو اظہر پر کیسے دلیل بنایا جاسکتا ہے؟ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ''كيف يطلب الدليل على من هو دليل على كل شئى'' یعنی ایسی ہستی کے وجود پر دلیل کیسے طلب کی جاسکتی ہے جو ہر شئی پر دلیل ہے۔

﴿مِنْ ذُنُوْبِكُمْ﴾ "مِنْ" تبعیض ہے کہ بعض گناہ معاف کر دے گا مگر اگر ظلم کیا ہے تو جب تک مظلوم نہ معاف کرے اللہ معاف نہیں کرے گا۔ بعض مفسرین نے اس کی توجیہہ اس طرح کی ہے کہ اس سے مراد کفار ہیں تا کہ وہ محض ایمان ہی پر تکیہ نہ کرلیں انہیں دیگر اعمالِ صالحہ پر ابھارا گیا ہے۔

قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿١١﴾

پیغمبروں نے اُن سے کہا کہ ہاں ہم تمہارے ہی جیسے آدمی ہیں لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے (نبوت کا) احسان کرتا ہے اور ہمارے اختیار کی بات نہیں کہ ہم اللہ کے حکم کے بغیر تمہیں (تمہاری فرمائش کے مطابق) معجزہ دکھائیں اور اللہ ہی پر مومنوں کو بھروسا رکھنا چاہئے۔ (۱۱)

﴿قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ اللہ نے مشرکین کے اقوال کو ایک جملے میں جمع کر دیا ہے۔ اگر چہ ان کے زمانے اور نسلیں الگ الگ تھیں اور رسولوں کا جواب بھی ایک ہی جملے میں ذکر کر دیا اگر چہ ان رسولوں کا زمانہ مختلف تھا۔ یہ اشارہ ہے کہ شرک کے بیج ایک ہی ہیں اور باطل کی تہمتیں ایک جیسی تھیں اور یہی حال اہل شرک کا ہر زمانے میں رہا ہے اور رہے گا۔

﴿وَمَا كَانَ لَنَآ﴾ کی تعبیر کا راز:

اپنی قوموں کے کہنے پر معجزات نہ لانے کی استطاعت کی نفی کی تاکید ہے یعنی رسولوں نے یہ کہا کہ ہم معجزات اللہ کے اذن سے لا سکتے ہیں۔ اللہ کو اس فعل پر مجبور نہیں کیا جا سکتا جس کے کرنے کا وہ ارادہ نہ کرے بلکہ اللہ تو ﴿فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ﴾ (البروج:۱۶) ہے۔

قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِی اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يَدْعُوْكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرَكُمْ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ قَالُوْۤا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ؕ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿١٠﴾

ان کے پیغمبروں نے کہا کہ کیا (تمہیں) اللہ (کے بارے) میں شک ہے جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے؟ وہ تمہیں اس لئے بلاتا ہے کہ تمہارے گناہ بخشے اور فائدہ پہنچانے کیلئے ایک مدت مقرر تک تمہیں مہلت دے۔ وہ بولے تم تو ہمارے ہی جیسے آدمی ہو تمہارا یہ منشاء ہے کہ جن چیزوں کو ہمارے بڑے پوجتے رہے ہیں ان (کے پوجنے) سے ہمیں بند کر دو تو (اچھا) کوئی کھلی دلیل لاؤ

(یعنی معجزہ دکھاؤ)۔(۱۰)

﴿قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِی اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ اللہ کا انکار اور شرک میں کوئی معذور نہ ہوگا۔ اگر چہ اس کو نبی کی دعوت نہ پہنچی ہو۔ ادنی عقل والا جانتا ہے کہ بے معمار کے عمارت نہیں کھڑی ہوسکتی۔ شرک بھی ظاہر البطلان ہے کہ انسان اشرف ہے اس کے لیے سخت ذلت کی بات ہے کہ وہ عاجز مخلوق کے سامنے جھکے۔

شرک اعتقادی۔ شرک عملی:

﴿اَفِی اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾

فاطر کا معنی ہے پھاڑنے والا۔ زمین وآسمان کا مادہ ایک گولے کی شکل میں تھا جس کے تمام اجزاء شدت کے ساتھ اندر کی طرف کھنچے ہوئے تھے۔ اس کا انفجار (بیرونی سمت میں حرکت دینا) کسی خارجی مداخلت کے بغیر نہیں ہوسکتا۔ اسی مداخل قوت کا نام اللہ ہے۔

جنت میں داخلہ حسب نسب کی بنیاد پر نہ ہوگا، اگر ایمان وعمل صالح کی پونجی نہ رہی۔

مومن کے اعمال صالحہ شجرہ طیبہ کی طرح ہر گھڑی آسمان کی طرف لے جائے جائیں گے اور کافروں کے اعمال بے حیثیت ہوں گے، اس لیے وہ آسمان کی طرف نہیں لیجائے جائیں گے۔

وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ؕ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۱۲﴾

اور ہم کیونکر اللہ پر بھروسا نہ رکھیں حالانکہ اُس نے ہمیں ہمارے (دین کے سیدھے) رستے بتائے ہیں اور جو تکلیفیں تم ہمیں دیتے ہو اُس پر صبر کریں گے اور اہلِ توکل کو اللہ ہی پر بھروسا کرنا چاہیئے۔ ۱۲۔

﴿وَلَنَصْبِرَنَّ﴾ یہ دلیل ہے کہ نبیوں نے اپنے پکے عزم کو ظاہر کیا کہ رب کے پیغامات کو مسلسل پہنچاتے رہیں گے اور اس راستے میں آنے والی تمام تکلیفوں کو برداشت کرتے رہیں گے اور ان پر صبر کرتے رہیں گے۔ اسی وجہ سے 'ل' تاکید کے ساتھ نون ثقیلہ کو بھی جوڑ دیا گیا۔

سبیل اور طریق کا فرق:

﴿وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ﴾

سبیل اس راستے کو کہتے ہیں جس میں سہولت ہو۔ مجازاً اسے طریق حق پر بولا جاتا ہے اور اگر لفظ سبیل مطلق بولا جائے تو طریق حق کے ساتھ خاص ہوتا ہے۔ اس پر یہ آیت ﴿ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ﴾ دلیل ہے۔ اسی طرح لفظ سبیل ہر اس چیز کے لیے بولا جاتا ہے جس کے ذریعے کسی چیز تک پہنچا جائے خواہ وہ چیز اچھی ہو یا بری۔

Scanned by CamScanner

وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۱۵﴾

اور پیغمبروں نے (اللہ سے اپنی) فتح چاہی تو ہر سرکش ضدی نامراد رہ گیا۔ (۱۵)

﴿وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ﴾ "خيبة" مطلق محرومی اور مطلوب چیز کے ہاتھ سے چلے جانے کو کہتے ہیں یعنی ہر سرکش اور جابر کا انجام سوائے محرومی کے اور کچھ نہیں ہوتا۔

يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ؕ وَمِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ﴿۱۷﴾

اس کو گھونٹ گھونٹ پیئے گا اور گلے سے نہیں اتار سکے گا اور ہر طرف سے اُسے موت آ رہی ہو گی مگر وہ مرنے میں نہیں آئے گا اور اُس کے پیچھے سخت عذاب ہو گا۔ (۱۷)

﴿وَمِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ﴾ "من وراء" کا مطلب بین یدیہ یعنی سامنے ہے گویا جہنم کافروں کے سامنے ہے اور وہ اس کے کنارے کھڑے ہیں یعنی جہنم کافروں کی منتظر ہے۔ مَرے، کہ اس میں پہنچے۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰى شَيْءٍ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ﴿۱۸﴾

جن لوگوں نے اپنے رب سے کفر کیا اُن کے اعمال کی مثال راکھ کی سی ہے کہ آندھی کے دن اُس پر زور کی ہوا چلے (اور) اُسے اڑا لے جائے (اسی طرح) جو کام وہ کرتے رہے ان پر ان کو کچھ دسترس نہ ہو گی یہی تو پرلے سرے کی گمراہی ہے۔ (۱۸)

﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ﴾ یہاں کافروں کے اعمال کو جس سے وہ نفع کی امید رکھتے تھے ایسی راکھ سے تشبیہ دی گئی ہے جس پر تیز آندھی چل رہی ہو۔ "تراب" یعنی مٹی کے بجائے "رماد" یعنی راکھ سے کیوں تشبیہ دی گئی؟ یہ اس وجہ سے کہ راکھ میں کوئی فائدہ نہیں، رہی مٹی تو اس میں بہت سے فوائد ہیں۔

ریح اور ریاح کا فرق:

عذاب کی جگہ پر لفظ "ریح" مفرد لایا جاتا ہے اور رحمت کی جگہ ریاح جمع لایا جاتا ہے۔

﴿اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ﴾ ان کے اعمال کی صورت محسوسہ کو بڑے عجیب ڈھنگ سے بیان کیا گیا یعنی ہوا نے اس راکھ کو اٹھایا اور بڑی تیزی سے لے گئی کیونکہ لفظ "اشتدت" مادۂ شدّ سے ہے اور شدّ کا معنی عدو یعنی دوڑنا ہے۔

Scanned by CamScanner

﴿ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ﴾ یہاں کافروں کے اعمال کے ضائع ہوجانے کی وجہ بیان کی گئی ہے ان کے اعمال اس وجہ سے قبول نہیں ہوئے کیونکہ وہ قبولیت کی دونوں شرطوں سے خالی تھے اور وہ شرطیں ایمان اور اخلاص ہیں۔

وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ قَالُوْا لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ ۭ سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ﴿۲۱﴾

اور (قیامت کے دن) سب لوگ اللہ کے سامنے کھڑے ہوں گے تو ضعیف (العقل متبع اپنے روسائے) متکبرین سے کہیں گے کہ ہم تو تمہارے پیرو تھے کیا تم اللہ کا کچھ عذاب ہم پر سے دفع کر سکتے ہو؟ وہ کہیں گے کہ اگر اللہ ہمیں ہدایت کرتا تو ہم تمہیں ہدایت کرتے اب ہم گھبرائیں یا صبر کریں ہمارے حق میں برابر ہے کوئی جگہ (گریز اور) رہائی کی ہمارے لئے نہیں ہے۔ (۲۱)

﴿فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا﴾ یہاں ضعفاء (کمزوروں) سے مراد جسم کے کمزور نہیں، بلکہ ارادہ، رائے اور فکر کے کمزور مراد ہیں کہ انہوں نے سوچے سمجھے بغیر اپنی فکری آزادی کی لگام اپنے بڑوں کے ہاتھوں میں دیدی اور بجائے اللہ کا بندہ بننے کے اپنے بڑوں کے بندے بن گئے۔ ایسے کمزوروں کا عذر بارگاہِ الٰہی میں مسموع نہ ہوگا کیونکہ انہوں نے اللہ کی بہت بڑی نعمت، ''عقل'' کو بیکار کردیا۔

﴿وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ﴾ ''البروز۔الخروج من مکانٍ ساترٍ'' بروز کا مطلب ہے چھپی ہوئی جگہ سے نکلنا۔ یہاں ان کا قبروں سے نکلنا مراد ہے۔

''اسْتَكْبَرُوْٓا'' کا نکتہ:

یہ بڑے بنے یعنی انہوں نے عظمت کا دعویٰ کیا مگر حقیقت میں بڑے نہیں تھے۔

﴿اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا﴾ جزع، صبر کی ضد ہے۔ ''اصل الجزع قطع الحبلِ من نصفه'' (رسی کو بیچ سے کاٹ دینا) یعنی عدم احتمال الشدۃ (سختی کو برداشت نہ کرنا) ہے۔ لفظ جزع، حُزن سے زیادہ بلیغ ہے کیونکہ حزن عام ہے اور جزع وہ حزن (غم) ہے جو انسان کو اس چیز سے پھیر دے جس کے پیچھے وہ لگا ہوا ہے۔ جزع کو صبر پر مقدم کیا کیونکہ یہ ان متکبرین کی حالت واقعی کے عین مطابق ہے کیونکہ مسلسل جزع ہی میں رہیں گے۔

ابلیس خطیب:

وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ

Scanned by CamScanner

فَاَخۡلَفۡتُكُمۡ ؕ وَمَا كَانَ لِىَ عَلَيۡكُمۡ مِّنۡ سُلۡطٰنٍ اِلَّاۤ اَنۡ دَعَوۡتُكُمۡ فَاسۡتَجَبۡتُمۡ لِىۡ ۚ
فَلَا تَلُوۡمُوۡنِىۡ وَلُوۡمُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ ؕ مَاۤ اَنَا بِمُصۡرِخِكُمۡ وَمَاۤ اَنۡتُمۡ بِمُصۡرِخِىَّ ؕ اِنِّىۡ كَفَرۡتُ
بِمَاۤ اَشۡرَكۡتُمُوۡنِ مِنۡ قَبۡلُ ؕ اِنَّ الظّٰلِمِيۡنَ لَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ﴿۲۲﴾

جب (حساب کتاب کا) کام فیصل ہو چکے گا تو شیطان کہے گا (جو) وعدہ اللہ نے تم سے کیا تھا (وہ تو) سچا (تھا) اور (جو) وعدہ میں نے تم سے کیا تھا وہ جھوٹا تھا اور میرا تم پر کسی طرح کا زور نہیں تھا ہاں میں نے تمہیں (گمراہی اور باطل کی طرف) بلایا تو تم نے (جلدی سے اور بے دلیل) میرا کہا مان لیا تو (آج) مجھے ملامت نہ کرو بلکہ اپنے آپ ہی کو ملامت کرو، نہ میں تمہاری فریاد رسی کر سکتا ہوں اور نہ تم میری فریاد رسی کر سکتے ہو، میں اس بات سے انکار کرتا ہوں کہ تم مجھے شریک بناتے تھے۔ بیشک جو ظالم ہیں اُن کیلئے دردناک عذاب ہے۔ (۲۲)

﴿مِنۡ سُلۡطٰنٍ﴾ میں نے اپنی اتباع کی طرف بغیر دلیل وحجت دعوت دی تھی مگر انبیاء نے اپنی دعوت کی صداقت پر دلائل پیش کئے تھے۔ "مُصرخ" کام آنے والا۔ نجات دلانے والا۔

﴿وَقَالَ الشَّيۡطٰنُ لَمَّا قُضِىَ الۡاَمۡرُ﴾ جب ائمہ کفر اور ان کے پیروؤں کا فیصلہ کر دیا جائے گا اور شیطان یہ دیکھ لے گا تو لازماً اسے اندیشہ ہوگا کہ اب یہ دونوں فریق آپس کی جنگ سے فارغ ہو کر اس پر لعنت ملامت کرنے کے لیے پل پڑیں گے، چنانچہ وہ خود پیش قدمی کرتے ہوئے پہلے ہی ان کو چپ کرنے کی کوشش کرے گا۔ وہ کہے گا: پیغمبروں کے وعدے حق تھے۔ میرے وعدے دھوکہ اور فریب تھے، میری باتوں میں دلیل نہ تھی، میرا تم پر کوئی دباؤ نہ تھا، میری دعوت ایک پکار تھی، تم نے بے دلیل مان لیا اور پیغمبروں کی دلیل وحجت سے لبریز باتوں کو رد کر دیا اس میں قصور تمہارا ہے، کہ تم نے عقل وشعور سے کام نہ لیا، آج نہ میں تمہیں اس عذاب سے بچا سکتا ہوں نہ تم مجھے بچا سکتے ہو، تم نے میری بات مان کر اللہ کا شریک ٹھہرایا، میں اس شرک سے بیزار ہوں۔

﴿اِلَّاۤ اَنۡ دَعَوۡتُكُمۡ﴾ شیطان کو اعتقادی حیثیت سے تو کوئی اللہ کا شریک نہیں ٹھہراتا، نہ اس کی پوجا کرتا ہے البتہ اس کی اطاعت یا بندگی اور اس کے طریقے کی اندھی پیروی کی جا رہی ہے اسی کو یہاں شرک سے تعبیر کیا گیا ہے۔

﴿وَقَالَ الشَّيۡطٰنُ لَمَّا قُضِىَ الۡاَمۡرُ﴾ ابلیس کا یہ خطاب اس وقت ہوگا جب جنتی جنت میں اور جہنمی جہنم میں پہنچ جائیں گے۔

شیطان کی تقریر: اللہ نے نبیوں کی زبانی تم سے سچا وعدہ کیا تھا مگر تم نے نبیوں کی اطاعت نہیں کی اگر ان کی اطاعت کرتے تو فوزِ عظیم سے ہمکنار ہوتے اور میں نے تم سے جھوٹا وعدہ کیا کہ نہ کوئی معبود ہے نہ مرنے کے بعد زندگی ہے نہ جزا ہے نہ سزا ہے نہ جنت ہے نہ دوزخ ہے، اور میں نے اپنے وعدے کی خلاف ورزی کی اور میرا تمہارے اوپر تسلط تھا نہ غلبہ،

Scanned by CamScanner

نہ میرے پاس اپنے قول کی تائید میں کوئی دلیل تھی، میں نے تمہیں گمراہی کی دعوت دی اور باطل کو مزین کیا، تمہارے دلوں میں وسوسے ڈالے اور تم نے بہت جلدی اسے قبول کر لیا، تو اب مجھے تم لوگ ملامت نہ کرو، خود کو ملامت کرو، اس لیے کہ تم مکمل اپنے ارادے کے مالک تھے کہ چاہے خیر کا راستہ اختیار کرتے یا شر کا، لیکن تم نے شر کا راستہ اختیار کیا، باوجود یکہ اللہ نے تم کو شیطان کے راستے سے آگاہ کر دیا تھا اور متنبہ بھی کر دیا تھا، اے میرے متبعین فی الدنیا ہم سب غم والم اور عذاب میں برابر ہیں، نہ میں تمہیں اس عذاب سے بچا سکتا ہوں اور نہ تم مجھے بچا سکتے ہو، تم نے دنیا میں جو مجھے شریک بنایا آج میں اس کا انکار کرتا ہوں، اور شیطان اپنی تقریر کو اس کمر توڑ خوفناک جملے پر ختم کرتا ہے۔

﴿اِنَّ الظّٰلِمِیْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ﴾ جو شیطان کے متبعین کے حزن و غم کے باوجود ان کی حسرتوں میں اضافہ کر دے گا۔ اب اس کے بعد اللہ مصدر غوایۃ (گمراہی کی جڑ) بتاتا ہے کہ ضلالت کی اصل شیطان ہے۔ ﴿فَاسْتَجَبْتُمْ لِیْ﴾ میں "فاء" تعقیب کے لیے ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان کی دعوت پر انہوں نے فوراً لبیک کہہ دیا گویا یہ کفار اور عُصاۃ (نافرمان) اسی کا انتظار کر رہے تھے۔

﴿اَشْرَكْتُمُوْنِ﴾ یعنی اللہ کے ساتھ تم لوگوں نے مجھے (شیطان) شریک کر لیا۔

وَاُدْخِلَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ؕ تَحِیَّتُهُمْ فِیْهَا سَلٰمٌ ﴿۲۳﴾

اور جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے وہ باغات میں داخل کئے جائیں گے جن کے نیچے سے نہریں بہہ رہی ہیں، اپنے رب کے حکم سے ہمیشہ اُن میں رہیں گے، وہاں اُن کی دعائے ملاقات سلام ہے۔ (۲۳)

جنت کی دو نعمتیں:

(۱) حسی اور (۲) غیر حسی۔ ﴿جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ یہ نعمت جسمانی ہے۔ ﴿تَحِیَّتُهُمْ فِیْهَا سَلٰمٌ﴾ جنتیوں کا آپس میں اُنس و الفت و محبت یہ نعمتِ روحانی ہے، ﴿وَاُدْخِلَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ میں جنتیوں کے دخول جنت کا سبب بیان کیا گیا۔ (۱) ایمان (۲) عمل صالح۔

اور جب اللہ کے سعید اور شقی دونوں طرح کے بندوں کے احوال ذکر فرمائے۔ پھر ان دونوں قسموں کے لیے مثال بیان فرمائی:

اَلَمْ تَرَ كَیْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَیِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَیِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِی السَّمَآءِ ﴿۲۴﴾

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے پاک بات کی کیسی مثال بیان فرمائی ہے (وہ ایسی ہے) جیسے پاکیزہ درخت جس کی جڑ مضبوط (یعنی زمین کو پکڑے ہوئے) ہو اور شاخیں آسمان میں۔ (۲۴)

Scanned by CamScanner

﴿اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا﴾ کا جملہ ایقاظ ذہن (ذہن کو بیدار کرنا) کے لیے ہے جس سے مثال کو سمجھنے کے لیے شوق پیدا ہو جائے۔

نکتہ: یہاں (مثال) بیان کرنے کے لیے "ضرب" کا لفظ استعمال کیا گیا کہ مثال کی تاثیر ایسے ہوتی ہے جیسے مضروب (جس کو مارا جائے) پر ضرب کی تاثیر ہوتی ہے جیسے مارنے پر آدمی کو شدید احساس ہوتا ہے۔

مساواۃ اور مماثلۃ میں فرق: ﴿وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا﴾

مساوات دو مقداروں میں ہوتی ہے کہ ان میں سے ایک دوسرے پر زیادہ ہوتا ہے نہ کم۔

نِدّ اور مَثَل میں فرق:

"نِد" "مشارکۃ فی جوھرہ" "ند" اس کو کہتے ہیں جو جوہر میں اس کا شریک ہو۔ اور "مثل" کسی بھی طرح کی شرکت کو کہتے ہیں۔ "فَكُلُّ نِدٍّ مَثَلٌ وَلَيْسَ كُلُّ مَثَلٍ نِدٌّ" ہر ند، مثل ہے اور ہر مثل، ند نہیں۔ گویا ند اور مَثَل میں عموم و خصوص مطلق کی نسبت ہے۔

مماثلت، دو چیزوں میں سے ایک چیز دوسرے کے قائم مقام ہو جائے۔

مِثل اور نظیر میں فرق:

مِثل: ذات میں برابری کو کہتے ہیں۔

نظیر: افعال کی جنس میں برابری ہوتی ہے جیسے النحوی نظیر النحوی یہ نہیں کہا جا سکتا النحوی مثل النحوی

مِثل اور شکل میں فرق:

شکل: صورت میں مشابہت کو کہتے ہیں جیسے کہا جاتا ہے "ھذا الشکل شکل ھذا الطائر" یہ شکل اس چڑیا کی شکل ہے۔

مِثل: صفت میں مشابہت کو کہتے ہیں جیسے "الحلاوۃ مثل الحلاوۃ"

مثال مذکور میں کلمہ طیبہ سے مراد توحید ہے یا ہر کلمۂ خیر ہے۔

﴿وَفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ﴾ ڈالیوں کا بلند ہونا جڑ کی مضبوطی پر دلالت کرتا ہے اور ڈالیاں جتنی بلند ہوتی جائیں گی زمین کی گندگیوں اور عفونتوں سے دور ہوتی جائیں گی تو ان کا پھل تمام آلودگیوں سے پاک و صاف ہوگا۔

﴿اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ﴾ جس کی ابتداء (جڑ) اور انتہا (فرع) دونوں مبارک ہیں۔

﴿تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ﴾ سے بتایا گیا کہ اس کا پھل کبھی ختم نہ ہوگا۔

کلمہ خبیثہ: اس کی فکر نفسِ خبیثہ سے پیدا ہوتی ہے اس وجہ سے اس کا عمل بھی خبیث ہوتا ہے۔ اس کا نفوس میں کوئی اثر نہیں ہوتا کیونکہ وہ نفس کا ذبہ سے پیدا ہوتا ہے۔ جو اخلاص سے عاری ہوتا ہے اور خواہشاتِ خبیثہ سے اس کی رہنما ہوتی ہیں۔

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۙ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ﴿۲۷﴾

اللہ مومنوں (کے دلوں) کو (صحیح اور) پکی بات سے دنیا کی زندگی میں بھی مضبوط رکھتا ہے اور آخرت میں بھی (رکھے گا) اور اللہ بے انصافوں کو گمراہ کر دیتا ہے اور اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ (۲۷)

﴿يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ ضمیروں میں ایمان جما رہے گا جس سے اعمال صالحہ کے نئے نئے پھل آتے رہیں گے یا قول ثابت سے مراد قرآن ہے کہ جو اسے تھام لے، اللہ کا اس سے وعدہ ہے کہ اسے دنیا اور آخرت دونوں میں کامیابی سے ہمکنار کرے گا۔ صاحب قرآن کو اوہام و خرافات کی تاریکیوں میں بھٹکنے نہیں دے گا اور نہ اُنھیں قلق ہوگا، نہ اضطراب ہوگا، نہ حسرت انہیں مس کرے گی۔

﴿اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ﴾ "کلمۂ طیبہ" سے مراد لا الہ الا اللہ ہے اور محمد رسول اللہ ﷺ اس کے تابع ہے۔ لا الہ الا اللہ کا قرین ہر امت میں بدلتا رہا ہے کوئی لا الہ الا اللہ کے ساتھ موسیٰ کلیم اللہ، کوئی ابراہیم خلیل اللہ کہتا تھا غرضیکہ کلمۂ رسالت جملہ متبدّلہ ہے اور لا الہ الا اللہ جملۂ غیر متبدلہ ہے۔ اس لیے اکثر احادیث میں صرف لا الہ الا اللہ پر اکتفا کیا گیا ہے۔ حالانکہ مراد پورا کلمہ ہے۔

﴿اَصْلُهَا ثَابِتٌ﴾ سے ایمان اور ﴿فَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ﴾ سے اعمال صالحہ اور ﴿تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا﴾ سے احسان مراد ہے۔ مومن کا قلب بمنزلۂ زمین ہے۔ اور کلمۂ توحید، ایمان کی جڑ، اور اعمال شاخیں ہیں جو معتقد کی رفعت و بلندی کا سبب بن رہی ہیں۔ اعمال صالحہ آسمان پر چڑھتے ہیں، قبول ہوتے ہیں اور ان کی برکتیں ہر وقت حاصل ہوتی رہتی ہیں۔

درخت کے چار اوصاف:

(۱) پاکیزہ۔ یعنی دیکھنے میں خوبصورت

(۲) جڑ مضبوط

(۳) شاخیں اونچی

(۴) ہر وقت پھل دیتا ہو۔

کلمۂ طیبہ و کلمہ طیبہ:

کلمہ خبیثہ کے تین اوصاف:

(۱) بُرا، گندہ، بدصورت اور بدمزہ۔

(۲) جڑ مضبوط نہیں بس زمین کے اوپر رکھی ہوئی۔

Scanned by CamScanner

(۳) درخت میں مضبوطی نہیں بلکہ بہت کمزور ہے۔

﴿يُثَبِّتُ اللّٰهُ﴾ "شجرۂ طیبہ" سے متعلق ہے۔ ﴿وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ﴾ کلمہ خبیثہ سے متعلق ہے اور ﴿وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ﴾ دونوں سے متعلق ہے۔

عذاب قبر کا دس آیات میں اشارہ ہے اور ستر احادیث متواترہ میں اس کی صراحت وو ضاحت ہے۔

کلمہ طیبہ: جس دل میں یہ کلمہ راسخ ہو جاتا ہے اس سے ایسے اعمال صادر ہوتے ہیں جس سے اس کے اردگرد کا ماحول مستفید ہوتا ہے یعنی اس کو ہر آن اس کے مفید نتائج حاصل ہوتے رہتے ہیں۔ فکر میں سلجھاؤ، سیرت میں مضبوطی، روح میں لطافت، جسم میں طہارت، تمدن میں توازن، معیشت میں عدل، معاشرت میں حسن سلوک، سیاست میں دیانت، جنگ میں حکمت، صلح میں خلوص، عہد میں وثوق پیدا کرتا ہے۔ یہی اعمال صالحہ بلندی تک پہنچتے ہیں یعنی اللہ کے یہاں مقبول ہوتے ہیں یعنی یہ کلمہ ایسا پارس پتھر ہے جس کی تاثیر کوئی ٹھیک ٹھیک قبول کرلے تو کندن بن جائے۔

یا کلمہ طیبہ سے مراد قرآن ہے جس کی تعلیمات ظاہری و باطنی خوبیوں کی حامل ہیں۔ ہر دعویٰ کی دلیل رکھتا ہے۔ اس کی تعلیمات کو قبول کرنے کے نتیجے میں دنیا وآخرت دونوں سنور جاتی ہے۔

وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ﴿۲۶﴾

اور ناپاک بات کی مثال ناپاک درخت کی سی ہے (نہ جڑ مستحکم نہ شاخیں بلند) زمین کے اوپر ہی سے اکھیڑ کر پھینک دیا جائے، اُس کو ذرا بھی قرار (وثبات) نہیں۔ (۲۶)

شجرة خبيثة: سے مراد شرک اور باطل نظام ہے۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُتِيَ بِقِنَاعٍ جَزْءٍ فَقَالَ: ﴿مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ تُؤْتِي أُكُلَهَا كُلَّ حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا﴾ فَقَالَ: هِيَ النَّخْلَةُ ﴿وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْأَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ﴾ قال هي الحنظلة" (ابن حبان، کتاب البر والاحسان: ۴۷۵، صحیح)

انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ شجر خبیثہ سے مراد حنظل کا پودا ہے جس کی جڑ زمین کے اوپر ہوتی ہے اور ذرا سے اشارے سے اُکھڑ جاتی ہے۔ اسی طرح شرک کی کوئی دلیل نہیں ہوتی یا اتنی بودی ہوتی ہے کہ ادنیٰ غور وفکر سے اس کا بے حقیقت ہونا واضح ہو جاتا ہے اور جہاں باطل نظام رائج ہو وہاں بدامنی بے چینی اضطراب ہی ملے گا اگر کوئی علاج کرے تو مسائل اور پیچیدہ ہو جائیں۔

یا کلمہ طیبہ سے مراد لا الہ الا اللہ ہے اس کی مثال کھجور کے درخت کی سی ہے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ مِنَ الشَّجَرِ شَجَرَةً لَا يَسْقُطُ وَرَقُهَا، وَإِنَّهَا مَثَلُ

Scanned by CamScanner

الْمُسْلِمِ، فَحَدِّثُونِي مَا هِيَ؟ فَوَقَعَ النَّاسُ فِي شَجَرِ الْبَوَادِي قَالَ عَبْدُ اللَّهِ: وَوَقَعَ فِي نَفْسِي أَنَّهَا النَّخْلَةُ، فَاسْتَحْيَيْتُ، ثُمَّ قَالُوا: حَدِّثْنَا مَا هِيَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ: ''هِيَ النَّخْلَةُ'' (بخاری، کتاب العلم:۶۱)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہ سے پوچھا وہ کون سا درخت ہے جس کے پتے نہیں گرتے۔ مسلمان کی مثال اسی درخت کی سی ہے۔ اس وقت میرے دل میں خیال آیا کہ وہ کھجور کا درخت ہے مگر جب میں نے دیکھا کہ ابوبکر وعمر جیسے بزرگ خاموش ہیں تو میں نے جواب دینا مناسب نہ سمجھا۔ پھر آپ ﷺ نے خود بتایا کہ وہ کھجور کا درخت ہے۔ کھجور کے درخت کی ہر چیز کار آمد ہے۔ اسی طرح مومن کی ہر ادا نافع ہے بشرطیکہ وہ تعلیمات الٰہی اور تعلیمات نبوی کا پابند ہو۔

کلمہ طیبہ مضبوط جڑ ہے جسے دنیا کے حوادث ہلا نہیں سکتے۔ دوسری وجہ اس کی طہارت و نظافت ہے کہ وہ دنیاوی گندگیوں سے متاثر نہیں ہوتا کیونکہ اونچے درخت پر زمین کی سطح کی گندگی کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔

(الْقَوْلِ الثَّابِتِ): عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ''إِذَا أُقْعِدَ الْمُؤْمِنُ فِي قَبْرِهِ أُتِيَ، ثُمَّ شَهِدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ، فَذَلِكَ قَوْلُهُ: ﴿يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ﴾ (بخاری:۱۳۶۹)

براء ابن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان سے جب قبر میں سوال ہوگا تو وہ کہے گا: اشھد ان لا الہ الا اللہ و ان محمداً رسول اللہ۔ اس آیت میں قول ثابت سے یہی مراد ہے۔

لا الہ الا اللہ کا مفہوم:

لا الہ الا اللہ کا مفہوم ہے ''لا معبود بحقٍّ الا اللہ''۔ معبود کی دلیل ''الا تعبدوا الا اللہ'' ہے۔ اور بحق کی دلیل ﴿ذٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّ مَا يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ هُوَ الْبَاطِلُ ﴾ (سورۂ حج:۶۲)

سوال: مختصراً اللہ واحدٌ بھی کہا جا سکتا تھا پھر کیوں نہیں کہا گیا؟

جواب: مثلاً ایک کمرے میں خالد موجود ہے ہوسکتا ہے کہ کوئی اور بھی موجود ہو۔ مگر استثنا کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ اس کمرے میں خالد کے سوا کوئی موجود نہیں ہے۔

لا الہ الا اللہ کی سات شرطیں ہیں:

(۱) علم

(۲) یقین

(۳) اخلاص

(۴) محبت

(۵) صدق (صادقاً من قلبہ)

Scanned by CamScanner

(۶) انقیاد (سرخم کرنا)

(۷) قبول (جب تک قبول نہ کرے سرخم نہیں کرسکتا)

قرآن حکیم میں لا الہ الا اللہ کی دو تفسیریں ہیں:

(۱) لفظ سے جیسے ﴿اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ﴾ (آل عمران: ۶۴)

(۲) مفہوم سے ﴿اِنَّنِیْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا الَّذِیْ فَطَرَنِیْ﴾ (سورۂ زخرف: ۲۷)

ابراہیم علیہ السلام نے کہا ﴿اِنَّنِیْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا الَّذِیْ فَطَرَنِیْ﴾ اس سے معلوم ہوتا ہے اگر باپ بھی مشرک ہو تو اس سے برأت کا اظہار کرنا چاہیے۔

سورۂ انبیاء: ۲۲ میں اللہ نے فرمایا: ﴿لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا﴾

"اِلَّا" کا معنی:

جہاں لفظ "اِلَّا" جمع منکور کے بعد ہوگا تو "استثناء" کے لیے نہ ہوگا بلکہ "غیر" کے معنی میں ہو کر صفت بنے گا۔ اس لیے کہ استثناء کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) متصل (۲) منقطع۔ اور لا الہ الا اللہ میں دونوں ممکن نہیں۔ اس لیے کہ اگر مستثنیٰ متصل مانیں گے تو لا الہ الا اللہ میں یا ﴿لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ﴾ میں "الہ" نکرہ ہے اور نکرہ "تحت النفی" ہو تو عموم کا فائدہ دیتا ہے لہٰذا لا الہ الا اللہ میں لفظ الہ بھی جمع منکور کے درجے میں ہوا۔ اگر الا اللہ کو متصل مانیں گے تو الہ میں داخل مانیں گے۔ پس الہ سے مراد "اٰلِهَة محقة" (حقیقی) ہوں گے اس لیے کہ اللہ سے مراد معبود برحق ہے اس صورت کے اندر تعدد "اٰلِهَة" لازم آئے گا لہٰذا متصل ماننا جائز نہ ہوگا اور اگر منقطع مانیں گے تو الہ سے "اٰلِهَة باطلة" مراد ہوں گے۔ جب کہ اللہ سے مراد معبود برحق ہے اس صورت میں توحید مطلوب ہاتھ سے رخصت ہو جائے گی لہٰذا "اِلَّا" یہاں غیر کے معنی میں ہوگا اور صفت واقع ہوگا۔ کیونکہ یہاں اوروں سے الوہیت کی نفی کر کے اللہ کے لیے الوہیت کا اثبات مقصود ہے اگر منقطع مانیں گے تو توحید مطلوب حاصل نہ ہوگی کیونکہ نفی کسی اور شئ کے لیے اور اثبات کسی اور شئے کے لیے ہو جائے گا۔

لا الہ الا اللہ کے رائج معانی کون صحیح کون غلط؟:

اہل الحدیث: لا معبود بحق الا اللہ۔ یہ صحیح ہے

بعض نے اس کا مطلب لا حاکم الا اللہ، لیا ہے۔ یہ غلط ہے۔

بعض نے اس کا مطلب لا موجود الا اللہ، لیا ہے۔ یہ بھی غلط ہے۔

بعض لوگوں نے اس کا معنی لا فاعل الا اللہ، لیا ہے یہ بھی غلط ہے۔

بعض لوگوں نے اس کا معنی لا محبوب الا اللہ، لیا ہے، یہ بھی غلط ہے۔

بعض لوگوں نے اس کا معنی لا معبود الا اللہ، لیا ہے۔ یہ بھی غلط ہے۔ اس لیے کہ لا معبود الا اللہ کا مطلب یہ ہوگا کہ

Scanned by CamScanner

سارے کے سارے معبود اللہ ہی تو ہیں۔ لا الہ الا اللہ کے دو رکن ہیں۔ ایک صرف اقرار۔ اور ایک صرف انکار۔ صرف اقرار شرک ہے اور صرف انکار کفر ہے۔ کلمۂ توحید کے اقسام میں بھی لوگوں نے اختلاف کرلیا ہے۔

اہل حق کے نزدیک توحید کی تین قسمیں ہیں:

(۱) توحید ربوبیت

(۲) توحید الوہیت

(۳) توحید اسماء وصفات۔

صوفیا کے نزدیک:

(۱) توحید العامہ

(۲) دوسرے توحید الخاصہ

(۳) تیسرے توحید خاصۃ الخاصہ۔

سوال: وہ کون سی توحید ہے جس کے لیے انبیاء بھیجے گئے۔

جواب: وہ توحید عبادت ہے۔ تفسیر طبری میں ہے ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾ (سورۂ ذاریات: ۵۶) قال ابن عباس "لیوحدون" یعنی ابن عباس کہتے ہیں کہ آیت میں ﴿لِيَعْبُدُوْنِ﴾ سے مراد "لیوحدون" ہے۔

شریعت میں عقیدے کے تین نام ہیں:

(۱) ایمان

(۲) توحید

(۳) سنت۔

فمن رغب عن سنتی کا مطلب ہے جو میرے عقیدے سے منہ موڑے۔ عقیدۂ توحید پر اللہ نے دو بڑے انعامات (امن اور ہدایت) کا اعلان فرمایا: ﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُمْ مُهْتَدُونَ﴾ (سورہ انعام: ۸۲)

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّأَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ﴿۲۸﴾

کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ کے احسان کو ناشکری سے بدل دیا اور اپنی قوم کو تباہی کے گھر میں لا اتارا (۲۸)

Scanned by CamScanner

﴿دَارَ الْبَوَارِ﴾ بوار، بؤر سے ہے اور بؤر کا معنی، الارض قبل ان تصلحَ للزرع (زراعت کے قابل ہونے سے پہلے کی زمین) کہتے ہیں۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِیَ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ﴿۳۲﴾

اللہ ہی تو ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور آسمان سے مینہ برسایا پھر اُس سے تمہارے کھانے کیلئے پھل پیدا کئے اور کشتیوں (اور جہازوں) کو تمہارے زیرِ فرماں کیا تا کہ دریا (اور سمندر) میں اس کے حکم سے چلیں اور نہروں کو بھی تمہارے زیرِ فرماں کیا۔ (۳۲)

﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ﴾ کافرین اور جاحدین کا ذکر کرنے کے بعد اللہ نے اپنی نعمتوں کو تفصیل سے بیان کیا۔

سموات کو جمع اور ارض کو مفرد لایا گیا:

قرآن میں تین سو اِکسٹھ مرتبہ ارض کا ذکر کیا گیا جن میں ایک سو ستر جگہ سموات کے ساتھ اس کا ذکر آیا ہے۔ ابوحیان نے لکھا ہے کہ آسمان کا ہر طبقہ بذاتِ خود الگ اور ممتاز ہے بخلاف زمین کے کہ اس کے تمام طبقات ملے ہوئے ہیں۔ امام سیوطی رحمہ اللہ نے کہا کہ ساتوں آسمان الگ الگ جنس کے ہیں لیکن ساتوں زمینیں ایک ہی جنس کی ہیں اور وہ تراب (مٹی) ہے اس وجہ سے سمٰوات کو جمع اور ارض کو مفرد لایا گیا ہے۔

وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ؕ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ﴿۳۴﴾

اور جو کچھ تم نے مانگا سب میں سے تمہیں عنایت کیا اور اگر اللہ کے احسان گننے لگو تو شمار نہ کر سکو (مگر لوگ نعمتوں کا شکر نہیں کرتے) کچھ شک نہیں کہ انسان بڑا بے انصاف اور ناشکرا ہے۔ (۳۴)

﴿وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ﴾ اس کا یہ مطلب نہیں کہ انسان نے جو مانگا اللہ نے اسے سب دیدیا بلکہ مطلب یہ ہے کہ انسان نے جو مانگا اور وہ اللہ کی حکمت و مصلحت کے تقاضے کے مطابق تھا اُسے عطا کر دیا۔

﴿وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ﴾ نعمت کو واحد لایا گیا کیونکہ ایک نعمت میں اتنی نعمتیں ہوتی ہیں کہ انسان ان کو شمار نہیں کر سکتا اور نہ ان کا شکر ادا کر سکتا ہے۔ اور نحو کا ضابطہ ہے کہ اگر مفرد کو معرف باللام کی طرف مضاف کر دیا جائے تو عموم کا فائدہ دیتا ہے۔

Scanned by CamScanner

دعاء ابراہیم کی شرح:

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ
الْاَصْنَامَ ﴿۳۵﴾ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ
عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۶﴾ رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ
عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْـِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ
اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۷﴾ رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ وَمَا
نُعْلِنُ ۭ وَمَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاۗءِ ﴿۳۸﴾ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ
الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ ۭ اِنَّ رَبِّيْ لَسَمِيْعُ الدُّعَاۗءِ ﴿۳۹﴾ رَبِّ
اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ڰ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاۗءِ ﴿۴۰﴾ رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ
وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ﴿۴۱﴾

اور جب ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی کہ میرے پروردگار! اس شہر کو (لوگوں کیلئے) امن کی جگہ بنا دے اور مجھے اور میری اولاد کو اس بات سے کہ بتوں کی پرستش کرنے لگیں بچائے رکھ۔(۳۵) اے اللہ! انہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا ہے سو جس شخص نے میرا کہا مانا وہ میرا ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو تو بخشنے والا مہربان ہے۔(۳۶) اے اللہ! میں نے اپنی اولاد میدانِ (مکہ) میں جہاں کھیتی نہیں تیرے عزت (وادب) والے گھر کے پاس لا بسائی ہے، اے اللہ! تاکہ یہ نماز پڑھیں، تو لوگوں کے دلوں کو ایسا کر دے کہ ان کی طرف جھکے رہیں اور ان کو میووں سے روزی دے تاکہ (تیرا) شکر کریں۔(۳۷) اے اللہ! جو بات ہم چھپاتے اور جو ظاہر کرتے ہیں تو سب جانتا ہے۔ اور اللہ سے کوئی چیز مخفی نہیں (نہ) زمین میں نہ آسمان میں۔(۳۸) اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے بڑی عمر میں اسماعیل اور اسحٰق بخشے بیشک میرا رب دعا سننے والا ہے۔(۳۹) اے اللہ! مجھے (ایسی توفیق عنایت) کر کہ نماز پڑھتا رہوں اور میری اولاد کو بھی (یہ توفیق بخش) اے اللہ! میری دعا قبول فرما۔(۴۰) اے اللہ! حساب (کتاب) کے دن مجھے اور میرے ماں باپ کو اور مومنوں کی مغفرت فرما۔(۴۱)

انبیاء کی دعائیں سبق آموز ہوتی ہیں۔ خوف سے آزادی اور بت پرستی سے نجات، صلاح وفلاح کے یہی دو بنیادی اصول

Scanned by CamScanner

ہیں۔رہنے کی جگہ خوف سے پاک ہوتو زندگی خوشگوار ہوگی۔اور شرک کے علاوہ کوئی گناہ ہو جائے تو اس کا کفارہ ہوسکتا ہے۔

﴿وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ ...الخ﴾ ابراہیم خلیل علیہ السلام کی دعائیں جوانہوں نے اللہ سے کعبہ کے آنگن میں مانگیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ایسی دو دعائیں ہیں جو انسانی زندگی میں دو عظیم امر سے متعلق ہیں۔

(۱)امن اور اطمینان (۲) عقیدہ صحیحہ۔اور دعا میں بلد حرام میں امن کو مقدم رکھا کیونکہ امن کی نعمت تمام نعمتوں میں عظیم ہے۔انسان کو جب امن نصیب ہوتا ہے تو وہ بلا خوف اللہ کی عبادت میں مشغول ہوتا ہے۔امن ہوتو دنیا میں سکون واطمینان ہوتا ہے،شرک نہ ہوتو آخرت میں سکون واطمینان حاصل ہوگا۔

﴿رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ الخ﴾ یہاں صفتِ اضلال (گمراہ کرنا) کو بتوں کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔چونکہ ان کے سبب سے لوگ گمراہ ہوتے ہیں اسی وجہ سے ان کے بارے میں کہا گیا کہ گویا انہوں نے ہی لوگوں کو گمراہ کیا ہے۔یہ جملہ بتوں کی عبادت سے دور کرنے کی دعا کی علت ہے کہ یہ ایسی گمرہی ہے جو لوگوں میں رائج ہوگئی ہے۔ابراہیم علیہ السلام اپنے گاؤں "اُر" سے نکلے اور وہاں انہوں نے بتوں کے پجاریوں کا انکار کیا اس کے بعد جب مصر پہونچے تو وہاں بھی لوگوں کو بتوں کی عبادت کرتے ہوئے دیکھا۔پھر فلسطین میں داخل ہوئے تو وہاں بھی لوگوں کو بت پرستی میں مبتلا دیکھا۔اس کے بعد مکہ آئے اور وہیں اپنی ذرّیت کو آباد کیا کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جس جگہ کو بتوں کی عبادت سے خالی پایا وہیں توحید کا نشان قائم کیا اور انہوں نے اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ مل کر اللہ کا گھر کعبہ بنایا۔﴿فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ﴾ سے یہ بتایا گیا کہ جو بتوں کی عبادت سے بچ گیا وہ مجھ سے ہے ﴿مِنِّيْ﴾ میں لفظ من اتصالیہ ہے،اس کی اصل تبعیض ہے یعنی مجھ سے اس طرح متصل ہے جیسے جز اپنے کل سے متصل ہوتا ہے۔﴿وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ سے یہ معلوم ہوا کہ جو میری نافرمانی کرے اے اللہ میں اس کا معاملہ تیری رحمت اور غفران کے سپرد کرتا ہوں۔اس میں نکتہ یہ ہے کہ اس جملے سے مشرکین مکہ پر تعریض بھی ہے کہ چونکہ وہ مشرک ہیں اس وجہ سے وہ اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کے فرمانبردار بیٹے نہیں ہیں۔شاعر نے صحیح کہا ہے کہ ؎

باپ کا علم نہ بیٹے کو اگر ازبر ہو

پھر پسر قابلِ میراث پدر کیونکر ہو

آگے ﴿ربنا﴾ جمع کے صیغے کے ساتھ لائے کیونکہ دعا کے وقت اسمعیل علیہ السلام وہاں حاضر تھے اور بار بار رب کہہ کر پکارنا زیادتِ تضرّع (انکساری اور عاجزی) کی وجہ سے ہے۔

بواد غیر ذی زرع:

نکتہ: "فِيْ وَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ" کے بجائے ﴿بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ﴾ لایا گیا یعنی "فی" ظرفیہ کے بجائے باءالصاق لایا گیا کیونکہ اس وقت اس جگہ نہ امن تھا نہ وسائل حیات۔یہ وضاحت حرف باء نے کر دی۔اگر فی ظرفیہ لایا جاتا تو تصور

ہوتا کہ وہاں وسائل حیات موجود تھے جب کہ اس وقت وہاں تمکن اور استقرار کے ذرائع نہ تھے۔ محض اس جگہ سے ایک قسم کی ملابست تھی۔ کیونکہ "باء" الصاق کے لیے ہے اور انصاف، شئی کے اجزاء میں سے کسی ایک جز پر دلالت کرنے کے لیے آتا ہے اور فی ظرفیت میں ایک قسم کے احاطہ کا مفہوم پایا جاتا ہے۔

﴿بواد غیر ذی زرع﴾ کے بجائے "بواد لا زرع فیہ یا بواد لا یزرع" وغیرہ تعبیر نہیں اختیار کی گئی بتانا یہ مقصود ہے کہ "بواد لا یصلح للنبت لانہ حجارۃ" (ایسی وادی جس میں اُگانے کی صلاحیت نہیں ہے کیونکہ وہ پتھریلی ہے) کیونکہ کلمہ "ذُوْ" جب مضاف ہوتا ہے تو اپنے موصوف کے کسی چیز پر تمکن اور ثبوت پر دلالت کرتا ہے جیسے کہا جائے "ذو مال" تو اس کا مطلب ہوگا کہ مال، مال والے کے لیے ثابت ہے اور جب اس کی ضد استعمال کی جائے تو "غیر ذی کذا" کہا جائے گا جیسے ﴿قرآنا غیر ذی عوج﴾ "ای لا یعتریہ شی من العوج" (قرآن کجی والا نہیں ہے یعنی اس کو کوئی کجی پیش نہیں آتی) اسی وجہ سے واد لا یزرع یا واد لا زرع فیہ نہیں کہا۔

﴿لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ﴾ کہ یہاں وادی میں ٹھہرانے کا مقصد عبادت کے علاوہ کچھ نہیں اور ﴿تَھْوِیْۤ اِلَیْھِمْ﴾ کا مطلب اوپر سے نیچے گرنا۔ یہ تیز رفتاری کی انتہائی خوبصورت تعبیر ہے ایسی تیزی کہ کوئی چیز اسے روک نہ سکے اس دعا کا مقصد زائرین کے آنے جانے کے لیے اس جگہ سے اُنس پیدا کرنا ہے۔

﴿رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ﴾ صَلٰوۃَ کو صلاۃ اس وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ اللہ سے صلہ یعنی تعلق جوڑ دیتی ہے۔

﴿وَارْزُقْھُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ﴾ کہ جب ہر طرف سے لوگ وہاں آئیں گے تو اپنے ساتھ اپنے اپنے ملکوں اور شہروں کی اچھی چیزیں لائیں گے تو ابراہیم علیہ السلام نے اپنی ذریت کے لیے دین کے ساتھ رزق کی فراوانی کی بھی دعا کی۔ اور یہ نکتہ بھی معلوم ہوا کہ دنیا کے منافع کی تحصیل اداء عبادات پر معاونت کی وجہ سے کرنی چاہئے۔

﴿مَا نُخْفِیْ وَمَا نُعْلِنُ﴾ کوئی بھی چیز ظاہر کئے جانے سے پہلے مخفی ہوتی ہے اسی وجہ سے ﴿نُخْفِیْ﴾ کو ﴿نُعْلِنُ﴾ پر مقدم کیا گیا اور اللہ کا علم دوسری حالت کے مقابلے میں پہلی حالت کے ساتھ تعلق سے مقدم ہے۔ یہاں ارض کو سماء پر مقدم کیا گیا کیونکہ اس وقت گفتگو زمین کی خشکی اور سرسبزی کے بارے میں تھی۔

﴿وَھَبَ لِیْ عَلَی الْکِبَرِ﴾ اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کو بڑھاپے کی حالت میں اسماعیل علیہ السلام اور اسحاق علیہ السلام عطا کئے۔ ان دونوں کی پیدائش کب ہوئی؟ روایات مختلف ہیں۔ بعض لوگوں نے کہا کہ جس وقت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے اس وقت ابراہیم علیہ السالم کی عمر ننانوے (۹۹) سال تھی اور جب اسحاق علیہ السالم پیدا ہوئے تو ان کی عمر ایک سو بارہ (۱۱۲) سال تھی اور ایک قول ہے کہ ایک سو بیس (۱۲۰) برس تھی۔

Scanned by CamScanner

دعائے ابراہیمی کے اہم نکات:

پہلی دعا: امن۔ ہمارے اوپر واجب ہے کہ ہم کسی بھی ایسے رویے کو پسند نہ کریں جو وطن کے امن کو گدلا کرے۔ ''فمن تبعنی فانہ منی'' جو میری اتباع کرے گا وہ مسلم و موحد ہوگا۔ ابراہیم علیہ السلام کے اس قول پر غور کریں کہ انہوں نے اپنے ملت والوں کو اپنے نفس کی طرح قرار دیا جو ان سے انتہائی قربت کو ظاہر کرتا ہے۔ ﴿وَمَنْ عَصَانِيْ﴾ یہاں عصیان سے مراد شرک کے علاوہ گناہ ہیں یعنی شرک کے علاوہ ان سے گناہ ہو جائے تو، تو انہیں معاف کر دینا اور ان پر رحم کرنا۔

دوسری دعا: مجھے اور میری ذریت کو شرک سے محفوظ رکھنا۔

تیسری دعا: میں نے اپنی بعض ذریت یعنی اسماعیل علیہ السلام و ہاجرہ کو تیرے محترم گھر کے پاس بسا دیا۔ بعض ذریت کا پتہ ﴿من ذريتي﴾ سے معلوم ہوا کیونکہ من تبعیضیہ ہے۔

غور فرمائیں جب ابراہیم علیہ السلام نے روزی طلب کی تو جمع کا صیغہ ﴿رَبَّنَا﴾ استعمال کیا کیونکہ اللہ کے مخلص بندے جب طلب کرتے ہیں تو اپنے نام اور اپنی ذریت کے ساتھ خاص نہیں کرتے ہیں بلکہ مومن و کافر سب کے لیے عام رکھتے ہیں۔ ﴿بوادی غیر ذرع﴾ کہا۔ مزروع نہیں کہا۔ یہ مبالغہ ہے کہ وہاں زرع یعنی کھیتی ہی نہیں ہے۔ ﴿بَيْتِكَ﴾ کہہ کر کعبہ کو اللہ کی طرف مضاف کیا اور اس کی صفت ﴿مُحَرَّمْ﴾ محرم لا کر یہ بتایا کہ خانہ کعبہ اتنا محترم ہے کہ جو اس کے جوار میں رہے وہ بھی محترم ہو جائے گا اور مکروہ (ناپسندیدہ چیزوں) سے محفوظ ہو جائے گا۔ ابھی کعبہ بنا نہ تھا مایؤل کے اعتبار سے کہا جو مجاز مرسل کی قبیل سے ہے۔ ﴿مُحَرَّمْ﴾ سے مراد یہ ہے کہ یہاں کسی کا خون نہ بہایا جائے اور نہ کسی کی حرمت سے کھلواڑ کیا جائے اور ابراہیم علیہ السلام نے اپنی ذریت کو وہاں بسانے کی علت بیان کی کہ وہ نماز قائم کریں جس سے اقامت صلوۃ کی اہمیت معلوم ہوئی اور ندا کی تاکید کی یعنی پھر ''ربنا'' کہا یہ اہتمام ہے اس بات کے بیان کا کہ یہاں بسانے کا مقصد صرف عبادت ہے اس کے سوا کچھ نہیں اور تیرا گھر ہمیشہ عبادت کرنے والوں سے معمور رہے گا۔

Scanned by CamScanner

﴿اَفۡئِدَةً مِّنَ النَّاسِ﴾ میں دو اہم نکتے:

(۱) "افئدۃُ الناس" نہیں کہا بلکہ ﴿اَفۡئِدَةً مِّنَ النَّاسِ﴾ کہا اور مِن تبعیضیہ ہے اگر "افئدۃُ الناس" کہا جاتا تو تمام ادیان، ملل اور گروہ کے لوگ خانۂ کعبہ کی زیارت کے لیے امنڈ پڑتے۔

(۲) انتہائی حسین تعبیر: دعا میں ابراہیم علیہ السلام نے یہ نہیں کہا کہ اے ہمارے رب لوگوں کو اس طرح کر دے کہ وہ تیزی سے میری ذریت کی طرف لپکیں بلکہ لفظ ﴿اَفۡئِدَةً﴾ (قلوب، دل) استعمال کیا کہ لوگوں کا چلنا صرف جسم ہی سے نہ ہو بلکہ دل کے شوق و محبت سے ہو، گویا تیزی سے لپکنے والے جسم نہیں بلکہ دل ہیں۔ اور شوق و محبت لیے ہوئے دلوں کی رفتار کیسی ہو اس کے لیے مشی (چلنا) جری (دوڑنا) مسارعۃ (تیز رفتاری) مسابقہ (ریس) کے الفاظ نہیں لائے گئے بلکہ ھوی یھوی ھویا سے تَهۡوِىۡ کا لفظ لایا گیا اور ھوی کا مطلب ہے الھُبوط بسرعۃٍ یعنی کوئی چیز اوپر سے نیچے تیزی سے گرے۔ ظاہر ہے کہ کوئی چیز اعلیٰ سے اسفل کی طرف گرے گی تو اس کی رفتار بے حد تیز ہوگی۔ یہ استعارہ تبعیہ ہے اور اس انوکھی تعبیر میں پھڑ پھڑاہٹ ہے، رقّت ہے گویا دل پرندوں کی طرح ہیں جو اپنے پَروں کے ذریعے بڑی تیزی سے اس بے آب و گیاہ وادی کی طرف گر رہے ہیں۔ یہ ایک شبنمی تعبیر ہے۔ جس شبنم سے بے آب و گیاہ وادی شبنمی ہو جائے۔ آپ عربی میں یوں کہہ سکتے ہیں "انہ تعبیر نذی یندی الجدب برقۃ القلوب" اور اس دعا سے مقصود یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی ذریت کا وہ مقام (بے آب و گیاہ وادی) زائرین کی کثرتِ زیارت سے اُنس والی ہو جائے اور ان کی ذریت کی تمام ضرورتیں پوری ہوتی رہیں۔

﴿وَارۡزُقۡهُمۡ مِّنَ الثَّمَرٰتِ﴾ الثَّمَرٰتِ میں لام استغراق عرفی ہے یعنی وہ تمام غلہ جات اور میوے جو لوگوں میں معروف ہیں وہ سب انہیں عطا کر۔

﴿نُخۡفِىۡ وَمَا نُعۡلِنُ﴾ "ما" عموم کے لیے ہے جو ان تمام چیزوں کو شامل ہے جس کو لوگ چھپاتے اور ظاہر کرتے ہیں یہ اللہ کے کمال علم کی دلیل ہے۔ اور خفا کی تقدیم علانیہ پر اس وجہ سے ہے کہ کوئی چیز علانیہ ہونے سے پہلے پردۂ سِرّ و خفا ہی میں ہوتی ہے۔

﴿مِنۡ شَىۡءٍ﴾ یہ نکرہ تحت النفی ہے جو عموم و استغراق کا فائدہ دیتا ہے یہ بتاتا ہے کہ ہر چیز اللہ کے علم کے دائرے میں ہے خواہ وہ کتنی ہی باریک اور چھوٹی ہی کیوں نہ ہو یا کہیں بھی چھپی ہوئی ہو۔

﴿وَهَبَ لِىۡ عَلَى الۡكِبَرِ﴾ اسماعیل و اسحاق کی پیدائش عادت اور مالوف (مانوس) کے خلاف تھی۔ اس لیے ابراہیم نے اس نعمت کے شکریے میں جلدی کی۔ ﴿اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ﴾ لاکر یہ بتایا گیا کہ اللہ اپنی ذات اور صفات اور افعال کے اعتبار سے مستحق حمد ہے۔

﴿وَهَبَ﴾ لفظ ھبۃ سے ہے یہ اشارہ ہے کہ بڑھاپے میں ابراہیم کو نعمت اولاد عطا کرنا محض اللہ کا احسان اور خالص

Scanned by CamScanner

عطاء الٰہی ہے اور ھبہ کی تعریف ہے۔ "التملیک بغیر عقد" بغیر عقد کے کسی چیز کا مالک بنا دینا۔

﴿عَلَى الْكِبَرِ﴾ ﴿الْكِبَرِ﴾ پر مع داخل نہ کر کے ﴿علی﴾ داخل کیا جو استعلاء پر دلالت کرتا ہے یہ بتاتا ہے کہ اللہ تمام اسباب عادیہ پر قادر ہے اور مایوسی کے حال میں اولاد عطا کرنا یہ بہت بڑا احسان ہے۔

﴿مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ﴾ مُقِيْمَ اسم فاعل ہے جو دوام و استمرار پر دلالت کرتا ہے کہ وہ نماز کے حق سے پابند رہیں۔ ﴿مِنْ ذُرِّيَّتِيْ﴾ میں "من" تبعیضیہ ہے اس لیے کہ بطریق وحی ابراہیم علیہ السلام کو بتادیا گیا تھا کہ ان کی ذریت میں کافر بھی رہیں گے۔

﴿وَاجْعَلْنِيْ﴾ پہلے ضمیر واحد لائے پھر "ربنا" میں ضمیر جمع لائے یہ اشارہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام یہ کہہ رہے ہے کہ اب اللہ میری یہ دعا میری طرف سے اور میری صالح ذریت کی طرف سے قبول فرما۔

اور ان مبارک دعاؤں کا اختتام ﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ﴾(۴۱) پر ہوا۔ اس میں ابراہیم علیہ السلام نے پہلے اپنے لیے پھر اپنے والدین کے لیے دعا مانگی۔ کیونکہ ماں باپ لوگوں میں سب سے قریب ہوتے ہیں اور وہ شکریے کے زیادہ حقدار ہوتے ہیں، پھر ان لوگوں کے لیے دعا کی جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں خواہ وہ ان کی ذریت سے ہوں یا کسی اور کے، یہ دعا عام مومنین کے لیے ہے۔

یہ دعا ابراہیم علیہ السلام کے رحم وحلم وشفقت کی دلیل ہے، اس اجتماعی دعا میں اخوت انسانیہ کی روح جھلکتی ہے۔ حرف جر کی تکرار ان سب کے لیے دعاء مغفرت کی اصالت پر دلیل ہے۔

سوال: مغفرت کی دعا اس وقت کی جاتی ہے جب انسان گناہ کا ارتکاب کر بیٹھے تو کیا ابراہیم علیہ السلام سے گناہ سرزد ہوتے تھے؟

جواب: اس میں سبق ہے ہر مسلمان کے لیے کہ اس پر واجب ہے کہ اپنے اچھے عملوں پر مغرور نہ ہو بلکہ یہ عقیدہ رکھے کہ وہ جنت میں محض اللہ کے فضل وکرم اور اس کی رحمت سے جائے گا۔

﴿يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ﴾ لوگوں کے حساب کی گھڑی کو ہولناک بنانے کے لیے یہ عجیب تعبیر لائی گئی کہ وہاں حساب خود کھڑا ہوگا۔

غور کریں کہ ابراہیم علیہ السلام کی دعا میں اللہ کی صفتِ ربوبیت ہی کا حوالہ ہے، صفتِ الوہیت کا انہوں نے حوالہ نہیں دیا، کیونکہ مشرکین عرب کے نزدیک اللہ کی صفتِ ربوبیت محل نزاع وجدال نہیں تھی بلکہ اللہ کی الوہیت ان کے لیے موضعِ انکار تھی، یہی وہ دوراہا ہے جہاں سے اسلام اور جاہلیت، توحید اور شرک کے راستے الگ الگ ہو جاتے ہیں۔

اسرار دعا:

اعتراض اول: کیا اللہ کو ہماری حالت کا علم نہیں ہوتا کہ ہمیں دعا کے ذریعے اسے اپنی حالت پر مطلع کرنا پڑے؟

جواب: پیاس کے بغیر پانی اور طلب کے بغیر حصول میں کوئی لذت نہیں ہوتی۔ دعا سے طلب میں قوت پیدا ہوتی ہے اور مطلوب کی قدر کی جاتی ہے اور بندہ شکر گذاری کی تعلیم پاتا ہے جو خود ایک نعمت ہے۔ اس طرح وہ شئی مطلوب کا صحیح استعمال

کرتا ہے اور اس میں افزائش پاتا ہے۔ ﴿لَئِنۡ شَكَرۡتُمۡ لَاَزِيۡدَنَّكُمۡ...الخ﴾ نیز تو جس کو اپنا حال سنا رہا ہے یہ حال سنانے کی توفیق تجھے اسی نے بخشی ہے۔

اعتراض دوم: اللہ ہماری کسی ضرورت کو پورا کرنے کا ارادہ کرے تو اسے کوئی روک نہیں سکتا اور اگر ارادہ نہ ہو تو ہماری دعا اس میں کوئی تبدیلی نہیں پیدا کر سکتی؟

جواب: معترض کا بیٹا بیمار ہے تو کیا معترض یہ کہہ سکتا ہے کہ اللہ کو شفا منظور ہے تو ہو کر رہے گی لہٰذا دوا اور علاج کی ضرورت نہیں۔ کیا کسی کسان کو یہ مشورہ دیا جا سکتا ہے کہ اگر اللہ غلہ پیدا کرنا چاہے گا تو ضرور پیدا ہوگا نہ چاہے گا تو ہرگز پیدا نہ ہوگا لہٰذا تخم ریزی اور آب پاشی، حفاظت ومحنت سب لا حاصل ہے۔

دعا اور مزدوری میں فرق ہے، مزدوری، مزدور کا حق ہے جو اسے ضرور ملنا چاہیے۔ نہ دینے والا ظالم سمجھا جائے گا۔ لیکن دعا کرنے والا فقیر ہے دینے والا دے نہ دے، سوال سے کم دے یا دوسرے وقت پر چھوڑ دے، اللہ اپنے فقیروں کو ضرور دیتا ہے، طلب سے زیادہ دیتا ہے، مناسب حالات میں بے طلب بھی مرحمت فرماتا ہے۔

تیسرا اعتراض: علاج علت ہے شفا کی اور تخم ریزی علت ہے غلہ پیدا ہونے کی، ان دونوں مثالوں میں علت ومعلول کا رشتہ صاف نظر آ رہا ہے لیکن دعا مطلوب کے لیے علت نہیں لہٰذا مجیب کا استدلال صحیح نہیں۔

جواب: دوا سے شفا کا حصول یقینی نہیں اسی طرح دعا سے حصولِ مدعا یقینی نہیں، کسان کی ساری محنت کے باوجود اناج کا اس کے گھر پہنچ جانا یقینی نہیں۔ بونے سے نوالہ بن کر حلق تک پہونچنے میں بے شمار ارضی وسماوی معلوم اور غیر معلوم آفتیں اور رکاوٹیں ہیں جن پر قابو پانا غریب کسان تو کیا بڑے سے بڑے سلطان اور سائنسداں کے بھی بس میں نہیں۔ یہ ہے معترض کے علت ومعلول کا حال۔

تاہم معترض کے قول کو ہم دلیل مان لیتے ہیں، مزدور کی محنت بلاشبہ روپیہ پیسہ حاصل کرنے کی علت ہے اور فقیر کا سوال کرنا یقیناً اس قسم کی علت نہیں لیکن فقیر کو بھی روپیہ پیسہ مل ہی جاتا ہے، فقیر کا سوال اور دعا کرنے والے کی دعا یکساں ہیں اللہ جس کے لیے چاہتا ہے اسباب مہیا کر دیتا ہے۔ کائنات کی ہر شئی اس کے منشاء کے مطابق سرگرم ہو جاتی ہے۔

چوتھا اعتراض: دو بادشاہ میدان جنگ میں برسرِ پیکار ہوتے ہیں، ہر ایک اپنی فتح کی اور دوسرے کی شکست کی دعا سچے دل سے مانگ رہا ہے اب اللہ کس کی دعا قبول فرمائے گا اور کس کی دعا رد کرے گا؟

جواب: درخواستوں میں تضاد ہو سکتا ہے، بادشاہوں کی خواہش ایک دوسرے کے خلاف ہو سکتی ہیں مگر احکم الحاکمین کے فیصلے میں اختلاف ناممکن ہے، دعا کا مقصود اصلی، حقیقی فائدہ ہوتا ہے، یہ ضروری نہیں کہ سائل نے جو مانگا ہے وہی اس کو دے دیا جائے اللہ اگر ایک فائدہ کسی سے روک لیتا ہے تو اس سے بڑھ کر دوسرا فائدہ دے سکتا ہے، یوسف علیہ السلام کو بھائیوں کے ظلم سے، غلامی کی طویل مدت سے اور قید خانے کی اذیت سے بچنے کا فائدہ نہیں دیا یہ تینوں سانحے انہیں برداشت کرنے ہی پڑے لیکن ان کے عوض انہیں کتنا عظیم فائدہ دیا اور یہ عظیم فائدہ انہیں ان مصائب سے گذر کر ہی حاصل ہوا۔ اسی طرح اللہ

Scanned by CamScanner

دونوں بادشاہوں میں صلح بھی کرا سکتا ہے اور انہیں ایک دوسرے کا خیر خواہ بنا سکتا ہے، کل کے دشمن آج کے دوست بن سکتے ہیں، خلاصہ یہ کہ دونوں فریق اگر مجبور ہوں تو اللہ ان کو مختلف صورتوں میں فائدہ پہنچا سکتا ہے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۬ؕ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ ۙ﴿۴۲﴾

اور (مومنو) مت خیال کرنا کہ یہ ظالم جو عمل کر رہے ہیں اللہ اُن سے بے خبر ہے۔ وہ اُن کو اُس دن تک مہلت دے رہا ہے جب کہ (دہشت کے سبب) آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی۔ (۴۲)

(۱) عمد

(۲) نسیان

(۳) غفلت۔

عمداً: ہونے والے کام میں آدمی کے ارادے اور اختیار کا مکمل دخل ہوتا ہے۔

نسیان: بھول سے سرزد ہونے والے عمل میں آدمی کے ارادے اور اختیار کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔

غفلت: اس میں انسان کی توجہ، فکر، حس اور شعور غیر ارادی طور پر اس چیز سے ہٹ جاتا ہے اور ایسا وقتی طور پر ہوتا ہے۔ یا یوں کہہ سکتے ہیں کہ "غفلۃ" ایسا سھو ہے جو قلت تیقظ (توجہ کی کمی) اور قلت تحفظ کی وجہ سے انسان کو پیش آئے۔

"الحسبان" ظن کو کہتے ہیں یا اس علم کو کہتے ہیں جو گمان پر مبنی ہو، ظالم کی فوراً پکڑ نہیں ہوتی تو وہ یہ نہ سمجھے کہ کوئی اسے دیکھ نہیں رہا ہے، اسے ڈھیل دی جا رہی ہے جسے ﴿اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ﴾ سے واضح کیا گیا ہے۔ ﴿مُهْطِعِيْنَ﴾ لا کر یہ بتایا جا رہا ہے کہ ظالمین زمین میں اترا کر اور اکڑ کر چلتے تھے قیامت کے دن وہ ذلیل اور انتہائی ڈرے ہوئے ہوں گے اور وہ داعی کی پکار پر بلا تردد بھاگ پڑیں گے، اس لیے کہ ان کے پاس پکار کا جواب دینے کے سوا کوئی چارہ ہی نہ ہوگا، یہ ظالموں کی دوسری حالت ہوگی، پہلی حالت ظالموں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی، تیسری حالت ﴿مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ﴾ سر اٹھائے ذلت اور خوف سے دیکھ رہے ہوں گے، چوتھی حالت ﴿لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ﴾ ان کی آنکھیں ہمیشہ کھلی ہوں گی اور ڈر کے مارے وہ اپنی پلکیں نہیں جھپکا رہے ہوں گے۔

﴿تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ﴾ جس دن آنکھیں پھٹی رہ جائیں گی۔

مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَاَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ ﴿۴۳﴾

(اور لوگ) سر اٹھائے ہوئے (میدانِ قیامت کی طرف) دوڑ رہے ہوں گے۔ اُن کی نگاہیں اُن کی طرف لوٹ نہ سکیں گی اور اُن کے دل (مارے خوف کے) ہوا ہو رہے ہوں گے۔ (۴۳)

Scanned by CamScanner

﴿مُهْطِعِيْنَ﴾ دوڑیں گے اور ﴿مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ﴾ حیرت وخوف کے سبب سر اٹھائے ہوں گے۔
﴿وَاَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ﴾ اوران کے دل بدحواس ہوں گے۔

ظالموں کی چار حالتیں:

(۱)''اھطاع'' خوف، بے چارگی، عاجزی اور انکساری سے دیکھتے ہوئے آگے کی طرف دوڑنا۔
(۲)''اقناع'' عاجزی اور انکساری کے انداز میں کسی چیز کی طرف سر اور گردن اٹھا کر دیکھنا۔
(۳)﴿لَا یَرْتَدُّ اِلَیْهِمْ طَرْفُهُمْ﴾ ان کی پلکیں نہیں جھپکیں گی۔
(۴)﴿وَاَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ﴾ ان کے دل ہوا ہوں گے یعنی ان کے دل خوف ودہشت سے کچھ سوچنے سمجھنے سے خالی ہوں گے۔

پہلی حالت کا تعلق بدن سے ہے ٹ دوسری حالت کا تعلق سر سے ہے، تیسری حالت کا تعلق آنکھ سے ہے، چوتھی حالت کا تعلق دل سے ہے، یعنی دنیا جن بدنوں پر لباس فاخرہ ہوا کرتے تھے اور جن سروں پر تاج ہوا کرتے تھے اور جن آنکھوں میں غرور وتکبر کے نشے کے ڈورے تیرتے رہتے تھے اور جن دلوں میں تعیش کی ساری خواہشیں کروٹ لیتی تھیں اور جن میں دنیا کی ہر شئی کے حصول کی تمنائیں انگڑائیاں لیتی رہتی تھیں۔

ایک عجیب بات اور بھی ہے کہ ظالموں کی یہ حالتیں جن کلمات کے ذریعے بیان کی گئی ہیں ان میں اکثر حروف کھڑے نہیں بلکہ سطر پر پڑے ہوئے ہیں یا اس کے نیچے پڑے ہوئے ہیں، جو ظالموں کی ذلت اور انکسار کی لاجواب تصویر کشی کر رہے ہیں۔

وَاَنْذِرِ النَّاسَ یَوْمَ یَاْتِیْهِمُ الْعَذَابُ فَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِیْبٍۙ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَؕ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْۤا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍۙ﴿۴۴﴾

اورلوگوں کو اس دن سے آگاہ کر دو جب اُن پر عذاب آ جائے گا تب ظالم لوگ کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ہمیں تھوڑی سی مہلت عطا کر تا کہ ہم تیری دعوتِ (توحید) قبول کریں اور (تیرے) پیغمبروں کے پیچھے چلیں (تو جواب ملے گا کہ) کیا تم پہلے قسمیں نہیں کھایا کرتے تھے کہ تم کو (اس حال سے جس میں تم ہو) زوال (اور قیامت کو حسابِ اعمال) نہیں ہوگا۔(۴۴)

﴿وَاَنْذِرِ النَّاسَ﴾ یہ وہ انداز ہے کہ لوگ جان لیں کہ اللہ ہی عبادت کے لائق ہے، اس عقیدہ کا مجرد علم کافی نہیں بلکہ پوری زندگی کو اسی علم کی بنیاد پر قائم رکھنا ہے۔

ایک نکتہ: ﴿الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ﴾ میں جمع کثرت ''نفوس'' نہ لا کر جمع قلت ''انفس'' لایا گیا ہے۔ یہ دلالت کرتا ہے کہ ظالموں کے نفوس بڑے حقیر، انتہائی بے قیمت اور بے وزن ہوں گے۔

Scanned by CamScanner

وَسَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ﴿۴۵﴾

جولوگ اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے تم اُن کے مکانوں میں رہتے تھے اور تم پر ظاہر ہو چکا تھا کہ ہم نے ان لوگوں کیساتھ کس طرح (کا معاملہ) کیا تھا اور تمہارے (سمجھانے) کیلئے مثالیں بھی بیان کر دی تھیں۔(۴۵)

﴿ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ ﴾ یہ ہلاک ہونے والے ظالموں کی تاریخ کی طرف اشارہ ہے کہ کس طرح انہیں ہلاک و برباد کر کے آنے والی نسلوں کے لیے عبرت بنا دیا گیا۔

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴿۴۸﴾

جس دن یہ زمین دوسری زمین سے بدل دی جائے گی اور آسمان بھی (بدل دیئے جائیں گے) اور سب لوگ اللہ یگانہ وزبردست کے سامنے نکل کھڑے ہوں گے۔(۴۸)

عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا، قَالَتْ: سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ قَوْلِهِ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمَاوَاتُ﴾ فَأَيْنَ يَكُونُ النَّاسُ يَوْمَئِذٍ؟ يَا رَسُولَ اللهِ فَقَالَ: عَلَى الصِّرَاطِ (مسلم، کتاب صفة القیامة والجنة والنار: ۲۷۹۱)

ایک یہودی کے استفسار پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب آسمان وزمین بدلے جائیں گے تو لوگ اس وقت پل صراط کے پاس اندھیرے میں ہوں گے۔

﴿يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ کہیں گہرائی اور کہیں اونچائی نہیں رہے گی پوری سطح مستوی ہو جائے گی۔

﴿وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ وہ ظاہر ہوں گے یعنی جان لیں گے کہ اب اللہ سے ملاقات ہونے والی ہے جس کا وہ انکار کیا کرتے تھے، یہاں اللہ کے لیے "الْوَاحِدِ" کی صفت لائی گئی کہ اس دن انہیں معلوم ہوگا کہ اللہ ایک ہی ہے جس کے ساتھ وہ شرک کر رہے تھے اور ﴿ الْقَهَّارِ ﴾ مجرمین کو ہول دلانے کے لیے ہے کہ وہ آج انتقام سے بچنے والے نہیں۔

وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِيْنَ

زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔(۴۹)

﴿وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ﴾ ہر جرم کے مجرم کو الگ الگ جمع کر کے باندھ دیا جائے گا۔

سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ﴿۵۰﴾

Scanned by CamScanner

اُن کے کرتے گندھک کے ہوں گے اور اُن کے مونہوں کو آگ لپٹ رہی ہو گی۔(۵۰)

﴿سَرَابِيلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ﴾ ان کے کرتے قطران کے ہوں گے۔

﴿سَرَابِيلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ﴾ قطران تارکول کو کہتے ہیں جو ایک آتش گیر مادہ ہے جو آگ کو فوراً پکڑ لیتا ہے۔

ظالموں کے تین احوال بیان کیے:

(۱) بیڑیوں میں جکڑے ہوئے۔

(۲) ان کے سربال (قمیص) قطران کے ہوں گے۔

(۳) آگ ان کے چہرے کو ڈھانک رہی ہو گی۔ان مجرمین کو لایا جائے گا اور لوگ انہیں دیکھیں گے۔

﴿سَرَابِيلُهُمْ﴾ (ان کے سرابیل) سرابیل، سربال کی جمع ہے جس کا مطلب قمیص ہے۔﴿قَطِرَانٍ﴾ ایک مادہ ہے جو شجر ابھل سے دُوہا جاتا ہے اور پکایا جاتا ہے۔جس سے خارش زدہ اونٹ کا علاج ہوتا ہے یہ کھجلی کو اپنی حدت سے جلا دیتا ہے یہ کالے رنگ کا ہوتا ہے اور انتہائی بدبودار ہوتا ہے۔یہ جہنمیوں کے بدن پر بطور قمیص مل دیا جائے گا۔اسے آگ بڑی تیزی سے پکڑ لیتی ہے اس کا کالا رنگ بھی وحشت ناک ہے۔

هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۵۲﴾

یہ (قرآن) لوگوں کے نام (اللہ کا پیغام) ہے تا کہ ان کو اُس سے ڈرایا جائے اور تا کہ وہ جان لیں کہ وہی اکیلا معبود ہے اور تا کہ اہلِ عقل نصیحت پکڑیں۔(۵۲)

﴿هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ﴾ قرآن ایسی چیز نہیں جسے طاقوں میں سجا کر رکھا جائے اور تبرّک کے لیے تعویذ بنایا جائے بلکہ وہ ایک پیغام ہے، ایک [illegible] ہے، جسے رب نے بندوں کی طرف بھیجا ہے تا کہ وہ اس کو پڑھ کر ڈریں۔

❀❀❀

سورۃ الحجر (مکیہ)

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱﴾

الٓرٰ۔ یہ (اللہ کی) کتاب اور روشن قرآن کی آیتیں ہیں۔(۱)

﴿قُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ﴾ قرآن کی کوئی آیت خلاف عقل سلیم نہیں، پھر اس کے ماننے میں کیا تردد ہے؟

سورۃ الحجر (مکیہ)

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ①

الٓرٰ۔ یہ (اللہ کی) کتاب اور روشن قرآن کی آیتیں ہیں۔ (۱)

﴿قُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ﴾ قرآن کی کوئی آیت خلاف عقل سلیم نہیں، پھر اس کے ماننے میں کیا تردد ہے؟

پارہ نمبر

۱۴

سورۃ الحجر
(آیت:۲)

تا

سورۃ النحل
(آیت:۱۲۸)

مُجمّع بلقیس للبحوث الإسلامیة
حیدر آباد، الهند

Scanned by CamScanner

چودھواں پارہ

رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ۝۲

کسی وقت کافر لوگ آرزو کریں گے کہ اے کاش وہ مسلمان ہوتے ۔(۲)

یہاں اسلام کو کفر کے مقابل ذکر کیا گیا ہے یعنی جو کفر ہے وہ اسلام نہیں جو اسلام ہے وہ کفر نہیں، کفر اور اسلام ندی کے دو پاٹ ہیں جو آپس میں کبھی نہیں مل سکتے ۔''رُبَّ'' کے معنی بہت کے ہیں یعنی بہت حسرت کریں گے، جب کافر مسلمانوں کو جنت میں جاتے ہوئے دیکھیں گے تو آرزو کریں گے کاش وہ مسلمان ہوتے ۔

ذَرْهُمْ يَأْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝۳

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم !) ان کو ان کے حال پر رہنے دو کہ کھالیں اور فائدے اٹھالیں اور (طویل) آرزو ان کو (دنیا میں) مشغول کیے رہے، عنقریب ان کو (اس کا انجام) معلوم ہو جائے گا ۔(۳)

یہ آپ کی دعوت کو خاطر میں نہیں لا رہے ہیں تو ان کو چھوڑ دیجئے کہ کھائیں، پئیں اور مزے کریں، اور جھوٹی امیدیں انہیں غفلت میں ڈالے رکھیں، عنقریب یہ اپنی سرمستی کا انجام دیکھ لیں گے، معلوم ہوا کہ کھانے پینے اور عیش اڑانے کو حیات کا اصل مشغلہ بنالینا اور موت سے بےفکر ہو کر طویل منصوبوں میں لگے رہنا بدبختی ہے ۔

چار چیزیں بدبختی کی علامت:

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عنهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَرْبَعَةٌ مِنَ الشَّقَاءِ: "جُمُودُ الْعَيْنِ وَقَسَاءُ الْقَلْبِ وَطُولُ الأَمَلِ وَالْحِرْصُ عَلَى الدنيا" (سلسلہ ضعیفہ للالبانی: ۱۵۲۲، ضعیف)

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چار چیزیں بدبختی کی علامت ہیں:

(۱) آنکھوں سے آنسو جاری نہ ہونا (یعنی گناہوں اور غفلتوں پر نادم نہ ہونا) (۲) سخت دلی (۳) آخرت سے غافل ہو کر

لمبے لمبے منصوبے بنانا (۴) دنیا کی حرص، یعنی مومن کھاتا ہے، پیتا ہے اور آئندہ کاروبار کے منصوبے بھی بناتا ہے مگر موت اور فکر آخرت سے غافل ہو کر نہیں کرتا۔

حفاظت قرآن: قرآن کی صداقت کا واضح ثبوت مصحف عثمانی سمرقند میں ہے۔

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَٰفِظُونَ ۝٩

بیشک یہ "ذِکر" ہم نے ہی اتارا ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔ (۹)

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ﴾ حفاظت قرآن کا بندوبست کن کن طریقوں سے کیا گیا ہے ہم اس کا احاطہ نہیں کر سکتے۔

اہم نکات درج ذیل ہیں:

(۱) قرآن کے نازل ہوتے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حفظ ہو جانا۔

(۲) جبرئیل علیہ السلام سے مسلسل دَور کرنا۔

(۳) قرآن کے نازل ہونے کے بعد زید بن ثابت رضی اللہ عنہ وغیرہ سے لکھوالینا۔ آج مسلمانوں کی کسی بھی بستی میں دس دس سال کے بچے حافظ مل جائیں گے۔ قرطبی (جزء ۱۰، صفحہ ۶) نے سندِ متصل سے ایک واقعہ مامون رشید کے دربار کا نقل کیا ہے کہ اکثر اس کے دربار میں علمی مذاکرے ہوا کرتے تھے، ایسے ہی ایک مذاکرہ میں ایک یہودی آیا جو بڑا ذی علم اور فصیح و بلیغ تھا، مامون نے اس سے کہا اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو ہم تمہارے ساتھ اچھا سلوک کریں گے، اس نے کہا میں اپنے آباء کے دین کو نہیں چھوڑ سکتا اور چلا گیا، ایک سال بعد وہ یہودی مسلمان ہو کر آیا تو مامون نے اس سے پوچھا کہ تیرے اسلام لانے کا سبب کیا ہے؟

اس نے کہا کہ جب میں یہاں سے لوٹا تو مذاہب کی تحقیق کا ارادہ کیا، میں ایک خطاط ہوں کتابیں لکھ کر فروخت کرتا ہوں، میں نے امتحان کرنے کے لیے تورات کے تین نسخے کتابت کئے جن میں کئی جگہ اپنی طرف سے کمی و بیشی کر دی، یہ نسخے لے کر یہودیوں کے ایک معبد (عبادت گاہ) میں پہنچا، یہودیوں نے بڑی رغبت سے خرید لیا، اسی طرح انجیل کے تین نسخے لکھ کر نصاریٰ کے معبد میں گیا انہوں نے بھی خرید لیا، پھر یہی کام میں نے قرآن کے ساتھ کیا، ان کو لے کر جب میں فروخت کے لیے نکلا تو کچھ مسلمانوں نے اسے دیکھ کر بتا دیا کہ کہاں کہاں مجھ سے لکھنے میں غلطی ہوئی ہے، میں نے اس واقعہ سے سبق لیا کہ یہ کتاب محفوظ ہے اور میں مسلمان ہو گیا۔

مطلقاً احادیث رسول کو غیر محفوظ کہنے والا قرآن کو غیر محفوظ کہتا ہے کیونکہ احادیثِ رسول درحقیقت معانی قرآن ہیں پھر ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ الفاظ محفوظ رہ جائیں اور معانی (احادیثِ رسول) ضائع ہو جائیں۔ حقیقت میں قرآن معجزوں کا معجزہ (Miracle of the Miracales) ہے۔ عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا مصحف عثمانی آج بھی اپنی اصل شکل میں سمرقند میں موجود ہے۔

Scanned by CamScanner

﴿نَزَّلْنَا الذِّكْرَ﴾ ذکر غافل کے لیے ہوتا ہے، معلوم ہوا کہ قرآن انسان کو اس کا بھولا ہوا سبق یاد دلانے کے لیے آیا ہے۔

شیعہ کے دو اعتراض:

(۱) قرآن لوح محفوظ میں محفوظ ہے۔

(۲) سامرا (سُرَّ مَنْ رَأٰى) کے غار میں امام مہدی کے پاس ہے۔

جواب:

(۱) وعدۂ حفاظت، قرآنِ مُنزَّل کے تعلق سے ہے۔

(۲) شیعہ، امام مہدی کے بارے میں بتائیں کہ اس کا راوی اور عینی شاہد کون ہے؟ جو شہادت دے کہ میرے سامنے غار میں جا کر چھپ گئے ہیں اور قرآن تو لوگوں کی ہدایت کے لیے اتارا گیا ہے نہ کہ اخفاء (چھپانا) کے لیے، اگر چھپالیا جائے تو لوگ ہدایت کیسے حاصل کریں گے۔

دیگر کتابیں محفوظ کیوں نہیں؟

جواب: ان کی حفاظت کی ذمہ داری ان کے علماء کو دی گئی تھی، (سورہ مائدۃ: ۴۴) میں فرمایا: ﴿بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ﴾ (کیونکہ انہیں (علماء کو) اللہ کی اس کتاب کی حفاظت کا حکم دیا گیا تھا) انہوں نے یہ ذمہ داری پوری نہیں کی۔

﴿وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ﴾ (سورۂ النحل: ۴۹) منکرین حدیث کا رد: قرآن "مُبَیَّنْ" ہے اور حدیث اس کی "مُبَیِّنْ" ہے۔ کتنی عجیب بات ہے کہ "مُبَیَّنْ" کو مانا جائے مگر "مُبَیِّنْ" کو نہ مانا جائے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ شِيَعِ الْاَوَّلِيْنَ ⑩

اور ہم نے تم سے پہلے لوگوں میں بھی پیغمبر بھیجے تھے۔ (۱۰)

﴿شِيَعِ﴾ شیعۃ کی جمع ہے، شیعہ وہ جماعت ہے جو کسی بات پر متحد اور متفق الرائے ہو۔ نیز چھوٹی لکڑیاں جن کو آگ لگا کر بڑی لکڑیوں کو ان کے ذریعے جلایا جاتا ہے ان کو "شیاع" کہا جاتا ہے۔

وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ⑪

اور اُن کے پاس کوئی پیغمبر نہیں آتا تھا مگر وہ اُس کیساتھ مذاق کرتے تھے۔ (۱۱)

کفار جو انبیاء کا مذاق اڑاتے تھے اس کے چند اسباب تھے:

(۱) نیک روی کی تاکید جوان پر شاق گذرتی تھی۔

(۲) آباء واجداد کی اندھی تقلید میں شرک کرنا جو پشتہا پشت سے ان میں مروج تھا۔

(۳) انبیاء اکثر فقراء ہوتے تھے۔

Scanned by CamScanner

وَلَوۡ فَتَحۡنَا عَلَيۡهِمۡ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوۡا فِيۡهِ يَعۡرُجُوۡنَ ﴿۱۴﴾

اور اگر ہم آسمان کا کوئی دروازہ اُن پر کھول دیں اور وہ اس میں چڑھنے بھی لگیں۔(۱۴)

ان کا عناد اتنا بڑھا ہوا ہے کہ فرشتوں کا نزول تو ایک طرف اگر ہم ان کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیں اور وہ آ ئیں جائیں تو بھی رسول کی تصدیق نہیں کریں گے، کہیں گے یہ جادو ہے۔

لَقَالُوۡۤا اِنَّمَا سُكِّرَتۡ اَبۡصَارُنَا بَلۡ نَحۡنُ قَوۡمٌ مَّسۡحُوۡرُوۡنَ ﴿۱۵﴾

تو بھی یہی کہیں کہ ہماری آنکھیں مخمور ہو گئی ہیں بلکہ ہم پر جادو کر دیا گیا ہے۔(۱۵)

﴿سُكِّرَتۡ اَبۡصَارُنَا﴾ "سُکِّرت، سکر" سے ماخوذ ہے اور سکر کا معنی ہے نہر کو بند کر دینا اور روک دینا، یعنی ہماری آنکھیں دیکھنے سے روک دی گئی ہیں۔

وَلَقَدۡ جَعَلۡنَا فِى السَّمَآءِ بُرُوۡجًا وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيۡنَ ﴿۱۶﴾

اور ہم نے ہی آسمان میں بُرج بنائے اور دیکھنے والوں کیلئے اس کو سجا دیا۔(۱۶)

بروج، برج کی جمع ہے اور برج کا مطلب ہوتا ہے بڑا ستارہ۔ یہ "تبرّجت المرأة" (عورت نمودار ہو گئی) سے ماخوذ ہے، ستارے آسمان کی زینت اور اللہ کی قدرت کا بیان ہیں، واقعات وحوادث پر ان کا کوئی اثر نہیں ہوتا، جو کچھ ہوتا ہے مشیت الٰہی سے ہوتا ہے، جاہلوں میں چرچا ہے کہ ان کے ذریعے قسمتیں معلوم کی جاتی ہیں، نیز ٹوٹتے تارے کو دیکھ کر جو مانگا جائے مل جاتا ہے۔

وَحَفِظۡنٰهَا مِنۡ كُلِّ شَيۡطٰنٍ رَّجِيۡمٍ ﴿۱۷﴾

اور ہر شیطان راندۂ درگاہ سے اُسے محفوظ کر دیا۔(۱۷)

محفوظ خطے:

(Fortified Spheres) یہ سرحدیں فضائے بسیط میں غیر مرئی طور پر کھینچی ہوئی ہیں ان خطوں سے پار ہو کر جانا مشکل ہے۔

اِلَّا مَنِ اسۡتَرَقَ السَّمۡعَ فَاَتۡبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيۡنٌ ﴿۱۸﴾

ہاں اگر کوئی چوری سے سننا چاہے تو چمکتا ہوا انگارا اُس کے پیچھے لپکتا ہے۔(۱۸)

اللہ کوئی فیصلہ کرتا ہے تو فرشتے اسے سن کر مسکنت (عاجزی) سے پر پھڑ پھڑاتے ہیں جیسے کسی چٹان پر زنجیر پڑنے پر

Scanned by CamScanner

آواز آئے، جب گھبراہٹ دور ہوتی ہے تو وہ مقرب فرشتوں سے پوچھتے ہیں کہ رب نے کیا کہا وہ کہتے ہیں جو کہا حق کہا پھر وہ فیصلہ اوپر سے نیچے تک یکے بعد دیگرے سنایا جاتا ہے۔ جسے شیطان تھوڑا بہت سن لیتے ہیں۔

"شہاب ثاقب" جب گرتا ہے تو کوئی مر جاتا ہے، کوئی پاگل ہو جاتا ہے جو کوئی بچ جاتا ہے وہ نجومیوں کو پہونچا دیتا ہے۔

"شہاب مبین" کا مطلب ٹوٹتا تارا (Cosmci Rays) ہے۔ جسے کبھی کبھی ہماری آنکھیں زمین کی طرف گرتی دیکھتی ہیں۔

وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ ﴿۱۹﴾

اور زمین کو بھی ہم ہی نے پھیلایا اور اُس پر پہاڑ (بنا کر) رکھ دیئے اور اُس میں ہر ایک سنجیدہ چیز اُگائی۔(۱۹)

﴿وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ﴾ پہاڑوں کا فائدہ اگر پہاڑ نہ ہوتے تو زمین ہلتی رہتی اور اس پر سکونت ناممکن ہوتی۔

اتفاق کارد: کائنات میں ایک قانون جاری ہے جسے ہم قانون اعتدال یا حد بندی کا قانون کہہ سکتے ہیں، کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی پتنگا بڑھ کر ہاتھی نہیں ہو جاتا، ہوا ایک حد کے اندر چلتی ہے، سورج ایک خاص فاصلے پر ہے، کشش زمین خاص مقدار میں ہے، یہ اعتدال اتفاقی نہیں ہو سکتا، کوئی کنٹرولر ضرور ہے۔

وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ ۚ وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۱﴾

اور ہمارے ہاں ہر چیز کے خزانے ہیں اور ہم ان کو بمقدار مناسب اتارتے رہتے ہیں۔(۲۱)

﴿قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ﴾ قانون اعتدال۔(Law of moderation)

ایک ملحد کا واقعہ: وہ تربوز کی ایک بیل کے پاس پہونچا تو کہا کہ کائنات بیکار ہے۔ بیل اتنی کمزور اور پھل اتنا بڑا، آگے بڑھا تو ایک آم کا درخت نظر آیا، جیسے ہی اس کے نیچے کھڑا ہوا ایک آم اس کے سر پر گرا فوراً بول پڑا، کائنات بیکار نہیں ہے۔

﴿وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ﴾

وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ ۚ وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ ﴿۲۲﴾

اور ہم ہی ہوائیں چلاتے ہیں (جو بادلوں کے پانی سے) بھری ہوئی (ہوتی ہیں) اور ہم ہی آسمان سے مینہ برساتے ہیں اور ہم ہی تم کو اُسکا پانی پلاتے ہیں اور تم تو اس کا خزانہ نہیں رکھتے۔(۲۲)

آب رسانی کا عجیب وغریب نظام الٰہی:

اس آیت میں آب رسانی کے ایک عجیب وغریب نظام الٰہی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ سمندر سے بخارات اٹھتے ہیں، جس سے مانسون (بارش کا مواد) پیدا ہوتا ہے، ہوائیں اس کو بادلوں کی شکل میں تبدیل کر دیتی ہیں، پھر انہیں پانی سے

بھرے ہوئے پہاڑوں جیسا جہاز بنا دیتی ہیں، بادلوں نے جو وزن پانی کی صورت میں اٹھایا ہوتا ہے اس کا اندازہ بارش کی اوسط مقدار اور اس رقبے سے ہوسکتا ہے جہاں یہ بارش ہوتی ہے، اگر پانچ سینٹی میٹر اوسط بارش پچیس مربع کلومیٹر رقبہ میں ہو تو تقریباً بلین ٹن وزن کا پانی زمین پر نازل ہوتا ہے۔

پانی کے باریک قطرے نمک یا کائناتی دھول (Cosmic Dust) کے گرد جمع ہوکر بادل بنتے ہیں، یہ اکٹھے ہوکر بارش بناتے ہیں ابھی تک اس کائناتی دھول (Cosmic Dust) کی اصل بنیاد کا علم حاصل نہیں ہوسکا، بلکہ یہ بھی معلوم نہیں کہ دھول کے ذرات کس طرح بادل میں قیام پذیر ہوتے ہیں، بادل کی تشکیل میں اندازاً ایک مکعب سینٹی میٹر میں پانی کے باریک قطرے ایک ارب کی تعداد میں ہوتے ہیں، بارش کے قطرے بادل میں ۵۰ سے ۵۰۰ فی مکعب سینٹی میٹر ہوتے ہیں۔

بارش کے چھوٹے ذرات پہلے تکثیفی مرکز (Condensation Nuclei) کے گرد جمع ہوتے ہیں، پھر قطرے بڑا ہونا شروع ہوتے ہیں اور ان کی سطح اس وقت بڑھنا شروع ہوتی ہے جب وہ زمین کے نزدیک پہنچتے ہیں، اس بڑھنے کے عمل سے بارش کے قطرے پر ہوا کی رگڑ سے اس کی رفتار پر رکاوٹ آجاتی ہے، نتیجے میں بارش حلیم (نرم) طریقے سے زمین پر پہنچتی ہے۔

سمندر میں کروڑوں قسم کے جانور ہیں جو اس میں مرتے، سڑتے رہتے ہیں، اگر پانی میٹھا ہوتا تو ایک دن میں سڑ جاتا اور بدبو ایسی پھیلتی کہ خشکی پر رہنے والوں کی صحت و زندگی مشکل ہوجاتی، لہٰذا پانی کو ایسا کھارا بنایا کہ سب غلاظتیں ختم ہوجاتی ہیں، اسی تلخ پانی کو شیریں بنا دیا۔

﴿لَوَاقِحَ﴾: حاملہ کرنے والی ہوائیں یعنی وہ ہوائیں جو پھلوں کے تخم درختوں میں ڈالتی ہیں، وہ ہوائیں جو برسنے والے بادل کو اپنے اوپر اٹھائے ہوئے ہوتی ہیں، پودوں میں تلقیح کے عمل میں ہوا کا بڑا زبردست کردار ہوتا ہے۔

بادلوں میں تین طرح کی تلقیح ہوتی ہے:

(۱) گرم بادلوں کی تلقیح ٹھنڈے بادلوں سے ہوتی ہے، اس میں زبردست بارش ہوتی ہے۔

(۲) بھرا ہوا بادل اس کی تلقیح خالی بادلوں سے ہوتی ہے، اس سے بجلی پیدا ہوتی ہے۔

(۳) اہم تلقیح ہواؤں کی تلقیح بادلوں میں ہوتی ہے، اس سے بارش ہوتی ہے۔

وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ ﴿۲۴﴾

اور جو لوگ تم میں پہلے گزر چکے ہیں ہمیں معلوم ہیں اور جو پیچھے آنے والے ہیں وہ بھی ہمیں معلوم ہیں۔ (۲۴)

اس آیت میں اللہ کے کمال علم کا اظہار ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مستقد مین سے مراد مُردے، اور مستاخرین سے مراد زندے ہیں۔ (تفسیر قرطبی: ۱۰/۱۹)

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۶﴾

Scanned by CamScanner

اور ہم نے انسان کو کھنکھناتے سڑے ہوئے گارے سے پیدا کیا ہے۔(۲۶)

مجاہد رحمہ اللہ نے کہا کہ بدبودار کیچڑ کو صلصال کہتے ہیں۔ یہ "صَلَّ اللحم" یا "أَصَلَّ اللحم" (گوشت بدبودار ہو گیا) کے محاورے سے ماخوذ ہے۔

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ﴾ انسان حیوانی منازل طے کرتا ہوا حدود بشریت میں نہیں آیا، انسان کا آغاز زمین پر کس طرح ہوا؟ یہ نہایت ہی اہم سوال ہے، نہ صرف تاریخی واقعات سے اس کا تعلق ہے بلکہ انسان کے اپنے وجود کی حقیقت سے بھی ہے تاکہ وہ پوری روشنی میں زندگی کا سفر طے کر سکے۔

وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾

اور جنوں کو اس سے بھی پہلے بغیر دھوئیں کی آگ سے پیدا کیا تھا۔(۲۷)

﴿وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ﴾ میں "هٗ" کی ضمیر واحد سے بعض مفسرین کا استدلال ہے کہ تمام جنّوں کے باپ کا نام "جَانّ" تھا۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۸﴾

اور جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں کھنکھناتے سڑے ہوئے گارے سے ایک بشر بنانے والا ہوں۔(۲۸)

﴿خَالِقٌۢ بَشَرًا﴾ انسان کی تخلیق کا بار بار ذکر کر کے اللہ نے بعث بعد الموت کی دلیل دی ہے کہ جب ہم بے جان مٹی سے آدم علیہ السلام کو پیدا کر سکتے ہیں تو اسی مٹی سے ہم تم کو دوبارہ زندہ کیوں نہیں کر سکتے، جہاں جہاں "تراب" و "طین" وغیرہ سے انسان کی تخلیق کا ذکر ہے تو آگے پیچھے بعث بعد الموت اور آخرت کا ذکر ضرور ہے اور جہاں نطفے سے انسان کی تخلیق کا ذکر ہے وہاں آگے پیچھے کفر یا شرک کا ذکر ضرور ہے، کیونکہ اللہ نطفے سے تخلیق کا ذکر کر کے ظاہر کر رہا ہے کہ ایک حقیر پانی سے پیدا ہو کر تو شرک کر رہا ہے، تیری اوقات کیا ہے؟

﴿حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ﴾ سڑی ہوئی مٹی سے پیدا کی گئی مخلوق کو غرور و تکبر زیب نہیں دیتا۔

فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ﴿۲۹﴾

جب اس کو (صورتِ انسانیہ میں) درست کر لوں اور اس میں اپنی (بے بہا چیز یعنی) روح پھونک دوں تو اُس کے آگے سجدے میں گر پڑنا۔(۲۹)

﴿فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ﴾ اگر آفتاب کو قوت گویائی مل جائے اور وہ کہے کہ میں نے اپنا نور (روشنی) زمین پر پہونچا دیا تو کیا یہ لفظ "اپنا" کہنا غلط ہوگا؟ جب یہ کہنا صحیح ہے حالانکہ آفتاب نہ زمین میں حلول کرتا ہے نہ اس

Scanned by CamScanner

کا نور اس سے جدا ہوتا ہے بلکہ روشنی کی باگ اسی کے ہاتھ میں رہتی ہے اور زمین کا کچھ اختیار نہیں، تو اللہ کا یہ فرمانا کہ میں نے آدم علیہ السلام میں اپنی روح پھونکی، حلول واتحاد کی دلیل کیسے بن سکتی ہے؟ لفظ ﴿نَفَخْتُ﴾ (پھونکی) قابل غور ہے۔

قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِىْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِى الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۳۹﴾ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۴۰﴾

(اس نے) کہا کہ اے اللہ! جیسا تو نے مجھے رستے سے الگ کیا ہے میں بھی زمین میں لوگوں کے لیے (گناہوں کو) آراستہ کر دکھاؤں گا اور سب کو بہکاؤں گا۔ (۳۹) ہاں ان میں جو تیرے مخلص بندے ہیں (ان پر قابو چلنا مشکل ہے)۔ (۴۰)

﴿لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِى الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ. اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ﴾ تیرے اس گمراہ کرنے کی قسم! میں انسانوں کی نظروں میں دنیا کو آراستہ اور جاذب توجہ بناؤں گا۔

شیطان سب سے پہلے نیتوں پر حملہ کرتا ہے اور اخلاص کو تباہ کر دیتا ہے اور ﴿الْمُخْلَصِيْنَ﴾ کو مفعول لا کر یہ بتا دیا گیا کہ اخلاص کی توفیق اللہ ہی کی طرف سے ملتی ہے۔

اِنَّ عِبَادِىْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿۴۲﴾

جو میرے (مخلص) بندے ہیں اُن پر تجھے کچھ قدرت نہیں (کہ اُن کو گناہ میں ڈال سکے) ہاں بُری راہوں میں سے جو تیرے پیچھے چل پڑے۔ (۴۲)

سوال: ﴿لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ﴾ مخلص بندوں پر شیطانی فریب نہیں چلتا، آدم علیہ السلام پر اس کا فریب چل گیا تو کیا وہ مخصوص بندے نہ تھے؟

جواب: شیطان کا تسلط (مخصوص بندوں پر) نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ایسا تسلط نہیں ہوتا کہ وہ اپنی غلطی پر کبھی متنبہ نہ ہوں جس کی وجہ سے انہیں توبہ نصیب نہ ہو۔

لَهَا سَبْعَةُ أَبْوَابٍ: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضى الله عنهما فِي قَوْلِهِ: لَهَا سَبْعَةُ أَبْوَابٍ قَالَ: جهنم، والسعير، ولظى والحطمة، وسقر، والجحيم، والهاوية، وهي أسفلها (تفسیر ابن ابی حاتم: ۱۳۲۴۴)

جہنم کے سات دروازے اور اس میں داخل ہونے والے:

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جہنم کے سات دروازے یہ ہیں:

(۱) جہنم (۲) سعیر (۳) لظی (۴) حطمہ (۵) سقر (۶) جحیم (۷) ہاویہ (یہ سب سے نیچے ہے)

Scanned by CamScanner

قَالَ الضَّحَّاكُ: الطَّبَقَةُ الْأُولٰى: فِيهَا أَهْلُ التَّوْحِيدِ يُعَذَّبُونَ عَلٰى قَدْرِ أَعْمَالِهِمْ ثُمَّ يُخْرَجُونَ. وَالثَّانِيَةُ: لِلْيَهُودِ. وَالثَّالِثَةُ: لِلنَّصَارٰى. وَالرَّابِعَةُ: لِلصَّابِئِينَ. وَالْخَامِسَةُ: لِلْمَجُوسِ. وَالسَّادِسَةُ: لِلْمُشْرِكِينَ. وَالسَّابِعَةُ: لِلْمُنَافِقِينَ. (تفسیر الرازی:۱۹/۱۵۱)

پہلا طبقہ: گناہ گار اہل توحید کے لیے،

دوسرا طبقہ: یہود کے لیے،

تیسرا طبقہ: نصاریٰ کے لیے،

چوتھا طبقہ: صابئین کے لیے،

پانچواں طبقہ: مجوسیوں کے لیے،

چھٹا طبقہ: مشرکین کے لیے اور

ساتواں طبقہ: منافقین کے لیے۔

اس درجہ بندی کی بنیاد کس چیز پر ہوگی کہنا مشکل ہے لیکن ہمارا ذہن بار بار اس طرف جاتا ہے کہ قرآن نے جن چیزوں کو اصولی مہلکات کی حیثیت سے ذکر کیا ہے وہ اگر شمار کی جائیں تو سات عنوانات کے تحت آتی ہیں۔

(۱) شرک۔

(۲) قطع رحم۔

(۳) قتل۔

(۴) زنا۔

(۵) جھوٹی شہادت۔

(۶) کمزوروں پر ظلم۔

(۷) بغی۔

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۴۵﴾ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۴۷﴾

جو متقی ہیں وہ باغوں اور چشموں میں ہوں گے۔ (۴۵) (ان سے کہا جائے گا کہ) ان میں سلامتی (اور خاطر جمع) سے داخل ہو جاؤ۔ (۴۶) اور اُن کے دلوں میں جو کدورت ہوگی اُس کو ہم نکال (کر صاف کر) دیں گے (گویا) بھائی بھائی تختوں پر ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے ہوئے ہیں۔ (۴۷)

﴿اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ. وَنَزَعْنَا﴾ ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ اہل ایمان میں آپس میں ایک دوسرے

Scanned by CamScanner

کے لیے دلوں میں کینہ ورنجش ہوسکتی ہے لیکن جنت میں داخل کرنے سے پہلے صاف کر دیا جائے گا۔

عَنْ أَبِي الْمُتَوَكِّلِ النَّاجِيِّ أَنَّ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "يَخْلُصُ الْمُؤْمِنُونَ مِنَ النَّارِ فَيُحْبَسُونَ عَلَى قَنْطَرَةٍ بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ فَيُقَصُّ لِبَعْضِهِمْ مِنْ بَعْضٍ مَظَالِمُ كَانَتْ بَيْنَهُمْ فِي الدُّنْيَا حَتَّى إِذَا هُذِّبُوا وَنُقُّوا أُذِنَ لَهُمْ فِي دُخُولِ الْجَنَّةِ فَوَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَأَحَدُهُمْ أَهْدَى بِمَنْزِلِهِ فِي الْجَنَّةِ مِنْهُ بِمَنْزِلِهِ كَانَ فِي الدُّنْيَا" (بخاری: کتاب الرقاق: ۶۵۳۵)

کینوں کو کیسے صاف کرے گا؟

مومنین کو پل صراط پار کر کے ایک پل پر روک دیا جائے گا۔ ایک دوسرے پر جو مظالم ہوں گے وہیں وہ قصاص لے لیں گے، پھر انہیں جنت میں داخل کر دیا جائے گا، اس آیت کریمہ کے عموم میں سب سے پہلے اصحاب رسول ﷺ شامل ہیں، ان کے مشاجرات (جھگڑے) کے باوجود وہ سب جنت میں جائیں گے، اس آیت کی تفسیر میں ابن جریر رحمہ اللہ نے علی رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے:

"إِنِّي لَأَرْجُو أَنْ أَكُونَ أَنَا وَطَلْحَةُ مِمَّنْ قَالَ اللهُ تَعَالَى: ﴿وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ﴾"

بے شک میں امید کرتا ہوں کہ میں اور طلحہ کے اس قول ونزعنا ما فی صدورھم من غل میں شامل ہیں۔ علی اور طلحہ رضی اللہ عنہما میں اختلاف تھا۔ جنگ جمل میں طلحہ رضی اللہ عنہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے تھے۔

جنت کی تین صفتیں:

(۱) کبھی تھکان محسوس نہ ہوگی، کیونکہ کبھی کام سے اور کبھی تفریح سے بھی ضعف ہوتا ہے۔

(۲) راحتیں اور نعمتیں دائمی ہوں گی۔

(۳) دنیا کی نعمتوں کے بارے میں خطرہ لگا رہتا ہے کہ ان سے وہ نعمتیں چھن جائیں گی یا جہاں وہ ہیں وہاں سے ان کو نکال دیا جائے گا اور کبھی وہاں رہتے رہتے آدمی خود اُکتا جائے ﴿لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا﴾ کہہ کر ان تمام باتوں کی نفی کر دی گئی۔

نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝۴۹ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ۝۵۰

(اے پیغمبر!) میرے بندوں کو بتا دو کہ میں بڑا بخشنے والا (اور) مہربان ہوں۔ (۴۹) اور یہ کہ میرا عذاب بھی دردناک عذاب ہے۔ (۵۰)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "إِنَّ اللهَ خَلَقَ الرَّحْمَةَ يَوْمَ خَلَقَهَا مِائَةَ رَحْمَةٍ، فَأَمْسَكَ عِنْدَهُ تِسْعًا وَتِسْعِينَ رَحْمَةً، وَأَرْسَلَ فِي خَلْقِهِ كُلِّهِمْ رَحْمَةً وَاحِدَةً، فَلَوْ يَعْلَمُ الْكَافِرُ بِكُلِّ الَّذِي عِنْدَ اللهِ مِنَ الرَّحْمَةِ لَمْ يَيْئَسْ مِنَ الْجَنَّةِ، وَلَوْ يَعْلَمُ الْمُؤْمِنُ بِكُلِّ الَّذِي عِنْدَ اللهِ مِنَ

الْعَذَابِ لَمْ يَأْمَنْ مِنَ النَّارِ۔ (بخاری: کتاب الرقاق: ۶۹-۶۴)

اگر کافر اللہ کی رحمت جان لے تو وہ جنت سے مایوس نہیں ہوگا، اور اگر مومن کو اللہ کا عذاب معلوم ہو جائے تو وہ جہنم سے بے خوف نہیں ہوگا۔

قَالَ وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ ﴿۵۶﴾

(ابراہیم علیہ السلام نے) کہا کہ اللہ کی رحمت سے (میں مایوس کیوں ہونے لگا اس سے) مایوس ہونا گمراہوں کا کام ہے۔ (۵۶)

اللہ کی رحمت سے مایوسی گمراہی اور کفر ہے کیونکہ اللہ کی وسیع رحمت ومغفرت کو آدمی چھوٹا اور حقیر سمجھ بیٹھتا ہے۔

لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۷۲﴾

(اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!) تمہاری جان کی قسم! وہ اپنی مستی میں مدہوش (ہو رہے) تھے۔ (۷۲)

اللہ نے صرف محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قسم کھائی ہے دیگر انبیاء کے علاوہ:

﴿لَعَمْرُكَ﴾ اللہ نے اپنے نبی کے علاوہ کسی نبی کی عمر کی قسم نہیں کھائی ہے، گناہ جب نشے کے درجے میں پہنچ جائے اور آدمی گناہ کرتے ہوئے اس مقام پر پہنچ جائے کہ گناہ کا چھوڑنا اس کے لیے اتنا مشکل ہو جائے جیسے ایک نشے کے عادی کو اپنا نشہ چھوڑنا بہت ہی مشکل ہوتا ہے۔ ''عمہ'' دل کے اندھے پن کو کہتے ہیں، گویا کہ یہ دل کا اندھا پن ان کے سکرۃ (Addiction) کا نتیجہ ہے، جب گناہ نشے کی حالت میں پہنچ جائے تو آدمی کو عذاب الٰہی کے لیے تیار ہو جانا چاہیے کیونکہ اس کے معاً بعد آیت کریمہ ﴿فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ﴾ آئی ہے۔ جس پر ''فا'' تعقیب داخل ہے۔ جو کسی کام کے فوراً بعد ہونے کا مفہوم دیتا ہے۔ قرآن میں کہیں ﴿یعمھون﴾ کا لفظ یا تو سکرۃ کے ساتھ آیا ہے جیسا کہ یہاں آیا ہے۔ بقیہ طغیان کے ساتھ آیا ہے۔ گویا دل کا اندھا انسان اس وقت ہوتا ہے جب وہ گناہوں کے معاملے میں نشہ یا سرکشی کے درجے میں پہنچ گیا ہو۔ ﴿اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ﴾ جب قوموں پر ادبار (زوال) نازل ہونے کو ہوتا ہے تب وہ گناہوں میں ایسے اندھے ہو جاتے ہیں کہ کسی کی نہیں سنتے۔ ﴿اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ﴾ ''سکرۃ'' (نشہ) فساد عقل ہے اور ''عمہ'' فساد بصیرت ہے۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ﴿۷۵﴾

بیشک اس (قصے) میں اہلِ فراست کیلئے نشانی ہے۔ (۷۵)

﴿مُتَوَسِّمِيْنَ﴾ سے مراد وہ لوگ ہیں جو علامات و آثار دیکھ کر اندرونی نتائج و معنی کی شناخت کر لیتے ہیں۔ ﴿مُتَوَسِّمِيْنَ﴾ لفظ ''وَسْمٌ'' سے مشتق ہے جس کا معنی ہے اثر کرنا، نشان پیدا کرنا، اسی طرح ''سمة'' کا مطلب اثر اور نشان ہے۔

﴿سَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ﴾ لوط علیہ السلام کی بستی، حجاز اور شام کی گزرگاہ عام پر واقع ہے۔ ﴿سَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ﴾ سے اسی کی طرف اشارہ ہے۔ یہ تباہ شدہ علاقہ اب بحیرۂ مردار کا حصہ بن چکا ہے۔ وہ الٹی ہوئی بستی اب بھی اسی راستے پر موجود یعنی اس کے نشانات مٹے نہیں ہیں۔

وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ لَظٰلِمِيْنَ ﴿٧٨﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۘ وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ﴿٧٩﴾

اور بَن کے رہنے والے (یعنی قوم شعیب کے لوگ) بھی گنہگار تھے۔ (۷۸) تو ہم نے اُن سے بھی بدلا لیا اور یہ دونوں شہر کھلے رستے پر (موجود) ہیں۔ (۷۹)

ایکہ: سبز جھاڑیوں کے جھنڈ کو کہتے ہیں، بحر قلزم کے کنارے عرب کے شمال مغرب میں یہ ایک بستی تھی، جہاں ابراہیم علیہ السلام کی وہ اولاد جو آپ کی بیوی قطورا سے چلی، آباد تھی، ابراہیم علیہ السلام کے ایک بیٹے کا نام مدین تھا، اس کی اولاد یہیں آباد ہوئی، شعیب علیہ السلام کو انہیں کی طرف مبعوث کیا گیا۔

ایکہ: یہ بھی اسی گزرگاہ (On The Open Highway) پر واقع ہے، جس کی طرف ﴿لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ﴾ کہہ کر اشارہ کیا گیا، یہ قوم شعیب تھی اس کے اوپر اللہ نے ہوا بھیجی، جس میں آگ تھی جس نے پوری قوم کو جلا کر خاکستر کر دیا، امام کا مطلب راستہ ہے، راستے کو امام اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ راستہ سب کے لیے راہنما ہوتا ہے، اس امام (راستہ) سے مکہ والے عبرت حاصل کر سکتے تھے کیونکہ سفر میں وہ اس راستے سے آتے جاتے تھے۔

وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٨٠﴾

اور (وادی) حجر کے رہنے والوں نے بھی پیغمبروں کی تکذیب کی۔ (۸۰)

حجر: اصحاب حجر، قوم ثمود کا دوسرا نام ہے، حجر انہیں کا علاقہ تھا، یہ مدینہ سے شمال کی طرف واقع تھا، ان کی طرف صالح علیہ السلام کو بھیجا گیا، تبوک جاتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر پر کپڑا لپیٹ لیا، سواری کو تیز کر لیا اور صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے کہا کہ روتے ہوئے اس بستی سے گزرو (بخاری: ۴۳۳)

بخاری و مسلم کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم (۹ ہجری میں) تبوک جاتے وقت وادی حجر جہاں قوم ثمود تھی گزرے تو اپنا سر جھکا لیا اور تیزی سے گزرنے کے لیے سواری کو مہمیز لگائی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے کہا کہ معتوب قوموں کے گھروں سے روتے ہوئے گزرو، اگر رونا نہ آئے تو رونی شکل بنالو کہ کہیں انہیں کی طرح تمہیں عذاب لاحق نہ ہو جائے، ایک روایت ہے کہ صحابہ نے اس بستی کے کنوؤں سے پانی لیا، آٹا گوندھا، تو آپ نے فرمایا: پانی پھینک دو اور آٹا اونٹوں کو کھلا دو۔

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ ﴿٨٣﴾

تو چیخ نے اُن کو صبح ہوتے ہوتے آ پکڑا۔(۸۳)

اب بھی یہ ایک اندازو تنبیہ ہے کہ عمل قوم لوط کرنے والے ڈریں کہ کہیں صبح کے وقت غفلت کی حالت میں انہیں پکڑ نہ لیا جائے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ﴿۸۷﴾

اور ہم نے تمہیں سات (آیتیں) جو (نماز میں) دہرا کر پڑھی جاتی ہیں (یعنی سورۂ الحمد) اور عظمت والا قرآن عطا فرمایا ہے۔(۸۷)

اس آیت کریمہ میں سورۂ فاتحہ کو سبع مثانی کہا گیا۔ اور اسے صرف قرآن نہیں بلکہ قرآنِ عظیم کہا گیا۔ اس لیے جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قرآن پڑھنے کی نفی سے قرآنِ عظیم (سورۂ فاتحہ) پڑھنے کی نفی نہیں ہوتی۔

كَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ ﴿۹۰﴾

(ہم ان کو عذاب دیں گے) جس طرح قسم کھانے والوں پر نازل کیا۔(۹۰)

﴿مُقْتَسِمِيْنَ﴾ سے مراد وہ کفار ہیں جو قرآن کے بارے میں قسم قسم کے خیالات رکھتے تھے۔ کوئی کہتا تھا کہ یہ جادو ہے، کوئی کہتا تھا کہ یہ شاعری ہے، کوئی کہتا تھا کہ یہ کہانت ہے اور کوئی کہتا تھا کہ یہ داستانِ پارینہ ہے۔ ﴿مُقْتَسِمِيْنَ﴾ سولہ کفار قریش تھے، جنھیں ولید بن مغیرہ نے مکہ میں داخل ہونے والے تمام راستوں پر لگا دیا تھا تاکہ وہ ہر آنے والے کو اسلام سے برگشتہ کریں۔

الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ﴿۹۱﴾

جنہوں نے قرآن کو (کچھ ماننے اور کچھ نہ ماننے سے) ٹکرے ٹکڑے کر ڈالا۔(۹۱)

جنہوں نے اس کتاب الٰہی کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ "عضین عضة" کی جمع ہے۔ اور قاموس میں لکھا ہے کہ عضة کا معنی ٹکڑا ہوتا ہے، یہ عضی الشاۃ (اس نے بکری کے اعضاء جدا جدا کر دیئے) سے ماخوذ ہے، منکرین جیسے یہود و نصاریٰ قرآن کے اس حصے کو حق کہتے تھے جو توارۃ اور انجیل کے موافق ہوتا تھا اور اس حصے کو باطل قرار دیتے تھے جو توراۃ اور انجیل کے خلاف ہوتا تھا، اہل کتاب میں سے ایک گروہ بطور استہزاء کہتا تھا کہ سورۂ بقرۃ میری ہے تو دوسرا گروہ کہتا تھا کہ سورۂ آل عمران میری ہے۔

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۹۴﴾

پس جو حکم تمہیں (اللہ کی طرف سے) ملا ہے وہ (لوگوں کو) سنا دو اور مشرکوں کا (ذرا) خیال نہ کرو۔(۹۴)

تبلیغ رسالت کے بعد جملہ ہموم و غموم کے دفع کرنے والا عمل بتایا گیا۔

Scanned by CamScanner

فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ وَكُنۡ مِّنَ السّٰجِدِيۡنَ ۙ﴿۹۸﴾

توتم اپنے رب کی تسبیح کہتے اور (اس کی) خوبیاں بیان کرتے رہو اور سجدہ کرنے والوں میں داخل رہو۔ (۹۸)

انسان کا اللہ سے گہرا ربط:

اس آیت سے آپ کا اللہ سے گہرا ربط قائم ہو جاتا ہے۔

﴿وَكُنۡ مِّنَ السّٰجِدِيۡنَ﴾ قیام قرب الٰہی کی پہلی منزل ہے، رکوع درمیانی منزل اور سجدہ آخری منزل ہے۔

﴿وَكُنۡ مِّنَ السّٰجِدِيۡنَ﴾ دشمنوں کی باتوں سے آپ کو ایذا پہنچے، دلی رنج پہنچے اور دل میں تنگی پیش آئے تو اس کا روحانی علاج تسبیح و عبادت میں مشغول ہونا ہے، اس سے اللہ تکلیف کو دور کر دے گا، اور یہ آپ کو اس قابل بنا دے گی کہ مخالفین کی گالیوں مزاحمتوں اور مذمتوں کے باوجود آپ اس خدمت (دعوت و اصلاح) پر ڈٹے رہیں گے۔

وَاعۡبُدۡ رَبَّكَ حَتّٰى يَاۡتِيَكَ الۡيَقِيۡنُ ﴿۹۹﴾

اور اپنے رب کی عبادت کیے جاؤ یہاں تک کہ تمہاری موت (کا وقت) آ جائے۔ (۹۹)

اس آیت میں یہ حکم دیا گیا کہ یہ ربط دائمی یعنی مرتے دم تک ہونا چاہیے۔

Scanned by CamScanner

سورۃ النحل (مکیۃ)

وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً ۭ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

اور اُسی نے گھوڑے اور خچر اور گدھے پیدا کئے تا کہ تم اُن پر سوار ہو اور (وہ تمہارے لئے) رونق و زینت (بھی ہیں) اور وہ (اور چیزیں بھی) پیدا کرتا ہے جن کی تمہیں خبر نہیں۔(۸)

﴿وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾

ایسی سواریاں پیدا کرتا رہے گا جس کا فی الحال تمہیں علم نہیں ہے جیسے جہاز، گاڑیاں، اس آیت میں بعد میں ایجاد ہونے والی سواریوں جیسے ہوائی جہاز، موٹر گاڑیوں کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ۝

وہی تو ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا جسے تم پیتے ہو اور اُس سے درخت بھی (شاداب ہوتے ہیں)۔(۱۰)

ذات الٰہی کا ثبوت:

پہلے اجرام سماویہ سے پھر انسان کے نفوس سے، پھر عجائب خلقت حیوانات سے، پھر نباتات سے، پھر اس کی صنعت سے جو عناصر سے متعلق ہیں سب سے اول پانی کا ذکر فرمایا۔

يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝

جن میں تم اپنے چوپایوں کو چراتے ہو، اُسی پانی سے وہ تمہارے لیے کھیتی اور زیتون اور کھجور اور انگور (اور بے شمار درخت) اُگاتا ہے اور ہر طرح کے پھل (پیدا کرتا ہے) غور کرنے والوں کے لیے اس میں (قدرت الٰہی کی بڑی) نشانی ہے۔(۱۱)

Scanned by CamScanner

قوتِ عقلیہ و فکریہ:

قوت فکریہ، نزدیک کی اشیاء کا حال معلوم کرتی ہے اور قوت عقلیہ دوسری چیزوں سے بھی متعلق ہے، چونکہ پہلی آیات کی اشیاء خوراک سے تعلق رکھتی ہیں اور انسان ان کو اپنے اندر محسوس کرتا ہے اس لیے وہاں فکر کا لفظ رکھا اور دوسری آیت میں ان چیزوں کا تذکرہ ہے جن کی تاثیر بیرونی ہے اور ان سے فائدہ اٹھانا دانش سے تعلق رکھتا ہے اس لیے ﴿لِقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ﴾ کہا گیا۔

وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۙ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۲﴾

اور اُسی نے تمہارے لیے رات اور دن اور سورج اور چاند کو کام میں لگایا اور اُسی کے حکم سے ستارے بھی کام میں لگے ہوئے ہیں، سمجھنے والوں کے لیے اس میں (قدرتِ الٰہی کی بہت سی) نشانیاں ہیں۔ (۱۲)

﴿وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ﴾

اگر مشتری سیارہ (Jupiter) نہ ہوتا تو زمین پر ہزار گنا شہابوں (comets) کی بارش ہوتی، ہمارے نظام شمسی کے سارے سیارے مل کر اس کے آدھے حجم سے کم ہیں، اس کی کشش کی بنا پر شہابے یا تو اس میں گر جاتے ہیں یا اس کی کشش ثقل ان کا راستہ بدل دیتی ہے جس سے وہ نظام شمسی سے باہر نکل جاتے ہیں اور زمین کو ان کی تباہ کاریوں سے بچا لیا جاتا ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۴﴾

اور وہی تو ہے جس نے دریا کو تمہارے اختیار میں کیا تا کہ اس میں سے تازہ گوشت کھاؤ اور اس سے زیور (موتی وغیرہ) نکالو جس تم پہنتے ہو اور تم دیکھتے ہو کہ کشتیاں دریا میں پانی کو پھاڑتی چلی جاتی ہیں اور اس لیے بھی (دریا کو تمہارے اختیار میں کیا) کہ تم اللہ کے فضل سے (معاش) تلاش کرو اور تا کہ اُس کا شکر کرو۔ (۱۴)

﴿سَخَّرَ الْبَحْرَ﴾ سے یہ بتایا کہ دریا کو تمہارے لیے مسخر کر دیا جو اتھاہ گہرا ہے، وہاں سے تمہارے لیے گوشت کا انتظام کیا، نیز سمندر کے پانی کو شور (کھارا) بنایا مگر مچھلیوں کو کھارا نہیں بنایا۔

﴿لَحْمًا طَرِيًّا﴾ بعض مفسرین نے لکھا کہ مچھلی تازہ کھانی چاہئے تازہ نہ ہو تو نقصان دہ ہوتی ہے۔

وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵﴾

اور اُسی نے زمین پر پہاڑ (بنا کر) رکھ دیے کہ تمہیں لے کر کہیں جھک نہ جائے اور نہریں اور رستے بنا دیے تا کہ ایک مقام سے دوسرے مقام تک (آسانی سے) جا سکو۔ (۱۵)

Scanned by CamScanner

جب کوئی جسم اپنے مرکز کے گرد گھومتا ہو تو اگر اس کے توازن (Balance) میں ہلکی سی کمی آجائے تو مرکز گریز قوت (Net centrifugal force) موثر کردار ادا کرتی ہے اور جسم ہچکولے کھانے لگتا ہے، اس کو سمجھنے کے لیے پنکھے کی مثال پر غور کیا جاسکتا ہے، اگر اس کے ایک پر میں خرابی ہوجائے تو پورا پنکھا شدت سے لرزنے لگتا ہے یا گاڑی کے پہیے میں ایسا ہوجائے تو متوازن (Balance) کروانا پڑتا ہے، چنانچہ زمین پر پہاڑ وہی کام کرتے ہیں جو Wheel balancing میں سیسے کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کرتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ﴿۲۰﴾ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۙ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴿۲۱﴾

اور جن لوگوں کو یہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ کوئی چیز بھی تو نہیں بنا سکتے بلکہ وہ پیدا کئے جاتے ہیں۔(۲۰) (وہ) لاشیں ہیں بے جان اُن کو یہ بھی تو معلوم نہیں کہ اٹھائے کب جائیں گے۔(۲۱)

جو معمولی اور حقیر شئی کے بھی خالق نہ ہوں بلکہ خود ان کی ہستی بھی دوسرے کی ممنون کرم اور عطا کردہ ہو وہ اللہ کے شریک یا الٰہ کیسے ہوسکتے ہیں؟

﴿اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ﴾ یہاں ﴿مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ سے مراد پتھر کے بت نہیں ہیں بلکہ فوت شدہ بزرگان اور اولیاء ہیں کیونکہ دوبارہ زندہ کر کے انہیں ہی اٹھایا جائے گا، پتھر کے بتوں کو زندہ کر کے اٹھانے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

﴿اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ﴾ زندہ نہیں ہیں، یہ ولیوں کے بارے میں ہے، بے جان بتوں کے بارے میں یہ نہیں کہا جاتا ہے کہ یہ زندہ نہیں ہے۔

﴿اَمْوَاتٌ﴾ اموات کا مطلب ہے کہ وہ محل موت ہیں، ان کو موت آگئی۔ ﴿غَيْرُ اَحْيَآءٍ﴾ کہہ کر یہ بتایا گیا کہ وہ "دائم الحیاۃ" (ہمیشہ زندہ رہنے والے) نہیں ہیں۔ نیز ان کی زندگی دنیوی زندگی نہیں موت کے بعد دنیوی زندگی کسی کو نصیب نہیں یعنی دنیا سے ان کا تعلق باقی نہیں رہتا۔

اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۲۲﴾

تمہارا معبود تو اکیلا اللہ ہے تو جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اُن کے دل اِنکار کر رہے ہیں اور وہ سرکش ہو رہے ہیں۔(۲۲)

﴿قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ﴾

توحید کی معرفت انسان کے دل پر تب تک نہیں وارد ہو سکتی جب تک آخرت کو اس کا دل قبول نہ کرے۔ توحید و آخرت دونوں لازم و ملزوم ہیں۔

Scanned by CamScanner

الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۪ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ ۭ بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾

(ان کا حال یہ ہے کہ) جب فرشتے ان کی روحیں قبض کرنے لگتے ہیں (اور یہ) اپنے ہی حق میں ظلم کرنے والے (ہوتے ہیں) تو مطیع و منقاد ہو جاتے ہیں (اور کہتے ہیں) کہ ہم کوئی بُرا کام نہیں کرتے تھے۔ ہاں جو کچھ تم کیا کرتے تھے اللہ اُسے خوب جانتا ہے۔ (۲۸)

﴿الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ﴾ خبیث روحوں کو قبض کرتے ہوئے خبیث روحیں سرِ تسلیم خم کر دیتی ہیں۔ کہیں گے ہم کوئی برا کام نہیں کرتے تھے۔

الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ ۙ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ۙ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۳۲﴾

(ان کی کیفیت یہ ہے کہ) جب فرشتے اُن کی جانیں نکالنے لگتے ہیں اور یہ (کفر و شرک سے) پاک ہوتے ہیں تو السلام علیکم کہتے ہیں (اور کہتے ہیں کہ) جو عمل تم کیا کرتے تھے اُن کے بدلے میں جنت میں داخل ہو جاؤ۔ (۳۲)

یہاں ﴿طَيِّبِيْنَ﴾ سے کفر و شرک اور بداعمالی سے پاک لوگ مراد ہیں، مجاہد رحمہ اللہ نے کہا کہ طیبین سے مراد پاک قول و عمل والے ہیں، فرشتے موت کے وقت ان سے کہیں گے کہ تم پر سلامتی ہو، اور تم اپنے عمل کی وجہ سے جنت میں داخل ہو جاؤ۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَآ اٰبَاۗؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ۭ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۳۵﴾

اور مشرک کہتے ہیں کہ اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم ہی اُس کے سوا کسی چیز کو پوجتے اور نہ ہمارے بڑے ہی (پوجتے) اور نہ اُس کے (فرمان کے) بغیر ہم کسی چیز کو حرام ٹھہراتے، (اے پیغمبر!) اسی طرح ان سے اگلے لوگوں نے کیا تھا تو پیغمبروں کے ذمے (اللہ کے احکام کو) کھول کر پہنچا دینے کے سوا اور کچھ نہیں۔ (۳۵)

مشیت و رضا:

کافر کہتے ہیں کہ اللہ ہمارے افعال سے خوش ہے، اس لیے ہم شرک کرتے ہیں، اگر وہ ناراض ہوتا تو کیا ہم شرک کر

سکتے تھے؟ جب کہ مشیت اور رضا میں فرق ہے، بے شک جو کچھ ہو رہا ہے اللہ کی مشیت سے ہو رہا ہے، مجال نہیں کہ اس کی مشیت کے بغیر کوئی کام ہو سکے، کیونکہ مشیت اس کے قانون کا نام ہے، جب تک کسی کام کو حسب قانون فطرت نہ کرو گے کبھی کامیاب نہ ہو گے، جب تک گرمی حاصل کرنے کے لیے آگ نہ جلاؤ گے پانی سے وہ کام نہیں نکل سکے گا، جو کام فطرت نے پانی سے متعلق کیا ہے وہ آگ سے نہیں ہوگا، تلوار جہاں چلاؤ گے اپنا اثر دکھائے گی، خواہ وہ کسی ظالم پر ہو یا مظلوم پر، چنانچہ ہر روز دنیا میں ناحق خون ہوتے ہیں مگر اللہ اس پر راضی نہیں، بلکہ رضا اس صورت میں ہوگی جب ان اشیاء کو حسبِ ہدایتِ شریعت استعمال کرو گے، پس یہ بے سمجھی نہیں تو اور کیا ہے۔

﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا﴾

عالم میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کی مشیت سے ہو رہا ہے عالم کا کوئی ذرہ اس کی مشیت کے بغیر حرکت نہیں کر سکتا، کافر کا کفر مومن کا ایمان، مشرک کا شرک، متقی کا تقویٰ، مشیت الٰہی کے بغیر محال ہے، مگر کافر کے کفر سے وہ راضی نہیں، جب کہ مومن کے ایمان سے وہ راضی ہے، اگر کفر سے راضی ہوتا تو انبیاء کو کیوں مبعوث کرتا جو کہتے تھے اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرو اور شرک پر قوموں کو ہلاک کیوں کرتا؟ ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا﴾ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ برائی پر تقدیر کا بہانہ کرنا مشرکین و کفار کا شیوہ ہے۔

(۱) ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ۭ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝۳۵﴾ (سورۂ نحل:۳۵)

(۲) ﴿سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ۭ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰي ذَاقُوْا بَاْسَنَا ۭ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ۭ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ۝۱۴۸﴾ (سورۂ انعام:۱۴۸)

(۳) ﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَاۗءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗٓ ڰ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۴۷﴾ (سورۂ یٰسین:۴۷)

(۴) ﴿وَقَالُوْا لَوْ شَاۗءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ ۭ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۤ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ۝۲۰ۭ﴾

(سورۂ زخرف:۲۰)

یہ چار مواقع ہیں جن میں اللہ نے مخالفین انبیاء یعنی کفار و مشرکین کی تقدیر کے بارے میں بہانہ جوئی بیان فرمائی ہے اور اس چالبازی میں ان کا رہنما "عدو اللہ" (اللہ کا دشمن) ابلیس ملعون ہے، چنانچہ سب سے پہلے اسی نے تقدیر کے ساتھ حجت جوئی کرتے ہوئے یہ کہا کہ ﴿قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝۳۹ۙ﴾ (سورۂ حجر:۳۹) چاروں آیتوں سے بظاہر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ مشرکین اپنی بات میں سچے ہیں کیونکہ اللہ نے فرمایا: ﴿وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝۱۳﴾ (سورۂ سجدہ:۱۳) یعنی ہر شخص کو ایسی سوجھ بوجھ عنایت کرتے کہ سیدھے راستے پر آجاتا، پھر اللہ نے انہیں بے علم، کاذب اور

یاوہ گو (بکواس کرنے والا) کیوں ٹھہرایا، اس شبہ کا جواب یہ دیا گیا کہ کفار کی غلطی یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی اس صفت کو کہ کوئی چیز اس کی قدرت ومشیت اور ارادہ سے باہر نہیں، یہ سمجھ لیا کہ جن چیزوں سے اس کی مشیت اور ارادہ متعلق ہے، وہ سب کی سب اس کی محبوب وپسندیدہ ہیں اور ان کے استعمال کی اللہ کی طرف سے اجازت ہے۔

ایک شخص اپنے گناہ پر واقف اور نادم ہو اور اس کے چھوڑنے کا عزم مصمم کر لیتا ہے، اور ایک شخص اپنے گناہ پر نادم نہیں اور اس کے چھوڑنے کا خیال بھی اس کے دل میں نہیں ہوتا، دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے، خلاصۂ مسئلہ یہ کہ جب ملامت کا موقع نہ رہے اور اس سے کچھ فائدہ نہ ہو تو تقدیر سے احتجاج کرنا درست ہے اور جب ملامت کرنے سے کچھ نفع ہو تو اس صورت میں تقدیر سے بہانہ جوئی درست نہیں، گناہ کے بعد توبہ اور اس سے باز آجانے کے بعد تقدیر کے حوالے کرے، یہ جائز نہیں کہ کسی حرام کا مرتکب اور فرائض کا تارک رہے اور جب کوئی اسے ملامت کرے تو تقدیر کو بہانہ بنائے، اس سے ناجائز کو جائز اور حق کو باطل قرار دینا لازم آتا ہے اور بعدِ توبہ ابطال حق اور احقاق باطل لازم نہیں آتا۔

موسیٰ علیہ السلام نے آدم علیہ السلام کو ان کی خطا پر ملامت نہیں کی بلکہ اس مصیبت پر ملامت کی جو آدم کی خطا کی وجہ سے ان کی اولاد کو بہشت سے نکلنے اور دنیا میں آنے سے جو مصیبتوں اور تکلیفوں کا گھر ہے پیش آئی، سو موسیٰ علیہ السلام نے خطا کا ذکر اس لیے کیا کہ وہ اس مصیبت کا سبب تھی جو ان کی اولاد کو پیش آئی، اسی وجہ سے انہوں نے کہا کہ اے آدم علیہ السلام آپ نے ہمیں اور خود اپنے آپ کو بہشت سے باہر کیا، اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ہمیں نقصان پہنچایا اور آدم علیہ السلام نے تقدیر سے مصائب پر استدلال کیا اور کہا کہ یہ مصیبت جو میری خطا کی وجہ سے پیش آئی وہ میرے پیدا ہونے سے پہلے ہی میری تقدیر میں تھی (مسند احمد: ۷۳۸۷، صحیح) وقوع مصائب پر یہ عذر واستدلال درست ہے، معاصی وجرائم میں درست نہیں۔

علی رضی اللہ عنہ نے قیام لیل نہ کرنے پر تقدیر سے احتجاج کیا،

علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ایک رات رسول اللہ ﷺ، علی رضی اللہ عنہ اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر آئے اور کہا کہ تم تہجد نہیں پڑھتے؟ علی رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ ﷺ ہماری جانیں اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں جب وہ اٹھانا چاہے گا اٹھا دے گا، جب میں نے یہ کہا تو رسول اللہ ﷺ واپس تشریف لے گئے اور مجھے کچھ نہ کہا، وہ واپس جا رہے تھے تو اپنی ران پر ہاتھ مار رہے تھے اور میں نے سنا کہ آپ کہتے جاتے ﴿وَكَانَ الْإِنسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا﴾ (بخاری: کتاب التہجد: ۱۱۲۷)

علی رضی اللہ عنہ نے کسی فرض کے ترک یا حرام کے ارتکاب پر احتجاج نہیں کیا، نیند اختیاری نہیں، نیند میں کوئی غلطی ہوجائے تو چونکہ یہ غلطی دیدہ ودانستہ نہیں ہے اس لیے ایسا کرنے والا معذور ہے اور جو دیدہ ودانستہ نہ کرے اس کا تقدیر سے احتجاج درست ہے۔

نکتہ: اللہ کی مشیت کو گناہ کے لیے بہانہ بنانا درست نہیں کیونکہ اللہ کی مشیت یہ ہے کہ انسان اپنے ارادہ واختیار سے نیکی وبدی کرے، جبر کی صورت میں اللہ کی مشیت کے خلاف لازم آئے گا۔

﴿مَا عَبَدْنَا مِن دُونِهِ مِن شَيْءٍ﴾ مشرکین کے بہت بڑے مغالطے کا رد ہے، مغالطہ یہ تھا ہم یہ شرکیہ افعال جو کرتے ہیں اگر یہ غلط ہے تو اللہ ہمیں اپنی قدرت کاملہ سے روکتا کیوں نہیں؟ اس کا مطلب کہ جو کچھ ہم کر رہے ہیں وہ عین مشیت الٰہی ہے۔

رد: ایک جملہ میں اللہ نے رد کیا، ﴿فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ﴾ اگر یہ افعال اللہ کو پسند ہوتے تو رسولوں کو کیوں بھیجتا، رسولوں کو بھیج کر منع تو کر دیا، تمہیں جبراً وقہراً انہیں روکا، اس لیے کہ ہم نے تمہیں ارادہ و اختیار کی آزادی دی ہے کیونکہ اس کے بغیر آزمائش ممکن ہی نہ تھی۔

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ۚ فَسِيْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۶﴾

اور ہم نے ہر جماعت میں پیغمبر بھیجا کہ اللہ ہی کی عبادت کرو اور بتوں (کی پرستش) سے اجتناب کرو تو اُن میں بعض ایسے ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی اور بعض ایسے ہیں جن پر گمراہی ثابت ہوئی سو زمین میں چل پھر کر دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا۔ (۳۶)

قرآن میں امت کے چار معنی ہیں:

(۱) مذہب، طریق ﴿اِنَّا وَجَدْنَاۤ اٰبَآءَنَا عَلٰۤى اُمَّةٍ﴾ (سورۂ زخرف: ۲۳)

(۲) حِقْبَةٌ من الزمن (عرصۂ دراز، دورانیہ) ﴿وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ﴾ (سورۂ یوسف: ۴۵)

(۳) طائفہ (گروہ) ﴿اُمَّةً وَّسَطًا﴾ (سورۂ بقرہ: ۱۴۳)

(۴) امام ﴿اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً﴾ (سورۂ نحل: ۱۲۰)

سورۂ زخرف کی آیت میں امت کا معنی مذہب اور طریق ہے سورۂ یوسف کی آیت میں دورانیہ کے معنی میں ہے، سورۂ بقرۃ کی آیت میں طائفہ کے معنی میں ہے اور سورۂ نحل کی آیت میں امام کے معنی میں ہے۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ ۚ بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾

اور یہ اللہ کی سخت سخت قسمیں کھاتے ہیں کہ جو مر جاتا ہے اللہ اُسے (قیامت کے دن قبر سے) نہیں اٹھائے گا ہر گز نہیں یہ (اللہ کا) وعدہ سچا ہے اور اس کا پورا کرنا اُسے ضرور ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ (۳۸)

﴿بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا﴾ سے آخرت پر ایک نقلی اور ایک عقلی دلیل دی جا رہی ہے، سب (عرب بھی) انبیاء سابقین سے سنتے آئے ہیں کہ مرنے کے بعد اللہ زندہ کرے گا تا کہ نیک و بد کا فیصلہ کرے، وہ وعدہ ضرور پورا کرے گا اس کا وعدہ جھوٹا نہیں، یہ دلیل نقلی ہے۔

Scanned by CamScanner

اِنَّمَا قَوۡلُنَا لِشَیۡءٍ اِذَاۤ اَرَدۡنٰهُ اَنۡ نَّقُوۡلَ لَهٗ كُنۡ فَیَكُوۡنُ ﴿۴۰﴾

جب ہم کسی چیز کا ارادہ کرتے ہیں تو ہماری بات یہی ہے کہ اُس کو کہہ دیتے ہیں کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔ (۴۰)

اس آیت سے دلیل عقلی دی گئی کہ ہر چیز کو کہتا ہے ﴿كُنۡ﴾ (ہوجا) تو ﴿فَیَكُوۡنُ﴾ (ہوجاتی) ہے، تو قطرۂ منی سے بنانے کے بعد دوبارہ زندہ کیوں نہیں کرسکتا؟

وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوۡحِیۡۤ اِلَیۡهِمۡ فَسۡـَٔلُوۡۤا اَهۡلَ الذِّكۡرِ اِنۡ كُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۴۳﴾

اور ہم نے تم سے پہلے مَردوں ہی کو پیغمبر بنا کر بھیجا تھا جن کی طرف ہم وحی بھیجا کرتے تھے اگر تم لوگ نہیں جانتے تو اہلِ کتاب سے پوچھ لو۔ (۴۳)

تقلید کا رد:

﴿فَسۡـَٔلُوۡۤا اَهۡلَ الذِّكۡرِ﴾ سارے نبی انسان تھے، سارے نبی مرد تھے، اس کی تصدیق کرنی ہے تو اہل کتاب سے پوچھ لو، یہ خاص سبب نزول ہے، اگر ہم اسے عموم پر محمول کرلیں تو مطلب یہ ہوگا کہ مسئلہ کسی بھی اہل علم سے لے لیں، اس کے ما بعد ﴿وَاَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡكَ الذِّكۡرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیۡهِمۡ وَلَعَلَّهُمۡ یَتَفَكَّرُوۡنَ﴾ سے بتادیا گیا کہ اہل ذکر سے قرآن وحدیث کو جاننے والے اور اس کی روشنی میں مسئلہ بتانے والے مراد ہیں۔

اَفَاَمِنَ الَّذِیۡنَ مَكَرُوا السَّیِّاٰتِ اَنۡ یَّخۡسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الۡاَرۡضَ اَوۡ یَاۡتِیَهُمُ الۡعَذَابُ مِنۡ حَیۡثُ لَا یَشۡعُرُوۡنَ ﴿۴۵﴾ اَوۡ یَاۡخُذَهُمۡ فِیۡ تَقَلُّبِهِمۡ فَمَا هُمۡ بِمُعۡجِزِیۡنَ ﴿۴۶﴾ اَوۡ یَاۡخُذَهُمۡ عَلٰی تَخَوُّفٍ ؕ فَاِنَّ رَبَّكُمۡ لَرَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۴۷﴾

کیا جو لوگ بُری بُری چالیں چلتے ہیں اس بات سے بے خوف ہیں کہ اللہ ان کو زمین میں دھنسا دے یا (ایسی طرف سے) ان پر عذاب آئے جہاں سے ان کو خبر ہی نہ ہو۔ (۴۵) یا اُن کو چلتے پھرتے پکڑ لے وہ (اللہ کو) عاجز نہیں کرسکتے۔ (۴۶) یا جب اُن کو عذاب کا ڈر پیدا ہو گیا ہو تو ان کو پکڑ لے بیشک تمہارا رب بہت شفقت کرنے والا (اور) مہربان ہے۔ (۴۷)

یا ان کو چار باتوں سے ڈر نہیں:

(۱) ﴿اَنۡ یَّخۡسِفَ اللّٰهُ﴾ اللہ ان کو زمین میں دھنسا دے۔

Scanned by CamScanner

(۲) ﴿اَوْ یَاْتِیَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَیْثُ لَا یَشْعُرُوْنَ﴾ اچانک ان پر طوفان، سیلاب، زلزلہ وغیرہ بھیج دے۔

(۳) ﴿اَوْ یَاْخُذَهُمْ فِیْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِیْنَ﴾ سفر میں مبتلا کر کے ہلاک کر دے۔

(۴) ﴿اَوْ یَاْخُذَهُمْ عَلٰی تَخَوُّفٍ﴾ پہلے خوف زدہ کرے پھر ہلاک کر دے۔

وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْۤا اِلٰهَیْنِ اثْنَیْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَاِیَّایَ فَارْهَبُوْنِ ﴿۵۱﴾

اور اللہ نے فرمایا ہے کہ دو، دو معبود نہ بناؤ۔ معبود وہی ایک ہے، تو مجھ ہی سے ڈرتے رہو۔ (۵۱)

﴿وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْۤا اِلٰهَیْنِ اثْنَیْنِ﴾

دوئی الوہیت کے منافی ہے۔ دو اللہ ہو ہی نہیں سکتے۔ یہ بات نقلاً، عقلاً اور فطرتاً بھی باطل ہے۔

وَلَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّیْنُ وَاصِبًا ؕ اَفَغَیْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ﴿۵۲﴾

اور جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اُسی کا ہے اور اُسی کی عبادت لازم ہے تو اللہ کے سوا اوروں سے کیوں ڈرتے ہو؟ (۵۲)

﴿الدِّیْنُ وَاصِبًا﴾ یہاں دین سے مراد سزا ہے۔ اور لفظ "واصب، وصب یصب وصوبا" سے ماخوذ ہے۔ جس کا مطلب ہے مرض جم گیا یا لازم ہو گیا، "وصب علی الامر" کسی کی پابندی کے ساتھ نگرانی کو کہتے ہیں۔ "نہایہ" میں لکھا ہے کہ "وصب" کا مطلب دوامی دکھ ہونا ہے اور اصل میں "واصب" بیماری کو کہتے ہیں۔ یہاں دو معبودوں کے ماننے والوں کے لیے عذاب کے لیے لفظ "واصب" لایا گیا کہ وہ سخت اور دائمی عذاب، ایک لاعلاج اور لازوال اور دائمی بیماری کی طرح ہے۔

وَمَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَیِّنَ لَهُمُ الَّذِی اخْتَلَفُوْا فِیْهِ ۙ وَهُدًی وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۶۴﴾

اور ہم نے جو تم پر کتاب نازل کی ہے تو اس کیلئے کہ جس اَمر میں ان لوگوں کو اختلاف ہے تم اُس کا فیصلہ کر دو اور (یہ) مومنوں کیلئے ہدایت اور رحمت ہے۔ (۶۴)

گویا قرآن اور اس کا بیان (سنت) اللہ نے نازل فرمایا، جس کا مقصد اختلافات میں حق کی راہ متعین کرنا ہے، کتاب و سنت کو حکم بنا کر آج بھی یہ اختلافات ختم کئے جا سکتے ہیں۔

وَاِنَّ لَكُمْ فِی الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِیْكُمْ مِّمَّا فِیْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَیْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِیْنَ ﴿۶۶﴾

Scanned by CamScanner

اور تمہارے لیے چار پایوں میں بھی (مقامِ) عبرت (وغور) ہے کہ اُن کے پیٹوں میں جو گوبر اور لہو ہے اُس سے ہم تمہیں خالص دودھ پلاتے ہیں جو پینے والوں کیلئے خوشگوار ہے۔(۶۶)

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جانور جو چارا کھاتا ہے وہ معدہ میں جمع ہوتا ہے تو معدہ اس کو پکاتا ہے۔ معدہ کے اس عمل سے غذا کا فضلہ نیچے بیٹھ جاتا ہے، اوپر دودھ ہو جاتا ہے اور اس کے اوپر خون، پھر جگر ان تینوں کو الگ الگ مقامات میں تقسیم کر دیتا ہے، خون کو الگ کر کے رگوں میں، دودھ کو جانور کے تھنوں میں بھیج دیتا ہے، اور معدہ میں صرف فضلہ رہ جاتا ہے جو گوبر کی صورت میں نکلتا ہے۔

یاد رہے، بلڈ سرکولیشن کا نظام، نزول قرآن سے ایک ہزار برس بعد دریافت ہوا اور فضلہ میں ہونے والا کیمیاوی عمل جو فضلہ سے دودھ بنانے والے اجزاء کو الگ کرتا ہے، مزید تین سو سال بعد دریافت ہوا۔

وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ۝۶۸

اور تمہارے رب نے شہد کی مکھیوں کو ارشاد فرمایا کہ پہاڑوں میں اور درختوں میں اور (اونچی اونچی) چھتریوں میں جو لوگ بناتے ہیں گھر بناؤ۔(۶۸)

شہد کی تحقیق اور اس کے فوائد:

شہد قبض کشا ہے، زخم کو مندمل کر دیتا ہے۔ جراثیم کش اور دافع عفونت (Anteceptic) ہے۔ کان، ناک اور آنکھ کے امراض میں اسے ماءِ عقیم (Sterile Water) (گرم کرنے کے بعد ٹھنڈا ہو جائے) کے ساتھ ڈالنا بے حد مفید ہے۔

﴿مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ﴾ "من" تبعیضیہ ہے کہ ہر پہاڑ اور ہر درخت اور ہر چھت پر چھتہ نہیں لگاتی بلکہ بعض پہاڑوں، بعض درختوں اور بعض چھتوں پر چھتہ لگاتی ہے۔

ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ؕ يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝۶۹

اور ہر قسم کے میوے کھا اور اپنے رب کے صاف رستوں پر چلی جا، اُس کے پیٹ سے پینے کی چیز نکلتی ہے جس کے مختلف رنگ ہوتے ہیں، اس میں لوگوں (کے کئی امراض) کی شفا ہے بیشک سوچنے والوں کے لیے اس میں بھی نشانی ہے۔(۶۹)

﴿فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ﴾ شہد کے چھتے کے خانے مسدس ہوتے ہیں۔ اس کے زاویے اتنے صحیح ہوتے ہیں گویا

جومیٹری کے کسی ماہر نے ہندسی آلات سے بنائے ہوں، شہد بنانے میں مادہ مکھی (Female Work Bee) کا بنیادی کردار ہوتا ہے، گذشتہ چند سالوں کے تجربات کی روشنی میں یہ بات دریافت کی گئی ہے ورنہ ہمیشہ سے یہ سمجھا جاتا تھا کہ شہد بنانے کا کام نر مکھی کرتی ہے۔

ایک کلو شہد کے لیے شہد کی مکھی کو چار ملین پھولوں کا رس چوسنا پڑتا ہے، ایک پونڈ شہد جمع کرنے کے لیے اسے اتنے چکر لگانے پڑتے ہیں کہ ان کا مجموعی فاصلہ کرۂ ارض کے تین مرتبہ چکر کاٹنے کے بقدر ہے۔ شہد ایک اچھا (Preservative) ہے اس میں بیکٹیریا پرورش نہیں پاتے جو چیز اس میں ڈالی جائے شہد اسے محفوظ رکھتا ہے۔ اس میں مختلف قسم کے وٹامن اور منرلس (معدنیات) ہیں گویا شہد ایک اچھا خاصا ٹانک ہے۔

﴿یَخۡرُجُ مِنۡۢ بُطُوۡنِهَا شَرَابٌ مُّخۡتَلِفٌ اَلۡوَانُهٗ﴾ شہد کی مکھی جو کچھ حاصل کرتی ہے ویسے ہی ہمیں نہیں دیتی بلکہ ان تمام کیمیاوی اجزاء کو جو وہ مختلف پھولوں سے جمع کرتی ہے، خاص طریقِ عمل کے ذریعے شہد میں تبدیل کردیتی ہے، گویا اس کا پیٹ ایک لیباریٹری ہے جس میں مختلف اجزاء کو خاص فارمولے کے تحت ملا کر محلول تیار کیا جاتا ہے، شہد کی مکھیوں سے انسان کو اتفاق واتحاد کا درس ملتا ہے، ایک فارسی شاعر کہتا ہے: ؎

در اتفاقِ مگس می شود شہد پیدا

خدا چہ لذتِ شیریں در اتفاق نہاد

فارسی کے اس شعر میں صرف ایک غلطی ہے کہ اس نے اللہ کو خدا کہا ہے جو درست نہیں، ورنہ شعر بہت ہی خوبصورت ہے، شعر کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے اتفاق میں کتنی مٹھاس رکھی ہے اس کا اندازہ کرنا ہو تو شہد کی مکھیوں کو دیکھو کہ ان کی اجتماعیت اور اتفاق واتحاد ہی سے شہد جیسا لذیذ، شیریں اور کثیر الفوائد مشروب پیدا ہوتا ہے، ہر شہد کی مکھی کا کام مختلف ہوتا ہے، جو کام اسے سونپا جائے اس کام کو انجام دینے کی اہلیت اور صلاحیت رکھنے کے ساتھ اس کام کو بحسن وخوبی انجام دیتی ہے، کوئی چھتہ بناتی ہے، کوئی رس چوستی ہے، گرمی زیادہ ہوجائے تو کوئی ہوا دیتی ہے تاکہ بچوں کو تکلیف نہ ہو۔

شہد کی مکھی کے گھر مسدس ہوتے ہیں، پرکار سے پیمائش کی جائے تو بال برابر فرق نہ ہوگا، مربع مخمس نہیں کیونکہ بعض کونے بیکار ہوجاتے ہیں، اس مخلوق کا نظام زندگی، انسانی سیاست وحکمرانی کے اصول پر چلتا ہے، کوئی مکھی خارجی فرد کو چھتے میں داخل نہیں ہونے دیتی، کوئی انڈوں کی حفاظت، کوئی نابالغ بچوں کی پرورش، کوئی انجینیئرنگ کے فرائض انجام دیتی ہے، کوئی زہریلا مادہ لے کر آئے تو ملکہ اسے قتل کردیتی ہے، ایک بڑی مکھی کے ہاتھ میں نظم ونسق ہوتا ہے۔ ملکہ تین ہفتوں میں بارہ ہزار انڈے دیتی ہے۔

شہد کی مکھیوں کے چھتے کو "بیت" یعنی گھر کہا گیا، یہ اس طرف اشارہ ہے کہ شہد کی مکھیوں کے چھتوں میں انسانی مکانوں کی طرح تمام ضروری حصے ہوتے ہیں، ان میں متعدد کمرے، چھتیں اور دیواریں ہوتی ہیں اور حسن صنعت کا ایسا اعلیٰ نمونہ ہوتے ہیں کہ سوائے ماہر انجینیئر کے کوئی انسان ایسی تعمیر نہیں کرسکتا۔

﴿سُبُلَ رَبِّكِ﴾ شہد کی مکھی پھولوں کے رس کی تلاش میں کتنی ہی دور چلی جائے واپسی میں اپنے چھتے تک پہونچنے

Scanned by CamScanner

کا راستہ نہیں بھولتی، ''شفاء''، ''نکرہ'' ہے اور کلام موجب ہے اس لیے تعمیم فی الجملہ ہے یعنی بعض امراض کے لیے بعض حالات میں شفاء ہے یا شفاء میں تنوین عظمت ہے جو ظاہر کرتی ہے کہ اکثر امراض کے لیے شفاء ہے۔

﴿ذُلُلًا﴾ راستے تیرے لیے آسان کر دیے۔

﴿مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ﴾ شہد کے رنگ مختلف ہوتے ہیں۔ سرخ، سفید، زرد، سبز۔

﴿مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ﴾

﴿الثَّمَرٰتِ﴾ میں الف، لام استغراقی نہیں جنسی ہے، یعنی ہر مرغوب پھل و پھول مراد ہے یعنی ہر قسم کے مناسب، پسندیدہ اور میسر آ جانے والے پھلوں کا رس چوس لے خواہ میٹھے ہوں یا کڑوے۔

شہد میں شفا:

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: إِنَّ أَخِي اسْتَطْلَقَ بَطْنُهُ فَقَالَ: ''اسْقِهِ عَسَلًا'' فَسَقَاهُ فَلَمْ يَزِدْهُ إِلَّا اسْتِطْلَاقًا فَقَالَ: ''صَدَقَ اللّٰهُ وَكَذَبَ بَطْنُ أَخِيكَ''

(صحیح بخاری، کتاب الطب: ۵۷۱۶)

ایک صاحب کو مرض دست لاحق ہو گیا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں شہد پینے کے لیے مشورہ دیا لیکن دست میں اضافہ ہو گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دوبارہ شہد پینے کا مشورہ دیا، تیسری مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ سچا ہے تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے جا شہد پلا۔

شہد کی مکھی ایک زہریلا جانور ہے، زہر میں تریاق نکالنا اللہ کی قدرت کاملہ کی عجیب مثال ہے، پھر حیوانات کا دودھ موسم وغذا کے اختلاف سے سرخ و زرد نہیں ہوتا اور شہد کی مکھی کا شہد مختلف رنگوں کا ہو جاتا ہے۔

عَنْ أَبِي سَبْرَةَ الْهُذَلِيِّ، سَمِعَ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَمْرٍو رضی الله عنه يَقُولُ: عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ''مَثَلُ الْمُؤْمِنِينَ مَثَلُ النَّحْلَةِ إِنْ أَكَلَتْ أَكَلَتْ طَيِّبًا وَإِنْ وَضَعَتْ وَضَعَتْ طَيِّبًا وَإِنْ وَقَعَتْ عَلَى عُودِ شَجَرٍ لَمْ تَكْسِرْهُ وَمَثَلُ الْمُؤْمِنِ مَثَلُ سَبِيكَةِ الذَّهَبِ إِنْ نُفِخَتْ عَلَيْهَا احْمَرَّتْ وَإِنْ وُزِنَتْ لَمْ تَنْقُصْ''

(صحیح الجامع للالبانی: ۵۸۴۶، حسن)

مومنوں کی مثال شہد کی مکھی جیسی ہے کہ وہ کھاتی ہے تو پاک ہی چیز کھاتی ہے اور اگر دیتی ہے تو پاک ہی چیز دیتی ہے، درخت کی کسی ٹہنی پر بیٹھتی ہے تو اسے توڑتی نہیں، مومن کی مثال سونے کی اینٹ کی طرح ہے کہ آگ میں رکھ کر اگر اس پر دھونکا جائے تو لال ہو جاتی ہے لیکن اگر وزن کیا جائے تو اس کا وزن کم نہیں ہوتا۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ ۝

اور اللہ ہی نے تم میں سے تمہارے لیے عورتیں پیدا کیں اور عورتوں سے تمہارے بیٹے اور پوتے پیدا کیے، تمہیں پاکیزہ چیزیں دیں تو کیا یہ بے اصل چیزوں پر اعتقاد رکھتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں کا انکار کرتے ہیں؟(۷۲)

اولاد تو ماں باپ دونوں سے مل کر پیدا ہوتی ہے اس آیت میں صرف ماؤں کا ذکر ہے، اشارہ ہے کہ پیدائش میں بہ نسبت باپ کے ماں کا دخل زیادہ ہے اسی وجہ سے اس کا حق بھی مقدم ہے۔

فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۝۷۴

تو (لوگو!) اللہ کے بارے میں (غلط) مثالیں نہ بناؤ (صحیح مثالوں کا طریقہ) اللہ ہی جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔(۷۴)

﴿فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ﴾ اکثر اعتقادی گمراہیاں مثال سے پیدا ہوتی ہیں، جیسے انسان کے بیٹے، بیٹیاں ہیں تو اللہ کے بھی ہیں، اسی طرح بڑوں تک پہونچنے کے لیے سفارشی ہوتے ہیں تو اللہ تک پہنچنے کے لیے بھی سفارشی ہیں، جب کہ خالق ہر اعتبار سے مخلوق سے الگ ہے، مخلوق کی کوئی مثال اس پر چسپاں نہیں ہوتی، اسی طرح کہا جاتا ہے جیسے چھت پر پہنچنے کے لیے سیڑھی کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح اللہ تک پہونچنے کے لیے کسی وسیلے کی ضرورت ہے، مگر دلچسپ بات یہ ہے کہ جب تک آدمی سیڑھی کو نہ چھوڑے چھت پر نہیں پہنچ سکتا۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا یَقْدِرُ عَلٰی شَیْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ یُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا ؕ هَلْ یَسْتَوٗنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ۝۷۵

اللہ ایک اور مثال بیان فرماتا ہے کہ ایک غلام ہے جو (بالکل) دوسرے کے اختیار میں ہے اور کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا اور ایک ایسا شخص ہے جس کو ہم نے اپنے ہاں سے (بہت سا) مال طیب عطا فرمایا ہے اور وہ اس میں سے (رات دن) پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرتا رہتا ہے تو کیا یہ دونوں شخص برابر ہیں؟ (ہرگز نہیں) الحمد للہ لیکن ان میں سے اکثر لوگ سمجھ نہیں رکھتے۔(۷۵)

﴿عَبْدًا مَّمْلُوْكًا﴾

ایک شخص کے پاس ہر قسم کے اسباب ہیں اور وہ ان کا ذاتی مالک ہے، وہیں دوسرا شخص ذاتی مالک نہیں، دونوں آدمی نوعی طور پر مختلف ہیں اس لیے ایک کی مثال دوسرے پر چسپاں نہیں ہوتی اور اللہ اور بندے میں یہ نوعی فرق کمال کو پہونچا ہوا ہے، اس آیت میں شرکاء کا بے حقیقت ہونا بیان کیا گیا ہے۔

Scanned by CamScanner

﴿عَبْدًا مَّمْلُوْكًا﴾

(۱) غلام اور آقا ایک ہی جنس کے ہیں مگر پھر بھی دونوں برابر نہیں ہو سکتے، آدمی اپنے نوکر کو اپنے برابر نہیں سمجھتا، جب کہ دونوں ایک ہی نوع کے ہیں تو مخلوق کو اللہ کے برابر کیوں ٹھہراتے ہو؟

(۲) ایک انسان لوگوں کو اچھی باتیں سکھاتا ہے جو اس کی قوت علمیہ کا کمال ہے اور خود بھی سیدھے راستے پر چلتا ہے جو اس کی قوت عملیہ کا کمال ہے، اس کے مقابل وہ شخص ہے جو نہ اپنا کام خود کر سکتا ہے، نہ کسی دوسرے کا کام کر سکتا ہے، دونوں برابر نہیں تو قادرِ مطلق اور علیم وخبیر کے برابر کوئی مخلوق کیسے ہو سکتی ہے؟

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ ۙ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ۭ هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ ۙ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۷۶﴾

اور اللہ ایک اور مثال بیان فرماتا ہے کہ دو آدمی ہیں ایک ان میں سے گونگا (اور دوسرے کی ملک) ہے (بے اختیار و ناتواں) کہ کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا اور اپنے مالک کو دوبھر ہو رہا ہے وہ جہاں اُسے بھیجتا ہے (خیر سے کبھی) بھلائی نہیں لاتا کیا ایسا (گونگا بہرا) اور وہ شخص جو (سنتا بولتا اور) لوگوں کو انصاف کرنے کا حکم دیتا ہے اور خود سیدھے رستے پر چل رہا ہے دونوں برابر ہیں؟ (۷۶)

اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں ان ہستیوں کا بے حقیقت ہونا واضح کیا گیا ہے جن کے سامنے آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نظر انداز کر دیتا ہے۔

﴿اَبْكَمُ﴾ (گونگا) ﴿لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ﴾ (اپاہج) ﴿كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ﴾ (نکما) ﴿اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ﴾ (لاخیرا)

﴿اَبْكَمُ﴾ نہ گفتگو کرتا ہے نہ خیر کی بات کرتا ہے۔ ﴿لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ﴾ کوئی کام بھی نہیں کر پاتا ہے۔

﴿كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ﴾ اپنے آقا کے لیے بوجھ ہے۔ ﴿اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ﴾ جہاں جائے کامیاب نہیں ہوتا۔

ایک شخص مالک و بااختیار، خرچ کرنے والا اور ہر قسم کے تصرف پر قادر ہے، دوسرا مملوک و بے اختیار ہے تو پھر مالک کو چھوڑ کر، بے بس غلام سے سوال کرنا، پیاسے کا سمندر کو چھوڑ کر خشک جوہڑ سے پانی طلب کرنا ہے۔

وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾

اور اللہ ہی نے تمہیں تمہاری ماؤں کے شکم سے پیدا کیا کہ تم کچھ نہیں جانتے تھے اور اس نے تمہیں کان اور آنکھیں اور دل (اور ان کے علاوہ اور) اعضاء بخشے تاکہ تم شکر کرو (۷۸)

﴿وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْئًا﴾ آدمی ماں کے پیٹ سے علم لے کر نہیں آتا، بلکہ استعداد علم لے کر آتا ہے، لہٰذا یہ کہنا کہ کوئی اپنی ماں کے پیٹ سے پندرہ پارے کا حافظ بن کر کے پیدا ہوا، اس آیت کریمہ کے خلاف ہے۔

يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۳﴾

یہ اللہ کی نعمتوں سے واقف ہیں مگر (واقف ہوکر) ان سے انکار کرتے ہیں اور یہ اکثر ناشکرے ہیں۔ (۸۳)

﴿يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا﴾ اللہ کی ہدایت کو پہچان لیتے ہیں مگر اللہ کے ماننے کا مطلب زندگی میں تبدیلی کا تقاضا کرتا ہے، آدمی وقتی طور پر متاثر ہوتا ہے اور پھر اسے اپنے ذہن سے ہٹا دیتا ہے۔

وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا شُرَكَآءَهُمْ قَالُوْا رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ شُرَكَآؤُنَا الَّذِيْنَ كُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِكَ ۚ فَاَلْقَوْا اِلَيْهِمُ الْقَوْلَ اِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۸۶﴾

اور جب مشرک اپنے (بنائے ہوئے) شریکوں کو دیکھیں گے تو کہیں گے کہ اے اللہ! یہ وہی ہمارے شریک ہیں جن کو ہم تیرے سوا پکارا کرتے تھے تو وہ (ان کے کلام کو مسترد کردیں گے اور) اُن سے کہیں گے کہ تم تو جھوٹے ہو۔ (۸۶)

﴿شُرَكَآءَهُمْ﴾ مشرکین اپنے شرکاء کو جنھیں دنیا میں دستگیر، غریب نواز اور بندہ نواز وغیرہ کہا کرتے تھے، وہ دیکھ کر کہیں گے اے ہمارے رب! یہی شرکاء تھے کہ تجھے چھوڑ کر ان کی ہم عبادت کرتے تھے، شرکاء جواب دیں گے تم جھوٹے ہو ہم نے نہ کہا تھا، نہ راضی تھے بلکہ ہمیں خبر تک نہ تھی کہ تم ہمیں پکار رہے ہو، اب ہمیں کیوں لپیٹ رہے ہو؟

﴿فَاَلْقَوْا اِلَيْهِمُ الْقَوْلَ اِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ﴾ قیامت کے دن اللہ بتوں کو زبان دے گا وہ اپنے پوجا پاٹھ کرنے والوں سے کہیں گے کہ تم جھوٹے ہو کہ ہمیں اللہ کا شریک کہتے تھے، یا تم اس دعوے میں جھوٹے ہو کہ تم حقیقت میں ہماری پوجا کرتے تھے، سچ تو یہ ہے کہ تم اپنی خواہشات کے پجاری تھے اور ہم نے تم کو اپنی عبادت کی طرف کبھی دعوت نہیں دی تھی۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِى الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۹۰﴾

اللہ تمہیں انصاف اور احسان کرنے اور رشتہ داروں کو (خرچ سے مدد) دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی اور نامعقول کاموں اور سرکشی سے منع کرتا ہے (اور) تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم یاد رکھو۔ (۹۰)

اس آیت میں پہلے عدل کا حکم دیا گیا پھر احسان کا، بعض ائمہ تفسیر نے کہا کہ عدل تو یہ ہے کہ دوسرے کا پورا پورا حق اس

کو دے دے اور اپنا حق اس سے وصول کر لے، نہ کم نہ زیادہ، اور احسان یہ ہے کہ دوسرے کو اس کے اصل حق سے زیادہ اور خود اپنے حق میں کمی سے کام لے اور کچھ کم ملے تو بخوشی قبول کر لے، پورے قرآن میں مختلف صیغوں سے اس کا ذکر ۱۵۹ بار آیا ہے، لفظ "احسان" قرآن میں ۱۲ مرتبہ اور "المحسنین" ۳۳ بار آیا ہے، ابن عثیمین رحمہ اللہ کہتے ہیں: "عمل کو بہترین انداز میں اخلاص کے ساتھ ادا کرنا احسان ہے"۔ حدیث جبرئیل علیہ السلام میں رسول اکرم ﷺ نے اسلام کو ظاہری اقوال واعمال سے تعبیر کیا اور ایمان کو باطنی اعمال سے، جب کہ احسان ظاہر و باطن کے حسن کا نام ہے اور ان سب کا مجموعہ دین ہے، ایک مسلمان کی زندگی کے ہر شعبے اور پہلو میں احسان ہونا چاہئے، احسان تمام برگزیدہ نبیوں کی لازمی صفت ہے جیسا کہ سورۂ صافات اور سورۂ انعام میں ہے، احسان کرنے والوں کو ان کا بدلہ آخرت میں تو ملے گا ہی مگر ان کے احسان کا بدلہ انہیں دنیا میں بھی اللہ عطا کرے گا، ﴿لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۚ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ ۚ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ﴾ (سورہ نحل: ۳۰) احسان ایمان کا جوہر، اسلام کی روح اور شریعت کا کمال ہے، احسان صرف عبادات تک محدود نہیں بلکہ اس میں زندگی کے تمام معاملات داخل ہیں حتی کہ بے زبان جانوروں پر بھی احسان کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اس آیت کریمہ میں تین چیزیں کرنے اور تین چیزیں نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

﴿يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ﴾ عقیدہ کا اعتدال، عمل کا اعتدال، اخلاق کا اعتدال۔

﴿وَالْاِحْسَانِ﴾ اپنی عادت اچھی کرے، دوسروں کے ساتھ عمدہ معاملہ کرے۔ اللہ کی عبادت اس طرح کرے گویا وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے، اور اگر ایسا نہ ہو سکے تو یہ سمجھے کہ اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔

﴿الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ﴾ "فحشاء" جسے ہر شخص برا سمجھے۔ "منکر" جس کے برے ہونے پر اہلِ شرع کا اتفاق ہو۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ﴾ عدل کا مطلب ہے سب کے حقوق ادا کرو، عدل کا ثمرہ فتح ونصرت ہے، احسان کا نتیجہ نیک نامی، صلہ رحمی کا نتیجہ الفت ومحبت۔

فحشاء کا نتیجہ دین ودنیا کی تباہی، منکر کا ثمرہ ہے، دشمنوں کو اپنے مقابلہ کے لیے آمادہ کرنا۔

﴿وَالْبَغْيِ﴾ ظلم وزیادتی کا نتیجہ، مقاصد سے محرومی ہے، کسی عارف نے کہا ہے کہ ملک وسلطنت کی بقا انہیں چھ چیزوں پر منحصر ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ﴾ دنیا میں ہر چیز کے لیے ایک اثبات کا پہلو ہوتا ہے دوسرا نفی کا، کسی چیز کی تکمیل کے لیے دو پہلوؤں کا ہونا ضروری ہے، جن چیزوں کا اس کی تکمیل کے لیے موجود ہونا ضروری ہے وہ اس میں پائی جائیں اور جن چیزوں سے اس کی ذات میں نقص پیدا ہوتا ہو ان سے پاک ہو، یہاں تین باتوں عدل، احسان اور ایتاء ذی القربی کا حکم دیا گیا اور تین چیزوں فحشاء، منکر اور بغی سے روکا گیا۔

فحشاء کے مقابلے میں منکر آئے تو فحشاء کا مطلب صرف وہ برائی ہے جس کا علم صرف اس کے مرتکب کو ہو اور منکر سے مراد وہ بدی ہے جو سب کو نظر آتی ہو یعنی محسوس بھی ہوتی ہے اور لوگوں کو نقصان بھی پہونچتا ہو یعنی ذہنی تکلیف ہوتی ہے یا حق تلفی ہوتی ہے۔

﴿اِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى﴾ بلا مبادلہ خدمت۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا ؕ تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ ؕ اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ ؕ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۲﴾

اور اس عورت کی طرح نہ ہونا جس نے محنت سے تو سوت کا تا پھر اُس کو توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا کہ تم اپنی قسموں کو آپس میں اس بات کا ذریعہ بنالو گے کہ ایک گروہ دوسرے گروہ سے زیادہ غالب رہے، بات یہ ہے کہ اللہ تمہیں اس سے آزماتا ہے اور جن باتوں میں تم اختلاف کرتے ہو قیامت کو اُس کی حقیقت تم پر ظاہر کر دے گا۔ (۹۲)

اس آیت کریمہ میں علی الترتیب تین عہدوں کا تذکرہ ہے:

(۱) وہ عہد جو اللہ سے باندھا۔

(۲) انسان نے انسان سے باندھا اور اس پر اللہ کی قسم کھائی۔

(۳) تیسرا عہد و پیمان جو اللہ کا نام لیے بغیر کیا گیا۔

﴿وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا﴾ اے وہ شخص جس نے حج بیت اللہ کر لیا، تمہارا حج پورا ہو گیا اور تم اپنے گھر جانے کے لیے تیار ہو، تو خبر دار اب حرام چیزوں سے دور رہنا، ورنہ جو عمارت بڑی محنت سے تم نے تعمیر کی تھی اسے خود ہی ڈھا دو گے اور جو جمع کیا تھا، اسے منتشر کر دو گے اور تمہاری مثال اس بُڑھیا کی سی ہو جائے گی جو سوت کاتنے کے بعد اسے توڑ دیتی تھی۔

پہلے دو عہد زیادہ اہم ہیں، لیکن پابندی تینوں کی ضروری ہے، یہ آیت کریمہ ایک لیڈر کے لیے درس عبرت ہے جو آج ایک عہد کرتا ہے اور اس کو کبھی نہیں نبھاتا، بلکہ وہ عہد کرتا ہی ہے، نہ نبھانے کے لیے۔

﴿وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ﴾ اللہ سے کوئی عہد باندھا مثلاً کسی مصیبت میں اللہ کو پکارا کہ اگر تو نے مجھے اس مصیبت سے نجات دے دے تو میں تیرا شکر گذار بندہ بن جاؤں گا، لیکن نجات کے بعد اللہ کا ناشکرا بن گیا۔ یہ عہد شکنی ہے۔ اس کی مثال ایسے ہے کہ سوت کو محنت سے کا تا گیا اور اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا۔

وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا وَتَذُوْقُوا السُّوْٓءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۹۴﴾

اور اپنی قسموں کو آپس میں اس بات کا ذریعہ نہ بناؤ کہ (لوگوں کے) قدم جم چکنے کے بعد لڑکھڑا جائیں اور اس وجہ سے کہ تم نے لوگوں کو اللہ کے رستے سے روکا، تم کو عقوبت کا مزہ چکھنا پڑے اور بڑا

Scanned by CamScanner

سخت عذاب ملے۔(۹۴)

آیت میں دخل کا معنی دھوکے کے ہیں، یعنی تم اپنی قسموں کو آپس میں دھوکے کا ذریعہ مت بناؤ کہ تمہارے معاہدات پر لوگ اعتماد کرلیں اور تمہاری طرف سے مطمئن ہو جائیں اور تم ان کو دھوکہ دے کر قسمیں اور معاہدے توڑ ڈالو۔ قدم جمنے کے بعد پھسل جانے کا مطلب یہ ہے کہ بے خوف اور مطمئن ہو جانے کے بعد ہلاک ہو جانا۔ عرب کا محاورہ ہے کہ عافیت کے بعد اگر کوئی شخص کسی مصیبت میں گرفتار ہو جاتا یا سلامتی کے بعد کسی گڑھے میں گر جاتا تو کہتے کہ اُس کا قدم پھسل گیا۔

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿۹۸﴾

اور جب تم قرآن پڑھنے لگو تو شیطان مردود سے پناہ مانگ لیا کرو۔(۹۸)

﴿فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ﴾ قرآن پڑھنے کی دو صورتیں ہیں۔ اپنی نصیحت کے لیے پڑھنا، دوسروں کو دعوت دینے کے لیے پیش کرنا۔

اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۹۹﴾ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

کہ جو مومن ہیں اور اپنے رب پر بھروسا رکھتے ہیں اُن پر اُس کا کچھ زور نہیں چلتا۔(۹۹) اس کا زور اُنہی لوگوں پر چلتا ہے جو اس کو رفیق بناتے ہیں اور اس کے (وسوسے کے) سبب (اللہ کے ساتھ) شریک مقرر کرتے ہیں۔(۱۰۰)

شیطان کا بس کن پر چلتا ہے کن پر نہیں؟

(۱) ﴿اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ﴾

(۲) ﴿اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ﴾ شیطان کا قابو ان پر چلتا ہے جو اس کو دوست رکھتے ہیں اور جو مشرک ہیں اور شیطان کا بس ان پر نہیں چلتا جو سچے ایمان والے اور اللہ پر توکل کرنے والے ہیں۔

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ؕ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۰۳﴾

اور ہمیں معلوم ہے کہ یہ کہتے ہیں کہ اس (پیغمبر) کو ایک شخص سکھا جاتا ہے مگر جس کی طرف (تعلیم کی) نسبت کرتے ہیں اُس کی زبان تو عجمی ہے اور یہ صاف عربی زبان ہے۔(۱۰۳)

Scanned by CamScanner

﴿یُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ﴾ جس شخص کا یہ نام لیتے ہیں کہ وہ آدمی رسول کو قرآن سکھاتا ہے وہ عربی زبان فصاحت کے ساتھ نہیں بول سکتا جب کہ قرآن صاف اور فصیح عربی زبان میں ہے۔

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۱۲﴾

اور اللہ ایک بستی کی مثال بیان فرماتا ہے کہ (ہر طرح) امن چین سے بستی تھی ہر طرف سے رزق بافراغت چلا آتا تھا مگر ان لوگوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو اللہ نے ان کے اعمال کے سبب ان کو بھوک اور خوف کا لباس پہنا کر (ناشکری کا) مزہ چکھا دیا۔ (۱۱۲)

لباس تو پہنا یا جاتا ہے چکھا یا نہیں جاتا، خوف اور بھوک کی حالت دیکھنے اور چھونے سے اس کا پورا احساس نہیں ہوتا بلکہ دیکھ کر اور چکھ کر احساس ہوتا ہے۔

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾

اُس نے تم پر مردار اور لہو اور سور کا گوشت حرام کر دیا اور جس چیز پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے (اُس کو بھی) ہاں اگر کوئی ناچار ہو جائے تو بشرطیکہ گناہ کرنے والا نہ ہو اور نہ حد سے نکلنے والا تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (۱۱۵)

﴿وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ﴾ ایک صورت یہ ہے کہ غیر اللہ کے تقرب اور خوشنودی کے لیے جانور ذبح کیا جائے اور ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا جائے، دوسری صورت یہ ہے کہ مقصود تو غیر اللہ کا تقرب ہو مگر ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا جائے، یہ دونوں حرام ہیں۔

ذبیحہ کی تین صورتیں:

(۱) اللہ کے لیے قربان کرنے کا اعلان کیا اور ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا تو جانور حلال وطیب ہے۔

(۲) غیر اللہ کے واسطے پکارا اور ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا، ایسا شخص کافر ومرتد ہوا اور یہ ذبیحہ مردار ہے۔

(۳) غیر اللہ کے نام کا جانور پکارا اور بسم اللہ کہہ کر ذبح کیا، یہ ذبیحہ بھی حرام ہے۔

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۹﴾

Scanned by CamScanner

پھر جن لوگوں نے نادانی سے بُرا کام کیا پھر اُس کے بعد توبہ کی اور نیکوکار ہو گئے تو تمہارا رب (ان کو) توبہ کرنے اور نیکوکار ہو جانے کے بعد ان کو بخشنے والا اور (ان پر) رحمت کرنے والا ہے۔ (۱۱۹)

﴿بِجَهَالَةٍ﴾ جہالت یعنی جاہلانہ حرکت اگرچہ جان بوجھ کر کرے، معلوم ہوا کہ توبہ نادانی اور بے اختیاری کے ساتھ مقید نہیں۔

إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِلَّهِ حَنِيفًا ۖ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿١٢٠﴾

بیشک ابراہیم (لوگوں کے) امام (اور) اللہ کے فرمانبردار تھے جو ایک طرف کے ہو رہے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔ (۱۲۰)

﴿إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً﴾ قرآن میں 'أُمَّة' کے چار معانی ہیں۔ اس جگہ امت سے مراد امام ہے۔

ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۖ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿١٢٣﴾

پھر ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی کہ دین ابراہیم کی پیروی اختیار کرو جو ایک طرف کے ہو رہے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔ (۱۲۳)

﴿أَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا﴾ ملت ابراہیم علیہ السلام اور ملت محمد یہ کیا دونوں اصول وفروع میں متحد ہیں یا فقط اصول دین میں متحد ہیں؟ پہلی شق اختیار کی جائے تو لازم آئے گا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مستقل نبی نہیں ہیں، شق ثانی کو اختیار کریں تو اشکال یہ ہوگا کہ پھر اس میں ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی کیا خصوصیت ہے کہ ان کی ملت کی اتباع کا حکم دیا گیا؟

سوال: کیوں شریعت میں ہر دین جداگانہ ہے؟

جواب: شریعت میں تین باتیں ہوتی ہیں۔

(۱) اصول وعقائد

(۲) قواعد کلیہ جو احکام جزئیہ کا ماخذ ہوتے ہیں

(۳) مسائل جزئیہ

قسم اول کا نام دین ہے یہ تمام انبیاء میں مشترک ہے، اس میں نسخ نہیں ہوتا جیسے اللہ ایک ہے۔

قسم ثانی ملت ہے۔

قسم ثالث (احکام جزئیہ) شریعت ہے، ملت ابراہیم علیہ السلام اور ملت محمد قواعد کلیہ میں متفق ہیں۔

ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ ۖ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۚ
إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَن سَبِيلِهِ ۖ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿١٢٥﴾

Scanned by CamScanner

(اے پیغمبر!) لوگوں کو دانش اور نیک نصیحت سے اپنے رب کے رستے کی طرف بلاؤ اور بہت ہی اچھے طریق سے ان سے مناظرہ کرو، جو اس کے رستے سے بھٹک گیا تمہارا رب اُسے بھی خوب جانتا ہے اور جو رستے پر چلنے والے ہیں اُن سے بھی خوب واقف ہے۔ (۱۲۵)

﴿اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ﴾ موقع ومحل کے مناسب اور مخاطب کے فہم کے مطابق دلائل کے ساتھ کلام کرنا حکمت ہے۔

﴿وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ﴾ صرف خشک دلائل سے کام نہ چلایا کرو۔ جذبات کو ابھارنے والی اور دل کو اپیل کرنے والی بات کرو، یہ موعظۃ ہے۔ موعظۃ کے ساتھ ﴿حَسَنَةِ﴾ کی قید اس وجہ سے ہے کہ جذبات کو ابھارنے والی بات جھوٹی نہ ہو جیسا کہ آج کل دین کا نام لے کر کچھ لوگ کرتے ہیں، خود را فضیحت، دیگراں را نصیحت۔

حکیم کی طرح پہلے مرض کی تشخیص کی جائے، پھر ایسے دلائل سے علاج کیا جائے جو اس کے مرض کو جڑ سے نکال دے، اسے حکمت کہتے ہیں۔ تبلیغ ودعوت کے اصول ثلثہ میں سے حکمت کا مطلب ہے کہ بے وقوفوں کی طرح اندھا دھند تبلیغ نہ شروع کی جائے۔ بلکہ مخاطب کی ذہنیت، استعداد، حالات نیز موقع ومحل کو دیکھ کر بات کی جائے ہر طرح کے لوگوں کو ایک لکڑی سے نہ ہانکا جائے اور موعظۃ حسنہ کا مطلب ہے کہ نہایت دلسوزی اور نرمی سے نصیحت کی جائے کہ مخاطب یہ سمجھے کہ آپ اس کے حقیقی خیر خواہ ہیں، مخاطب پر علمی برتری کا رعب ڈالنے کی کوشش نہ کی جائے، استعداد فہم کے لحاظ سے ہر انسان کی طبیعت اور ذہنی حالت ایک خاص طرح کا اسلوب چاہتی ہے، اربابِ دانش کے لیے استدلال کی ضرورت ہوتی ہے۔ عوام کے لیے موعظۃ کی اور اصحاب خصومت کے لیے جدال کی۔

﴿وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ﴾ جدالِ احسن، گفتگو کا وہ اسلوب ہے کہ اگر مباحثہ کی ضرورت آپڑے تو اخلاقی حدود میں رہتے ہوئے معقولیت کے ساتھ مخاطب کے اعتراضات کے جوابات دیئے جائیں، جھڑک کر اور ملامت کے ساتھ، دل آزارانہ باتیں نہ کی جائیں تا کہ وہ چڑ میں مبتلا نہ ہو۔ کج بحثی، الزام تراشی، چوٹ، پھبتی نہ ہو اور مقابل کو چپ کرا دینا مقصد نہ ہو۔

مخاطَب تین طرح کے لوگ ہوتے ہیں:

(۱) ذہین وخوش فکر لوگ۔ ان کے لیے "حکمت" (علمی دلائل) ہے۔

(۲) اہل غفلت کے لیے "موعظۃ حسنۃ" ہے۔

(۳) ضدی اور جھگڑالو لوگوں کے لیے بحث ومناظرہ بطریق پسندیدہ ہو۔

دعوت: پیغمبر کا کام صرف پہونچا دینا نہیں بلکہ اس کی تعمیل کی طرف لوگوں کو بلانا ہے، دعوت تربیت کے انداز میں ہو جس میں مخاطب کے حالات کی رعایت ہو۔

حکمت: نرمی کی جگہ نرمی، سختی کی جگہ سختی اختیار کرے، وقت ایسا ہو کہ مخاطب پہ بار نہ ہو، صراحت کے ساتھ شرمندگی ہو

Scanned by CamScanner

تو اشارات میں بات کرے۔

موعظۃ: خیر خواہی کی بات موثر انداز میں کہنا "موعظۃ" ہے اور "حَسَنَةٌ" کا لفظ بڑھایا کہ مخاطب کو اس انداز میں اپنی توہین محسوس نہ ہو۔

دعوت بالحکمۃ: اہل علم کے لیے حکمت، عوام کے لیے موعظۃ اور اہل شکوک وشبہات کے لیے بطریق احسن مجادلہ ہے۔

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ۖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۲۶﴾

اور اگر تم اُن کو تکلیف دینی چاہو تو اتنی ہی دو جتنی تکلیف تمہیں اُن سے پہنچی اور اگر صبر کرو تو وہ صبر کرنے والوں کیلئے بہت اچھا ہے۔(۱۲۶)

جتنا ظلم کیا ہے اتنا ہی بدلہ لیا جائے، مگر بدلہ نہ لیں تو بہتر ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ﴿۱۲۸﴾

کچھ شک نہیں کہ جو پرہیزگار ہیں اور جو احسان کرنے والے ہیں اللہ اُن کا مددگار ہے۔(۱۲۸)

بعض لوگ خود نیک ہوتے ہیں مگر دوسروں کو نیک بنانے کی فکر میں نہیں رہتے، بعض لوگ دوسروں کی فکر کرتے ہیں مگر ذاتی اصلاح کی طرف توجہ نہیں دیتے، اللہ کی معیت حاصل کرنے کے لیے دونوں باتیں ضروری ہیں۔

اللہ کی مدد ان کے ساتھ ہے جو دو صفتوں کے حامل ہیں:

(۱) تقویٰ

(۲) احسان

Scanned by CamScanner

پارہ نمبر

۱۵

سورۃ الاسراء
(آیت:۱)

تا

سورۃ الکھف
(آیت:۷۴)

مُجمّع بلقیس للبحوث الإسلامیۃ
حیدرآباد الھند

Scanned by CamScanner

پندرہواں پارہ

سورۃ الإسراء (مکیۃ)

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ①

وہ (ذات) پاک ہے جو ایک رات اپنے بندے کو مسجد الحرام (یعنی خانہ کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (یعنی بیت المقدس) تک جس کے گرداگرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں لے گیا تاکہ اُسے اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھائے، بیشک وہ سننے والا (اور) دیکھنے والا ہے۔(۱)

مکہ سے مسجد اقصیٰ کی مسافت:

مکہ سے مسجد اقصیٰ ایک ہزار میل ہے، یہ سفر چالیس دن میں طے ہوتا تھا۔ واقعۂ اسراء کب پیش آیا اس کی صراحت نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں۔

بیت المقدس پر پہلا اور دوسرا حملہ:

پہلا حملہ: بخت نصر نے کیا۔ ۵۸۸۔۵۸۶ قبل مسیح اس نے یروشلم کو پوری طرح تباہ کر دیا۔ بہت سے لوگوں کو قتل کیا، بہت سے لوگوں کو لونڈی اور غلام بنا کر لے گیا، صدقیاہ کے لڑکے کو اس کے سامنے قتل کیا اور اس کو اندھا بنا کر زنجیروں میں بابل لے گیا۔

جب قوموں میں بگاڑ آتا ہے اور وہ سرکش ہو جاتی ہیں تو ان پر ظالم حکمرانوں کو مسلط کر دیتا ہے۔

دوسرا حملہ: ٹیٹس رومی نے ۷۰ء میں بیت المقدس کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔

یہ سفر رات کے ایک حصہ میں طے ہوا، اسراء اس آیت سے ثابت ہے۔

Scanned by CamScanner

﴿مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَا﴾ مسجد اقصیٰ سے سفرِ معراج ہوا۔اس کا ثبوت سورۂ نجم کی آیات میں ہے۔

﴿سُبْحٰنَ﴾ لفظ تعجب ہے۔اگر سفرِ معراج خواب میں ہوتا تو اس میں تعجب کی کون سی بات تھی۔
مسجد اقصیٰ کو اہل کتاب ''ہیکل'' کہتے ہیں۔یہ ملک فلسطین کے شہر یروشلم میں سلیمان علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے تقریباً پانچ سو برس بعد تعمیر کیا۔

یہ سورہ مکی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ معراج ہجرت سے ایک سال قبل مکہ سے ہوئی۔ابن حزم رحمہ اللہ نے واقعۂ معراج پر اجماع نقل کیا ہے۔''سبحان'' کے لفظ کا استعمال ایسے موقعوں پر ہوتا ہے جب کسی عظیم الشان واقعے کا ذکر ہو،یہاں واقعۂ معراج کی ابتداء لفظ ''سبحان'' سے کی گئی ہے جو دلیل ہے کہ یہ غیر معمولی واقعہ ہے۔خواب کوئی غیر معمولی چیز نہیں ہے۔نیز ''عبد'' کا لفظ جسم اور روح کے مجموعے پر بولا جاتا ہے۔
بیت المقدس مکہ سے ۴۰ دن کی مسافت (ایک ہزار میل یعنی ۱۶۱۲ کلومیٹر) پر واقع ہے جسے سلیمان علیہ السلام نے ایک ہزار سال قبل مسیح میں تعمیر کیا تھا،بیت الحرام سے بیت المقدس کا سفر اسراء ہے اور وہاں سے جو سفر آسمانوں کی طرف ہوا اس کا نام معراج ہے۔معراج کا ذکر سورۂ نجم میں ہوا۔

﴿سُبْحٰنَ﴾ مصدر ہے یہ ''غُفران'' کے وزن پر ہے۔اسے تسبیح سے عَلَم میں لے لیا گیا ہے۔یعنی وہ ہر نقص سے پاک اور ہر عجز سے منزّہ اور ہر قید وحد بندی سے بالاتر ہے۔لفظ سبحان وہاں لایا جاتا ہے جہاں کسی امر عظیم کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہوتا ہے۔کہ لوگوں کے لیے ظاہری اسباب کے اعتبار سے واقعہ کتنا ہی محال ہو اللہ کے لیے کوئی مشکل نہیں،اس لیے کہ وہ اسباب کا پابند نہیں،اسباب تو انسانوں کے لیے ہے،اللہ ان کوتاہیوں سے پاک ہے۔

﴿أَسْرٰى بِعَبْدِهٖ﴾ ''اسریٰ عبدہ'' نہیں کہا ﴿أَسْرٰى بِعَبْدِهٖ﴾ کہا۔''بِعَبْدِهٖ'' میں ''ب'' التصاق کے لیے ہے کہ اسراء اور معراج کے اس حیرت انگیز اور عجیب وغریب سفر میں اللہ کی عنایتیں اور نوازشیں قدم قدم پر نبی ﷺ کے ساتھ رہیں یعنی اس سفر کے ہر موڑ پر نبی ﷺ کو اللہ کی معیت خاصہ حاصل تھی اور اس سفر کا لحہ لحہ اللہ کی نگرانی اور اس کی حفاظت کے سائے میں ہو رہا تھا۔اگر کوئی سوال کرے کہ براق کی کیا ضرورت تھی؟ اللہ اس کے بغیر بھی یہ سفر کرانے پر قادر تھا،جواب یہ ہے کہ اللہ یقیناً قادر تھا مگر اس نے ہر چیز کے لیے ایک سبب رکھا ہے تا کہ انسان سبب اختیار کرے ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا نہ رہے،اگر کارگہِ حیات میں اسباب کا کردار نہ ہوتا تو نظام زندگی تعطل کا شکار ہو جاتا۔

﴿بِعَبْدِهٖ﴾ میں اشارہ ہے کہ انسان کا سب سے کمال یہ ہے کہ وہ اللہ کا بندہ بن جائے۔لفظ ''عبد'' سے معراج جسمانی کا ثبوت ملا کیونکہ عبد،جسم وروح کے مجموعے کا نام ہے۔بعد میں معراج روحانی ہوئی۔
لفظ ''عبد'' سے اشارہ اس بات کی طرف کرنا ہے کہ انسان کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ وہ بندہ بن جائے نیز بندہ مقام مافوق الادراک پر پہنچنے کے بعد بھی بندہ ہی رہتا ہے،بندہ ساری کائنات کو بیک وقت اس طرح نہیں دیکھ سکتا جس طرح

Scanned by CamScanner

اللہ دیکھتا ہے اور اللہ کو کسی چیز کے مشاہدے کے لیے کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہوتی مگر بندے کو ہوتی ہے، معراج میں جو مشاہدے آپ ﷺ کو کرائے گئے وہ تمثیلی رنگ میں عالم آخرت کی جزاؤں اور سزاؤں کا پیشگی مشاہدہ تھا تاکہ نبی کا مقام ایک فلسفی کے مقام سے ممیز ہوجائے، کیونکہ فلسفی جو کچھ کہتا ہے قیاس وگمان سے کہتا ہے اور نبی جو کچھ کہتا ہے وہ مشاہدے کی بنا پر کہتا ہے، وہ مخلوق کے سامنے یہ شہادت دے سکتا ہے کہ وہ ان باتوں کو جانتے ہیں اور یہ ہماری آنکھ دیکھی حقیقتیں ہیں۔

سوال: مسجدِ حرام کے ساتھ مسجدِ اقصیٰ کا ذکر کیوں؟

جواب: مسجدِ حرام اور مسجدِ اقصیٰ دونوں کا دین ایک ہے اور مسجدِ حرام کے بعد مسجدِ اقصیٰ دوسری مسجد ہے جو روئے زمین پر تعمیر کی گئی اور جو بھی دونوں کے مشترک عقیدے کی وحدت پر دست درازی کرے گا اس کی خبر لینے کے لیے شبِ معراج میں دونوں کو جمع کرنے والا، اللہ، قیامت تک دونوں کے درمیان اتحاد کو باقی رکھے گا۔ "بارَکنافیہ" کی بجائے ﴿بٰرَکْنَا حَوْلَهٗ﴾ کہا جس میں اشارہ ہے کہ اللہ کی طرف سے مسجدِ اقصیٰ بابرکت ہے اور اس کے اطراف بھی بابرکت ہیں، یہودیوں اور اہل ایمان کے درمیان آنے والا فیصلہ کن معرکہ اسی سرزمین پر ہوگا، چالیس راتوں کا یہ سفر رات میں بھی نہیں رات کے ایک قلیل حصے میں طے ہوگیا۔

اللہ نے اس زمین میں اپنی عبادت کے لیے دو جگہوں کو عبادت کرنے والوں کے لیے قبلہ بنایا، ایک بیت اللہ، دوسرا بیتُ المقدس، مگر قانونِ قدرت دونوں کے متعلق الگ الگ ہے، بیت اللہ کی حفاظت اپنے ذمہ لی، ابرہہ کا واقعہ اس کا ثبوت ہے، لیکن بیتُ المقدس کے لیے یہ قانون نہیں بلکہ آیات سے معلوم ہوا کہ مسلمان جب گمراہی اور معاصی میں مبتلا ہوں گے تو ان سے یہ قبلہ چھین لیا جائے گا۔

کوئی اللہ پرست قوم اجتماعی طور پر بدکرداری میں مبتلا ہو جائے تو ان پر جو عذاب آئے گا اس میں کسی شخص کی عزت، جان، مال انفرادی طور پر محفوظ نہ رہے گی خواہ وہ شخص ذاتی طور پر بھلا مانس ہو، اسی طرح وہاں کے مقدس ادارے اور مقدس مقامات بھی محفوظ نہ رہیں گے۔

سوال: مشرکین مکہ کا سفرِ معراج پر شک وشبہ؟

جواب: لوگوں کے اعتبار سے بظاہر یہ واقعہ کتنا ہی محال ہو، مگر اللہ کے لیے کچھ مشکل نہیں کیونکہ وہ اسباب کا پابند نہیں، اللہ کے تعلق سے اس قسم کے سوالات نہیں اٹھائے جاسکتے۔

﴿اَسْرٰی﴾ کے ساتھ ﴿لَیْلًا﴾ کا نکتہ:

"اسریٰ" رات میں چلنے کو کہتے ہیں۔ یہ "سَارَ" کے مقابل میں ہے جو دن میں چلنے کے لیے استعمال ہوتا ہے مثلاً: "اَسریٰ الفلاحُ الی حقلہ" کسان رات میں اپنے کھیت گیا، پھر کیا بات ہے کہ آیت میں اسریٰ بھی کہا گیا اور ﴿لَیْلًا﴾ بھی کہا گیا۔ دونوں کو جمع کرنے میں کیا حکمت ہے؟ صاحب کشاف نے جواب دیا کہ اگر کوئی سوال کرے کہ اسراء کا عمل رات میں تو انجام پاتا ہے پھر رات کا ذکر کیوں کیا گیا۔ اس کا جواب ہے کہ نکرہ کے صیغے ﴿لَیْلًا﴾

تقلیل مراد ہے کہ وہ مختصر لمحات تھے۔ یہاں ﴿ لَیْلًا ﴾ کی تنکیر اعظمیت کا مفہوم لیے ہوئے ہے یعنی رات کے ایک مختصر حصہ میں یہ عظیم سفر مکمل ہو گیا۔ دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ جہاں صرف ﴿ لَیْلًا ﴾ کا استعمال ہو وہاں مراد یہ ہوتی ہے کہ واقعہ خاص جگہ میں خاص لوگوں کے ساتھ پیش آیا اور دوسرے لوگوں کو اس کا احساس نہیں ہوا۔ بالفاظ دیگر آیت میں ﴿ لَیْلًا ﴾ کا لفظ ہوتا تو مطلب یہ ہوتا کہ معراج، رات کے وقت شروع ہوئی تھی۔ پھر کئی راتوں اور کئی دنوں تک یہ سفر جاری رہا۔

وَقَضَيْنَآ إِلٰى بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ فِى الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِى الْأَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيرًا ۝

اور ہم نے کتاب میں بنی اسرائیل سے کہہ دیا تھا کہ تم زمین میں دو دفعہ فساد مچاؤ گے اور بڑی سرکشی کرو گے۔ (۴)

بنی اسرائیل کے فسادات اور ان کا ذکر:

﴿ لَتُفْسِدُنَّ فِى الْأَرْضِ مَرَّتَيْنِ ﴾ بنی اسرائیل میں بڑے پیمانے پر اخلاقی و عملی بگاڑ پیدا ہوا، جب یہودیوں نے یشعیاہ نبی اور یرمیاہ کو قید کیا اور تورات کے احکام کی خلاف ورزی کی اور معاصی کا ارتکاب کر کے فساد فی الارض کے مجرم بنے، فساد فی الارض سے مراد اللہ کی توحید اور اس کی شریعت سے بغاوت ہے تو بخت نصر نے ۸۷-۵۸۶ قبل مسیح سلطنت یہود پر حملہ کیا اور یہود کے مرکز یروشلم کو پوری طرح تباہ کر دیا، ہزاروں یہودیوں کو قتل کیا اور بے شمار لوگوں کو لونڈی و غلام بنا کر بابل لے گیا اور ہیکل سلیمانی کو پیوند خاک کر دیا۔

سب سے بڑا فساد **دینی فساد** (بگاڑ) ہے، آسمانی کتاب کی حامل قوم اگر کتاب الٰہی کے حقوق نہ ادا کرے تو اسے ظالم قوم کے حوالے کر دیا جاتا ہے اور اگر ادا کرے تو اسے دنیا کی بھی سرفرازی عطا کی جاتی ہے۔

دوسرا فساد۔ دوسرے بڑے بگاڑ (اجتماعی بگاڑ) اور اس کے نتیجے میں ہونے والی دوسری بڑی تباہی کی طرف اشارہ ہے، یہودی حکمراں نے ایک رقاصہ کی فرمائش پر حضرت یحییٰ علیہ السلام کا سر قلم کر کے اس کی نذر کیا، زکریا علیہ السلام کو قتل کیا، عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کا منصوبہ بنایا تو ۷۰ء، (یعنی رفع مسیح کے ستر سال بعد) رومی بادشاہ ٹیٹس (Titus) نے بیت المقدس پر حملہ کیا، تقریباً ایک لاکھ تئیس ہزار آدمیوں کو قتل کیا اور تقریباً ۶۷ ہزار لوگوں کو غلام بنا لیا۔

اسراء کے سیاق میں بنی اسرائیل کا قصہ بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان بھی اس ضابطۂ الٰہی سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ اگر اللہ اور رسول کی اطاعت سے انحراف کریں گے تو ظالموں کو ان پر مسلط کر دیا جائے گا، جن کے ہاتھوں ان کی مساجد کی بے حرمتی ہو گی ان کے گھروں میں گھس کر قتل و غارتگری کریں گے مساجد کو اصطبلوں میں بدل دیا جائے گا، مساجد ہمارا روحانی مرکز ہیں اور مرکز سے رابطہ اگر کٹ جائے تو آدمی کٹی پتنگ بن جاتا ہے۔

فَإِذَا جَآءَ وَعْدُ أُولٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ أُولِى بَأْسٍ شَدِيدٍ فَجَاسُوا خِلٰلَ الدِّيَارِ ۚ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُولًا ۝

پس جب پہلے (وعدے) کا وقت آیا تو ہم نے اپنے سخت لڑائی لڑنے والے بندے تم پر مسلط کر دیئے
اور وہ شہروں کے اندر پھیل گئے اور وہ وعدہ پورا ہو کر رہا۔ (۵)

﴿عِبَادًا لَّنَآ﴾ کی حکمت: کافر بھی اللہ کے بندے ہیں مگر مقبول بندے نہیں۔ "عِبَادَنا" نہیں کہا حالانکہ وہ مختصر تھا، ﴿عِبَادًا لَّنَآ﴾ کہا۔ حکمت یہ ہے کہ کسی بندہ کی اضافت ونسبت اللہ کی طرف ہوجانا سب سے بڑا اعزاز ہے۔ سارے انسان اللہ کے بندے ہیں مگر بغیر ایمان مقبول بندے نہیں، کہ ان کی نسبت اللہ کی طرف کی جائے۔ کافر بھی اللہ کے بندے ہیں مگر انھیں ﴿عِبَادًا لَّنَآ﴾ کہا کیونکہ اضافت کو توڑ کر بیان کرنا ایک اعزاز ہے۔

﴿بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ﴾

سوال: مسجد حرام کا صرف نام لیا گیا او مسجد اقصیٰ کے ساتھ ﴿بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ﴾ کہا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد اقصیٰ کو کعبہ پر فضیلت حاصل ہے۔

جواب: ایک جواب یہ ہے کہ مسجد حرام میں لفظ حرام لا کر اس کی تمام فضیلتوں کو جمع کر دیا گیا ہے۔

دوسرا جواب: مسجد اقصیٰ کے بارے میں ﴿بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ﴾ کہا گیا اور کعبہ کے بارے میں ﴿مبارکا﴾ کہا گیا، اس سے معلوم ہوا کہ کعبہ بذات خود مبارک ہے، اور مسجد اقصیٰ کے آس پاس برکت دی، تو فضیلت مسجد حرام کی ثابت ہوئی، معراج میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام نبیوں کا امام بنایا گیا جس میں اشارہ ہے کہ تمام نبوتیں اب ہدایت کے مستند ماخذ کی حیثیت سے منسوخ کر دی گئیں، امام اعظم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں کہ تمام انبیاء کے علاقے اور ان کی مسجد میں ان کی امامت فرمائی، تمام انبیاء علیہم السلام کی امامت فرمانا درحقیقت تمام انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں کے نسخ کی طرف اشارہ ہے۔

بُراق کا ذکر:

"البراق فوق الحمار ودون البغل يقع خطوه عند اقصى طرفه فحملت عليه" (مسلم، کتاب الایمان: ۱۶۲)

دابة ابيض فوق الحمار ودون البغل: فذهبت انعت فما زلت أنعت حتى التبس عليّ بعض النعت قال فجي بالمسجد وانا انظر حتى وضع دون دار عُقيل۔

بُراق گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا ایک سفید جانور تھا۔ کفار کے سوال کرنے پر میں بیت المقدس کی صفات بیان کرتا رہوں یہاں تک کہ اس کے بارے میں بعض باتیں بتانے میں مجھے کچھ شبہ ہوا تو مسجد کو لایا گیا اور دار عقیل کے قریب رکھ دیا گیا، اور میں اسے دیکھ کر بیان کرنے لگا۔

معراج کا تحفہ (معراج میں آپ کو تین چیزیں دی گئیں):

(۱) سورۂ فاتحہ

(۲) سورۂ بقرہ کی آخری آیات

(۳) جس نے شرک نہیں کیا کہ اس کی بخشش کا وعدہ۔

آسمان سے اتر کر آپ بیت المقدس آئے، تب نماز پڑھائی ممکن ہے یہ فجر کی نماز رہی ہو۔

براق بھی آپ کے معراج جسمانی کی دلیل ہے، کیونکہ سواری کی ضرورت جسم کو ہوتی ہے روح کو نہیں۔

وَكَانَ الْإِنْسَانُ عَجُوْلًا: وَقَدْ ذَكَرَ سَلْمَانُ الْفَارِسِيُّ وَابْنُ عَبَّاسٍ - رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا - هَاهُنَا قِصَّةَ آدَمَ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، حِينَ هَمَّ بِالنُّهُوضِ قَائِمًا قَبْلَ أَنْ تَصِلَ الرُّوحُ إِلَى رِجْلَيْهِ، وَذَلِكَ أَنَّهُ جَاءَتْهُ النَّفْخَةُ مِنْ قِبَلِ رَأْسِهِ، فَلَمَّا وَصَلَتْ إِلَى دِمَاغِهِ عَطَسَ، فَقَالَ: الْحَمْدُ لِلّٰهِ. فَقَالَ اللهُ: يَرْحَمُكَ رَبُّكَ يَا آدَمُ. فَلَمَّا وَصَلَتْ إِلَى عَيْنَيْهِ فَتَحَهُمَا، فَلَمَّا سَرَتْ إِلَى أَعْضَائِهِ وَجَسَدِهِ جَعَلَ يَنْظُرُ إِلَيْهِ وَيُعْجِبُهُ، فَهَمَّ بِالنُّهُوضِ قَبْلَ أَنْ تَصِلَ إِلَى رِجْلَيْهِ فَلَمْ يَسْتَطِعْ وَقَالَ: يَا رَبِّ عَجِّلْ قَبْلَ اللَّيْلِ (تفسیر ابن کثیر)

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت آدم کے وہ قصہ میں بیان ہے کہ انہوں نے پاؤں تک روح کے پہنچنے سے پہلے اٹھ کھڑے ہو جانے کا ارادہ کر لیا تھا، ان میں روح سر کی طرف سے پھونکی گئی تھی، روح جب دماغ میں پہنچی تو انہیں چھینک آئی اور انہوں نے کہا کہ "الحمد للہ" اللہ نے فرمایا "یرحمک ربک یا آدم" اے آدم تجھ پر تیرا رب رحم فرمائے، روح جب آنکھوں تک پہنچی تو انہوں نے اپنی آنکھیں کھول دیں، روح جب ان کے اعضاء اور جسم کے دیگر حصوں تک پہنچی تو انہوں نے اپنے جسم کو دیکھا اور اس پر تعجب کا اظہار کر دیا اور روح پاؤں تک پہنچنے سے پہلے انہوں نے اٹھ کھڑے ہونے کا ارادہ کر لیا، مگر اٹھ نہ سکے اور عرض کرنے لگے، "یا ربی عجل قبل اللیل" اے میرے رب جلدی سے میری روح کو میرے پاس پہنچا دے۔

روح آدم علیہ السلام کے سر کی طرف سے پھونکی گئی، جب روح دماغ میں پہنچی تو انھیں چھینک آئی تو الحمد للہ کہا۔ اللہ نے جواب میں کہا: "يَرْحَمُكَ رَبُّكَ يَا آدَمُ" ابھی پاؤں تک روح نہ پہنچی تھی کہ آدم علیہ السلام نے جلدی میں اٹھنے کا ارادہ کیا۔

وَيَدْعُ الْإِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَاءَهُ بِالْخَيْرِ ۖ وَكَانَ الْإِنْسَانُ عَجُوْلًا ﴿۱۱﴾

اور جس طرح (جلدی سے) بھلائی مانگتا ہے اسی طرح برائی مانگتا ہے اور انسان جلد باز (پیدا ہوا) ہے۔(۱۱)

﴿وَكَانَ الْإِنْسَانُ عَجُوْلًا﴾ سے انسان کی ایک فطری کمزوری کا بیان:

انسان فوری راحت چاہتا ہے، چاہے وہ تھوڑی ہی ہو اور اسے دائمی راحت پر ترجیح دینے لگتا ہے، کبھی غصے میں جھنجھلا کر اپنے اور اپنی اولاد کے حق میں بددعا کرنے لگتا ہے، ظاہری ٹیپ ٹاپ دیکھ کر دوڑ پڑتا ہے، نہیں سمجھتا کہ اس لہلہاتے پودے کے نیچے سانپ بچھو چھپے ہیں جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو اپنی ہلاکت کے لیے اسی طرح بددعا کرتا ہے جس طرح بھلائی کے لیے اپنے رب سے دعا کرتا ہے، یہ تو رب کا فضل ہے کہ اس کی سب بددعاؤں کو قبول نہیں کرتا۔

Scanned by CamScanner

وَكُلَّ إِنسَانٍ أَلْزَمْنَاهُ طَائِرَهُ فِي عُنُقِهِ ۖ وَنُخْرِجُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَابًا يَلْقَاهُ مَنشُورًا

اور ہم نے ہر انسان کے اعمال کو (بہ صورت کتاب) اس کے گلے میں لٹکا دیا ہے اور قیامت کے روز (وہ) کتاب اُسے نکال دکھائیں گے جسے وہ کھلا ہوا دیکھے گا۔ (۱۳)

﴿طَائِرَهُ﴾ ہمارا نامۂ اعمال اگر ہماری گردنوں میں لٹک رہا ہے تو ہمیں دکھائی کیوں نہیں دیتا؟ جواب یہ ہے کہ اگر ظاہری آنکھوں سے دکھائی دیتا تو پھر آزمائش کہاں باقی رہتی۔

﴿فِي عُنُقِهِ﴾ کوئی چیز گردن میں لٹکا دی جائے تو آدمی اس سے خلاصی نہیں پا سکتا، کراماً کاتبین گلے میں ڈال دیں گے قبر میں یہ نامۂ اعمال رہے گا پھر یہی قیامت میں کھولا جائے گا۔

﴿طَائِرَهُ﴾ امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ طائر۔ "کل ما طار من عملہ من خیر و شر" طائر ہر وہ اچھا برا عمل ہے جو انسان سے صادر ہو، تو گویا اللہ نے اس آیت کریمہ میں یہ پیغام دیا کہ عمل کرنے سے پہلے سوچ سمجھ لو کیونکہ عمل پرندے کی مانند ہے، کر لیا تو واپس نہیں آتا۔

انسان جو عمل کرتا ہے اس کا اچھا برا اثر دل میں محسوس کرتا ہے اس کی یاد شعور یا تحت الشعور میں موجود رہتی ہے، یہ علامت ہے کہ اس کا کوئی عمل بے اثر اور بے نتیجہ نہیں اس کا ہر عمل محفوظ کیا جا رہا ہے۔

اِقْرَأْ كِتَابَكَ كَفَىٰ بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا ﴿١٤﴾

(کہا جائے گا کہ) اپنی کتاب پڑھ لے تو آج اپنا آپ ہی محاسب کافی ہے۔ (۱۴)

﴿اِقْرَأْ كِتَابَكَ كَفَىٰ بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا﴾ موت کے بعد انسان کی زندگی ایک کتاب ہے تو اس کی تحریر اچھی بناؤ، اگر تمہاری کتاب کی معلومات ردی اور بری ہے تو یہ مت گمان کرو کہ غلاف (cover) کی خوبصورتی فائدہ دے گی۔

مَّنِ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ ۖ وَمَن ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۗ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا ﴿١٥﴾

گمراہ ہوتا ہے تو گمراہی کا ضرر بھی اُسی کو ہوگا اور کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور جب تک ہم پیغمبر نہ بھیج لیں عذاب نہیں دیا کرتے۔ (۱۵)

﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا﴾ کسی قوم یا فرد تک اللہ کا پیغام نہیں پہونچا (جیسے بہرا، پاگل، فاتر العقل، زمانۂ فترت میں فوت ہونے والا) تو قیامت کے دن اللہ یہ کہے گا جہنم میں داخل ہو جاؤ اگر وہ اس کا حکم مان کر جہنم میں

Scanned by CamScanner

داخل ہو جائیں گے تو جہنم ان کے لیے گل گلزار بن جائے گی بصورت دیگر انھیں گھسیٹ کر جہنم میں ڈالا جائے گا، اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔

عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ سَرِيعٍ، عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «أَرْبَعَةٌ يَحْتَجُّونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: رَجُلٌ أَصَمُّ، وَرَجُلٌ أَحْمَقُ، وَرَجُلٌ هَرِمٌ، وَرَجُلٌ مَاتَ فِي الْفَتْرَةِ، فَأَمَّا الْأَصَمُّ، فَيَقُولُ: يَا رَبِّ، لَقَدْ جَاءَ الْإِسْلَامُ، وَمَا أَسْمَعُ شَيْئًا، وَأَمَّا الْأَحْمَقُ، فَيَقُولُ: رَبِّ، قَدْ جَاءَ الْإِسْلَامُ وَالصِّبْيَانُ يَحْذِفُونَنِي بِالْبَعْرِ، وَأَمَّا الْهَرِمُ، فَيَقُولُ: رَبِّ، لَقَدْ جَاءَ الْإِسْلَامُ وَمَا أَعْقِلُ، وَأَمَّا الَّذِي مَاتَ فِي الْفَتْرَةِ، فَيَقُولُ: رَبِّ، مَا أَتَانِي لَكَ رَسُولٌ، فَيَأْخُذُ مَوَاثِيقَهُمْ لَيُطِيعُنَّهُ، فَيُرْسِلُ إِلَيْهِمْ رَسُولًا أَنِ ادْخُلُوا النَّارَ، قَالَ: فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ دَخَلُوهَا كَانَتْ عَلَيْهِمْ بَرْدًا وَسَلَامًا (صحیح ابن حبان، ۷۳۵۳، صحیح)

وَإِذَآ أَرَدْنَآ أَن نُّهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا۟ فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا ٱلْقَوْلُ فَدَمَّرْنَٰهَا تَدْمِيرًا ﴿١٦﴾

اور جب ہمارا ارادہ کسی بستی کو ہلاک کرنے کا ہوا تو وہاں کے آسودہ لوگوں کو (فواحش پر) مامور کر دیا تو وہ نافرمانیاں کرتے رہے پھر اُس پر (عذاب کا) حکم ثابت ہو گیا اور ہم نے اُسے ہلاک کر ڈالا۔ (۱۶)

بستی کی تباہی کے اسباب:

قوموں کے عذاب کے سلسلے میں اللہ کی سنت واضح کی گئی کہ کسی بستی کی تباہی اس وقت عمل میں آتی ہے جب اس میں فسق عام ہو جاتا ہے اور اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ خوش حال طبقہ اللہ کے حکموں سے اعراض کرنے لگتا ہے پھر انہی کی تقلید غریب بھی کرنے لگتے ہیں، اس طرح پوری بستی عذاب الٰہی کی مستحق بن جاتی ہے، کسی بستی کی تباہی اس وقت عمل میں آتی ہے جب اس کا مالدار طبقہ بد عمل ہو جائے۔

مَّن كَانَ يُرِيدُ ٱلْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهُۥ فِيهَا مَا نَشَآءُ لِمَن نُّرِيدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُۥ جَهَنَّمَ يَصْلَىٰهَا مَذْمُومًا مَّدْحُورًا ﴿١٨﴾

جو شخص دنیا (کی آسودگی) کا خواہش مند ہو تو ہم اس میں سے چاہتے ہیں اور جتنا چاہتے ہیں جلد دے دیتے ہیں پھر اُس کیلئے جہنم کو (ٹھکانا) مقرر کر رکھا ہے جس میں وہ بُرے حال میں، (بارگاہ الٰہی) سے راندہ ہو کر داخل ہو گا۔ (۱۸)

تمام معاملات میں آدمی کے سامنے دو مختلف طریقے ہوتے ہیں، ایک خواہش پرستی، دوسرے معبود پرستی، ایک مصلحت

Scanned by CamScanner

پرستی دوسرا اصول پرستی، پہلے طریقے میں وقتی فائدہ ہے بعد میں ہمیشہ کی محرومی، دوسرے طریقے میں وقتی محرومی ہے بعد میں ہمیشہ کی عزت و کامیابی۔

وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿۱۹﴾

اور جو شخص آخرت کا طلبگار ہو اور اس میں اتنی کوشش کرے جتنی اُسے لائق ہے اور وہ مومن بھی ہو، ایسے لوگوں کی کوشش مقبول ہوتی ہے۔ (۱۹)

﴿وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا﴾ یہاں ایک اہم نکتہ قابلِ غور ہے کہ دنیا کے لیے صرف ارادہ کا لفظ آیا ہے جب کہ آخرت کے ساتھ کوشش کا بھی ذکر فرمایا گیا، گویا دنیا تو بغیر کوشش کے بھی مل سکتی ہے مگر آخرت کوشش کے بغیر ملنے والی نہیں۔

﴿مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ﴾ اتنی دنیا ملتی ہے جتنی اللہ چاہتا ہے اور وہ بھی اسی کو ملتی ہے جس کو اللہ چاہتا ہے یعنی دنیا کے طالبین میں سب کو دنیا نہیں ملتی ہے، مگر آخرت کے ہر طالب کو آخرت ملتی ہے، شرط یہ ہے کہ وہ ان تین شرائط کو پورا کرے۔

اہل عمل کی تین قسمیں:

(۱) اس عمل سے مقصود فقط دنیوی منفعت ہو۔ ﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ﴾

(۲) اس عمل سے مقصود آخرت کی منفعت ہو۔ ﴿وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ﴾ میں ان دو قسموں کا ذکر کیا۔

(۳) اس عمل سے دنیا و آخرت دونوں مقصود ہوں۔ ﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ﴾ ﴿وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا﴾ پھر اس کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) آخرت کی طلب غالب، دنیا کی طلب مغلوب۔

(۲) دنیا کی طلب غالب، آخرت کی مغلوب۔

(۳) دونوں طلبیں برابر ہوں۔

پہلا عمل مقبول نہیں کیونکہ اگرچہ آخرت کی نیت غالب ہے مگر غیر اللہ کی نیت اس کے ساتھ شامل ہے بعضوں نے کہا بقدرِ نیت مقبول ہو جائے گا، دوسری بالاجماع مردود ہے، تیسری بھی باتفاق علماء مقبول نہیں۔

قبولیت اعمال کی تین شرطیں:

(۱) نیت صحیح ہو، ﴿وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ﴾ کے جملے سے مستفاد ہے۔

(۲) عمل صحیح ہو یعنی قواعد شریعت کے مطابق ہو ﴿وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا﴾ جو ریاضت و مجاہدہ شریعت کے خلاف ہو وہ

Scanned by CamScanner

آخرت کا راستہ نہیں جوگیوں کی ریاضتیں ہیں۔

(۳) عقیدہ صحیح: ﴿ وَهُوَ مُؤْمِنٌ ﴾ اس پر دلالت کرتا ہے۔

وَقَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ﴿۲۳﴾

اور تمہارے رب نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کیساتھ بھلائی کرتے رہو، اگر ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو اُن کو اُف تک نہ کہنا اور نہ اُنہیں جھڑکنا، اور ان سے بات ادب سے کرنا۔ (۲۳)

﴿ عِنْدَكَ الْكِبَرَ ﴾ اگر تمہاری کفالت میں بھی ہوں تو بھی کچھ نہ کہنا کجا یہ کہ وہ الگ رہتے ہوں۔

﴿ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ﴾ لوگ ماں باپ کو بھگوان کہتے ہیں حالانکہ ضابطہ یہ ہے کہ جو جس درجے کا ہے اس کو وہی درجہ دو، جب ماں کو بہن، بہن کو ماں وغیرہ نہیں کہہ سکتے۔ ایس آئی کو کانسٹبل نہیں کہہ سکتے ورنہ وہ اپنی تنقیص سمجھ کر برافروختہ ہو جائے گا، ماں باپ کو بھگوان نہیں کہہ سکتے کیونکہ وہ کھاتے پیتے ہیں جب کہ بھگوان ان تمام اوصاف بشری سے متصف نہیں ہے۔

وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ﴿۲۴﴾

اور عجز و نیاز سے اُن کے آگے جھکے رہو اور اُن کے حق میں دعا کرو کہ اے اللہ! جیسا انہوں نے مجھے بچپن میں (شفقت سے) پرورش کیا ہے تو بھی اُن (کے حال) پر رحمت فرما۔ (۲۴)

﴿ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ﴾

دعا کی وجہ: انسان والدین کی خدمت اس طرح نہیں کر سکتا جیسا انہوں نے اس کے بچپن میں کی تھی اس لیے فرمایا دعا کرتے رہو تاکہ جو کسر خدمت میں رہ جائے وہ دعا سے پوری ہو جائے۔

﴿ كَمَا رَبَّيٰنِيْ ﴾ میں "ک" تشبیہ کے لیے ہے کہ بڑھاپے میں ماں باپ کو ویسی ہی خدمت کی ضرورت ہوتی ہے جیسے کہ بچہ کو بچپن میں۔

اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ؕ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ﴿۲۷﴾

بیشک فضول خرچی کرنے والے تو شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان تو اپنے رب (کی نعمتوں) کا کفران کرنے والا (یعنی ناشکرا) ہے۔ (۲۷)

Scanned by CamScanner

"تبذیر"۔ زمین میں بیج ڈالتے وقت کسان یہ نہیں دیکھتا کہ بیج کہاں پڑ رہا ہے فضول خرچی میں انسان اپنا مال بیج کی طرح اُڑاتا ہے۔

اسراف تین چیزوں کا نام ہے:

(۱) ناجائز کاموں میں دولت صرف کرنا۔

(۲) جائز کاموں میں خرچ کرنا مگر حد سے تجاوز کرنا۔

(۳) نیکی کے کاموں میں خرچ کرنا مگر اللہ کے لیے نہیں بلکہ ریا اور نمائش کے لیے، بعض کے نزدیک اسراف عام ہے مال اورغیر مال دونوں کے لیے اور تبذیر خاص ہے صرف مال کے لیے۔

اسراف وتبذیر میں فرق:

اسراف: جائز جگہ پر حد معقول سے تجاوز کرنا۔

تبذیر: ناجائز کاموں میں حد سے زیادہ خرچ کرنا کم ہو یا زیادہ۔

مال اللہ کی بڑی نعمت ہے اس کو غلط جگہ استعمال کرنا اللہ کی ناشکری ہے۔ مفہوم مخالف یہ نکلا کہ نعمت کو صحیح جگہ استعمال کرنا شکر ہے اسی وجہ سے کائنات کا سب سے بڑا شکر توحید ہے اور سب سے بڑی ناشکری شرک ہے۔

تبذیر کے بعد ﴿وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا﴾ لایا گیا۔

اسراف کے ساتھ ﴿لايحب المسرفين﴾ لایا گیا۔

تبذیر کے ساتھ ﴿اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ﴾ لایا گیا۔

تبذیر: شیطان کے مشن کو آگے بڑھانا ہے۔

اسراف: جائز موقع پر بے تحاشہ خرچ کرنا۔ یا ناجائز جگہ خرچ کرنا۔

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ﴿۲۹﴾

اور اپنے ہاتھ کو نہ تو گردن کے گرد بندھا ہوا (یعنی بہت تنگ) کرلو (کہ کسی کو کچھ دو ہی نہیں) اور نہ بالکل کھول ہی دو (کہ سبھی کچھ دے ڈالو اور انجام یہ ہو) ملامت زدہ اور درماندہ ہو کر بیٹھ جاؤ۔ (۲۹)

﴿وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ﴾ "ملوم" بخل کا اور محسور فضول خرچی کا نتیجہ ہے۔ ملوم کا معنی قابل ملامت ہے اور محسور اس جانور کو کہتے ہیں جو چل چل کر تھک چکا ہو اور چلنے سے عاجز ہو گیا ہو، عبارت میں لف ونشر مرتب ہے۔

Scanned by CamScanner

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ؕ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ﴿۳۱﴾

اور اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے قتل نہ کرنا (کیونکہ) اُن کو اور تم کو ہم ہی رزق دیتے ہیں کچھ شک نہیں کہ اُن کا مار ڈالنا بڑا گناہ ہے۔ (۳۱)

﴿وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِنْ اِمْلَاقٍ﴾ حالیہ فقر و فاقہ سے تنگ آ کر اپنے بچوں کو قتل نہ کرو۔

﴿وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ﴾ مستقبل میں فقر و فاقہ کے ڈر سے اپنے بچوں کو قتل نہ کرو۔

﴿مِنْ اِمْلَاقٍ﴾ اور ﴿خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ﴾ میں فرق:

"املاق"۔ الفقر الواقع بالفعل (غریبی جو فی الحال موجود ہے)

اور خشیۃ املاق. الفقر المترقب (مستقبل میں غریبی کا ڈر)

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ﴿۳۲﴾

اور زنا کے پاس بھی نہ جانا کہ وہ بے حیائی اور بری راہ ہے۔ (۳۲)

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى﴾ آزادانہ اختلاط مرد و زن، رقص و سرود کی محفلیں، فحش فلمیں، غیر اخلاقی لٹریچر کے قریب جانا بھی منع ہے کیونکہ انسان آزمائش میں پڑ سکتا ہے کہ وہ نفس پر کس طرح قابو پائے اور یہ امتحان لینا اللہ کا مقصد نہیں، دوسری بات اس آیت سے یہ معلوم ہو رہی ہے کہ جنسی بے راہ روی محض ایک فعل نہیں بلکہ ایک راستہ ہے جس طرح راستہ آدمی کو آگے ہی لے جاتا ہے اسی طرح زنا کا مرتکب ایک دفعہ کی غلطی تک محدود نہیں رہتا وہ آگے بڑھتا چلا جاتا ہے، حتیٰ کہ بڑھاپے تک وہ اس علت میں مبتلا رہتا ہے، چور چوری سے باز آ سکتا ہے لیکن زانی زنا سے کم ہی باز آتا ہے۔

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى﴾ زنا کے پاس جانے سے روکا پھر اس کی قباحتیں بتلائیں ﴿اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا﴾

زنا کی قباحتیں:

(۱) انساب کا خلط ملط ہونا کہ معلوم نہیں کس کا بیٹا ہے۔

(۲) ایک شخص خاص عورت سے متعلق نہ ہو تو اس کے پاس آنے والوں میں باہمی قتال کی نوعیت آ سکتی ہے۔

(۳) صرف شہوت رانی مقصود نہیں بلکہ دونوں مل کر بچوں کی تربیت کریں۔ اور بڑھاپے میں ایک دوسرے کا ساتھ دیں۔

(۴) زنا کا دروازہ کھل جائے تو انسان اور بہائم میں کیا فرق ہے؟

Scanned by CamScanner

ناپ وتول میں کمی: ﴿وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ﴾

(۱) کردار کی پستی۔

(۲) اعتماد کو کھونا ہے۔

(۳) جس کا نتیجہ کاروبار کے فروغ کا رکنا ہے۔

اس کے برعکس ناپ تول میں کمی نہ کرنے میں تین فوائد ہیں:

(۱) کردار کی بلندی۔

(۲) اعتماد۔

(۳) کاروبار کا فروغ۔

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰۗىِٕكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ۝۳۶

اور (اے بندے) جس چیز کا تجھے علم نہیں اُس کے پیچھے نہ پڑ کہ کان اور آنکھ اور دل ان سب (جوارح) سے ضرور باز پرس ہوگی۔ (۳۶)

﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ﴾ جو بات اچھی طرح معلوم نہ ہو اس پر حکم نہ لگائے۔

﴿وَلَا تَقْفُ﴾ بے تحقیق بات زبان سے نہ نکالے۔ نہ آنکھ بند کر کے بے تحقیق بات کی پیروی کرے۔

عَنْ أَبِي قِلَابَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ أَبُو مَسْعُودٍ لِأَبِي عَبْدِ اللّٰهِ أَوْ قَالَ: أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ لِأَبِي مَسْعُودٍ مَا سَمِعْتَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: فِي "زَعَمُوا؟" قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "بِئْسَ مَطِيَّةُ الرَّجُلِ زَعَمُوا" (ابوداؤد، کتاب الادب، ۴۹۷۲)

سب سے بُری سواری "زَعَمُوا" ہے، یعنی لوگوں کا ایسا ایسا خیال ہے، فلاں صاحب ایسا ایسا کہتے ہیں۔

﴿اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ﴾ کان، آنکھ، دل کی تخصیص اس بنا پر کی گئی کہ دل میں جو عقیدہ یا خیال آئے اس کو ان دونوں حواس سے جانچے، اگر وہ صحیح ہے تو قبول کرے ورنہ رد کر دے، عادۃً زیادہ معلومات آنکھ اور کان ہی سے ہوتی ہیں۔

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ۭ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ۝۴۴

ساتوں آسمان اور زمین اور جو لوگ ان میں ہیں سب اُسی کی تسبیح کرتے ہیں اور (مخلوقات میں سے)

Scanned by CamScanner

کوئی چیز نہیں مگر اُس کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتی ہے لیکن تم اُن کی تسبیح کو نہیں سمجھتے بیشک وہ بُرد بار (اور) غفار ہے۔(۴۴)

کائنات کی ہر شئی اللہ کی تسبیح وتحمید کرتی ہے، زبان حال سے ہو یا زبان قال سے۔
۶ ر دسمبر ۱۹۳۸ء کے پرچے لندن کے روز نامہ ڈیلی ٹیلیگراف کا نوٹ تھا، کہ مسٹر گاندھی نے پہلی بار امرت بازار کلکتہ، سر جگدیش کے لیب کا معائنہ کیا، آفتاب غروب ہو رہا تھا سائنسداں نے حیرت سے دیکھا کہ تاڑ کے درخت کی حرکتیں جو بجلی کی سوئی پر منقش تھیں ان میں سے نظر آ رہا ہے کہ درخت کی پتیاں اس طرح بند ہو رہی ہیں جیسے آدمی سینے پر ہاتھ باندھتا ہے۔

فقہ اور فہم میں فرق:

الفقه اخص من الفهم وهو فهم مراد المتكلم من كلامه وهذا قدر زائد على مجرد فهم وضع اللفظ في اللغة.
بولنے والے کی مراد کو اس کے کلام سے سمجھنا یہ لغت میں لفظ کے محض وضعی معنی سے ایک زائد چیز ہے۔

وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿٤٩﴾

اور کہتے ہیں کہ جب ہم (مر کر بوسیدہ) ہڈیاں اور چور چور ہو جائیں گے تو کیا از سر نو پیدا ہو کر اُٹھیں گے۔(۴۹)

"اثبات معاد":

پہلی مرتبہ بدن کے اجزائے منفردہ کو جمع کر کے یعنی نطفہ سے تمہارا پتلا تیار کرتا ہے، وہ دوبارہ ان اجزائے منفردہ کو جمع کر کے تمہارا پتلا بنائے گا اگرچہ تمہارے بدن کے اجزاء آگ میں جل جائیں یا راکھ بن کر اُڑ جائیں، یا مٹی میں مل جائیں، یاد رہے کوئی چیز فنا نہیں ہوتی بلکہ شکل بدل لیتی ہے، جیسے پانی بھاپ بن جاتا ہے، پانی سمندر سے بھاپ بن کر اٹھتا ہے پھر پانی بن کر برستا ہے، کوئی چیز نہ پیدا کی جاسکتی ہے نہ فنا کی جاسکتی ہے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ؕ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ﴿٥٧﴾

یہ لوگ جن کو (اللہ کے سوا) پکارتے ہیں ہو خود اپنے رب کے ہاں ذریعہ (تقرب) تلاش کرتے رہتے ہیں کہ کون اُن میں (اللہ کا) زیادہ مقرب (ہوتا) ہے اور اُس کی رحمت کے اُمیدوار رہتے ہیں اور اُس کے عذاب سے خوف رکھتے ہیں بیشک تمہارے رب کا عذاب ڈرنے کی چیز ہے۔(۵۷)

Scanned by CamScanner

تم قرب کے لیے فرشتوں وغیرہ کو پکارتے ہو وہ تو خود وسیلہ تلاش کر رہے ہیں۔

وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ۚ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ ۭ وَنُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا ۝

جب ہم نے تم سے کہا کہ تمہارا رب لوگوں کو احاطہ کیے ہوئے ہے، اور جو نمائش (معراج) ہم نے تمہیں دکھائی اُس کو لوگوں کیلئے آزمائش کیا، اور اسی طرح (تھوہر کے) درخت کو جس پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے، اور ہم انہیں ڈراتے ہیں تو اُن کو اس سے بڑی (سخت) سرکشی پیدا ہوئی ہے۔(۶۰)

خواب کی حقیقت اور تعبیر رؤیا:

(۱) ﴿اَلرُّءْيَا﴾ اور (۲) ﴿اَلشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ﴾ کو ان کے لیے فتنہ کی چیز بنا دیا۔ آپ ﷺ مکہ میں تھے آپ ﷺ نے خواب دیکھا کہ مکہ چھوڑ کر ایک نئے شہر میں سکونت پذیر ہو گئے وہاں دین کو ترقی ہوئی اور نور آفتاب کی طرح دین ہر جگہ پھیل گیا، یہ خواب مکہ میں مشہور ہو گیا، قریش مکہ تمسخر کرنے لگے یہ ان کے لیے فتنہ تھا کیونکہ اللہ نے اس کو سچا کر دکھایا۔

''شجرۂ ملعونہ'' سے مراد شجر زقوم ہے جو جہنم کی آگ میں اُگتا ہے، جو جہنمیوں کی غذا ہو گی تو کفار تمسخر کرتے تھے، کہ درخت آگ میں کیسے اُگ سکتے ہیں؟ جب کہ سمندل (ایک کیڑا) آگ ہی میں پیدا ہوتا ہے، اس درخت کو ملعونہ اس لیے کہا گیا کیونکہ یہ بدمزہ ہوتا ہے اور عرب بری چیز کو ملعون کہتے تھے۔

﴿وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا﴾ سے مراد رویۃ عین ہے اس کو لفظ رؤیا سے تعبیر کیا گیا، گویا اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی خواب دیکھ لے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ''مَنْ تَحَلَّمَ حُلُمًا كَاذِبًا، كُلِّفَ أَنْ يَعْقِدَ بَيْنَ شَعِيرَتَيْنِ، وَيُعَذَّبُ عَلَى ذَلِكَ'' (ابن ماجہ، کتاب تعبیر الرؤیا: ۳۹۱۶)

جو آدمی جھوٹا خواب بیان کرے قیامت کے دن اسے مکلف بنایا جائے گا کہ دو جَو کے درمیان گرہ لگائے۔ اور وہ ایسا نہیں کر پائے گا تو اس پر اسے عذاب دیا جائے گا۔

﴿وَنُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا﴾

دنیا میں اللہ کی نشانیاں انسانوں کو ڈرانے اور اسے اللہ کی قدرت اور اس کی طاقت کا احساس دلانے کے لیے ہے اب جسے توفیق ہوتی ہے وہ نصیحت حاصل کرتا ہے اور جو محروم ہوتا ہے وہ تکبر کرتا ہے۔

وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ۭ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ۝۶۴

Scanned by CamScanner

اوران میں سے جس کو بہکا سکے اپنی آواز سے بہکا تارہ اوران پر اپنے سواروں اور پیادوں کو چڑھا کر لاتارہ اوران کے مال اوراولاد میں شریک ہوتارہ اوران سے وعدے کرتارہ اور شیطان جو وعدے اُن سے کرتا ہے سب دھوکا ہے۔ (۶۴)

﴿وَاسْتَفْزِزْ﴾ دل میں برے خیالات پیدا کرتا ہے، شہوت انگیز آوازیں، برے گانے اورعورتوں کے زیورات کی جھنکار، ان برے خیالات کا سبب بنتی ہے۔

﴿وَاَجْلِبْ﴾ اپنے سوار اور پیدل لے کر چڑھ جا، یعنی خوب زور لگا لے۔

﴿وَشَارِكْهُمْ﴾ فضول خرچی کرنا، باطل طریقے سے مال لینا، زنا، غصب، سود، فریب وغیرہ

﴿وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ﴾ مال میں مشارکت کا مطلب ہے حرام طریقے سے مال کمانا اور حرام طریقے سے خرچ کرنا، اسی طرح جانوروں کو غیر اللہ کے ناموں پر وقف کر دینا، اوراولاد میں شرکت کا مطلب ہے، زنا، غیر اسلامی نام رکھنا، جیسے عبدالعزیٰ، حسین بخش، عبدالنبی وغیرہ، غیر اسلامی طریقے سے تربیت کرنا، اور مسنون دعا پڑھے بغیر بیوی سے مقاربت کرنا۔

مال میں شریک کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ حرام کمائے اور حرام جگہ میں خرچ کرے۔ اولاد میں شرکت کا مطلب یہ ہے کہ شیطان کے اشارے پر بچے کو کسی بزرگ کی بخشش سمجھے، اوراسے موحد بنانے کے بجائے مشرک بنادے۔

﴿وَعِدْهُمْ﴾ (انھیں وعدے دے): دنیا پر رغبت اور آخرت سے نفرت دِلا کہ میاں جو کچھ مزہ ہے یہیں ہے کیسی آخرت، کیسی جزا اور سزا، کہاں کا حساب کتاب۔

"والغُرور هو ما يرى له من ظاهر محبوب ولكن فيه باطن مكروه"۔

غُرور وہ ہے جو بظاہر اچھی لگے لیکن بباطن بری ہو۔ انسان گمان کرے کہ وہ نافع ہے مگر اس میں طرح طرح مضرتیں ہیں، شیطان کو غَرور اس وجہ سے کہا جاتا ہے کیونکہ وہ انسان کو دھوکے میں ڈال دیتا ہے۔

يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ ۚ فَمَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَاُولٰٓئِكَ يَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۷۱﴾

جس دن ہم سب لوگوں کو ان کے پیشواؤں کے ساتھ بلائیں گے تو جن (کے اعمال) کی کتاب اُن کے داہنے ہاتھ میں دی جائے گی وہ اپنی کتاب کو (خوش ہو ہو کر) پڑھیں گے اوران پر دھاگے برابر بھی ظلم نہ ہوگا۔ (۷۱)

Scanned by CamScanner

سوال: داہنے ہاتھ والے اپنی کتاب کو پڑھیں گے یعنی بائیں ہاتھ والے نہیں پڑھیں گے ایسا کیوں؟

جواب: اسٹوڈنٹ محنت نہیں کرتا اسے پہلے سے پتہ ہوتا ہے کہ میں فیل ہوں اور بائیں ہاتھ میں دینا اس بات کی علامت ہے کہ وہ فیل ہے، اس لیے وہ نہیں دیکھے گا۔

﴿كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ﴾ عورت ذلیل نہیں۔ اسلام میں چھوت چھات اور ذات پات کا تصور موجود نہیں۔ یہ ساری چیزیں کرامت کے خلاف ہیں۔

﴿يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍ﴾ عقیدہ و عمل کے معاملہ میں انسان نے دنیا میں جس کو اپنا رہنما بنایا ہوگا، قیامت میں اس کو اس کے ساتھ حاضر ہونا پڑے گا۔

امام کے معنی: ﴿يَوْمَ نَدْعُوْا﴾

ابن کثیر رحمہ اللہ نے کہا کہ امام کے تین معنی لیے جاسکتے ہیں:

(۱) ہر نبی۔

(۲) ہر قوم جس کی پیروی کرے گی یعنی ان کا رہبر۔

(۳) نامۂ اعمال۔ اسی کو ابن کثیر رحمہ اللہ نے ترجیح دی ہے۔

سوال: نامۂ اعمال کو امام کیوں کہا؟ اسے کتاب کیوں نہ کہہ دیا؟

جواب: امام کی غلطی مقتدی کی غلطی مانی جاتی ہے، امام کی نماز خراب ہو تو مقتدی کی نماز خراب ہوگی، گویا یہ پیغام دیا کہ تمہارے نامۂ اعمال تمہارے امام ہیں ان کی اصلاح کی فکر کرو تبھی نجات پاسکتے ہو۔

وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۷۲﴾

اور جو شخص اس (دنیا) میں اندھا ہو وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا اور (نجات کے) رستے سے بہت دُور۔ (۷۲)

﴿وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا﴾ حق نہ دیکھا نہ صراط مستقیم پایا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ تحقیق کے بغیر کسی بات پر عمل کی ممانعت ہے۔

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ۭ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ﴿۷۸﴾

(اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!) سورج کے ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک (ظہر، عصر، مغرب، عشاء کی نمازیں اور صبح کو قرآن پڑھا کرو کیونکہ صبح کے وقت قرآن پڑھنا موجبِ حضور (ملائکہ) ہے۔ (۷۸)

اوقات نماز کا ذکر:

﴿دلوک﴾ کے معنی نہایت وسیع ہیں۔ کسی ایک لفظ سے اس کا ترجمہ ممکن نہیں، بیضاوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس لفظ کی ساخت انتقال (منتقل ہونا) کے مفہوم کو ظاہر کرتی ہے، "دلک" مالش کرنے کو کہتے ہیں، کیونکہ مالش کرنے والے کا ہاتھ ایک جگہ نہیں رکتا، "دلک" کا لغوی مفہوم المیل (جھکنا) ہے۔ اور یہ جھکاؤ زوال کے وقت بھی ہے اور غروب کے وقت بھی ہے، "دلکت الشمس" کا مطلب ہے سورج ڈوب گیا، اور زرد پڑ گیا اور وسط آسمان سے ڈھل گیا دلوک کے ان مفاہیم کی روشنی میں آیت کریمہ میں نماز کے پانچوں اوقات مجملاً آ جائیں گے، دلوک شمس سے غسق الیل تک چار نمازیں اور قرآن الفجر سے پانچویں نماز فجر ہے، کلام مجید کی بلاغت پر قربان جایئے کہ اس نے صرف ایک لفظ سے ظہر، عصر اور مغرب تین نمازوں کے اوقات ظاہر کر دیئے۔ مفسرین کرام کی تصریحات کو چھوڑیئے محض ائمہ لغت کو لیجئے کہ یہ خود انھیں کا اعتراف ہے۔ صاحب تاج العروس نے کہا "والقول عندی ان دلوک الشمس زوالها نصف النهار۔ فتکون الآیة جامعة للصلوٰت الخمس" (تاج العروس) لغت کی اس واضح اور صریح شہادت کی بنا پر ائمہ تفسیر کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آیت مذکورہ کا مضمون نماز کے پانچوں وقتوں پر حاوی ہے۔ مولانا حمید الدین فراہی رحمہ اللہ کا یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ آفتاب ڈھلنے کی بھی تین خاص صورتیں ہیں:

(۱) وہ جب سر کے اوپر سے ہٹ آئے۔

(۲) جب وہ اتنا جھک جائے کہ نظر کے سامنے اور برابر دکھائی دینے لگے۔

(۳) جب وہ اتنا لٹک آئے کہ افق کے ہم سطح ہو جائے، دلوک کی ان تین قدرتی تقسیموں کے ٹھیک مقابل ظہر اور عصر اور مغرب کے اوقات ہیں۔

وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴿٧٩﴾

(اور تہجد کی نماز پڑھا کرو) یہ (شب خیزی) تمہارے لئے (سبب) زیادت (ثواب اور نمازِ تہجد تمہیں نفل) ہے قریب ہے کہ اللہ تمہیں مقامِ محمود میں داخل کرے۔ (۷۹)

تہجد کا ذکر مع نماز تراویح:

لفظ تہجد اضداد میں سے ہے، جس کے معنی سونے کے بھی ہیں اور جاگنے کے بھی ہیں۔ "هجود" کے اصل معنی سونے کے ہیں لیکن باب تفعل میں جا کر اس میں تجنب کے معنی پیدا ہو گئے جیسے "تَاَثَّمَ" اس نے گناہ سے اجتناب کیا اس طرح ﴿تهجَّدَ﴾ کا معنی ہو گا کہ وہ سونے سے بچا۔ "متهجد" وہ ہے جو رات کو سونے سے بچنے والا اور قیام کرنے والا ہو۔ یہ

نماز نہ نبی پر فرض تھی نہ امت پر۔(احسن البیان/صلاح الدین یوسف)

تہجد کے دو معنی ہیں:

(۱)سو گیا۔

(۲)بیدار ہو گیا۔

یہ لغت اضداد میں سے ہے، تہجد سے مراد نماز کے لیے نیند کو ترک کرنا ہے،

اس کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں:

(۱)رات کو بالکل نہ سونا

(۲)شروع رات میں بیدار رہ کر نماز پڑھ لینا

(۳)سو جانا، پھر بیدار ہو کر نماز پڑھنا۔

تہجد کی نماز کے بارے میں علماء کے تین اقوال ہیں:

(۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض تھی۔

(۲) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رفع درجات کے لیے تھی۔

(۳)نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض تھی نہ امت پر فرض ہے۔

عَنْ أَبِي ذَرٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ: صُمْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يُصَلِّ بِنَا، حَتَّى بَقِيَ سَبْعٌ مِنَ الشَّهْرِ، فَقَامَ بِنَا حَتَّى ذَهَبَ ثُلُثُ اللَّيْلِ، ثُمَّ لَمْ يَقُمْ بِنَا فِي السَّادِسَةِ، وَقَامَ بِنَا فِي الخَامِسَةِ، حَتَّى ذَهَبَ شَطْرُ اللَّيْلِ، فَقُلْنَا لَهُ: يَا رَسُولَ اللهِ، لَوْ نَفَّلْتَنَا بَقِيَّةَ لَيْلَتِنَا هَذِهِ؟ فَقَالَ: إِنَّهُ مَنْ قَامَ مَعَ الإِمَامِ حَتَّى يَنْصَرِفَ كُتِبَ لَهُ قِيَامُ لَيْلَةٍ"، ثُمَّ لَمْ يُصَلِّ بِنَا حَتَّى بَقِيَ ثَلَاثٌ مِنَ الشَّهْرِ، وَصَلَّى بِنَا فِي الثَّالِثَةِ، وَدَعَا أَهْلَهُ وَنِسَاءَهُ، فَقَامَ بِنَا حَتَّى تَخَوَّفْنَا الفَلَاحَ، قُلْتُ لَهُ: وَمَا الفَلَاحُ، قَالَ: السُّحُورُ (ترمذی،ابواب الصوم،۸۰۶)

اس حدیث سے دو باتیں ثابت ہوئیں:

(۱)جماعت کے ساتھ تراویح کا ثبوت "فَقَامَ بِنَا"

(۲) اس کا عظیم اجر "كُتِبَ لَهُ قِيَامُ لَيْلَةٍ"

﴿وَمِنَ الَّيْلِ﴾ نماز تہجد کو مقام شفاعت حاصل ہونے میں خاص دخل ہے۔

آپ کو مشرکین مذمم کہتے تھے اللہ نے دنیا میں بھی آپ کو مقام محمود عطا کیا اور آخرت میں شفاعت کبریٰ۔

﴿وَلَا يَزِيْدُ هُمْ اِلَّا نُفُوْرًا﴾ قرآن کی مثال بارش کی سی ہے اچھی زمین پر پڑے تو شاداب ہو جاتی ہے گندی اور

Scanned by CamScanner

خراب زمین پر پڑے تو بارش کی وجہ سے بدبو میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا ﴿۸۰﴾

اور کہو کہ اے اللہ! مجھے (مدینے میں) اچھی طرح داخل کرنا اور (مکے سے) اچھی طرح نکالنا اور اپنے ہاں سے زور وقوت کو میرا مددگار بنانا۔(۸۰)

﴿وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ﴾ یہ دعا بندے کے لیے انتہائی نافع ہے کیونکہ وہ کسی امر میں ہمیشہ داخل ہوتا ہے اور کسی امر سے نکلتا ہے، اب اگر اس کا داخل ہونا اور نکلنا اللہ کے لیے اور اللہ کے نام سے ہو تو سمجھو کہ اس کا داخل ہونا ﴿مُدْخَلَ صِدْقٍ﴾ اور نکلنا ﴿مُخْرَجَ صِدْقٍ﴾ ہے۔ مدخل صدق اور مخرج صدق کے کئی اور معانی بھی مفسرین نے بیان کیے ہیں۔

مدخل صدق اور مخرج صدق کے معانی:

(۱) مُدْخَلَ صِدْقٍ: مدینہ۔
مُخْرَجَ صِدْقٍ: مکہ

(۲) مُدْخَلَ صِدْقٍ: العبودیۃ فی کل دخول۔ ہر داخلے میں سچی بندگی۔
مُخْرَجَ صِدْقٍ: صدق العبودیۃ من کل خروج۔ ہر نکلنے میں سچی بندگی۔

(۳) مُدْخَلَ صِدْقٍ: فی القبر لا اریٰ ما اکرہ۔ قبر میں ایسی چیز نہ دیکھوں جو ناپسندیدہ ہو۔
مُخْرَجَ صِدْقٍ: الخروج من القبر لا اریٰ ما اکرہ۔ قبر سے نکلوں تو ناپسندیدہ چیز نہ دیکھوں۔

(۴) مُدْخَلَ صِدْقٍ: فی الصلوۃ۔ نماز میں۔
مُخْرَجَ صِدْقٍ: من الصلوۃ۔ نماز سے۔

(۵) مُدْخَلَ صِدْقٍ: فی الجنۃ۔ جنت میں۔
مُخْرَجَ صِدْقٍ: من الدنیا۔ دنیا سے

نیز اس دعا میں بندہ اللہ سے درخواست کرتا ہے کہ مجھے داخل ہونے اور نکلنے میں دورُخا مت بنانا۔ کیونکہ اللہ کے نزدیک دورُخا انتہائی بُرا اور سخت ناپسندیدہ ہے۔

وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴿۸۱﴾

اور کہہ دو کہ حق آ گیا اور باطل نابود ہو گیا بیشک باطل نابود ہونے والا ہے۔(۸۱)

Scanned by CamScanner

﴿وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ﴾ صرف قُل نکال دیجئے دو مصرعوں کا ایک شعر بن جائے گا۔

﴿زَهَقَ﴾ ای اضمحلّ (کمزور ہو گیا) اگر "بطل" یا "ھلک" آتا تو باطل کی تباہی کی تدریج کا علم نہ ہوتا جو "زھوق" کے الفاظ سے بتائی گئی ہے۔ باطل پہلے کمزور ہوتا ہے پھر رفتہ رفتہ مٹ جاتا ہے۔

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ﴿۸۲﴾

اور ہم قرآن (کے ذریعے) سے وہ چیز نازل کرتے ہیں جو مومنوں کیلئے شفا اور رحمت ہے اور ظالموں کے حق میں تو اس سے نقصان ہی بڑھتا ہے۔ (۸۲)

نکتہ: شفا کو رحمت پر مقدم کیا یعنی شفا پہلے اور رحمت بعد میں۔ "لان الرحمۃ تقی الناس من ای شر قادم" کیونکہ رحمت آنے والے شر سے لوگوں کو محفوظ رکھتی ہے۔ لیکن شفاء کا پہلے ہونا ضروری ہے۔ امراض موجود تھے اس کے بعد قرآن شفاء بن کر اترا، پھر اس کے بعد رحمت آتی ہے جو ان بیماریوں کو پھر سے آجانے یعنی لوٹنے سے روک دیتی ہے اور جیسے ہی اللہ کے راستے سے غفلت ہوتی ہے وہ مرض لوٹ آتا ہے تو قرآن کے شفاخانے پر آیئے، دوا لیجئے شفاء حاصل ہوگی۔

قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ؕ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ﴿۸۴﴾

کہہ دو کہ ہر شخص اپنے طریق کے مطابق عمل کرتا ہے سو تمہارا رب اُس شخص سے خوب واقف ہے جو سب سے زیادہ سیدھے رستے پر ہے۔ (۸۴)

﴿قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ﴾ کی تفسیر:

- عن الحسن وقتادۃ۔ علی نیتہ حسن اور قتادہ رحمھما اللہ کے نزدیک شاکلۃ سے مراد نیت ہے۔
- عن ابی زید۔ علی دینہ ابوزید کے نزدیک شاکلۃ سے مراد دین ہے۔
- عن مقاتل۔ علی جبلۃٍ مقاتل کے نزدیک شاکلۃ سے مراد جبلت ہے۔
- عن الفراء۔ علی طریقتہ التی جُبِلَ عَلَیْھَا فراء کے نزدیک شاکلۃ سے مراد وہ طریقہ ہے جس پر انسان کو پیدا کیا گیا۔

"وھی من شکلتہ ای الشاکلۃ مشتقۃ من شکلتہ اذا قیّدتہ یقالُ لست علی شکلی ولا شاکلتی۔ والمعنی ان کل واحد یعمل علی طریقتہ التی تشاکل اخلاقہ فالکافر یعمل مایشبہ طریقتہ من الاعراض عند النعم، والیاس عندالشدۃ۔ والمومن یعمل مایشبہ طریقتہ من الشکر عندالرخاء

Scanned by CamScanner

والصبر عند البلاء، والله یجازی الفریقین"۔

اور یہ شاکلہ سے مشتق ہے۔ جب آپ اس کو قید کر دیں، کہا جاتا ہے تم میری شکل اور شاکلہ پر نہیں ہو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہر شخص اپنے اس طریقے پر چلتا ہے جو اس کی عادات واخلاق کے شکل کا ہوتا ہے، تو کافر اپنے طریقے پر چلتا ہے یعنی نعمت ملنے پر اعراض کرتا ہے اور شدت کے وقت مایوس ہو جاتا ہے اور مومن اپنے طریقے پر چلتا ہے جو خوشحالی میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہے اور مصیبت کے وقت صبر کرتا ہے، اور اللہ دونوں فریقین کو بدلہ دے گا، ایک قول یہ بھی ہے الشاکلۃ: "الطریقۃ التی اعتادھا صاحبھا ونشأ علیھا" شاکلۃ اس طریقے کو کہتے ہیں کہ جس کا انسان عادی ہو گیا ہو اور اسی پر پلا بڑھا ہو۔

﴿قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ﴾

شاکلۃ کی تفسیر میں ائمہ سلف سے مختلف اقوال منقول ہیں۔ طبیعت، عادت، جبلت، نیت، طریقہ وغیرہ۔ اور حاصل اس کا یہ ہے کہ ہر انسان کی اپنے ماحول اور عادات اور رسم ورواج کے اعتبار سے ایک عادت اور طبیعت ثانیہ بن جاتی ہے۔ اس کا عمل اسی کے تابع رہتا ہے۔ اس میں انسان کو اس پر تنبیہ کی گئی ہے کہ وہ برے ماحول، بری صحبتوں اور بری عادتوں سے پرہیز کرے۔ اور نیک لوگوں کی صحبت اور اچھی عادات کا خوگر بنے۔ کیونکہ اس سے انسان کی ایک طبیعت ثانیہ بن جاتی ہے اور اس کا ہر عمل اس کے تابع چلتا ہے۔

امام جصاص نے شاکلۃ کا ایک معنی ہم شکل کا بھی کیا ہے۔ اس معنی کے لحاظ سے آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ ہر شخص اپنے مزاج کے آدمی سے مانوس ہوتا ہے، نیک آدمی، نیک آدمی سے، اور خبیث آدمی، خبیث آدمی سے مانوس ہوتا ہے اور اسی کے طریقے پر چلتا ہے۔ اور اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے ﴿الخبیث للخبیثین...الخ﴾ (سورۂ نور: ۲۷)

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۚ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۸۵﴾

اور تم سے رُوح کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہہ دو کہ وہ میرے رب کی ایک شان ہے اور تم لوگوں کو (بہت ہی) کم علم دیا گیا ہے۔ (۸۵)

عَنْ عَبْدِ اللهِ رضی الله عنه، قَالَ: بَيْنَا أَنَا أَمْشِي مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي خَرِبِ الْمَدِينَةِ، وَهُوَ يَتَوَكَّأُ عَلَى عَسِيبٍ مَعَهُ، فَمَرَّ بِنَفَرٍ مِنَ الْيَهُودِ، فَقَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ: سَلُوهُ عَنِ الرُّوحِ؟ وَقَالَ بَعْضُهُمْ: لَا تَسْأَلُوهُ، لَا يَجِيءُ فِيهِ بِشَيْءٍ تَكْرَهُونَهُ، فَقَالَ بَعْضُهُمْ: لَنَسْأَلَنَّهُ، فَقَامَ رَجُلٌ مِنْهُمْ، فَقَالَ يَا أَبَا الْقَاسِمِ مَا الرُّوحُ؟ فَسَكَتَ، فَقُلْتُ: إِنَّهُ يُوحَى إِلَيْهِ، فَقُمْتُ، فَلَمَّا انْجَلَى عَنْهُ، قَالَ: ﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا﴾ (بخاری کتاب العلم ۱۲۵)

روح کی حقیقت:

ان یہودیوں نے آپس میں یہ صلاح کی تھی کہ محمد ﷺ سے روح کی حقیقت پوچھو، اگر یہ روح کی کچھ حقیقت بیان کریں جب تو سمجھ جائیں گے کہ یہ حکیم ہیں، پیغمبر نہیں ہیں، چونکہ کسی پیغمبر نے روح کی حقیقت بیان نہیں کی اگر یہ بھی بیان نہ کریں تو معلوم ہوگا کہ پیغمبر ہیں، اس پر بعضوں نے کہا کہ نہ پوچھو اس لیے اگر آپ ﷺ نے روح کی حقیقت بیان نہیں کی تو ان کی پیغمبری کا ایک اور ثبوت پیدا ہوگا اور تم کو ناگوار گذرے گا، روح کی حقیقت میں آدم سے لے کر تا ایں دم ہزاروں حکیموں نے غور کیا اور اب تک اس کی حقیقت معلوم نہیں ہوئی۔

اب امریکہ کے حکیم، روح کے پیچھے پڑے ہیں، لیکن ان کو بھی روح کی حقیقت معلوم نہ ہوسکی، ان کے کہنے کے مطابق بس اتنا معلوم ہوسکا ہے کہ بے شک روح ایک جوہر ہے جس کی صورت ذی روح کی صورت کی سی ہے، مثلاً آدمی کی روح اس کی صورت پر اور کتے کی روح اس کی صورت پر وغیرہ، اور یہ ایک لطیف جوہر ہے جس کا ہر جز وجسم حیوانی کے ہر جز میں سمایا ہوا ہے اور بوجہ شدت لطافت اس کو نہ پکڑ سکتے ہیں نہ بند کر سکتے ہیں، روح کی لطافت اس درجہ ہے کہ شیشے میں سے بھی پار ہوجاتی ہے حالانکہ ہوا اور پانی جیسے دوسرے اجسام لطیفہ اس میں سے نہیں نکل سکتے، یہ اللہ کی حکمت ہے کہ اس نے روح کو اپنی ذات مقدس کا نمونہ اس دنیا میں رکھا ہے تاکہ جو لوگ صرف محسوسات کو مانتے ہیں، وہ روح پر غور کر کے مجردات یعنی فرشتوں، جنوں اور اللہ کو بھی مانیں، کیونکہ روح کے وجود سے انکار کرنا ممکن نہیں۔

ہر آدمی جانتا ہے کہ ساٹھ برس میں میں فلانے ملک گیا تھا اور میں نے یہ یہ کام کئے حالانکہ اس ساٹھ برس میں اس کا بدن کئی بار بدل گیا، پھر وہ چیز کیا ہے جو نہیں بدلی؟ اور جس پر ''میں'' کا اطلاق ہوتا ہے۔ اللہ نے انسان کا عجز دکھانے کے لیے روح کی حقیقت پوشیدہ کردی، پیغمبروں کو صرف اتنا بتایا گیا کہ وہ ''امر رب'' یعنی رب کا حکم ہے، مثلاً کسی بادشاہ نے کسی آدمی کو اپنی سلطنت کے کسی علاقے کا گورنر بنا دیا لیکن اس کی موقوفی کا حکم صادر کردیا، دیکھو وہ شخص رہتا ہے جو پہلے تھا، لیکن معزولی کے بعد اس کو گورنر نہیں کہتے، وہ چیز جو اس سے جاتی رہی وہ بادشاہ کا ''حکم'' ہے۔ اسی طرح روح بھی امر رب ہے یعنی حیات کی صفت کا ظہور ہے، جہاں یہ حکم اٹھ گیا حیوان مرگیا۔ اس کا جسم وغیرہ سب ویسا ہی رہتا ہے۔

﴿قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ﴾ ہر سوال کا جواب دینا ضروری نہیں نیز جو جواب مخاطب کے فہم سے بالاتر ہو یا کسی غلط فہمی میں پڑ جانے کا اندیشہ ہو تو اس کا بھی جواب نہیں دینا چاہئے۔

﴿وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ﴾ انسان کے پاس ''کیا'' کا جواب ہے مگر ''کیوں'' کا جواب نہیں۔ جیسے پانی آکسیجن کے ایک حصے اور ہائیڈروجن کے دو حصے سے مرکب ہے، یہ کیا کا جواب ہے، مگر ایسا کیوں ہے اس کا جواب نہیں، یا ہائیڈروجن کی حقیقت کیا ہے؟ معلوم ہوا کہ کسی چیز کے وجود کا محض اس لیے انکار کردینا کہ اس کی حقیقت معلوم نہیں یا دیکھا نہیں، کھلی نادانی ہے۔ جس طرح روح کے وجود کا اقرار امر فطری ہے اسی طرح وجودِ باری تعالیٰ کا اقرار بھی امر فطری ہے۔

Scanned by CamScanner

خلق اور امر:

﴿ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ ﴾ کسی مشین کا ڈھانچہ تیار کرنا ایک مرحلہ ہے۔ دوسرا مرحلہ ہے مشین فٹ ہو جانے کے بعد اس میں کرنٹ چھوڑا جانا کہ مشین چالو ہو جائے اور تمام پرزے حرکت کریں۔ اسی طرح اللہ نے آسمان و زمین اور ان میں طرح طرح کی مشینیں بنائیں جس کو خلق کہتے ہیں۔ پھر ہر مشین کا چھوٹا بڑا پرزہ ایک خاص انداز کے مطابق بنایا اس کو تقدیر کہتے ہیں۔ کل پرزوں کو جوڑ کر مشین فٹ کیا، یہ تصویر و تسویہ ہے۔ پھر اس میں بجلی کا کرنٹ چھوڑ کر اسے چالو کر دیا۔ اسی طرح انسان میں روح پھونک دی۔

نفس اور روح میں فرق:

روح انسان کو آخرت کی طرف بلاتی ہے۔ نفس دنیا کی طرف بلاتا اور کھینچتا ہے۔ شیطان، انسان کو نفس کے واسطے سے گمراہ کرتا ہے۔ روح کی شادی نفس سے ہو گئی دونوں کے مخالطت سے اگر عمل پیدا ہوا اور غلبہ روح کا ہوا تو عمل صالح ہوگا اور اگر غلبہ نفس کا ہوا تو عمل برا ہوگا۔ روح شوہر اور نفس زوجہ ہے۔

قُلْ لَّىِٕنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ﴿۸۸﴾

کہہ دو کہ اگر انسان اور جن اس بات پر مجتمع ہوں کہ اس قرآن جیسا بنا لائیں تو اس جیسا نہ لاسکیں اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار ہوں۔ (۸۸)

﴿ قُلْ لَّىِٕنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ ﴾

نکتہ عجیبہ: ﴿ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ﴾ (سورۃ محمد: ۲۴) موبائل جب Lock ہو جاتا ہے تو اس کا کوئی فنکشن کام نہیں کرتا۔ جب تک اسے Unlock نہ کیا جائے۔ اسی طرح دلوں پر بھی Lock لگے ہوئے ہیں اس کو Unlock کرنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے۔ وہ ہے قرآن پر تدبر۔

وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ﴿۱۰۹﴾

اور وہ ٹھوڑیوں کے بل گر پڑتے ہیں (اور) روتے جاتے ہیں اور اُس سے اُن کو اور زیادہ عاجزی پیدا ہوتی ہے۔ (۱۰۹)

"البکاء" و "البُکیّ" و "التباکی" کے درمیان فرق:

آنسو بلا آواز نکلے تو "بُکیّ" ہے اور آواز کے ساتھ ہو تو "بکاء" ہے۔ اور بتکلف روئے تو "تباکی" ہے۔

Scanned by CamScanner

عَنْ مُطَرِّفٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: "أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَهُوَ يُصَلِّي وَلِجَوْفِهِ أَزِيزٌ كَأَزِيزِ الْمِرْجَلِ" يَعْنِي: يَبْكِي (سنن نسائی، کتاب السھو: ۱۲۱۴، صحیح)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے تو آپ کے سینہ مبارک سے اس طرح آواز نکلتی تھی جس طرح کی آواز ہانڈی میں سے آتی ہے۔

امام نسائی اس حدیث کو "کتاب السھو" میں لائے ہیں کہ جس طرح رونا انسان کی فطرت ہے ایسے ہی بھولنا بھی انسان کی فطرت ہے۔ اگر انسان روسکتا ہے تو بھول بھی سکتا ہے۔

﴿يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا﴾ اللہ نے یہ اہل علم کے تعلق سے فرمایا: "قال احد السلف فی تفسیر ھذہ الآیة من اوتی من العلم مالا یبکیه لخلیق ان لا یکون اوتی علما ینفع لا ن اللہ نعت العلماء"۔ فقال ﴿قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا﴾ سلف میں سے ایک نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ جسے علم دیا جائے اور وہ اللہ کے خوف سے نہ روئے تو وہ اس لائق ہے کہ اسے علم نافع نہ دیا جاتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے علماء کی یہ صفت بیان کی ہے۔ یہاں نماز میں رونا مراد ہے۔ "فالعلم الشرعی یورث فی القلب خشیة ورھبة"۔ کیونکہ شرعی علم دل میں خشیت ورہبت پیدا کرتا ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "عَيْنَانِ لَا تَمَسُّهُمَا النَّارُ" عَيْنٌ بَكَتْ مِنْ خَشْيَةِ اللهِ، وَعَيْنٌ بَاتَتْ تَحْرُسُ فِي سَبِيلِ اللهِ (سنن ترمذی، کتاب ابواب فضائل الجھاد، ۱۶۳۹، صحیح)

دو آنکھوں کو جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی۔ ایک وہ جو اللہ کی خشیت سے روئے دوسری وہ جو اللہ کی راہ میں نگرانی کرے۔

سورۂ بنی اسرائیل کا اختتام:

اس سورت کو تحمید وتمجید پر ختم فرمایا اور تنزیہ کے لیے مدد کی تمام صورتوں کی نفی فرمادی۔ اس لیے کہ مدد لینے کی تین ہی صورتیں ہیں:

(۱) اپنے چھوٹے سے مدد لے جیسے باپ بیٹے سے، ﴿لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا﴾

(۲) مساوی سے مدد لے۔ ﴿وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ﴾

(۳) کمزوری کی وجہ سے اپنے سے بڑے سے مدد لے۔ ﴿وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ﴾

❀❀❀

Scanned by CamScanner

نکاتِ سورۂ اسراء:

﴿لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ﴾
شرک اظلم الظلم (تمام ظلموں میں سب سے بڑا ظلم) ہے اور تمام گمراہیوں کی بنیاد ہے۔
﴿مَّخْذُوْلًا﴾ "المخذول هو المتروک اعانته ونصره" جس کی مدد چھوڑ دی گئی ہو اسے "مخذول" کہتے ہیں۔
المطرود "المطرود المبعد علی سبیل الاهانة له فاول الامر الخذلان وآخره الطرد مُهانا" ذلیل کر کے جسے ہٹا دیا گیا ہو اسے "مطرود" کہتے ہیں۔ تو پہلا معاملہ خذلان ہے اور آخری ذلیل کر کے ہٹا دیا جانا۔
﴿مَذْمُوْمًا﴾ "ان کونه مذموماً ان یذکر ان الفعل الذی اقدم علیه قبیح منکر۔ وکونه ملوما ان یقال له بعد الفعل وذمه لم فعلت کذا؟ وما حملک علیه؟ فاول الامر الذم وآخره اللوم"۔
﴿مَذْمُوْمًا﴾ کا مطلب ہے کہ جس فعل پر اقدام کیا گیا ہے وہ قبیح اور منکر ہے۔
"ملوم" کا مطلب ہے کہ مذمت کے بعد اس سے کہا جائے کہ تو نے ایسا کیوں کیا؟
"ذم" اور "خذلان" دنیا میں ہوگا اور "اللوم" (ملامت) اور "الدحو" (دھتکارنا) آخرت میں ہوگا۔
﴿مَّخْذُوْلًا﴾ جس کی اعانت ونصرت چھوڑ دی گئی ہو۔ جسے بے یار و مدد گار چھوڑ دیا گیا ہو۔
"مطرود" جس کو ذلیل کر کے بھگا دیا گیا ہو۔
تو پہلا معاملہ "خذلان" یعنی بے یار و مددگار چھوڑ دینا ہے۔ اور آخری معاملہ طرد ہے یعنی ذلیل کر کے بھگا دیا گیا ہو۔
اس سورہ میں ستائیس وصیتیں ہیں۔

ستائیس وصیتیں:

(۱) شرک باللہ سے ممانعت: ﴿لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ﴾ (۳۹)
(۲) عبادت صرف اللہ کی: ﴿اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ﴾ (۲۳)
(۳) والدین کے ساتھ حسن سلوک: ﴿وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا﴾ (۲۳)
(۴) انھیں اُف کہنے کی ممانعت: ﴿فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ﴾ (۲۳)
(۵) انھیں ڈانٹنے کی ممانعت: ﴿وَّلَا تَنْهَرْهُمَا﴾ (۲۳)
(۶) ان سے نرمی سے بات کرنے کا حکم: ﴿قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا﴾ (۲۳)
(۷) ان پر شفقت: ﴿وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ﴾ (۲۴)

(۸)ان کے لیے رحمت کی دعا:﴿رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا﴾(۲۴)

(۹)رشتہ داروں کا حق ادا کرنا:﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ﴾(۲۶)

(۱۰)مسکین کا حق ادا کرنا:﴿وَالْمِسْكِيْنَ﴾(۲۶)

(۱۱)مسافر کی مدد:﴿وَابْنَ السَّبِيْلِ﴾(۲۶)

(۱۲)اسراف سے پرہیز:﴿وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا﴾(۲۶)

(۱۳)سائل کو آسانی میں دینا اور پریشانی میں مہربانی سے لوٹا دینا:﴿فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا﴾(۲۸)

(۱۴)بخیلی نہ کرنا:﴿وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً﴾(۲۹)

(۱۵)طاقت سے زیادہ خرچ نہ کرنا:﴿وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ﴾(۲۹)

(۱۶)محتاجی کے ڈر سے اولاد کا قتل نہ کرنا:﴿وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ﴾(۳۱)

(۱۷)زنا کے قریب نہ جانا:﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى﴾(۳۲)

(۱۸)ناحق قتل سے پرہیز:﴿وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ﴾(۳۳)

(۱۹)قاتل کی جگہ دوسرے کو قتل نہ کرنا:﴿وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا﴾(۳۳)

(۲۰)قاتل کو قتل کرے مگر تعذیب اور مثلہ نہ کرنا:﴿فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ﴾(۳۳)

(۲۱)یتیم کے مال کے قریب نہ جانا:﴿وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ﴾(۳۴)

(۲۲)ایفاء عہد:﴿وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ﴾(۳۴)

(۲۳)ناپ میں کمی سے اجتناب:﴿وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ﴾(۳۵)

(۲۴)ڈنڈی نہ مارنا:﴿وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ﴾(۳۵)

(۲۵)جس چیز کا علم نہ ہو اس کے پیچھے نہ پڑنا:﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ﴾(۳۶)

(۲۶)زمین پر اکڑ کر نہ چلنا:﴿وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا﴾(۳۷)

(۲۷)شرک سے اجتناب کی تاکید:﴿وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ﴾(۳۹)

﴿وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا﴾(۴۵)

حجاب کیسے چھپا ہوا ہو سکتا ہے یہ تو خود چھپانے والا ہوتا ہے؟ بتایا یہ جا رہا ہے کہ باوجودیکہ حجاب ایک شئی کو دوسری شئی سے چھپا لیتا ہے لیکن یہاں خود حجاب ہی پوشیدہ ہو گیا ہے۔

Scanned by CamScanner

سورة الكهف (مكية)

عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رضی الله عنه، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "مَنْ حَفِظَ عَشْرَ آيَاتٍ مِنْ أَوَّلِ سُورَةِ الْكَهْفِ عُصِمَ مِنَ الدَّجَّالِ" (مسلم، کتاب المساجد: ۸۰۹)

سورۂ کہف کی ابتدائی دس آیات کو جو یاد کرے اور پڑھے گا وہ فتنۂ دجال سے محفوظ رہے گا۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضی الله عنه، قَالَ: "مَنْ قَرَأَ سُورَةَ الْكَهْفِ فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ أَضَاءَ لَهُ مِنَ النُّورِ مَا بَيْنَ الْجُمُعَتَيْنِ" (شعب الایمان للبیہقی ۲/ ۹۰۹، موقوف)

جو اس کی تلاوت جمعہ کے دن کرے گا اس کے لیے آئندہ جمعہ تک ایک خاص نور کی روشنی رہے گی۔

سورۂ کہف ہر ہفتے آتی ہے تاکہ ہمیں مختلف فتنوں سے بچائے، اس کا آغاز اس عظیم چیز سے ہو رہا ہے جو ہر فتنے سے نجات کا ذریعہ ہے اور وہ قرآن ہے اور اختتام اس عظیم نیکی سے ہو رہا ہے جس کے ساتھ کسی فتنے کا شر باقی نہیں رہ سکتا اور وہ توحید ہے، ان دونوں کے بیچ میں چار بڑے بڑے فتنوں کا ذکر ہے۔

(۱) دین کا فتنہ اور اس سے نجات کا طریقہ:

﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا﴾ میں بتایا گیا (۱) ذکر سے غفلت (۲) اتباع ھوٰی (۳) غلو۔ انسان اگر ان تین چیزوں سے بچ جائے تو دین کے فتنے سے بچ جائے گا۔

(۲) مال کا فتنہ اور اس سے نجات کا طریقہ:

﴿وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا﴾ بتایا گیا، یہ یقین رکھے کہ اس کے پاس جو کچھ بھی مال ہے وہ اللہ کی مشیت وقوت سے ہے اس میں اس کی اپنی

Scanned by CamScanner

قدرت کا کوئی دخل نہیں۔

(۳) علم کا فتنہ:

موسیٰ وخضر کا واقعہ۔اس سے نجات کا طریقہ صبر ہے۔

(۴) حکومت کا فتنہ:

اس سے نجات کا طریقہ عدل ہے، ذوالقرنین کے واقعے سے معلوم ہوتا ہے۔

خلاصہ: "ھی کھفک من الفتن فأوُوْا الیھا ینشر لك ربك من الرحمة" سورۂ کہف تمہارے لیے فتنوں سے بچانے کے لیے کہف (غار) ہے، توتم اس میں پناہ لو، تمہارے اوپر تمہارے رب کی رحمتوں کا سایہ ہوگا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۝۱

سب تعریف اللہ ہی کو ہے جس نے اپنے بندے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر (یہ) کتاب نازل کی اور اس میں کسی طرح کی کجی (اور پیچیدگی) نہ رکھی۔(۱)

سورۂ کہف کی ابتداء ﴿ اَلْحَمْدُ ﴾ سے ہوئی۔

انزال قرآن کا مقصد توحید کی دعوت دینا اور شرک سے روکنا ہے۔

﴿ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ﴾ کے بعد ﴿ قَيِّمًا ﴾ لایا گیا کیونکہ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بظاہر کوئی چیز سیدھی ہوتی ہے مگر حقیقت میں وہ کجی سے خالی نہیں ہوتی لیکن قرآن ہر کجی سے پاک ہے، اسی وجہ سے عوج کی نفی کی گئی اور استقامت کو ثابت کر دیا گیا۔

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ۭ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى ۝۱۳

ہم اُن کے حالات تم سے صحیح صحیح بیان کرتے ہیں وہ کئی جوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے تھے اور ہم نے اُن کو اور زیادہ ہدایت دی تھی۔(۱۳)

﴿ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ ﴾ اس قصے میں نوجوانوں کے لیے بڑا سبق ہے، آج کل کے نوجوان بیشتر اوقات فضولیات میں گزارتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف ان کی توجہ نہیں ہوتی جس زمانے میں ان توحید کے متوالے نوجوانوں نے بھاگ کر غار میں پناہ لی اس وقت شہر اَفَسس (اس علاقے کے کھنڈرات ترکی کے مشہور شہر سمرنا کے قریب پائے گئے ہیں) ایشیا میں بت پرستی اور جادوگری کا بہت بڑا مرکز تھا۔ وہاں ڈائنا دیوی کا عظیم الشان مندر تھا جس کی شہرت تمام دنیا میں پھیلی ہوئی تھی، دور دور سے لوگ اس کی پوجا کے لیے آتے تھے، جب یہ بیدار ہوئے تو موجودہ بادشاہ نے جس کا نام دقیانوس (Theodosius) تھا عیسائیت قبول کر لی تھی اور روم عیسائی ملک بن گیا تھا۔

Scanned by CamScanner

هٰٓؤُلَآءِ قَوۡمُنَا اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اٰلِهَةً ؕ لَوۡلَا يَاۡتُوۡنَ عَلَيۡهِمۡ بِسُلۡطٰنٍۢ بَيِّنٍ ؕ فَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ؕ﴿۱۵﴾

ان ہماری قوم کے لوگوں نے اُس کے سوا اور معبود بنا رکھے ہیں بھلا یہ اُن (کے معبود ہونے) پر کھلی دلیل کیوں نہیں لاتے تو اس سے زیادہ کون ظالم ہے جو اللہ پر جھوٹ افتراء کرے۔(۱۵)

﴿لَوۡلَا يَاۡتُوۡنَ عَلَيۡهِمۡ بِسُلۡطٰنٍۢ بَيِّنٍ ؕ فَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا﴾
شرک پر کوئی دلیل ہے تو مشرکین پیش کیوں نہیں کرتے۔

اصحاب کہف کی صفات:

(۱) ﴿اٰمَنُوۡا بِرَبِّهِمۡ﴾ بت پرستی عام تھی وہ بیزار ہو کر اپنے رب پر ایمان لائے۔

(۲) ﴿وَزِدۡنٰهُمۡ هُدًى﴾ ایمان پر ثابت قدم رہے۔

﴿وَّرَبَطۡنَا عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ﴾ کہ بتوں کو سجدہ کرنے کے لیے کہا گیا تو انہوں نے صاف کہہ دیا ﴿رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ﴾ کہ یہ بت ہمارا رب نہیں، رب تو وہ ہے جو مالک ارض وسماء ہے، دلیل بین لاؤ کہ یہ اللہ تعالیٰ ہیں ورنہ افتراء ہی تو ہے، بادشاہ خفا ہوا حکم دیا کہ ان کو سجدہ کرو ورنہ قتل کردیئے جاؤ گے یا روئی میں لپیٹ کر جلا دیئے جاؤ گے، انہوں نے کچھ مہلت مانگی مہلت ملی ﴿وَاِذِ اعۡتَزَلۡتُمُوۡهُمۡ﴾ تو الگ ایک مقام پر جا کر آپس میں مشورہ کیا۔ مشورہ میں یہ طے پایا کہ بھاگو اور ﴿فَاۡوٗۤا اِلَى الۡكَهۡفِ﴾ - ﴿ذٰلِكَ مِنۡ اٰيٰتِ اللّٰهِ﴾ یہ عجائب قدرت الٰہیہ میں سے ہے پھر وہ جس کو چاہے ہدایت دے۔ ﴿وَاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيۡبَ﴾ ۳۰۰ سال کے بعد جاگنا ''بعث بعد الموت'' کی دلیل ہے۔ یہ شہر Ephesus تھا وہاں رومی حکمراں Desius تھا۔

﴿اِنَّ اَصۡحٰبَ الرَّقِيۡمِ﴾ یہ نوجوان رب کی وحدانیت کی معرفت حاصل کر چکے تھے جب کہ وقت کا معاشرہ مشرک تھا۔ رقیم کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ جب یہ نوجوان غائب ہو گئے تو ان کے نام لکھ کر نشر کیے گئے کہ یہ جہاں بھی دیکھے جائیں انہیں پکڑ کر حکومت کے حوالے کر دیا جائے۔ یہ غار عمان سے آٹھ کلومیٹر کے فاصلے پر الرجیب میں واقع ہے۔

﴿فَضَرَبۡنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمۡ﴾ نیند میں وقت کے اثرات کا عمل معطل ہو جاتا ہے اسی بنا پر انسان بیداری کے وقت اسی حالت میں ہوتا ہے جس میں وہ سویا تھا۔ خواہ یہ سونا کتنی ہی لمبی مدت کا ہو۔ نیند اور بے ہوشی ایک چیز نہیں، بے ہوشی میں جسم انحطاط سے محفوظ نہیں رہتا، نیز بے ہوشی میں کروٹ نہیں لی جاسکتی لیکن نیند میں انسان کا خودکار سسٹم کام کرتا رہتا ہے۔

﴿فَضَرَبۡنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمۡ﴾ اچھی نیند تبھی آتی ہے جب کان کو سکون ملے۔ کان کے پاس بینڈ باجے بجیں تو نیند کہاں آنے والی؟ اسی وجہ سے فجر میں سلانے کے لیے شیطان کے بارے میں کہا گیا کہ اس کے کان میں پیشاب کر دیتا ہے۔

عَنۡ عَبۡدِ اللهِ، قَالَ: ذُكِرَ عِنۡدَ رَسُوۡلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ نَامَ لَيۡلَةً حَتّٰى أَصۡبَحَ، قَالَ: "ذَاكَ رَجُلٌ بَالَ

الشَّيْطَانُ فِي أُذُنَيْهِ"، أَوْ قَالَ: فِي أُذُنِهِ (مسلم، کتاب المساجد: ۷۷۴)

وَتَحۡسَبُهُمۡ اَيۡقَاظًا وَّهُمۡ رُقُوۡدٌ ۖ وَّنُقَلِّبُهُمۡ ذَاتَ الۡيَمِيۡنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ۖ وَكَلۡبُهُمۡ بَاسِطٌ ذِرَاعَيۡهِ بِالۡوَصِيۡدِ ؕ لَوِ اطَّلَعۡتَ عَلَيۡهِمۡ لَوَلَّيۡتَ مِنۡهُمۡ فِرَارًا وَّلَمُلِئۡتَ مِنۡهُمۡ رُعۡبًا ﴿۱۸﴾

اور تم ان کو خیال کرو کہ جاگ رہے ہیں حالانکہ وہ سوتے ہیں اور ہم ان کو دائیں اور بائیں کروٹ بدلاتے تھے اور اُن کا کتا چوکھٹ پر دونوں ہاتھ پھیلائے ہوئے تھا اگر تم اُن کو جھانک کر دیکھتے تو پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے اور اُن سے دہشت میں آ جاتے۔ (۱۸)

﴿نُقَلِّبُهُمۡ ذَاتَ الۡيَمِيۡنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ﴾ اللہ تعالیٰ نے اس میں اپنے لیے جمع متکلم کا صیغہ استعمال فرمایا کہ ہم کروٹیں بدلتے ہیں۔ یعنی اپنی طرف نسبت کی۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ نیند میں کوئی کام کیا جائے تو اس کی نسبت انسان کی طرف نہیں کی جائے گی، لہٰذا نیند کی حالت میں کوئی طلاق دے دے تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔

وَكَذٰلِكَ اَعۡثَرۡنَا عَلَيۡهِمۡ لِيَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيۡبَ فِيۡهَا ۚ اِذۡ يَتَنَازَعُوۡنَ بَيۡنَهُمۡ اَمۡرَهُمۡ فَقَالُوا ابۡنُوۡا عَلَيۡهِمۡ بُنۡيَانًا ؕ رَبُّهُمۡ اَعۡلَمُ بِهِمۡ ؕ قَالَ الَّذِيۡنَ غَلَبُوۡا عَلٰٓى اَمۡرِهِمۡ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيۡهِمۡ مَّسۡجِدًا ﴿۲۱﴾

اور اسی طرح ہم نے (لوگوں کو) ان (کے حال) سے خبردار کر دیا تا کہ وہ جانیں کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور یہ کہ قیامت (جس کا وعدہ کیا جاتا ہے) اس میں کچھ بھی شک نہیں۔ اس وقت لوگ ان کے بارے میں باہم جھگڑنے لگے اور کہنے لگے کہ ان (کے غار) پر عمارت بنا دو اُن کا رب اُن (کے حال) سے خوب واقف ہے، جو لوگ اُن کے معاملے میں غلبہ رکھتے تھے وہ کہنے لگے کہ ان (کے غار) پر مسجد بنائیں گے۔ (۲۱)

﴿قَالَ الَّذِيۡنَ غَلَبُوۡا عَلٰٓى اَمۡرِهِمۡ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيۡهِمۡ مَّسۡجِدًا﴾ اصول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ اگلی امتوں کی شریعت کا کوئی حکم بلا ردوکد کے بیان فرمائیں تو ہمارے لیے جائز و مشروع ہے لیکن اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ ہماری شریعت میں اس کے خلاف کچھ وارد نہ ہو اور زیر بحث مسئلہ اتخاذ المساجد علی القبور (قبروں پر مسجد یں بنانا) کی ممانعت متواتر احادیث سے ثابت ہے۔ دوسرے یہ صراحت نہیں کہ اصحاب کہف کے غار پر مسجد بنانے والے مومن تھے یا گمراہ لوگ تھے۔

﴿لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيۡهِمۡ مَّسۡجِدًا﴾ ابن کثیر رحمہ اللہ نے کہا کہ غلبہ حاصل کرنے والے لوگ مشرک تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "قَاتَلَ اللهُ الْيَهُودَ، اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ" (بخاری) مسجد اور قبر دونوں ساتھ نہیں رہ سکتے جو پہلے ہے اسے باقی رکھا جائے دوسرے کو برابر کردیا جائے یا منتقل کردیا جائے۔

سَيَقُوۡلُوۡنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمۡ كَلۡبُهُمۡ‌ۚ وَيَقُوۡلُوۡنَ خَمۡسَةٌ سَادِسُهُمۡ كَلۡبُهُمۡ رَجۡمًۢا بِالۡغَيۡبِ‌ۚ وَيَقُوۡلُوۡنَ سَبۡعَةٌ وَّثَامِنُهُمۡ كَلۡبُهُمۡ‌ؕ قُلْ رَّبِّىۡۤ اَعۡلَمُ بِعِدَّتِهِمۡ مَّا يَعۡلَمُهُمۡ اِلَّا قَلِيۡلٌ ۙ فَلَا تُمَارِ فِيۡهِمۡ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا ۖ وَّلَا تَسۡتَفۡتِ فِيۡهِمۡ مِّنۡهُمۡ اَحَدًا ﴿۲۲﴾

(بعض لوگ) اٹکل پچو کہیں گے کہ وہ تین تھے (اور) چوتھا ان کا کتا تھا اور (بعض) کہیں گے کہ وہ پانچ تھے اور چھٹا ان کا کتا تھا اور (بعض) کہیں گے کہ وہ سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا۔ کہہ دو کہ میرا رب ہی اُن کے شمار سے خوب واقف ہے، ان کو جانتے بھی ہیں تو تھوڑے ہی لوگ (جانتے ہیں)۔(۲۲)

﴿سَيَقُوۡلُوۡنَ ثَلٰثَةٌ﴾

اصحاب کہف کی تعداد کتنی تھی؟

پہلے دو اقوال (تین تھے چوتھا ان کا کتا تھا اور پانچ تھے چھٹا ان کا کتا تھا) جو ذکر کئے گئے ان پر ﴿رَجۡمًۢا بِالۡغَيۡبِ﴾ کہہ کر رد کردیا گیا۔ تیسرا قول ﴿سَبۡعَةٌ وَّثَامِنُهُمۡ كَلۡبُهُمۡ﴾ (سات تھے آٹھواں ان کا کتا تھا) ہے۔ اس کی تردید نہیں کی گئی، کیونکہ یہی قول صحیح تھا لیکن اس طرح کے موقع پر احسن بات یہ ہے کہ اس کے علم کو اللہ کے سپرد کردی جائے کیونکہ اس طرح کے واقعات میں علم کے بغیر بحث کی کوئی ضرورت نہیں۔(ابن کثیر)

نکتہ: ﴿رَّابِعُهُمۡ كَلۡبُهُمۡ‌ۚ وَيَقُوۡلُوۡنَ خَمۡسَةٌ سَادِسُهُمۡ كَلۡبُهُمۡ﴾ میں انسان اور کتے کے درمیان واو کی فصل نہیں لائی گئی۔ مگر آخری قول ﴿سَبۡعَةٌ وَّثَامِنُهُمۡ كَلۡبُهُمۡ﴾ میں واوَ کی فصل لائی گئی۔ جس سے اشرف مخلوق (انسان) کو کتے سے الگ کر کے یہ بتادیا گیا کہ نیک صحبت کے برکات نے کتے کو معزز تو بنا دیا مگر پھر بھی وہ کتا ہی تھا، کچھ اور نہیں بن گیا۔

نکتہ: اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں بار بار علم کو اپنی طرف منسوب کیا ہے، ﴿قَالُوۡا رَبُّكُمۡ اَعۡلَمُ. رَبُّهُمۡ اَعۡلَمُ بِهِمۡ. قُلْ رَّبِّىۡۤ اَعۡلَمُ بِعِدَّتِهِمۡ. قُلِ اللّٰهُ اَعۡلَمُ بِمَا لَبِثُوۡا﴾ اس لیے کہ اصل علم اس بات کا جان لینا ہے کہ اصحاب کہف حق پر ثابت قدم رہے اور قوم کے مشرکین اور ان کے شرک سے بری رہے۔ بقیہ تفصیلات کا علم اگر ہمیں نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کو ہے تو اس میں کوئی نقصان کی بات نہیں۔

Scanned by CamScanner

﴿سَبۡعَةٌ وَّثَامِنُهُمۡ كَلۡبُهُمۡ﴾ واؤ کی فصل لائی گئی ہے۔آج ۹ تک اکائی ہے ۱۰ سے دہائی شروع ہوتی ہے۔
پہلے ۷ کے بعد جو عدد ہوتا وہ الگ شمار ہوتا تھا۔سات تک واؤ عطف نہیں لاتے تھے اس کو واؤ ثمانیہ کہتے ہیں۔

قبر پرستوں کا رد:

اصحاب کہف اولیاء تھے۔ نیند سے اٹھے تو انھیں شعور نہ تھا کہ کتنے دن ٹھہرے، تو مرنے کے بعد وہ کیسے سن سکتے ہیں۔

اصحب کہف ظاہر ہے کہ اولیاء تھے، مگر تین سونو سال تک سوتے رہے۔ جب بیدار ہوئے تو انھیں کچھ شعور نہ تھا کہ ان کے اوپر کیا گذری۔ ایسے ہی اولیاء جب مرجاتے ہیں تو ان کو پکارنا یا ان سے مدد مانگنا بے فائدہ ہے کیونکہ انہیں شعور نہیں ہوتا۔

برزخ کی ایک مثال: اسے محسوس ہوگا چند گھنٹے گزرے ہیں۔

یہ رہبانیت نہیں تھی، پرفتن حالات کے لیے تھا، پھر حکومت بدلی، ماحول بدل گیا، لوگ ان کے عقیدت مند ہو گئے، بڑوں نے قبر پر مسجد بنادی۔

﴿فَلَا تُمَارِ فِيهِمۡ إِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا ۖ وَّلَا تَسۡتَفۡتِ فِيهِمۡ مِّنۡهُمۡ أَحَدًا﴾ غیر ضروری بحث میں نہ الجھیں۔

وَلَا تَقُوۡلَنَّ لِشَاۡىۡءٍ اِنِّىۡ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ۝۲۳

تو تم اُن (کے معاملے) میں گفتگو نہ کرنا مگر سرسری سی گفتگو اور نہ اُن کے بارے میں ان میں سے کسی سے کچھ دریافت ہی کرنا۔ (۲۳)

﴿وَلَا تَقُوۡلَنَّ لِشَاۡىۡءٍ اِنِّىۡ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا. اِلَّاۤ اَنۡ يَّشَآءَ اللّٰهُ﴾ اے نبی ﷺ تمہارے لیے اس پر میرے ایک نبی موسیٰ کا اسوہ موجود ہے۔ ﴿سَتَجِدُنِىۡۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا﴾

وَاصۡبِرۡ نَفۡسَكَ مَعَ الَّذِيۡنَ يَدۡعُوۡنَ رَبَّهُمۡ بِالۡغَدٰوةِ وَالۡعَشِىِّ يُرِيۡدُوۡنَ وَجۡهَهٗ وَلَا تَعۡدُ عَيۡنٰكَ عَنۡهُمۡ ۚ تُرِيۡدُ زِيۡنَةَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ۚ وَلَا تُطِعۡ مَنۡ اَغۡفَلۡنَا قَلۡبَهٗ عَنۡ ذِكۡرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰٮهُ وَكَانَ اَمۡرُهٗ فُرُطًا ۝۲۸

اور جو لوگ صبح وشام اپنے رب کو پکارتے اور اُس کی خوشنودی کے طالب ہیں اُن کیساتھ صبر کرتے رہو اور تمہاری نگاہیں ان میں سے (گزر کر اور طرف) نہ دوڑیں کہ تم آرائش زندگی دنیا کے طلبگار ہو جاؤ، اور جس شخص کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور وہ اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے اور اس کا کام حد سے بڑھ گیا ہے اس کا کہنا نہ ماننا۔ (۲۸)

یہاں نبی ﷺ کو کہا جا رہا ہے کہ آپ ان لوگوں کی صحبت اختیار کیجئے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے طالب ہیں اور دنیا پرست

Scanned by CamScanner

نہیں ہیں، حالانکہ صحابہ مقام میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فروتر ہیں، اس میں یہ درس بلیغ ہے کہ صالحین کی صحبت کو اختیار کیا جائے اور اسی پر جم جمایا جائے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ دین کا کام ایسے ہی لوگوں کے ذریعے ہوسکتا ہے جن کا تعلق اپنے رب سے مضبوط ہو، اگرچہ دنیا کے اعتبار سے وہ معمولی لوگ کیوں نہ ہوں۔

وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿۳۹﴾

اور (بھلا) جب تم اپنے باغ میں داخل ہوئے تو تم نے ماشاء اللہ لاقوۃ الا باللہ کیوں نہ کہا؟ اگر تم مجھے مال واولاد میں اپنے سے کمتر دیکھتے ہو۔ (۳۹)

﴿ مَا شَآءَ اللّٰهُ ﴾ کے ساتھ "کَانَ" یا "یَکُوْن" کچھ نہیں لایا گیا ہے، یہ بتانے کے لیے کہ تینوں زمانوں کو شامل ہو جائے۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ﴿۴۵﴾

اور ان سے دنیا کی زندگی کی مثال بھی بیان کرو (وہ ایسی ہے) جیسے پانی جسے ہم نے آسمان سے برسایا تو اُس کے ساتھ زمین کی روئیدگی مل گئی پھر وہ چورا چورا ہوگئی کہ ہوائیں اسے اڑاتی پھرتی ہیں اور اللہ تو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ (۴۵)

دنیاوی زندگی کی مثال پانی کی طرح ہے:

جیسے پانی ایک حالت پر نہیں رہتا۔ دنیا بھی ایک حالت پر نہیں رہتی۔ پانی باقی نہیں رہتا، سوکھ جاتا ہے دنیا بھی باقی نہیں رہے گی۔ پانی کی خصوصیت یہ ہے کہ جو اس میں داخل ہو وہ نہ بھیگے، یہ ممکن نہیں۔ ایسے ہی کوئی دنیا میں داخل ہو اور فتنے سے محفوظ رہے، یہ ممکن نہیں۔ پانی ایک خاص مقدار میں ہو تو فائدہ مند ہے اور مقدار سے زائد تو باعث ہلاکت ہے تو دنیا بقدر کفاف ہونی چاہیے۔

ابن الجوزی رحمہ اللہ نے کہا کہ دنیا کو پانی سے تشبیہ دینے کی دس وجہیں ہوسکتی ہیں:

(۱) سیلان اور عدم استقرار پانی میں طبعی امر ہے اسی طرح دنیا میں سیلان اور عدم استقرار ہے کہ ایک آدمی کے پاس قرار نہیں پکڑتی۔

(۲) پانی تھوڑا کافی ہوتا ہے اگر بہت زیادہ ہو جائے تو تباہ کر دیتا ہے ایسے ہی دنیا تھوڑی ہی کافی ہے اگر زیادہ ہو جائے تو

Scanned by CamScanner

مہلک ہے۔

(۳) جب پانی زیادہ دیر بند رہے تو فاسد و متغیر ہوجاتا ہے۔اسی طرح دنیاوی مال بخیل کے حق میں بلا و مصیبت ہوجاتا ہے کہ اس کی آخرت خراب ہوجاتی ہے۔

(۴) پانی جب درخت کو دیا جاتا ہے تو اس کا جوہر مثل پھول اور پھل کے ظاہر ہوتا ہے۔اسی طرح دنیا جس کے پاس آتی ہے اس کے جوہر مثل سخاوت و بخل دکھاتی ہے۔

(۵) پانی زمین کے عیب پر پردہ ڈال دیتا ہے۔اسی طرح مال،عوام کی نظروں میں مالدار کے عیب کو چھپا دیتا ہے۔

(۶) پانی کسی مکر وفریب سے نہیں برستا۔اسی طرح مال بغیر قضاوقدر کے موافق ہوئے کسی کو حاصل نہیں ہوتا۔

(۷) انسان جس طرح بارش کے دفع کرنے پر قدرت نہیں رکھتا،اسی طرح اس کی قسمت میں جو لکھا ہے اس کو دفع نہیں کرسکتا۔

(۸) پانی زیادہ ہوتا ہے تو زراعت کو خراب کردیتا ہے۔اسی طرح مال جب زیادہ ہوجاتا ہے تو آدمی کے دل کو خراب کردیتا ہے۔

(۹) پانی جس طرح نجاست کو دور کرتا ہے ویسے ہی مال اگر اللہ کے راستے میں خرچ کیا جائے تو گناہوں کی نجاست کو دور کر دیتا ہے۔

(۱۰) پانی زیادہ ہوجائے تو ادھر ادھر بہہ کر ضائع ہوجاتا ہے۔مال زیادہ ہوجائے تو زائل ہونے لگتا ہے۔

اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ﴿۴۶﴾

مال اور بیٹے تو دنیا کی زندگی کی (رونق و) زینت ہیں اور نیکیاں جو باقی رہنے والی ہیں وہ ثواب کے لحاظ سے تمہارے رب کے ہاں بہت اچھی اور امید کے لحاظ سے بہت بہتر ہیں۔(۴۶)

مال کو مقدم کیا گیا۔اس لیے کہ انسان کا ذہن مال کی طرف پہلے جاتا ہے اور ہر چھوٹا بڑا مال کے پیچھے بھاگتا ہے۔

﴿وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ﴾ باقی رہنے والی چیز نیک اعمال یعنی اعمال حسنہ ہیں۔

دنیا ہے تو پُر بہار،مگر سدا بہار نہیں۔اس کا پرستار کون بنتا ہے۔کون صبر وضبط سے اللہ کی رہنمائی کو قبول کرکے اچھا انسان بنتا ہے؟

عالم آخرت سے غافل کرنے والی دو چیزیں:

(۱) مال واولاد۔

(۲) شیطان اور اس کی ذریت کے وساوس۔

وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ

Scanned by CamScanner

هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ۚ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ﴿۴۹﴾

اور (اعمال کی) کتاب (کھول کر) رکھی جائے گی تو تم گنہگاروں کو دیکھو گے کہ جو کچھ اس میں (لکھا) ہے اس سے ڈر رہے ہوں گے اور کہیں گے کہ ہائے بربادی! یہ کیسی کتاب ہے کہ نہ چھوٹی بات کو چھوڑتی ہے اور نہ بڑی کو (کوئی بات بھی نہیں) مگر اُسے لکھ رکھا ہے اور جو عمل کئے ہوں گے سب کو حاضر پائیں گے اور تمہارا رب کسی پر ظلم نہیں کرے گا۔(۴۹)

نامۂ اعمال جو قیامت میں انسان کو ملے گا وہ ایک ایسی کتاب کی طرح ہوگا جس میں انسان کی پوری زندگی کے تمام چھوٹے بڑے واقعات مرقوم (لکھے ہوئے) ہوں گے۔ اسے ہم ایک باتصویر کتاب بھی کہہ سکتے ہیں یا انسان کے اعمال کی ایک مکمل ویڈیو کیسٹ۔

﴿مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ﴾ چھوٹے چھوٹے گناہ بھی درج ہیں۔ اس پر وہ چلّائے گا، لہٰذا چھوٹے چھوٹے گناہوں کو بھی حقیر نہ سمجھا جائے۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ۭ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ۭ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ﴿۵۰﴾

اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس (نے نہیں کیا) وہ جنوں میں سے تھا تو اپنے رب کے حکم سے باہر ہو گیا، کیا تم اس کو اور اس کی اولاد کو میرے سوا دوست بناتے ہو؟ حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں (اور شیطان کی دوستی) ظالموں کے لیے (اللہ کی دوستی کا) بُرا بدل ہے۔(۵۰)

نورانی مخلوق کو تمہارے باپ کے سامنے جھکا دیا۔ جنت میں بسایا اور شیطان نے انہیں جنت سے نکلوا دیا۔ پھر بھی تم خالق و محسن کے بجائے اپنے باپ کے دشمن اور میرے دشمن کی پیروی کرتے ہو؟۔

﴿بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا﴾ برا بدلہ حاصل کیا۔

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَاۗءَهُمُ الْهُدٰى وَيَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ﴿۵۵﴾

Scanned by CamScanner

اور لوگوں کے پاس جب ہدایت آ گئی تو ان کو کس چیز نے منع کیا کہ ایمان لائیں اور اپنے رب سے بخشش مانگیں بجز اس کے کہ (اس بات کے منتظر ہوں کہ) انہیں بھی پہلوں کا سا معاملہ پیش آئے یا اُن پر عذاب سامنے آ موجود ہو۔ (۵۵)

قرآن کہتا ہے پہلے توحید تھی، شرک بعد میں پیدا ہوا۔ لوگ کہتے ہیں پہلے شرک تھا آہستہ آہستہ اللہ کا خیال پیدا ہوا اور توحید دنیا میں آئی۔

توحید:

توحید قبول نہ کرنا ایک جرم تھا ہی مزید یہ ﴿وَيُجَادِلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالْبَاطِلِ﴾ مجادلین غلط اور لغو دلیلیں پیش کر کے جھگڑا مچاتے ہیں ﴿لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ﴾ تا کہ اس سے حق کو پست کر دیں۔

وَتِلْكَ الْقُرَىٰ أَهْلَكْنَاهُمْ لَمَّا ظَلَمُوا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِم مَّوْعِدًا ﴿٥٩﴾

اور یہ بستیاں (جو ویران پڑی ہیں) جب انہوں نے (کفر سے) ظلم کیا تو ہم نے ان کو تباہ کر دیا اور ان کی تباہی کیلئے ایک وقت مقرر کر دیا تھا۔ (۵۹)

سوال: آج دنیا میں بہت ساری قومیں ہیں جو اللہ کی نافرمان ہیں اس کے باوجود وہ پھل پھول رہی ہیں؟

جواب: یہ اللہ کی سنت جاریہ رہی ہے کہ ان کو اللہ نے مہلت دے رکھی ہے تا کہ وہ مزید سرکشی کریں، لیکن ان کا انجام ہلاکت ہی ہے اور اس ہلاکت کا ایک وقت مقرر کر دیا گیا ہے۔

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِفَتَاهُ لَا أَبْرَحُ حَتَّىٰ أَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ أَوْ أَمْضِيَ حُقُبًا ﴿٦٠﴾

اور جب موسیٰ نے اپنے شاگرد سے کہا کہ جب تک میں دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ نہ پہنچ جاؤں ہٹنے کا نہیں خواہ برسوں چلتا رہوں۔ (۶۰)

﴿مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ﴾ سے مراد وہ جگہ ہے جہاں بحر قلزم اور خلیج عقبہ ملتے ہیں۔

بَيْنَمَا مُوسَى فِي مَلَإٍ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ جَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ: هَلْ تَعْلَمُ أَحَدًا أَعْلَمَ مِنْكَ؟ "قَالَ مُوسَى: لَا، فَأَوْحَى اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ إِلَى مُوسَى: بَلَى، عَبْدُنَا خَضِرٌ، فَسَأَلَ مُوسَى السَّبِيلَ إِلَيْهِ" (بخاری کتاب العلم: ۷۴)

ایک شخص نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کیا روئے زمین پر آپ اپنے سے بڑا عالم کسی کو پاتے ہیں؟ فرمایا نہیں۔ جواب صحیح تھا مگر حق تعالیٰ کو ان کے الفاظ پسند نہ آئے۔ انہیں یہ کہنا چاہئے تھا کہ روئے زمین پر اللہ کے بہت سے مقرب بندے علم والے ہیں۔ یہاں دیکھئے، موسیٰ علیہ السلام، کلیم اللہ ہیں اور خضر سے بدرجہا افضل ہیں، مگر اللہ اپنے مقربین

کی معمولی کوتاہی کی بھی اصلاح کرتا ہے۔ ایسا کرنے میں ان کی تربیت مقصود ہوتی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان کا پتہ پوچھا۔ اگر اللہ چاہتا تو موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات خضر سے آسانی سے کروا دیتا۔ مگر علم کے لیے پریشانیاں اٹھانا کیسے معلوم ہوتا۔

فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا ؗ لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ﴿۶۲﴾

جب آگے چلے تو (موسیٰ نے) اپنے شاگرد سے کہا کہ ہمارے لئے کھانا لاؤ اس سفر سے ہمیں بہت تکان ہوگئی ہے۔ (۶۲)

﴿اٰتِنَا غَدَآءَنَا﴾ سفر میں کھانا وغیرہ لے کر چلنا، توکل کے خلاف نہیں کیونکہ اللہ کا کلیم لے کر چل رہا ہے۔ معلوم ہوا کہ:

(۱) پیغمبر بھوکے بھی ہوتے ہیں۔

(۲) توشہ بھی رکھتے ہیں۔

(۳) تھکن بھی محسوس کرتے ہیں۔

(۴) بھولتے ہیں۔

یہ خوش عقیدہ مریدوں کے لیے سبق ہے کہ وہ پیروں کی طرف بھوک پیاس کا انتساب بے ادبی سمجھتے ہیں۔

﴿لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا﴾ اگر کسی کو کوئی بیماری ہے تو اسے اپنی بیماری کا اظہار کرنا تقضاء وقدر یا تسلیم ورضا کے خلاف نہیں ہے، اگر تقدیر پر راضی رہتے ہوئے اپنی تکلیفوں کا اظہار کرے تو کوئی حرج نہیں جیسے موسیٰ نے یوشع سے کہا تھا۔

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ﴿۶۵﴾

(وہاں) انہوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ دیکھا جس کو ہم نے اپنے ہاں سے رحمت (یعنی نبوت یا نعمت ولایت) دی تھی اور اپنے پاس سے علم بخشا تھا۔ (۶۵)

یہ علم ایسا تھا جس کا مقصد دکھی انسانوں کی دستگیری ہوتا ہے۔ اس علم کو بحث و برہان سے نہیں بڑی ریاضت اور صبر سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

﴿وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا﴾

سوال: ایک معلم کی سب سے عظیم صفت کیا ہونی چاہئے؟

جواب: معلم میں صفت رحمت ہونی چاہئے۔ اسے اپنے طلبہ پر مہربان ہونا چاہئے۔ ﴿فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا﴾ اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کے لیے جس معلم کو چنا اس کے لیے صفت علم سے پہلے

Scanned by CamScanner

صفت رحمت کو ذکر کیا۔

قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰۤى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ﴿۶۶﴾

موسیٰ نے اُن سے (جن کا نام خضر تھا) کہا کہ جو علم (اللہ کی طرف سے) آپ کو سکھایا گیا ہے اگر آپ اس میں سے مجھے کچھ بھلائی (کی باتیں) سکھائیں تو میں آپ کیساتھ رہوں؟ (۶۶)

شاگرد کو ادب سکھایا گیا ہے کہ وہ استاذ سے انتہائی نرم اور لطیف انداز میں گفتگو کرے اور وہ یہ اقرار کرے کہ وہ سیکھنے آیا ہے۔ آج کل طلبہ سیکھنے کے لیے نہیں سکھانے کے لیے آتے ہیں۔

﴿اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا﴾ طلبہ کو ادب کا ایک نمونہ دیا جا رہا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نبی ہیں لیکن ان کا مقام و مرتبہ اس سے مانع نہیں کہ وہ اپنے سے کمتر انسان سے علم سیکھیں۔ بلکہ لمبا سفر طے کر کے خضر علیہ السلام کے پاس پہونچے۔

﴿مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا﴾ یہ علم تکوینی تھا جیسے بعض فرشتوں کو حکم ہے کہ فلاں کو ڈبو دو اور فلاں کو بچا لو۔ ایسے ہی بعض امور انبیاء اور اللہ کے کچھ مخصوص بندوں کو دیے گئے تھے۔

قَالَ سَتَجِدُنِيْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَاۤ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا ﴿۶۹﴾

(موسیٰ علیہ السلام نے) کہا اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صابر پائیں گے اور میں آپ کے ارشاد کے خلاف نہیں کروں گا۔ (۶۹)

چونکہ موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام کو اپنا استاد بنایا تھا اس لیے ادب کے لحاظ سے یہ لفظ (لَاۤ اَعْصِيْ) استعمال کیا۔

فَانْطَلَقَا ۫ حَتّٰۤى اِذَا رَكِبَا فِي السَّفِيْنَةِ خَرَقَهَا ؕ قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا اِمْرًا ﴿۷۱﴾

تو دونوں چل پڑے یہاں تک کہ جب کشتی میں سوار ہوئے تو (خضر نے) کشتی کو پھاڑ ڈالا۔ (موسیٰ نے) کہا کہ کیا آپ نے اس کو اس لئے پھاڑا ہے کہ سواروں کو غرق کر دیں؟ یہ تو آپ نے بڑی (عجیب) بات کی۔ (۷۱)

کہا ﴿لِتُغْرِقَنَا﴾ نہیں کہا جب کہ وہ دونوں ہی کشتی پر سوار تھے۔ یہ انبیاء کے اخلاق ہوتے ہیں کہ ان کو اپنے علاوہ دوسروں کی فکر ہوتی ہے۔

Scanned by CamScanner

﴿قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا اِمْرًا﴾ خلاف شریعت معاہدہ کی پابندی روا نہیں۔
بعض کو دھوکہ ہوا کہ پیر اگر خلاف شرع کام کرے تو ٹوکنا نہیں چاہئے۔ جواب یہ ہے کہ خضر کا کمال نص سے ثابت و معلوم تھا اس لیے سکوت جائز تھا۔ دوسرے کو ان پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ ٹوکنے کا مطلب یہ تھا کہ پہلی ہی حرکت آپ کی کیا کم تھی کہ اب تو آپ اس سے کہیں بڑھ کر بیجا حرکت کر بیٹھے؟ کشتی کے نقصان کا تدارک تو تھا یہ تو جان کا معاملہ ہے اس کی تلافی کی تو کوئی صورت ہی نہیں ہے۔ پہلا سوال بے خیالی میں کر گزرے جو ﴿بِمَا نَسِيْتُ﴾ سے متبادر ہو رہا ہے۔ دوسرا سوال عمداً تھا، اس لیے نسیان کا عذر نہیں پیش کیا۔ احکام شریعت کی خلاف ورزی پر تحمل جب عام صالحین سے نہیں ہو سکتا تو ظاہر ہے موسیٰ پیغمبر تھے۔ وہ منکر چیز کو دیکھ کر کیسے خاموش رہ سکتے تھے۔

فَانْطَلَقَا ۫ حَتّٰۤى اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ ۙ قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةًۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ ؕ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا نُّكْرًا ﴿۷۴﴾

پھر دونوں چلے، یہاں تک کہ ایک لڑکے کو پایا، اس نے اسے مار ڈا، موسیٰ نے کہا کہ کیا آپ نے ایک پاک جان کو بغیر کسی جان کے عوض مار ڈالا؟ بے شک آپ نے تو بڑی ناپسندیدہ حرکت کی۔ (۷۴)

﴿اِمْرًا﴾، ﴿نُكْرًا﴾ میں فرق:

اِمر: جس کے نتائج ہولناک ہوں۔ یا وہ خرابی جس کی تلافی ہو سکے۔
نُکر: وہ عمل جو براہ راست خود بڑا ہولناک ہو۔ یا وہ خرابی جس کی تلافی نہ ہو سکے۔
موسیٰ علیہ السلام صبر نہ کر سکے عقلی بحث کرنے لگے۔

موسیٰ علیہ السلام و خضر کا واقعہ:

سوال: خضر، موسیٰ علیہ السلام کو بار بار ڈانٹ رہے ہیں کہ نہیں کر پاؤ گے۔ موسیٰ علیہ السلام کہہ رہے ہیں کہ کرلوں گا۔
جواب: انکار منکر پر صالحین چپ نہیں بیٹھ سکتے۔

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿۷۵﴾

(خضر نے) کہا کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہیں کرسکو گے؟ (۷۵)

﴿اَلَمْ اَقُلْ﴾ کشتی کے بارے میں اور ﴿اَلَمْ اَقُلْ لَكَ﴾ لڑکے کے بارے میں ہے۔
عربوں کا یہ طریقہ ہے کہ جتنا انکار کرنا ہوتا ہے اتنی تاکید لاتے ہیں۔ دوسری مرتبہ ﴿لَكَ﴾ لا کر موسیٰ علیہ السلام کے عدم صبر کو اور موکد کر دیا گیا۔

Scanned by CamScanner

وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ ۗ ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿۸۲﴾

اور وہ جو دیوار تھی سو وہ یتیم لڑکوں کی تھی (جو) شہر میں (رہتے تھے) اور اس کے نیچے ان کا خزانہ (مدفون) تھا اور ان کا باپ ایک نیک بخت آدمی تھا تو تمہارے پروردگار نے چاہا کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائیں اور (پھر) اپنا خزانہ نکالیں یہ تمہارے پروردگار کی مہربانی ہے اور یہ کام میں نے اپنی طرف سے نہیں کیے یہ ان باتوں کا راز ہے جن پر تم صبر نہ کر سکے۔ (۸۲)

﴿وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ﴾ بڑے سے بڑا صاحب باطن احکام شریعت ظاہری کے خلاف نہیں جا سکتا تاوقتیکہ وہ الہام صریح اپنی تائید میں نہ رکھتا ہو اور خود الہام صریح پر بعد ختم نبوت کیا دلیل قائم ہو سکتی ہے۔ یہ کہنا کہ شریعت اور ہے طریقت اور ہے۔ اور بہت سی چیزیں شریعت میں حرام اور طریقت میں جائز ہوتی ہیں اور کسی ولی کو گناہ میں مبتلا دیکھ کر اس پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ کھلا زندقہ ہے اور خضر پر دنیا کے کسی ولی کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

نکتہ: خضر نے اپنی گفتگو میں تین افعال کا استعمال کیا ہے اور ضمیر الگ الگ لائے ہیں۔ جہاں عیب کو اپنی جانب منسوب کیا ﴿اَرَدْتُّ﴾ کہا اور جہاں رحمت الٰہی کو بیان کیا وہاں ﴿اَرَادَ رَبُّكَ﴾ لائے اور جہاں قتل انسانی کا ذکر کیا، وہاں فعل کی عظمت کو ظاہر کرنے کے لیے اپنے لیے ﴿اَرَدْنَا﴾ صیغۂ جمع متکلم استعمال کیا۔

﴿وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا﴾ اس جملے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نبی یا اللہ کے کوئی خاص بندے تھے۔ بعض جاہل صوفیاء کہتے ہیں کہ شریعت اور چیز ہے طریقت اور بہت سی چیزیں شریعت میں حرام ہوتی ہیں مگر طریقت میں جائز ہوتی ہیں۔ اس لیے کسی ولی کو صریح گناہ میں مبتلا دیکھ کر اس پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا، یہ کھلا زندقہ ہے۔ خضر علیہ السلام پر دنیا کے کسی ولی کو قیاس نہیں کیا جا سکتا کیونکہ خضر علیہ السلام کی بابت اللہ نے خود ان کو علم خاص دیئے جانے کی صراحت کر دی ہے۔ اولیاء کے کشف والہام کی بنا پر ظاہر شریعت کو نہیں بدلا جا سکتا۔ کسی اور کے لیے ایسی صراحت کہیں نہیں ہے۔ اگر اس کو عام کر دیا تو ہر شعبدہ باز اس کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ نیز عالم شریعت کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ خلاف شرع امر پر خاموش رہے۔

خضر فرشتہ یا ولی یا نبی تھے؟

مفسرین اور مورخین کا اس میں اختلاف ہے۔

اس سلسلے میں تین مشہور اقوال ہیں:

(۱) فرشتہ تھے۔نووی نے کہا یہ غریب، باطل ہے۔ابن کثیر نے کہا غریب جدا۔

(۲) ولی تھے۔اس کی طرف صوفیاء وغیرہ کی ایک جماعت گئی ہے۔

(۳) نبی تھے۔جمہور علماء محققین کی رائے یہی ہے۔قال القرطبی۔الخضر نبی عند الجمہور (تفسیر قرطبی) حافظ ابن حجر نے "الزھر النضر فی حال الخضر" میں اسی کو راجح قرار دیا ہے۔دلیل آیت کریمہ: ﴿وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي﴾ ہے اور ﴿آتَيْنَاهُ رَحْمَةً مِّنْ عِندِنَا وَعَلَّمْنَاهُ مِن لَّدُنَّا عِلْمًا﴾ کے بارے میں آلوسی نے کہا کہ اس میں تین اقوال ہیں۔پھر تینوں کی تضعیف کرنے کے بعد کہا: "الجمھور علی انّھا الوحی والنبوہ" یعنی جمہور کے نزدیک ﴿رَحْمَةً مِّنْ عِندِنَا﴾ سے مراد وحی ونبوت ہے۔لیکن اس باب میں توقف بہتر ہے۔

عَنْ يَزِيدَ بْنِ هُرْمُزَ، قَالَ: كَتَبَ نَجْدَةُ إِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ رضى الله عنه يَسْأَلُهُ عَنْ قَتْلِ الْوِلْدَانِ وَيَقُولُ فِي كِتَابِهِ: قَدْ نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ قَتْلِهِمْ فَاعْتَزَلَهُمْ" (مصنف ابن ابی شیبہ)

إِنَّ الْعَالِمَ صَاحِبَ مُوسَى قَدْ قَتَلَ الْوَلِيدَ، قَالَ: فَقَالَ يَزِيدُ: أَنَا كَتَبْتُ كِتَابَ ابْنِ عَبَّاسٍ بِيَدِي إِلَى نَجْدَةَ: إِنَّكَ كَتَبْتَ تَسْأَلُ عَنْ قَتْلِ الْوِلْدَانِ وَتَقُولُ فِي كِتَابِكَ: "إِنَّ الْعَالِمَ صَاحِبَ مُوسَى قَدْ قَتَلَ الْوَلِيدَ وَلَوْ كُنْتَ تَعْلَمُ مِنَ الْوِلْدَانِ مَا عَلِمَ ذَلِكَ الْعَالِمُ مِنْ ذَلِكَ الْوَلِيدِ قَتَلْتَهُ، وَلَكِنَّكَ لَا تَعْلَمُ،

نجدہ نامی ایک خارجی نے ابن عباس کے پاس خط لکھا کہ خضر نے نابالغ کو کیوں قتل کیا جب کہ نبی ﷺ نے نابالغ کو قتل سے منع کیا ہے۔تو ابن عباس نے جواب دیا کہ اگر کسی بچے کے متعلق وہ علم ہو جائے جو خضر کو تھا تو تمہارے لیے نابالغ کا قتل جائز ہو جائے گا۔

Scanned by CamScanner

پارہ نمبر

(۱۶)

سورۃ الکھف
(آیت:۷۵)

تا

سورۃ طٰہٰ
(آیت:۱۳۵)

مُجمّع بلقیس للبحوث الإسلامیۃ
حیدرآباد الھند

Scanned by CamScanner

سولہواں پارہ

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝٧٥ قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍۭ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا ۝٧٦ فَانْطَلَقَا ۫ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَيَاۤ اَهْلَ قَرْيَةِ اسْتَطْعَمَاۤ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ؕ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا ۝٧٧

(خضر نے) کہا کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہیں کر سکو گے؟ (۷۵) انہوں نے کہا کہ اگر میں اس کے بعد (پھر) کوئی بات پوچھوں (یعنی اعتراض کروں) تو مجھے اپنے ساتھ نہ رکھئے گا کہ آپ میری طرف سے عذر (کے قبول کرنے میں غایت) کو پہنچ گئے۔(۷۶) پھر دونوں چلے یہاں تک کہ ایک گاؤں والوں کے پاس پہنچے اور اُن سے کھانا طلب کیا اُنہوں نے ان کی ضیافت کرنے سے انکار کر دیا پھر انہوں نے وہاں ایک دیوار دیکھی جو (جھک کر) گرا چاہتی تھی، خضر نے اس کو سیدھا کر دیا موسیٰ نے کہا کہ اگر آپ چاہتے تو ان سے (اس کا) معاوضہ لیتے (تا کہ کھانے کا کام چلتا)۔(۷۷)

﴿اسْتَطْعَمَاۤ﴾ موسیٰ علیہ السلام اور خضر نے فقراء اور مساکین کی طرح بستی والوں کے سامنے کھانا حاصل کرنے کے لیے دست سوال دراز نہیں کیے تھے بلکہ ان دونوں کی ضیافت بستی والوں پر واجب تھی، دونوں نے اس واجب ضیافت کا سوال کیا تھا۔

اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا ۝٧٩

(کہ وہ جو) کشتی (تھی) غریب لوگوں کی تھی جو دریا میں محنت (کر کے یعنی کشتیاں چلا کر گزارہ)

Scanned by CamScanner

کرتے تھے اور اُن کے سامنے (کی طرف) ایک بادشاہ تھا جو ہر ایک کشتی کو زبردستی چھین لیتا تھا تو میں نے چاہا کہ اُسے عیب دار کر دوں (تا کہ وہ اُسے غصب نہ کر سکے)۔(۷۹)

مسکین کون ہے؟ ﴿اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ﴾

مسکین وہ ہے جو مال رکھتا ہو لیکن وہ اس کی ضروریات کے لیے کافی نہ ہو۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ آلات حرفت و تجارت پر زکوٰۃ نہیں کیونکہ اللہ نے یہاں کشتی والوں کو باوجود کشتی کا مالک ہونے کے مسکین کہا۔

﴿فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا﴾ کشتی کو عیب دار بنانا تا کہ بادشاہ اسے غصب نہ کر لے،اس سے یہ اصول مستنبط ہوا کہ دو خرابیاں اگر ٹکرا جائیں تو دونوں میں جو ہلکی ہو اسے لے لینا چاہئے۔

وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۝۸۰

اور وہ جو لڑکا تھا اُس کے ماں باپ دونوں مومن تھے ہمیں اندیشہ ہوا کہ وہ (بڑا ہو کر بدکردار ہوتا) اُن کو سرکشی اور کفر میں نہ پھنسا دے۔(۸۰)

لڑکا کافر ہوگا ماں باپ کو گمراہ کرے گا۔ ایمان اتنی قیمتی شئی ہے کہ اس کے لیے اپنی اولاد کو بھی قربان کیا جا سکتا ہے۔ کشتی کو عیب دار سمجھ کر ظالم بادشاہ نظر انداز کر دے گا، یہ تدبیر اس مخصوص علم کی بنا پر تھی جو انہیں عطا ہوا تھا، کشتی میں بلا اجازت تصرف اللہ کے حکم سے تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعض حالات میں دوسرے کی ملکیت میں تصرف کرنا پڑتا ہے۔ مثلاً گھر کو آگ لگ گئی اور دروازہ بند ہے تو دروازہ توڑ دیا جائے۔

موسیٰ علیہ السلام اور خضر کے واقعے سے یہ بات مستفاد ہوتی ہے کہ نتائج ہمیشہ ظاہری حالات کے مطابق نہیں نکلتے، بلکہ بسا اوقات ظاہری حالات کے بالکل برعکس ہوتے ہیں، اس واقعے میں یہ لطیف اشارہ ہے کہ مسلمانوں کے خلاف اس وقت ظلم و تشدد برپا ہے اس کے نتائج بالکل برعکس نکلیں گے اور یہ مشرکین اگر ایمان نہ لائے تو مقہور و مجبور مسلمانوں کے سامنے ایک دن سرنگوں ہوں گے۔

تمام شرائع الٰہیہ میں سے کسی شریعت میں بھی، کسی نبی یا اور کو اجازت نہیں دی گئی کہ دوسرے کی مملوکہ چیز خراب کر دے یا کسی بے قصور کو مار ڈالے، خضر اس کُلّیے سے مستثنیٰ ہیں۔ یہ اللہ کے ان بندوں میں سے ہیں جو شریعت الٰہی کے تحت نہیں بلکہ مشیت الٰہی کے تحت کام کرتے تھے، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ فرشتے تھے "مگر رحمت سے نوازے جانے" کی بات فرشتے کے بارے میں موزوں نہیں ہو سکتی وہ تو تکوینی احکام کے نافذ کرنے پر مامور ہوتے ہیں۔

اللہ نے انبیاء کو الگ الگ امتیازات بخشے تھے۔ سلیمان علیہ السلام کو پرندوں کی بولی سمجھنے کی صلاحیت دی تھی، عیسیٰ علیہ السلام کو مردوں کو زندہ کرنے کا معجزہ عطا کیا تھا۔ اسی طرح خضر علیہ السلام کو ظاہری حالات و واقعات کے پیچھے جو اسرار پوشیدہ

Scanned by CamScanner

ہوتے تھے ان کا علم بخشا تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام، خضر علیہ السلام کے اسی امتیازی علم سے استفادہ کرنا چاہتے تھے۔ تختہ خضر نے پہلو سے نکالا تھا اگر نیچے سے نکالتے تو کشتی ڈوب جاتی۔

واقعات میں حکمتیں:

(۱) مسکینوں غریبوں کو کوئی مالی معاشی نقصان پہنچتا ہے تو نقصان ہی میں ان کا فائدہ مضمر ہوتا ہے اس لیے انہیں صبر کرنا چاہئے، اور اس امر پر یقین رکھنا چاہئے کہ اللہ کا کوئی فیصلہ حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔

(۲) سرکش اولاد کی جگہ پاک نفس اولاد دے، یہ مثال ہے اس بات کی کہ اگر جانی مصیبت کسی کو پہنچتی ہے تو اس میں بھی اس کے لیے خیر عظیم مضمر ہوتا ہے۔

(۳) بلا معاوضہ دیوار کی مرمت کی زحمت جو اٹھائی، یہ مثال ہے اس بات کی کہ دنیا میں نابکاروں اور بدکاروں کو جو رعایت ملتی ہے اس کا اصل منشا ان کا پرورش کرنا نہیں ہوتا بلکہ اس کے پردے میں قدرت اپنی ہی کسی مصلحت کی پرورش کرتی ہے۔

(۴) کشتی توڑ کر ظالم بادشاہ سے بچانا تعلیم ہے کہ تھوڑے پر ناصبر نہیں ہونا چاہئے، اس میں نہ جانے کتنے فوائد رکھے ہوئے ہیں، کشتی کو عیب دار بنانا وغیرہ ظاہر میں ایسے کام ہیں جو صحیح نہیں ہیں۔ مگر ان میں گہری مصلحت چھپی ہوئی تھی جو خضر نے ظاہر کی، اس میں ایک مسئلہ کا بھی جواب ہے، جس کو عام طور پر خرابی کا مسئلہ (Problem of evil) کہا جاتا ہے۔ دنیا کی بہت سی چیزوں کو دیکھ کر یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ دنیا کے نظام میں خرابیاں ہیں مگر وہ گہری مصلحت پر مبنی ہیں۔

(۵) (لڑکے کا مرنا) نیک آدمی کے ساتھ بڑا صدمہ آنا کسی مصلحت الٰہیہ کی دلیل ہے۔ بدلے میں نیک اولاد ملی۔ قتادہ کہتے ہیں لڑکا پیدا ہوا تو ماں باپ بہت خوش ہوئے اور جب قتل ہوا تو غمگین ہوئے۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "عَجَبًا لِلْمُؤْمِنِ، لَا يَقْضِي اللّٰهُ لَهُ شَيْئًا إِلَّا كَانَ خَيْرًا لَهُ" (مسند احمد: ۲۰۲۸۳، صحیح لغیرہ)

مومن کا معاملہ بڑا عجیب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے جو بھی فیصلہ کرتا ہے اس کے حق میں بہتر ہوتا ہے، خضر نے لڑکوں کی ماں کی نیکی کا ذکر نہیں کیا، صرف باپ کی نیکی کا ذکر کیا کیونکہ اولاد کو نیک بنانے میں باپ کی کوششوں کا زیادہ دخل ہوتا ہے۔

(۶) خضر نے ثقیل اشکال کے مقابلے میں ثقیل الفاظ اور خفیف اشکال کے مقابلے میں خفیف الفاظ استعمال فرمائے۔

﴿وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا﴾

(۷) نیکیاں نسلوں میں متوارث ہوتی ہیں، اور نیک آدمی کی نیکی کا صلہ پشتوں تک اللہ اس کی اولاد کو دیتا ہے، کوئی برائی کرے تو اچھائی سے دفع کرو، دیوار سیدھی کرنا یہی ہے۔

Scanned by CamScanner

واقعہ خضر وموسیٰ علیہما السلام میں اسکول کی انتظامیہ، مدرسین اور طلبہ کے لیے رہنما اصول:

(۱) علم کے لیے سفر

(۲) سفر قابل مشقت بھی ہوسکتا ہے ﴿لقد لقینا من سفرنا ھٰذا نصبا﴾

(۳) سفر میں توشہ بھی لے جانا چاہئے۔ ﴿آتنا غدائنا﴾

(۴) ٹیچر اپنے فن کا ماہر ہونا چاہئے، جیسے خضر کے بارے میں کہا گیا ﴿من لدنّا علما﴾

(۵) آدمی سفر میں خدمتگار رکھ سکتا ہے، ﴿لفتٰه﴾

(۶) فارم فلپ کرنا وغیرہ جتنے بھی داخلے کے طریقے ہیں۔ ان کو ملحوظ رکھنا۔ ﴿ھل اتبعك﴾

(۷) کبھی مدارس کے ''قوانین'' طلباء کے طبائع کے موافق نہیں ہوتے۔ جیسے اسکول میں فیس وغیرہ کا معاملہ۔ ہر اسکول کا اپنا قانون ہے۔ ﴿انك لن تستطیع معی صبرا﴾

(۸) طلبہ کو فارم پر دستخط کرنا چاہئے کہ قوانین کی پابندی کروں گا۔ ﴿لا اعصی لك امرا﴾ ساتھ ساتھ ان شاء اللہ ضرور کہیں۔

(۹) کبھی طلبہ سے کوئی غلطی ہو جائے تو اسکول والوں کو چاہئے کہ درگذر سے کام لیں۔ ﴿بما نسیت﴾

(۱۰) سبق سمجھ میں نہ آئے تو سوال کر سکتے ہیں۔

(۱۱) استاد کہیں غلطی کر رہا ہو تو طالب علم کو متنبہ کر دینا چاہئے۔

(۱۲) اسکول کے قوانین پر بے جا اعتراض نہیں کر سکتا۔

(۱۳) ایک دو دفعہ قوانین کی خلاف ورزی کی صورت میں یاددہانی کرانی چاہئے۔

(۱۴) بار بار غلطی کی صورت میں طالب علم کو نکال دینا چاہئے۔

(۱۵) مدرسے سے خارج کرتے وقت طالب علم کو اس کی غلطیاں بتائی جائیں۔

(۱۶) طالب علم غیر مستطیع ہو تو اسکول والوں کو اس کی فیس معاف کرنے کے بارے میں سوچنا چاہئے۔

حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِیْ عَیْنٍ حَمِئَةٍ وَّوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ۬ؕ قُلْنَا یٰذَا الْقَرْنَیْنِ اِمَّاۤ اَنْ تُعَذِّبَ وَ اِمَّاۤ اَنْ تَتَّخِذَ فِیْهِمْ حُسْنًا ﴿۸۶﴾

یہاں تک کہ جب سورج کے غروب ہونے کی جگہ پہنچا تو اسے ایسا پایا کہ ایک کیچڑ کی ندی میں ڈوب رہا ہے اور اس (ندی) کے پاس ایک قوم دیکھی۔ ہم نے کہا کہ ذوالقرنین! تم ان کو خواہ تکلیف دو خواہ ان (کے بارے) میں بھلائی اختیار کرو (دونوں باتوں کی تمہیں قدرت ہے)۔(۸۶)

Scanned by CamScanner

﴿حَتّٰى إِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ﴾

سوال: سورج کرۂ زمین سے بدرجہا بڑا ہے پھر وہ سمندر میں کیسے ڈوب گیا؟

جواب: وَجَدَ کے دو مختلف مفہوم ہیں۔ ایک معنی ہے ''پایا'' یا ''معلوم کیا'' اس معنی میں واقعہ کے ساتھ مطابقت کا پہلو بھی شامل ہے۔ دوسرا معنی ہے ''محسوس کیا'' یا مشاہدہ کیا۔ اس کا تعلق وجدان سے ہے۔ واقعہ سے اس کی مطابقت ضروری نہیں۔ آیت میں دوسرا معنی مراد ہے۔

قَالَ أَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهُ ثُمَّ يُرَدُّ إِلَىٰ رَبِّهِ فَيُعَذِّبُهُ عَذَابًا نُكْرًا ﴿٨٧﴾

ذوالقرنین نے کہا کہ جو (کفر و بدکرداری سے) ظلم کرے گا ہم اسے عذاب دیں گے پھر (جب) وہ اپنے رب کی طرف لوٹایا جائے گا تو وہ بھی اُسے بُرا عذاب دے گا۔ (۸۷)

﴿قَالَ أَمَّا مَنْ ظَلَمَ﴾ ظلم سے مراد شرک ہے۔ یعنی اپنی رعیت میں اعلان کر دیا کہ جو شرک کرے گا اسے سزا دوں گا اور جو ایمان لائے گا اس کو نوازوں گا۔

اصحاب کہف کے واقعہ میں موجود کچھ دروس:

نبوت کا پانچواں سال آتے آتے مسلمانوں کا مکہ میں رہنا دوبھر ہو گیا۔ ان تاریک حالات میں سورۂ کہف نازل ہوئی۔ اصحاب کہف کے واقعے میں یہ درس موجود ہے کہ جب دین وایمان خطرے میں ہو تو کفر وظلم کے مراکز سے ہجرت کے لیے تن بہ تقدیر نکل جانا چاہیے۔

حَتّٰى إِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِي عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ۗ قُلْنَا يَا ذَا الْقَرْنَيْنِ إِمَّا أَنْ تُعَذِّبَ وَإِمَّا أَنْ تَتَّخِذَ فِيهِمْ حُسْنًا ﴿٨٦﴾

یہاں تک کہ جب سورج کے غروب ہونے کی جگہ پہنچا تو اسے ایسا پایا کہ ایک کیچڑ کی ندی میں ڈوب رہا ہے اور اس (ندی) کے پاس ایک قوم دیکھی۔ ہم نے کہا کہ ذوالقرنین! تم ان کو خواہ تکلیف دو خواہ ان (کے بارے) میں بھلائی اختیار کرو (دونوں باتوں کی تمہیں قدرت ہے)۔ (۸۶)

﴿حَتّٰى إِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِي عَيْنٍ حَمِئَةٍ﴾

(۱) ذوالقرنین پہلے مغرب کی طرف گیا اور وہاں تک پہنچا کہ آگے آبادی نہیں تھی۔ ترکی کے مغرب میں بحر اُجین پڑتا ہے۔ ساحل کے پاس خلیج ازمیر نے ایک چشمہ کی صورت اختیار کر لی جس میں نہر غدیس کا پانی گرتا ہے۔ غالباً سائرس نے اسی کنارے پر کھڑے ہو کر دیکھا۔

Scanned by CamScanner

حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَطۡلِعَ الشَّمۡسِ وَجَدَهَا تَطۡلُعُ عَلٰى قَوۡمٍ لَّمۡ نَجۡعَلْ لَّهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِهَا سِتۡرًا ۙ﴿۹۰﴾

یہاں تک کہ سورج کے طلوع ہونے کے مقام پر پہنچا تو دیکھا کہ ایسے لوگوں پر طلوع کرتا ہے جن کیلئے ہم نے سورج کے اس طرف کوئی اوٹ نہیں بنائی تھی۔ (۹۰)

﴿تَطۡلُعُ عَلٰى قَوۡمٍ لَّمۡ نَجۡعَلْ لَّهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِهَا سِتۡرًا﴾

(۲) دوسری مہم میں مشرق میں بلخ تک پہنچا اور دوسری طرف مکران تک جو بلوچستان میں ہے، یہاں خانہ بدوش قبائل رہتے تھے۔ مکانات وغیرہ نہ تھے۔

حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ بَيۡنَ السَّدَّيۡنِ وَجَدَ مِنۡ دُوۡنِهِمَا قَوۡمًا ۙ لَّا يَكَادُوۡنَ يَفۡقَهُوۡنَ قَوۡلًا ﴿۹۳﴾

یہاں تک کہ دو دیواروں کے درمیان پہنچا تو دیکھا کہ ان کے اس طرف کچھ لوگ ہیں کہ بات کو سمجھ نہیں سکتے۔ (۹۳)

(۳) تیسری مہم میں شمال کی طرف وہاں پہنچا جہاں دو پہاڑوں کے درمیان ایک درّہ تھا۔ یہ کوہ قاف کے پہاڑی سلسلے میں تھا۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یاجوج ماجوج سے مراد گوگ، میگوگ دو قومیں تھیں جو کوہ قاف کے شمال میں آباد تھیں اور روس سے منگولیا تک پھیلی ہوئی تھیں، یا یاجوج ماجوج سے مراد مفسد لوگ ہیں، جن کا قرب قیامت میں غلبہ ہوگا اور ہر بلندی و بستی پر قابض و متصرف ہوں گے۔ یا یاجوج ماجوج مخالفین و معاندین اسلام کا نام ہے۔ (ترجمہ ثنائی ص ۴۳۱) (ان کا ظہور عیسیٰ کے نزول کے بعد ان کی موجودگی میں ہوگا۔) (صحیح مسلم کتاب الفتن)

فَمَا اسۡطَاعُوۡۤا اَنۡ يَّظۡهَرُوۡهُ وَمَا اسۡتَطَاعُوۡا لَهٗ نَقۡبًا ﴿۹۷﴾

پھر ان میں یہ قدرت نہ رہی کہ اس پر چڑھ سکیں اور نہ یہ طاقت رہی کہ اس میں نقب لگا سکیں۔ (۹۷)

نکتہ: ﴿فَمَا اسۡطَاعُوۡۤا اَنۡ يَّظۡهَرُوۡهُ وَمَا اسۡتَطَاعُوۡا لَهٗ نَقۡبًا﴾ پہلے 'ت' نہیں ہے بعد میں 'ت' ہے کیونکہ دیوار پر چڑھنا اس میں سوراخ کرنے کے مقابلے میں آسان ہے۔

ذوالقرنین کے واقعے میں چند خاص باتیں یہ ہیں:

(۱) فلاح و کامرانی ایمان کی راہ میں ہے کفر کی راہ میں نہیں۔

(۲) اللہ اپنے بندوں میں سے ایسے افراد کھڑے کرتا ہے جو مجبور انسانوں کو اس دور کے یاجوج ماجوج سے نجات دلاتا ہے۔

(۳) اللہ کے صالح بندے ہی زمین کی وراثت کے زیادہ حقدار ہیں۔

Scanned by CamScanner

ذوالقرنین کون؟

ایران کا بادشاہ تھا جس کا نام سائرس تھا۔ ۱۸۳۸ء میں اصطخر کے قریب سائرس کے مجسمے کا انکشاف ہوا ہے جس کے پر مینڈھے کی طرح دو سینگیں ہیں۔ دو سینگوں سے مراد مشرق ومغرب کے دو کنارے ہیں جہاں انسانی آبادی ختم ہوتی ہے۔

یادانیال کے ایک مکاشفے کی تعبیر ہے، جو جبرئیل نے بتائی کہ دو سینگوں سے مراد Meida اور فارس کی دو بادشاہتیں ہیں جن کو موعود بادشاہ زیر نگیں کرے گا، چنانچہ سائرس نے دو سلطنتیں زیر نگیں کرلیں، اسی بنیاد پر اس کا لقب ذوالقرنین قرار پایا جو مذہب زرتشت کا پیرو تھا جس میں ثنویت اس وقت تک نہیں آئی تھی۔

ذوالقرنین کی تین مہم:

پہلی مہم: مغرب کی طرف تھی، اس مہم میں وہ بحیرۂ روم کے ساحل تک پہنچا، فتح کے نتیجے میں رعایا نے خود کو اس کے قدموں میں ڈال دیا کہ چاہے سزا دے یا احسان کرے۔

دوسری مہم: مشرق کی طرف مکران تک ہوئی جو بلوچستان میں ہے، ان قبائل تک پہنچا، جو وحشت کے ابتدائی دور میں تھے۔

تیسری مہم: شمال مشرق کی طرف، اس مہم کے دوران سد کی تعمیر کا واقعہ پیش آیا۔

یہود کے صحیفوں میں یہ مکاشفہ ہے، میں نے آنکھ اٹھا کر دیکھا، کیا دیکھتا ہوں کہ دریا کے کنارے ایک مینڈھا کھڑا ہے جس کے دو سینگ ہیں، دونوں سینگ اونچے تھے، لیکن ایک دوسرے سے بڑا تھا اور بڑا دوسرے کے بعد نکلا تھا، وہ مینڈھا مغرب وشمال وجنوب کی طرف سینگ مارتا ہے یہاں تک کہ نہ کوئی جانور اس کے سامنے کھڑا ہوسکا نہ کوئی خود کو اس سے چھڑا سکا۔

بحر کاسپین اور بحر اسود کے درمیان کوہ قاف کا پہاڑی سلسلہ ہے، اسی کے درمیان ایک درّہ تھا جس سے یاجوج ماجوج نکلتے تھے، یاجوج ماجوج سے مراد یافث بن نوح کی اولاد ہیں، وہ قومیں جو کوہ قاف کے شمال میں آباد تھیں اور روس سے منگولیا تک پھیلی ہوئی تھیں، یہ دیوار ایک ہزار سال تک رہی، آیت میں ہے کہ جب میرے رب کے وعدے کا ظہور ہوگا تو اس کو پست و پامال کردے گا، دیوار کتنی ہی مضبوط ہو لازوال کیوں نہ ہوا سے قیامت کے دن تو بہر حال ریزہ ریزہ ہونا ہے، اس تعمیر کو ذوالقرنین نے اپنا کارنامہ نہیں بلکہ ایک بندۂ مومن کی طرح کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی کا نتیجہ ہے۔

آج دنیا میں یاجوج ماجوج کے نام سے کوئی قوم نہیں پہچانی جاتی، اس لیے کہ قرآن کی پیشگوئی کہ یاجوج ماجوج کھول دیئے جائیں گے جب وقوع میں آئے گی تو اس کی اصل حقیقت واضح ہوجائے گی، محض قیاس کی بنیاد پر کچھ کہنا صحیح نہ ہوگا۔

سد ذوالقرنین:

واثق باللہ نے محمد بن موسیٰ خوارزمی منجم کو ایک جماعت کا افسر بنا کر بھیجا تھا آکر انہوں نے اس دیوار کی تفصیل بیان کی، دو پائے چُن کر جن کا عرض پندرہ پندرہ گز ہے، جو لوہے کی اینٹوں سے بنے ہیں، پھر پگھلے ہوئے تانبے سے ان کی درزیں ملائی

Scanned by CamScanner

گئیں، ڈیڑھ سوگز کا دو پہاڑوں کا درّہ ہے، ایک مستحکم دروازہ بنا کر آہنی کواڑوں سے اسے بند کر دیا۔

یاجوج وماجوج کے لیے سد: اس سے معلوم ہوتا ہے مجرمین کے لیے جیل خانہ بنوایا جاسکتا ہے۔

ابن کثیر رحمہ اللہ نے بروایت ابی طفیل، علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ ذوالقرنین نہ نبی تھے نہ فرشتہ، ایک مرد صالح تھے۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ﴿۱۰۸﴾

ہمیشہ ان میں رہیں گے اور وہاں سے مکان بدلنا نہ چاہیں گے۔ (۱۰۸)

﴿لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا﴾ جنت میں سب چیزیں جمع کر دی گئی ہیں تو یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ جنتی وہاں سے منتقل ہونا نہ چاہیں گے؟

جواب: دنیا کے بہترین سے بہترین مکان میں کچھ ناموافق چیزیں آجاتی ہیں یا کم از کم بیزار ہو کر آدمی مکان تبدیل کر لیتا ہے، جنت میں کوئی بیزار نہیں ہوگا اور نہ کوئی ناموافق چیز سامنے آئے گی۔

Scanned by CamScanner

نکاتِ سورۂ کہف

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا﴾ الحمد هو وصف المحمود بالكمال محبة و تعظيما۔

جس کی تعریف کی جائے اسے محبت اور تعظیم کی وجہ سے کمال کے ساتھ متصف کرنا ''حمد'' ہے۔ محبت اور تعظیم کی قید سے مدح نکل گیا کیونکہ مدح محبت اور تعظیم کو مستلزم نہیں۔ آپ ایسے شخص کی تعریف کرتے ہیں جس کے پاس پھوٹی کوڑی نہیں رہتی مگر کسی نفع کی امید یا دفع مضرت کی وجہ سے آپ اس کی تعریف کرتے ہیں۔

﴿عَبْدِهِ﴾ اللہ نے اپنے رسول کو تین مقام پر اپنی طرف منسوب کیا ہے:

(۱) ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ﴾ قرآن کے نازل کرنے کے وقت۔

(۲) ﴿وَاِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا﴾ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے دفاع کرتے ہوئے۔

(۳) ﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ﴾ اسراء کے موقع پر۔

﴿لَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا﴾ اس میں کوئی کجی نہیں نہ الفاظ کی جہت سے نہ معنی کی جہت سے۔ اس کی ساری خبریں سچی اور سارے احکام مبنی بر عدل ہیں۔ الفاظ و معانی میں تمام عیوب سے محفوظ ہیں۔ چونکہ نکرۃ تحت النفی ہے لہٰذا ''عِوَجٌ'' (کجی) کے تمام انواع کو شامل ہوگا۔ یعنی اس میں کسی بھی قسم کی کجی نہیں ہے۔

﴿لَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا﴾ کے بعد ﴿قَیِّمًا﴾ کہا ﴿قَیِّمًا﴾ کا مطلب ''مستقيما غاية الاستقامة صانه عن التعارض والتناقض'' (انتہائی سیدھا اور تعارض و تناقض سے محفوظ) ہے۔

پہلے عیب کی نفی کی پھر کمال کا اثبات کیا، کیونکہ ''أن تخلي المكان من الاذى ثم تضع الكمال''

کہ مکان کو تکلیف دہ چیز سے پاک کرو پھر اچھی چیزوں کو اس میں رکھو کیونکہ عربی محاورہ ہے ''التخلية قبل التحلية''

﴿وَزِدْنٰهُمْ هُدًی﴾ جتنا زیادہ عمل کرو گے اللہ تمہاری ہدایت اور علم میں اتنی زیادتی کرے گا۔

﴿لَوْلَا یَاْتُوْنَ عَلَیْهِمْ بِسُلْطٰنٍۭ بَیِّنٍ﴾ دو چیزیں مطلوب ہیں:

(۱) کافرین ثابت کریں کہ جن کو وہ پوج رہے ہیں وہ معبود ہیں۔

(۲) یہ بھی ثابت کریں کہ ان کی عبادت حق ہے، اور یہ دونوں چیزیں محال ہیں۔

﴿اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا﴾ ''مراء على اللسان لا يصل الى القلب'': جھگڑا زبان تک محدود رہے دل تک نہ پہنچے۔

﴿اِذْ اَوَی الْفِتْیَةُ اِلَی الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَیِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا﴾

Scanned by CamScanner

جب نو جوانوں نے غار میں پناہ لی اور دعا کی اے ہمارے رب! اپنے پاس سے ہم پر رحمت فرما اور اس معاملہ میں ہماری رہنمائی کا سامان کر دے۔

﴿رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنۡ لَّدُنۡكَ رَحۡمَةً﴾ ''ای رحمة من خزائن رحمتك و هى المغفرة و الرزق والأمن من الأعداء ''یعنی اپنے رحمت کے خزانوں میں سے رحمت عطا کر، یہاں رحمت سے گناہوں کی بخشش، رزق اور دشمنوں سے امن، مراد ہے۔

﴿مِنۡ لَّدُنۡكَ رَحۡمَةً﴾ اس لیے کہ وہاں کسی انسان کی طرف سے رحمت نہیں ہو سکتی تھی وہاں رحمت صرف اللہ کی ہو سکتی تھی اس لیے کہ وہ تمام مقومات حیات (زندگی کے تمام بنیادی وسائل) سے کٹے ہوئے تھے۔

﴿وَهَيِّئۡ لَنَا مِنۡ اَمۡرِنَا رَشَدًا﴾ مِنۡ اَمۡرِنَا :"الذی نحن فیه۔ وھو الایمان وترک الکفر"

﴿مِنۡ اَمۡرِنَا﴾ کا مطلب ہے ''جس معاملے میں ہم ہیں۔'' اور وہ ایمان اور کفر کا ترک کرنا ہے۔

﴿وَهَيِّئۡ لَنَا مِنۡ اَمۡرِنَا رَشَدًا﴾ اور فراہم فرما ہمارے معاملے میں رشد۔ "رشد"، "غیّ" کے مقابلے میں آتا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ سوسائٹی کے گندے اور خبیث رجحانات کے مقابلے میں جس ایمانی مسلک کی توفیق انہیں میسر آئی تھی، جس کی تعبیر دعا میں ﴿اَمۡرِنَا﴾ کے لفظ سے کی گئی ہے، اسی ایمانی مسلک کے تعلق سے وہ تمنا کر رہے تھے کہ ان کا رب انہیں "غی" (گمراہی) سے بچاتے ہوئے رشد کی روشنی میں ان کو آگے بڑھاتا چلا جائے، اس باطنی روشنی کے ساتھ معاشی سہولتیں ﴿مِنۡ لَّدُنِّيۡ﴾ طور پر فراہم کی جائیں کیونکہ کہفی زندگی میں معاش کے سارے اسباب مفقود تھے۔

﴿وَّرَبَطۡنَا عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ﴾ "قوّیناھا علی قول الحق صبرناھا علی ھجر الاوطان" ۔یعنی ہم نے ان کے دلوں کو حق بات پر جما دیا اور وطن چھوڑنے پر انہیں صبر دے دیا۔

﴿لِّيُنۡذِرَ بَاۡسًا﴾ ''بأس'' ایک قرآنی محاورہ ہے۔ جنگ وجدال کی وجہ سے جو دکھ اور تکلیف ہر فریق کو پہنچتی ہے، قرآن اسی دکھ اور تکلیف کو 'بأس' کہتا ہے۔

﴿مِنۡ لَّدُنِّيۡ﴾ یہ بأس اسباب وعلل سے بالاتر براہ راست اللہ کی طرف سے ہوگا جس کا اسباب کی راہ سے مقابلہ ناممکن ہوگا۔

کسی چیز کے جاننے کے دو ہی طریقے ہیں:﴿مَا لَهُمۡ بِهٖ مِنۡ عِلۡمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمۡ﴾

(۱) براہ راست

(۲) یا بالواسطہ

﴿بَاخِعٌ نَّفۡسَكَ﴾ یہ "بخعُ الرکیة" سے ماخوذ ہے۔ جب زمین کو کھودتے کھودتے اس طبقے تک پہنچ جائیں جہاں سے کنوئیں کا پانی اُبلنے لگے۔ تب بخع الرکیة کہا جاتا ہے۔ اسی سے یہ ہے کہ کسی معاملے میں جدوجہد کو اس کی آخری حدود تک پہنچا دینا۔ "بخع البئر" بھی کہا جاتا ہے یعنی اس نے پانی نکلنے تک کھدائی کیا۔

﴿ اَسَفًا ﴾ ایسی زمین کو "ارض اسفا" کہتے ہیں جس میں روئیدگی کی قطعی طور پر صلاحیت نہ رہ گئی ہو۔ شدت غم کی آخری شکل کو "اسف" کہتے ہیں۔

﴿ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ﴾ بالحق (حق کے ساتھ) ایک قرآنی محاورہ ہے۔ یہاں اس سے مراد یہ ہے کہ یہ قصہ برائے قصہ نہیں سنایا جا رہا ہے بلکہ سنانے کا مقصد یہ ہے کہ لوگ اپنی اپنی سمجھ اور اپنے اپنے ظرف کے مطابق اس قصہ کے اسباق ونصائح سے اپنا اپنا حصہ حاصل کریں۔

﴿ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ ﴾ اپنے رب سے رشتہ قائم کر کے وہ مومن بن گئے جس کے نتیجے میں ان کی بصیرت، راست بینی اور حق یابی میں زیادتی کر دی گئی۔

﴿ وَرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ ﴾ یہ ایک اور نعمت ہے کہ دل ودماغ کو ڈانواں ڈول رہنے کی لعنت سے ان کو نجات دے دی گئی۔

﴿ لَوْلَا يَاْتُوْنَ عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍ بَيِّنٍ ﴾ انہوں نے کہا، جھوٹے سچے قصوں اور پرانی روایتوں کی پشت پناہی میں ان کی قوم کے مشرکانہ اعمال ﴿ سُلْطٰنٍ بَيِّنٍ ﴾ کی بنیاد پر قائم نہیں ہیں۔

﴿ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ﴾ اگر مشرک یہ دعویٰ کرے کہ اللہ نے اس کو مشرکانہ کاروبار کا حکم دیا ہے تو یہ اللہ تعالیٰ پر افتراء ہوگا، اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے والوں سے بڑا ظالم اور کون ہو سکتا ہے؟ اپنے رب پر ایمان لانے کا ایک اجر تو ان کو یہ ملا کہ ان کی باطنی روشنی بڑھا دی گئی پھر دل میں سکون وطمانیت کی کیفیت پیدا کر دی جس کی وجہ سے ان میں ایسی جرأت وہمت پیدا ہو گئی کہ توحید کی خاطر دنیا کی ساری رنگینیوں کو ٹھکرا کر اٹھ کھڑے ہوئے، امام رازی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ ان کے زمانے میں "افیسوس" کو "طرطوس" کہتے ہیں، یہی اصحاب کہف کا وطن تھا، یہ شہر ایونیا کا دارالخلافہ تھا اور ارتمس دیوی کے مندر کی وجہ سے بہت مشہور تھا، کہا جاتا ہے کہ اس مندر کی تعمیر دو سو بیس سالوں میں مکمل ہوئی تھی۔ اس مندر کی چھت ایک ہزار دو سو سڑسٹھ (۱۲۶۷) سنگی ستونوں پر قائم تھی اور ارتمس دیوی کی مورتی لکڑی کی بنی ہوئی تھی اور عقیدہ یہ تھا کہ یہ آسمان سے نازل ہوئی ہے، بازاروں میں اس دیوی کا نقرئی مجسمہ (چاندی کا مجسمہ) بکثرت فروخت ہوتا تھا۔ اس شہر کی آبادی کچھ تو گریک کے یوروپین باشندوں اور کچھ مشرقی قوموں کے افراد پر مشتمل تھی اس لیے یہاں کی بت پرستی میں مغربی اور مشرقی دونوں علاقوں کے مشرکانہ رسوم کا اثر تھا۔ جادو، ٹونے اور ٹوٹکے میں اس شہر کے باشندے بہت مشہور تھے۔ اس کے ساتھ یہاں کے باشندے عیاشی میں اپنی نظیر آپ تھے۔

﴿ كَهْف ﴾ پہاڑ میں بہت بڑے غار کو کہتے ہیں۔

﴿ فَجْوَةٍ ﴾ اس بڑے غار کے اندر ایک خاص قسم کا خلا (ہال یا دالان) تھا، اسی کو فجوہ کہا گیا، اسی فجوہ کو ان نوجوانوں نے اپنا مسکن بنایا تھا، یہ کہف دورُخا تھا، ایک رُخ اس کا بظاہر سمت جنوب مائل بمشرق تھا اور دوسرا رخ سمتِ شمال مائل بمغرب تھا، اگر یہ صورت نہ ہوتی تو شمال وجنوب کے ساتھ طلوع وغروب کے وقت آفتاب کے ساتھ نسبت اور تعلق کو بیان کرنے کی

ضرورت ہی کیا تھی؟ اسی بنیاد پر ہوا کی آمد و رفت کا راستہ کہف میں کھلا ہوا تھا، اس طرح روزانہ آفتاب کی شعاعوں اور لہروں سے کہف کی صفائی کا کام اللہ تعالیٰ کی طرف سے لیا جا رہا تھا، آفتاب جس وقت طلوع ہوتا تھا تو کہف کے دہانے پر اس کی شعاعیں پڑ کر گزر جاتی تھیں، حاصل یہ ہے کہ دیر تک دھوپ ان کے کہف میں نہیں ٹھہرتی تھی بلکہ رات کی وجہ سے رطوبت و برودت اور ان سے پیدا ہونے والے نتائج کو صاف کر کے گزر جاتی تھی، طلوع کے وقت سورج کہف کو کاٹ جاتا تھا اور غروب کے وقت اصحاب کہف کو کاٹ جاتا تھا جس کی وجہ سے اصحاب کہف غروب آفتاب کے وقت کی دھوپ سے کلیۃً محفوظ رہتے تھے۔ یہاں یہ نکتہ پیش نظر رہے کہ غروب کے وقت سے بے تعلقی کو قرآن نے کہف کی طرف نہیں بلکہ براہ راست اصحاب کہف کی طرف منسوب کیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ خود کہف میں غروب کے وقت کچھ نہ کچھ دھوپ پہنچتی تھی لیکن ﴿فَجْوَةٍ﴾ (دالان یا ہال) میں جہاں اصحاب کہف مقیم تھے وہاں تک دھوپ کی رسائی نہ تھی۔

﴿وَنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا﴾

داہنی اور بائیں کروٹ کہا، پیٹھ اور پیٹ کے بل نہیں کہا، کیونکہ داہنی اور بائیں کروٹ ہی سے نیند زیادہ کامل ہوتی ہے، اس میں یہ بھی دلیل ہے کہ سونے والے کے فعل کو اس کی طرف منسوب نہیں کیا جائے گا، اگر سونے والا اپنی نیند میں اپنی بیوی کو طلاق دیدے تو طلاق ثابت نہ ہوگی کیونکہ اصحاب کہف کو الٹنے پلٹنے کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف کی ہے۔

﴿وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا﴾ اس میں دلیل ہے کہ حفاظت کے لیے کتا رکھنا جائز ہے۔

﴿وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا﴾ کسی برے آدمی پر کوئی برائی بڑھائی نہیں جائے گی اور کسی نیک آدمی سے کوئی نیکی کم نہیں کی جائے گی۔

یہ غلط خیال کہ نیک بنتے ہوئے ترقی کر کے آدمی ایک ایسے مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ وہ آدمی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ بن جاتا ہے۔ آدمی ہر حال میں آدمی ہی رہتا ہے، اسی طرح یہاں بھی شاید یہی بتانا مقصود ہے کہ اصحاب کہف کا کتا، کتا ہی رہا، آدمی نہیں بن گیا، اصحاب کہف کی تعداد کے بارے میں تیسرے قول ﴿وَيَقُوْلُوْنَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ﴾ میں کتے کو "واو" کے ساتھ قرآن نے الگ کر کے بیان کیا ہے۔ جس میں اسی خیال کی غلطی کا ازالہ کیا گیا ہے، ہاں اتنا کہا جا سکتا ہے کہ اصحاب کہف کے ایمان نے ان کو ہی نہیں بلکہ ان کے کتے کو بھی تاریخ میں قابل ذکر بنا دیا۔

﴿اَلَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا﴾

اس آیت میں دوستوں کے انتخاب کا معیار بتایا گیا ہے کہ کن لوگوں سے تعلق رکھنا چاہیے؟ اور کن لوگوں سے بچا جائے؟

Scanned by CamScanner

آپ ان کی صحبت اختیار کیجئے جو (۱) اپنے رب کو صبح و شام پکارتے ہیں۔ (۲) مخلص ہیں۔ (۳) دنیا دار نہیں ہیں اور آپ اس آدمی کی پیروی نہ کیجیے (۱) جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے۔ (۲) جو اپنی خواہش کی اتباع کرتا ہے۔ (۴) جس کی نافرمانی کا معاملہ حد سے تجاوز کر گیا ہے۔

﴿وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ﴾

دو اشخاص کا حال بیان کیا گیا ہے جس میں سے ایک دو انگوروں کے باغات کا مالک تھا اور کافی مال و دولت والا تھا اور جس طبقے سے وہ تعلق رکھتا تھا وہ عزت و جاہ والا تھا، ان ساری چیزوں کو بجائے اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم سمجھنے کے وہ اپنی دماغی اور جسمانی کوششوں کا نتیجہ قرار دیتا تھا، اسی کی طرف قرآن نے شرک کے عقیدے کو منسوب کیا ہے، حالانکہ اس پورے واقعے میں اس کے کسی مشرکانہ فعل، بت پرستی وغیرہ کا ذکر نہ صراحۃً ملتا ہے نہ اشارتاً، یہاں قرآن نے جس شرک کو اس کی طرف منسوب کیا ہے وہ بت پرستی والا شرک نہیں بلکہ شرک کی جدید قسم کو بتایا ہے، جو کہتے ہیں کہ ہم اپنی قسمت کے خود معمار ہیں، وہ اپنی کسی کامیابی میں اللہ تعالیٰ کی امداد سے خود کو مستغنی خیال کرتے ہیں، شرک کی یہی جدید شکل آج اکثر ذہنوں پر مسلط ہے، اور اس کو حکمت و دانش کا نتیجہ قرار دیا جاتا ہے، گویا پرانے شرک کے مقابلے میں شرک کی یہ جدید قسم ہے، یہی لوگ ﴿مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا﴾ کے اندر داخل ہیں۔

مومن شخص نے اس کو عجیب سبق دیا کہ میرے دوست! ذرا سوچ! یہ باغ، باغ کی زمین، پانی، جس سے یہ باغ سیراب ہوتا ہے، درخت، پھول اور پھل ان میں سے کون سی ایسی چیز ہے جسے تو نے وجود بخشا ہے، باقی تجھے اپنی سمجھ بوجھ اور سعی و کوشش پر جو ناز ہے، بتا! یہ سمجھ بوجھ، یہ قوتیں، تجھ میں کہاں سے آئیں؟ تو نے تو اپنے اندر ان قوتوں کو نہیں بھرا ہے بلکہ یہ ساری توانائیاں تجھے اللہ نے بخشی ہیں۔

﴿مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ نے جو چاہا ہے وہ ہوا ہے، اللہ کی مشیت کے بغیر کسی کو کوئی قوت حاصل نہیں ہو سکتی۔

اللہ کی گرفت کی دو شکلیں:

(۱) ﴿اَنْ تَاْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ﴾ "سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ" (پہلوں کا طریقہ) کا مطلب ہے کہ ان کو کلی طور پر نیست و نابود کر دیا گیا کہ ان پر ایسا عذاب آتا ہے جو انہیں بالکل نیست و نابود کر دیتا ہے۔

(۲) ﴿اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا﴾ "الْعَذَابُ قُبُلًا" یا قسط وار تھوڑا تھوڑا عذاب ان پر آئے۔

﴿وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ۭ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ۭ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا﴾

اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ تم لوگ آدم کو سجدہ کرو، تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا وہ جنوں میں سے تھا تو اس

Scanned by CamScanner

نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی، کیا پھر بھی تم لوگ اسے اور اس کی اولاد کو میرے سوا دوست بناؤ گے، حالانکہ وہ سب تمہارے دشمن ہیں، شیطان ظالموں کے لیے (اللہ تعالیٰ کا) بڑا برا بدل ہے۔

﴿اُسْجُدُوْا لِاٰدَمَ﴾ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ فرشتوں کا سجدہ آدم کے لیے ''سجدۂ تحیہ'' تھا، جیسا ماتحت اپنے آفیسران کو کرتے ہیں، یہ پیشانی پر سجدہ نہیں تھا کیونکہ پیشانی پر سجدہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کے لیے جائز نہیں، مگر ہمارے اوپر واجب ہے کہ کلام کو ہم اس کے ظاہر پر لیں اور کہیں کہ اصل پیشانی پر سجدہ ہے اور جب یہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تابعداری میں ہو تو شرک نہیں ہے، جیسے کسی کا ناحق قتل، گناہ کبیرہ ہے، مگر جب وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں ہو تو اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کو ان کے بیٹے کے ذبح کا حکم دیا، تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تابعداری اور ذبح کے عمل کو نافذ کرنا شروع کر دیا اور یہ بات کسی پر مخفی نہیں کہ بیٹے کا قتل، ''قطع رحم'' ہے، لیکن چونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں تھا لہٰذا اطاعت ہو گیا۔

اہل علم نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تین چیزیں اپنے ہاتھ سے کی ہیں (۱) آدم کی تخلیق (۲) جنت عدن کی تخلیق (۳) تورات کو اپنے ہاتھوں سے لکھا، ان تین چیزوں کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کلمہ ''کن'' سے پیدا کی ہے۔

﴿مِنْ دُوْنِهَا سِتْرًا﴾ ان کے پاس گھر نہیں تھے نہ وہاں سایہ دار درخت تھے نہ محلات تھے، بعض علماء نے کہا کہ ان کے بدن پر کپڑے بھی نہیں ہوتے تھے کیونکہ کپڑا بھی ایک قسم کا پردہ ہے۔

﴿قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ﴾ یہ قول ذوالقرنین کا ہے، دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے اپنے کاموں کو اپنی طرف منسوب نہیں کرتے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

﴿لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا﴾ ہر شخص ان نعمتوں پر راضی ہوگا جو جنت میں اسے ملیں گی۔

﴿فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰٓى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا﴾ وہ چاہتے تھے کہ ذوالقرنین کے اس کام (سد کی تعمیر) کے مقابلے میں ان پر کوئی دوامی ٹیکس عائد کر دیا جائے اور وہ لوگ بخوشی اس بار کو برداشت کرنے پر آمادہ تھے۔ مگر ذوالقرنین کی طرف سے جواب ملا۔ ﴿مَا مَكَّنِّيْ فِيْهِ رَبِّيْ خَيْرٌ﴾ (سورۂ کہف: ۹۵) ذوالقرنین نے کہا، میرے رب نے مجھے جو قدرت دے رکھی ہے وہ (تمہارے معاوضہ سے) بہتر ہے اس نے ان لوگوں پر ٹیکس لگانا منظور نہ کیا بلکہ ان کی دستگیری کے لیے حکومت جو کچھ کر سکتی تھی اس کو اپنی طرف سے خود ان کے سامنے پیش کرتے ہوئے صرف ان ہی چیزوں کا مطالبہ کیا جو اس وقت ان کے پاس نہ تھیں۔ اس واقعے میں حکمرانوں کے لیے درس پوشیدہ ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے اندر اس احساس کو زندہ رکھیں کہ یہ اقتدار اللہ کا بخشا ہوا ہے اور یہ کہ حکومت حکمرانوں کے لیے نہیں بلکہ ان کے محکوموں کے لیے ہوتی ہے۔

یاجوج ماجوج کی صفات:

(۱) ﴿مُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ﴾ (سورۂ کہف: ۹۴) (زمین میں فساد برپا کرنے والے) سد کی تعمیر سے پہلے وہ

Scanned by CamScanner

مہذب آبادیوں میں آکر فساد مچاتے تھے۔

(۲) ﴿وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ﴾ (سورۂ کہف:۹۹) (اور اس دن ہم ان سب کو آپس میں گتھم گتھا کر دیں گے) سد کی تعمیر کے بعد باہم دست وگریباں رہنے لگے۔

(۳) ﴿حَتّٰۤى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ﴾ (سورۂ انبیاء:۹۶) (یہاں تک کہ جب یاجوج ماجوج کھول دیے جائیں گے اور وہ ہر بلندی سے دوڑتے ہوئے آئیں گے) غیر قوموں سے منقطع ہو جانے کے بعد پھر ان کو ایک موقع غیر قوموں کی طرف رُخ کرنے کا دیا جائے گا۔

(۴) ﴿وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا﴾ (سورۂ کہف:۹۹) صور پھونکے جانے کے بعد ان سب کو اکٹھا کیا جائے گا۔

Scanned by CamScanner

سورۃ مریم (مکیۃ)

كٓهٰيٰعٓصٓ ①

کہٰیٰعص۔(۱)

یہ حروف مقطعات ہیں۔تمام سلف وخلف متفق ہیں کہ "اللہ اعلم بمرادہ بذلک"

سوال: جب ان کا کوئی مطلب کسی کو معلوم نہیں تو اللہ نے ان حروف کو اپنے کلام کا حصہ کیوں بنایا؟

جواب: یہ حروف یہ پیغام دیتے ہیں کہ شریعت کی جو باتیں تمہاری عقل میں نہ آئیں ان کے سامنے بھی سر تسلیم خم کردو۔

اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ③

انہوں نے اپنے رب کو دَبی آواز سے پکارا۔(۳)

﴿نِدَآءً خَفِيًّا﴾ سچی دعا تنہائی کی دعا ہے۔ضعف اور لاچاری کا اظہار اجابت دعا کا بہترین وسیلہ ہے۔دعا پست آواز سے ہو ایسی دعا، ریا سے دور اور کمال اخلاص سے معمور ہوتی ہے۔اس کی نعمتوں کا ذکر کرے۔جیسے زکریا نے کہا "تجھے پکار کر کبھی محروم نہیں رہا۔"

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ④

(اور) کہا کہ اے میرے رب! میری ہڈیاں بڑھاپے کے سبب کمزور ہوگئی ہیں اور سر (ہے کہ) بڑھاپے (کی وجہ سے) شعلہ مارنے لگا ہے، اور اے میرے رب! میں تجھ سے مانگ کر کبھی محروم نہیں رہا۔(۴)

دعا کے آداب میں ہے کہ بندہ اپنے افتقار (محتاجگی) کا اظہار کرے۔جیسے بچہ دودھ مانگتا ہے، کھانا مانگتا ہے۔یہ بھی کہتا ہے کہ مجھے بہت تیز بھوک لگی ہے روٹی دے دو۔اس طرح اللہ سے مانگو جیسے بچہ مانگتا ہے۔بندہ جب اس اعتماد سے مانگتا

Scanned by CamScanner

ہے کہ جس نے بن مانگے سب کچھ بخشا ہے وہ مانگنے پر کس طرح محروم کرے گا تو اللہ ایسے بندے کو محروم نہیں کرتا۔

يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ اسْمُهٗ يَحْيٰى ۙ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ⑦

اے زکریا! ہم تمہیں ایک لڑکے کی بشارت دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہے اس سے پہلے ہم نے اس نام کا کوئی شخص پیدا نہیں کیا۔(۷)

﴿ اسْمُهٗ يَحْيٰى ﴾ یحییٰ کو بادشاہ ہیرودس نے ایک رقاصہ کے کہنے پر قتل کیا۔

قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا ⑨

حکم ہوا کہ اسی طرح (ہوگا)، تمہارے رب نے فرمایا ہے کہ یہ مجھے آسان ہے اور میں پہلے تم کو بھی تو پیدا کر چکا ہوں اور تم کچھ چیز نہ تھے۔(۹)

﴿ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ﴾ تم آخر کیا تھے، معدوم محض تھے۔ عدم محض کا موجود کر دینا کن اسباب عادیہ کے ماتحت اور کس تجربہ اور مشاہدہ کے موافق ہے؟ یہ ہماری قدرت کا کرشمہ ہے۔ پھر بڑھاپے میں اولاد دینا یعنی باوجود سبب ضعف کے نتیجہ برآمد کر دینا اس سے کہیں آسان تر ہے۔

نکتہ: زکریا علیہ السلام کو مانگنے پر دیا مریم کو بے مانگے بیٹا (عیسیٰ علیہ السلام) دیا۔ معلوم ہوا کہ اللہ کبھی سوال وطلب پر دیتا ہے کبھی بلا سوال عطا کرتا ہے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ⑯

اور کتاب (قرآن) میں مریم کا بھی ذکر کرو جب وہ اپنے لوگوں سے الگ ہو کر مشرق کی طرف چلی گئیں۔(۱۶)

﴿ شَرْقِيًّا ﴾ اور ایک جگہ ﴿ قَصِيًّا ﴾ (سورۂ مریم:۲۲) مریم گھر والوں سے الگ ہو کر اللہ کے ذکر کے لیے نکلیں تو انھوں نے مشرق کی جہت اختیار کی وہاں ﴿ شَرْقِيًّا ﴾ لایا گیا اور جب حمل کی تکلیف میں مبتلا ہوئیں تو جہت کا ہوش نہ رہا پھر دور نکلتی چلی گئیں۔ تو ﴿ قَصِيًّا ﴾ کہا گیا۔

فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا ۫ فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ⑰

تو انہوں نے ان کی طرف سے پردہ کر لیا (اس وقت) ہم نے ان کی طرف اپنا فرشتہ بھیجا تو وہ ان کے سامنے ٹھیک آدمی (کی شکل) بن گیا۔(۱۷)

Scanned by CamScanner

﴿فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا﴾ بیت المقدس کے عبادت گذاروں سے وہ حجاب کرتی ہیں تو ہماری ماؤں اور بہنوں کو کیا ہوا ہے کہ وہ فاسقوں سے بھی حجاب نہیں کرتیں۔

فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ يٰلَيْتَنِىْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ﴿۲۳﴾

پھر دردِ زہ ان کو کھجور کے تنے کی طرف لے آیا کہنے لگیں کہ کاش میں اس سے پہلے مر چکی ہوتی اور بھولی بسری ہوگئی ہوتی۔(۲۳)

﴿يٰلَيْتَنِىْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا﴾ جس مصیبت پر انھوں نے مرنے کی تمنا کی تھی اسی مصیبت کے عوض اللہ نے انھیں ایک اولوالعزم پیغمبر سے نوازا۔ سبق یہ ملا کہ آزمائشوں اور تکلیفوں میں صبر کیا جائے تو اللہ یقیناً اس کا بہترین اجر دے گا۔

﴿كُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا﴾ فتنے کے وقت موت کی تمنا جائز ہے کیونکہ مریم کو معلوم تھا کہ اس بچے کی وجہ سے انھیں آزمائش سے گذرنا پڑے گا۔

فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِىْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ﴿۲۴﴾

اس وقت اُن کے نیچے کی جانب سے فرشتے نے اُن کو آواز دی کہ غمناک نہ ہو تمہارے رب نے تمہارے نیچے ایک چشمہ جاری کر دیا ہے۔(۲۴)

﴿فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِىْ﴾ مریم کو حمل ہوا تو خاموشی سے ہیکل سے نکل کر ایک دور کے مقام "بیت لحم"، چلی گئیں۔ قوم تک آنے کی ہمت اس وقت پیدا ہوئی جب دوبارہ فرشتہ آیا۔

وَهُزِّىْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ﴿۲۵﴾

اور کھجور کے تنے کو پکڑ کر اپنی طرف ہلاؤ تم پر تازہ تازہ کھجوریں جھڑ پڑیں گی۔(۲۵)

﴿وَهُزِّىْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ﴾ خشک درخت سے کھجور گرنا لذت جسمانی کا سبب بنا اور خرق عادت نہر کا وجود لذت روحانی کا سبب بنا۔ جو خشک درخت سے میوہ اور خشک زمین سے پانی نکال دے وہ بغیر باپ کے اولاد دینے پر قادر کیوں نہیں؟

﴿بِجِذْعِ النَّخْلَةِ﴾ مریم نے اس کھجور کے تنے سے دردِ زہ میں سہارا لیا۔ اور اسی کھجور کے درخت سے کھجوریں برسیں۔ اس میں انسان کو یہ سبق دیا گیا کہ کوئی اس کے پاس اپنی حاجت لے کر آئے تو تم کم سے کم اس ٹنڈ منڈ کھجور کے تنے کی طرح تو ہو جاؤ جو خیرات کی بارش کر دے۔

Scanned by CamScanner

نکتہ: کھجوریں بغیر درخت ہلائے گر سکتی تھیں۔ حکمت یہ ہے کہ تحصیل رزق میں کوشش کرنے کا سبق ملتا ہے اور یہ بھی کہ حصول رزق میں محنت کرنا توکل کے منافی نہیں۔

اطبا نے لکھا ہے کہ ایام نفاس میں رطب (تازہ کھجور) سے بہتر کوئی غذا نہیں۔

پہلے پانی کے چشمے کا ذکر فرمایا پھر کھجور کا۔ مگر جب استعمال کا وقت آیا تو ترتیب بدل کر پہلے کھانے کا حکم دیا پھر پانی پینے کا۔ کیونکہ انسان کی فطری عادت ہے کہ پانی کا اہتمام کھانے سے پہلے کرتا ہے مگر استعمال کی ترتیب یہ ہوتی ہے کہ غذا پہلے کھاتا ہے پھر پانی پیتا ہے۔ درد زہ میں پانی اور کھجور رطب کے اعتبار سے بھی بہت مفید ہے۔

فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا ۚ فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوْلِيْٓ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ﴿۲۶﴾

تو کھاؤ اور پیو اور آنکھیں ٹھنڈی کرو، اگر تم کسی آدمی کو دیکھو تو کہنا کہ میں نے اللہ کیلئے روزے کی منت مانی ہے تو آج میں کسی آدمی سے ہرگز کلام نہ کروں گی۔ (۲۶)

﴿لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا﴾ شریعت عیسوی سے پہلے روزہ میں طعام کے ساتھ کلام بھی حرام تھا۔

يٰٓاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا ﴿۲۸﴾

اے ہارون کی بہن! نہ تو تیرا باپ ہی بد اطوار آدمی تھا اور نہ تیری ماں ہی بدکار تھی۔ (۲۸)

﴿يٰٓاُخْتَ هٰرُوْنَ﴾ مریم علیہا السلام ہارون علیہ السلام کی نسل سے ہیں، مریم کو اُخت ہارون اسی طرح کہا گیا جیسے ﴿وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ﴾ (سورۂ احقاف: ۲۱) میں ہود علیہ السلام کو عاد کا بھائی کہا گیا ہے حالانکہ عاد، ہود کی قوم کے مورث اعلیٰ کا نام تھا۔

قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ ۣ اٰتٰىنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا ﴿۳۰﴾

بچے نے کہا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اُس نے مجھے کتاب دی ہے اور نبی بنایا ہے۔ (۳۰)

﴿قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ﴾ عیسیٰ خود کو اللہ کا بندہ کہیں اور تم انھیں ابن اللہ کہتے ہو۔ یہ تعریض ہے نصاریٰ پر۔ میں عبداللہ ہوں۔ میری پرستش میں مبتلا نہ ہو جانا کیونکہ پیدائش معجزانہ انداز سے ہوئی تھی۔

ناجائز بچے میں ایسی کرامت کہاں کہ وہ گہوارے میں ایسا پُرمعنیٰ کلام کر سکے۔

اے یہود تم مجھ پر اور میری ماں پر اگرچہ لعنت کر رہے ہو مگر مجھے اللہ نے بابرکت بنایا ہے نیز میں جامۂ شریعت سے باہر نہیں۔ مجھ پر نماز اور روزہ فرض ہے۔

﴿قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ﴾ ماں سے تہمت کو دور کرنا تھا مگر عیسیٰ علیہ السلام نے سب سے پہلے اللہ سے تہمت کو دور کیا۔ کہ کسی کو اللہ کی اولاد ٹھہرانا اللہ پر اتہام ہے۔ اسی طرح میری ماں کا حال ہے کہ اس پر تم زنا کی تہمت لگا رہے ہو مگر وہ اس سے پاک ہے۔ اور عبد کبھی معبود نہیں ہوسکتا۔ مجھے انجیل دے گا جو نبوت کی دلیل ہے نہ کہ الوہیت کی۔ سب ایسا موثر کلام سن کر حیران رہ گئے کہ ایسا بچہ ولد الزنا کیسے ہوسکتا ہے؟

عیسیٰ علیہ السلام کی آٹھ صفتیں:

(١) میں اللہ کا بندہ ہوں۔

(٢) مجھے اس نے کتاب دی۔

(٣) اس نے مجھے نبی بنایا۔

(٤) میں جہاں بھی رہوں مجھے مبارک بنایا۔

(٥) مجھے تاحیات نماز وزکوۃ کی وصیت کی۔

(٦) اپنی والدہ کا فرمانبردار بنایا

(٧) مجھے ظالم اور بدبخت نہیں بنایا

(٨) جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میں مروں گا اور جس دن میں اٹھایا جاؤں گا میرے اوپر سلامتی ہے۔

تین وقت بڑے نازک ہوتے ہیں:

(١) پیدائش۔

(٢) موت۔

(٣) بعث بعد الموت۔

ان میں انسان سلامتی کا محتاج ہوتا ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کسی بچے کی پیدائش میں دو عامل کارفرما ہوتے ہیں:

(١) ایک عامل نطفہ ہے۔

(٢) دوسرا اللہ کا کلمہ ''کن'' فرمانا۔

جس کے بعد بچہ وجود میں آجاتا ہے، عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں چونکہ پہلا عامل منتفی ہے اس لیے دوسرے عامل کی طرف نسبت کر کے آپ کو کلمۃ اللہ کہا گیا جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ مادی اسباب کے واسطے کے بغیر صرف کلمۂ کن سے پیدا ہوئے اس صورت میں ﴿اَلْقَاهَا اِلٰی مَرْیَمَ﴾ (سورۃ النساء:١٧١) کے معنی ہوں گے کہ اللہ نے یہ کلمہ کن مریم تک پہنچا دیا جس کے نتیجہ میں عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش عمل میں آگئی۔

Scanned by CamScanner

کوکھ کرایہ پر لے کر بچے پیدا کرنا جیسا کہ کچھ فلمی ہیروؤں نے کیا ہے، ناجائز ہے۔ جس عورت کی کوکھ کرائے پر لی جاتی ہے اسے Surrogated mother کہتے ہیں۔

﴿رُوْحٌ مِّنْهُ﴾ (سورۃ النساء:۱۷۱) چونکہ مسیح کی ولادت نطفہ سے نہیں ہوئی تھی اس لیے روح کا اطلاق فرمایا اگرچہ سب روحیں اللہ ہی کی ہیں مگر اللہ نے عیسیٰ علیہ السلام کی روح کو زیادہ بزرگی دی اور اپنی طرف منسوب کیا۔ جیسے ہر مسجد بیت اللہ ہے مگر مسجد حرام کے علاوہ کسی مسجد کو بیت اللہ نہیں کہا جا سکتا۔

﴿بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ﴾ (سورۃ آل عمران:۴۵) عیسیٰ، اللہ کے کلمہ ہیں یعنی کلمہ ''کن'' سے پیدا ہوئے۔ اگرچہ تمام لوگوں کی خلقت اللہ کے کلمہ سے ہوتی ہے مگر چونکہ بظاہر دیگر لوگوں میں اسباب ظاہری کا بھی لگاؤ ہوتا ہے مگر عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت میں یہ کچھ نہ تھا اس لیے ان پر کلمہ کا اطلاق زیادہ موزوں ہوا۔

عرف کا قاعدہ ہے کہ جب کسی شئے کی طہارت اور پاکیزگی کو بیان کرنا ہوتا ہے تو مبالغہ کے طور پر اس پر روح کا اطلاق کر دیا جاتا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش میں چونکہ باپ کے نطفہ کا دخل نہ تھا صرف اللہ کے کلمہ ''کن'' کا نتیجہ تھے اس لیے طہارت میں درجۂ کمال کو پہنچے ہوئے تھے۔ اس وجہ سے عرف کے محاورہ کے مطابق ان کو روح کہہ دیا گیا۔

وَّجَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ ۠ وَاَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ۝۳۱

اور میں جہاں رہوں (اور جس حال میں ہوں) مجھے صاحبِ برکت کیا ہے اور جب تک زندہ ہوں مجھے نماز اور زکوٰۃ کا ارشاد فرمایا ہے۔ (۳۱)

انبیاء کی حیات میں برکتیں ہوتی ہیں اگرچہ ان کے پاس مادی وسائل کی کمی ہوتی ہے تو ان کی اقتدا کرو برکتیں حاصل ہوں گی۔

وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا ۝۳۳

اور (مجھے) اپنی ماں کیساتھ نیک سلوک کرنے والا (بنایا ہے) اور سرکش و بدبخت نہیں بنایا۔ (۳۲)

اس آیت میں پیدائش، وفات اور قیام ان تینوں اوقات کو بیان کیا گیا ہے

۱) پیدائش کا موقع ایسا ہوتا ہے کہ اس میں بچہ ماں کے پیٹ سے جو اسکا وطن مالوف تھا نکل کر آفات سے گھری دنیا میں قدم رکھتا ہے، وطن اول کی جدائی اور شیطان کی چھیڑ سے بے قرار ہو کر رو پڑتا ہے اس موقع پر سلامتی طلب کرنا عقل کے مطابق ہے۔

۲) وفات کا وقت بڑا ہولناک ہوتا ہے اس میں انسان عالم دنیا سے سفر کر کے عالم برزخ کی راہ اختیار کرتا ہے اور شکم مادر چھوڑنے پر جس قدر مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا تھا ان سے کہیں زیادہ مصیبتیں چاروں طرف سے اسے گھیر لیتی ہیں ایسے مقام پر سلامتی کی دعا ضروری امور میں سے ہے۔

۳) تیسرا مقام اللہ کے حضور پیشی کا ہے وہ ایک ہولناک مرحلہ ہوگا جس کے لیے سلامتی طلب کیے بغیر چارہ نہیں۔
نکتہ ملحوظ رہے کہ لفظ "سلام" میں صرف سلامتی ہی نہیں بلکہ اسکے ساتھ تسکین، انسیت کے وجود اور وحشت و پریشانی کی دوری کو بھی بتا رہا ہے۔

﴿وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ﴾ اس سے "السلام علیکم یا اهل القبور"۔ اور "السلام علیک أیها النبی" کا مفہوم معلوم ہوا کہ یہاں سلامتی کی دعا ہے یا خبر ہے۔ نہ یہ کہ مردے اس سلام کو سنتے ہیں اور اس کا جواب دیتے ہیں۔

وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ ۘ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۹﴾

اور ان کو حسرت (وافسوس) کے دن سے ڈراؤ، جب بات فیصل کر دی جائے گی اور وہ غفلت میں (پڑے ہوئے ہیں) اور ایمان نہیں لاتے۔(۳۹)

﴿يَوْمَ الْحَسْرَةِ﴾ اہل جہنم حسرت کریں گے کہ کاش وہ مومن ہوتے۔ اور مومن کو یہ حسرت ہوگی کہ انھوں نے اور نیک عمل کیوں نہ کئے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰى ۘ اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿۵۱﴾

اور کتاب میں موسیٰ کا بھی ذکر کرو بیشک وہ (ہمارے) برگزیدہ اور پیغمبر مرسل تھے۔(۵۱)

﴿مُخْلَصًا﴾ مخلص اسے کہتے ہیں جو اعتقاد و عمل کی غلطیوں سے محفوظ ہو۔
مخلِص وہ ہے جو خالص اللہ کے لیے عمل کرے۔ اور مخلَص وہ ہے جو اللہ کی طرف سے منتخب ہو۔

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ﴿۵۹﴾

پھر ان کے بعد چند ناخلف اُن کے جانشین ہوئے جنہوں نے نماز کو (چھوڑ دیا گویا اُسے) کھو دیا اور خواہشاتِ نفسانی کے پیچھے لگ گئے، سو عنقریب ان کو گمراہی (کی سزا) ملے گی۔(۵۹)

﴿فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ﴾ نمازوں کا جب قحط ہوتا ہے تب شہوتیں پھلتی پھولتی ہیں۔

جَنّٰتِ عَدْنِ ِالَّتِيْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا ﴿۶۱﴾

(یعنی) جنت جاودانی (میں) جس کا اللہ نے اپنے بندوں سے وعدہ کیا ہے (اور جو اُن کی آنکھوں سے) پوشیدہ (ہے) بیشک اُس کا وعدہ (نیکوکاروں کے سامنے) آنے والا ہے۔(۶۱)

Scanned by CamScanner

سوال یہ ہے کہ اللہ کا وعدہ بندے کی تلاش میں ہے یا بندہ اپنے عمل کے ذریعے اس کی تلاش میں ہے اور وہ اس کی طرف دوڑ رہا ہے۔ یہاں یہ بتایا جا رہا ہے کہ موعود (جس کا وعدہ کیا گیا ہے) خود وعدے کی تلاش میں ہے اور اس کی ملاقات کے لیے دوڑ رہا ہے۔

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا ؕ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ﴿٦٢﴾

وہ اس میں سلام کے سوا کوئی بیہودہ کلام نہ سنیں گے اور اُن کے لیے صبح وشام کھانا تیار ہوگا۔ (۶۲)

﴿لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا﴾ جن مجلسوں میں کوئی لغویات نہ ہو وہ مجلسیں جنت کی مجلسوں کے مشابہ ہیں۔

تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ﴿٦٣﴾

یہی وہ جنت ہے جس کا ہم اپنے بندوں میں سے ایسے شخص کو وارث بنائیں گے جو پرہیزگار ہوگا۔ (۶۳)

جنت متقیوں کے لیے ہے۔

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ؕ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ﴿٦٥﴾

(یعنی) آسمان اور زمین کا اور جو ان دونوں کے درمیان ہے سب کا رب۔ تو اُسی کی عبادت کرو اور اُسی کی عبادت پر ثابت قدم رہو بھلا تم کوئی اُس کا ہمنام جانتے ہو؟ (۶۵)

یہ آیت کریمہ بے حد حیرت انگیز ہے۔ اس چھوٹی سی آیت میں توحید کی تمام قسموں کو بیان کر دیا گیا ہے۔

(۱) ﴿رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا﴾ میں توحید ربوبیت

(۲) ﴿فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ﴾ میں توحید الوہیت

(۳) ﴿هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا﴾ میں توحید اسماء وصفات

اَوَلَا يَذْكُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْـًٔا ﴿٦٧﴾

کیا (ایسا) انسان یاد نہیں کرتا کہ ہم نے اس کو پہلے بھی تو پیدا کیا تھا اور وہ کچھ بھی چیز نہ تھا۔ (۶۷)

﴿اَوَلَا يَذْكُرُ الْاِنْسَانُ﴾ کیا انسان کو یہ معلوم نہیں کہ پہلے وہ کچھ نہ تھا؟ پھر ہم نے اسے پیدا کیا اور جب وہ ایک چیز ہو گیا تو اب اس کا دوبارہ پیدا کرنا ہم پر کیا دشوار ہے؟

﴿وَلَمْ يَكُ شَيْـًٔا﴾ عدم محض سے وجود میں لے آیا تو حیات ثانی اس سے کہیں آسان تر ہے۔

﴿لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا﴾ (سورۃ مریم: ۷) بچہ کا یونیک (انوکھا) نام رکھ سکتے ہیں۔ زکریا علیہ السلام

Scanned by CamScanner

کے ساتھ اکثر محراب کا ذکر آتا ہے۔اس میں نکتہ یہ ہے کہ آدمی اللہ کے ساتھ ایسا تعلق جوڑ لے کہ اس کا ذکر کیا جائے تو اللہ کے گھر کا بھی ذکر کیا جائے۔ جیسے فلاں صاحب مسجد میں ہوں گے۔یعنی آدمی کے ذکر کے ساتھ متعلق (جس سے اس کا تعلق ہے) کا بھی ذکر آجائے۔

ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا ﴿٦٩﴾

پھر ہر جماعت میں سے ہم ایسے لوگوں کو کھینچ نکالیں گے جو اللہ سے سخت سرکشی کرتے تھے۔(٦٩)

﴿ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ﴾ حق کو نہ ماننا جرم ہے مگر حق کو نہ ماننے کی تحریک چلانا اس سے بھی بڑا جرم ہے اور جو اس تحریک کا قائد بنے وہ بدترین سزا کا مستحق ہے۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ۙ اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَّاَحْسَنُ نَدِيًّا ﴿٧٣﴾

اور جب ان لوگوں کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو جو کافر ہیں وہ مومنوں سے کہتے ہیں کہ دونوں فریق میں سے مکان کس کے اچھے اور مجلسیں کس کی بہتر ہیں؟ (٧٣)

﴿اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ﴾ آج مسلمانوں سے بھی یہی کہا جاتا ہے کہ ان کی ترقیاں دیکھو، ان کی عظمت، جاہ اور ثروت دیکھو۔اگر تم بھی ترقی چاہتے ہو تو انھیں (یہود و نصاریٰ) کے طریقے اختیار کرو۔

﴿وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا﴾ (سورۂ کہف:٤٦)

﴿وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا﴾ (سورۂ مریم:٧٦)

سورۂ کہف میں اَمَلًا اور سورۂ مریم میں مَّرَدًّا کہا گیا۔انسان دنیا میں دو چیزوں کے پیچھے بہت بھاگتا ہے۔ ایک لمبی لمبی امیدوں کے پیچھے، دوسرے اپنے سرمائے کا Return حاصل کرنے کے پیچھے۔سورۂ کہف میں کہا گیا کہ اگر تمہیں امیدیں ہی باندھنی ہیں تو نیکیوں سے باندھو اس لیے کہ تمہیں دنیا سے ایک دن چلے جانا ہے۔اور سورۂ مریم میں بتایا گیا کہ دنیا کی دولت کے رٹرن کے پیچھے بھاگنے والے سب سے بہترین رٹرن تو وہ ہے جو تجھے تیری نیکیوں کے بدلے ملے گا۔

تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿٩٠﴾

قریب ہے کہ اس (افتراء) سے آسمان پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ پارہ پارہ ہو کر گر پڑیں۔(٩٠)

﴿تَكَادُ السَّمٰوٰتُ﴾ آسمان اللہ کے حکم کے پابند ہیں۔لیکن یہ جملہ بتا رہا ہے کہ اللہ انہیں اگر ذاتی اختیار دیدے تو

اسی وقت اہل شرک اور اہل کفر کو مٹا دیں۔

أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿٩١﴾

کہ انہوں نے اللہ کے لیے بیٹے کا دعویٰ کیا۔(۹۱)

اللہ کے لیے اولاد ماننا دو جہتوں سے ہو سکتا ہے:

(۱) یا تو اللہ کو مددگار کی ضرورت ہے۔

(۲) اسے اولاد کی تمنا ہے۔ یہ دونوں چیزیں کمیاں ہیں اور اللہ کمی سے مبرّا ہے۔ یحییٰ اور عیسیٰ، ولادت کی نوعیت کے پہلو سے بہت مشابہت رکھتے ہیں۔ تو ایک اللہ کیسے ہو گیا۔

إِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴿٩٦﴾

اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے اللہ ان کی محبت (مخلوقات کے دل میں) پیدا کر دے گا۔(۹۶)

﴿سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا﴾ مقبولیت اور چیز ہے اور محبوبیت اور چیز ہے۔ اور شہرت اور چیز ہے۔ اللہ لوگوں کے دلوں میں کسی کی محبت ڈال دیتا ہے اور اسے قبول عام حاصل ہو جاتا ہے۔ اخباری شہرت یا غلط فہمی سے عوام کا کسی لیڈر کی طرف جھک جانا مقبولیت عند اللہ کی دلیل نہیں۔

﴿وُدًّا﴾ وُدّ اس محبت کو کہتے ہیں جو محبوب کے ساتھ گہرا تعلق پیدا کر دے۔ عربی میں "وتد" میخ کو کہتے ہیں گاڑ کر جانور کو باندھ دیا جائے تو وہ زمین سے متعلق ہو جاتا ہے۔ وُدّ، خُلّۃ سے نیچے کا درجہ ہے۔ خُلّۃ ایسی محبت کہتے ہیں جو جسم کے ہر سوراخ میں داخل ہو جائے۔

﴿الرَّحْمٰنُ﴾ لفظ رحمٰن کا بار بار آنا اللہ کی صفت رحم کو مطلق بلا بدل اور بلا معاوضہ پیش کرنا ہے۔ مسیحیت کا سارا فلسفہ دو لفظوں میں یہ ہے کہ بندوں کی گنہ گاری دیکھ کر اللہ روٹھ گیا۔ اس کی صفت عدل کا تقاضہ یہ تھا کہ سب کو جہنم میں جھونک دے لیکن اس کا رحم اس پر آمادہ نہ تھا۔ اس نے تدبیر کی کہ اپنے بیٹے کو بھیجا کہ ساری مخلوق کے گناہوں کا بوجھ لے کر سب کی طرف سے اس طرح کفارہ بن جائے کہ صلیب پر چڑھ کر تین دن کے لیے دوزخ میں چلا جائے۔ مسیحیت کے رد کے لیے یہی صفت رحمٰن کافی ہے کہ وہ صفت رحمت کے ظہور کے لیے مجبوری کے ساتھ کفارہ اور معاوضہ کا انتظار نہیں کرتا۔

گناہ کا کفارہ: انسان کو گنہ گار دیکھ کر اللہ یا کوئی اچھا انسان خود کو فدیہ میں قربان کر دے تو یہ ایسے ہی ہوگا جیسے کوئی طبیب، مریض کا سر درد ٹھیک کرنے کے لیے اس کا سر پھوڑ دے۔ یا بادشاہ، ملک کے چوروں اور ڈاکوؤں کو سزا دینے کے بجائے شہزادوں کو پھانسی پر لٹکا دے۔ کسی معمولی عقل کے مالک جج نے آج تک یہ نہیں کیا کہ اپنی عدالت میں پیش ہونے

Scanned by CamScanner

والے مجرموں کو پاک کرنے کے لیے اپنے بے گناہ بیٹے کو ان کی جگہ سزا دے۔ پھر معبود حکیم سے یہ بے عقلی کیوں منسوب کی جاتی ہے۔ معصوم کا مجرم کی جگہ قربان ہونے کا تصور یقیناً انصاف اور عقل دونوں سے بعید ہے۔

❀❀❀

سورة طٰه (مكية)

طٰهٰ ﴿١﴾ مَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰٓى ﴿٢﴾

طٰه(۱) (اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!) ہم نے تم پر قرآن اس لئے نازل نہیں کیا کہ تم مشقت میں پڑ جاؤ۔ (۲)

ہم نے آپ پر قرآن اس لیے نہیں اتارا کہ آپ تکلیف اٹھائیں۔ (مثلاً ایک پاؤں پہ کھڑے ہو کر پورا قرآن پڑھیں) بعض نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے سے امت کو خطاب ہے۔ اور ''شَقِيٌّ''، ''خَابَ'' کے مرادف ہے۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اے مومنو! ہم نے تم کو قرآن اس لیے نہیں دیا کہ اسے پا کر تم حالت مغلوبی میں رہو۔

وَاِنۡ تَجۡهَرۡ بِالۡقَوۡلِ فَاِنَّهٗ يَعۡلَمُ السِّرَّ وَاَخۡفٰى ﴿٧﴾

اور اگر تم پکار کر بات کہو تو وہ تو چھپے بھید اور نہایت پوشیدہ بات تک کو جانتا ہے۔ (۷)

﴿يَعۡلَمُ السِّرَّ وَاَخۡفٰى﴾ ''سرّ'' تو وہ ہے جسے انسان اپنے دل میں شعوری طور پر اور قصداً چھپائے اور ''اخفیٰ'' سے مراد وہ ہے جو لاشعور میں ہو اور جس کا علم خود اس کو بھی نہ ہو۔ یعنی اللہ شعور و لاشعور سب کا عالم ہے۔ یا ''سرّ'' وہ خفیہ بات ہے جو آدمی چپکے سے دوسرے کے کان میں کہے۔ اور ''اخفیٰ'' وہ پوشیدہ بات ہے جسے انسان اپنے دل میں چھپائے رکھتا ہے۔

وَهَلۡ اَتٰىكَ حَدِيۡثُ مُوۡسٰى ﴿٩﴾

اور کیا تمہیں موسیٰ (کے حال) کی خبر ملی ہے؟ (۹)

Scanned by CamScanner

﴿وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى﴾ میں "براعة الاستھلال" ہے، خطابت کا ایک اصول "براعة الإستھلال" ہے یعنی تقریر کا آغاز اس طرح ہو کہ سامعین کو شوق دلایا جئے کہ آگے کیا بیان کیا جانے والا ہے۔

خطابت کا ایک اصول حسن تخلص ہے۔ یعنی ایک بات سے دوسری بات کی طرف انتقال ہو تو اس میں تدرج ہو۔ اسے حسن تخلص کہتے ہیں۔ موسیٰ کا واقعہ ختم ہوا تو فوراً دوسرا واقعہ نہیں شروع کیا گیا بلکہ پہلے ﴿كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ﴾ کہا گیا۔

اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْۤ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ⑩

جب انہوں نے آگ دیکھی تو اپنے گھر کے لوگوں سے کہا کہ تم (یہاں) ٹھہرو میں نے آگ دیکھی ہے (میں وہاں جاتا ہوں) شاید اس میں سے میں تمہارے پاس انگاری لاؤں گا یا آگ (کے مقام) کا رستہ معلوم کر سکوں۔ (۱۰)

﴿اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْۤ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ﴾ اٰنَسْتُ یہ ایناس سے ہے۔ اور ایناس اس طور پر دیکھنے کو کہتے ہیں جس سے کچھ اُنسِ خاطر ہو۔ اور دل کی وحشت دور ہو۔ اور "قبس" آگ کے شعلے کو کہتے ہیں۔ یعنی آگ کا وہ تھوڑا حصہ جو زیادہ آگ میں سے حاصل کر لیا جائے۔

﴿اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا﴾ میں آگ کا انتظام کرتا ہوں۔ معلوم ہوا کہ شوہر اپنی بیوی کا ذمہ دار ہے۔

اِنِّیْۤ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَیْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ⑫

میں تو تمہارا رب ہوں تو اپنی جوتے اُتار دو تم (یہاں) پاک میدان (یعنی) طُویٰ میں ہو۔ (۱۲)

﴿فَاخْلَعْ نَعْلَیْكَ﴾

غالباً اسی وجہ سے یہودیوں کے یہاں یہ شرعی مسئلہ بن گیا کہ جوتے پہن کر نماز درست نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کو ان کی مخالفت کا حکم دیا۔

عَنْ يَعْلَى بْنِ شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "خَالِفُوا الْيَهُودَ فَإِنَّهُمْ لَا يُصَلُّونَ فِي نِعَالِهِمْ، وَلَا خِفَافِهِمْ" (ابوداؤد، کتاب الصلاۃ: ۶۵۲، صحیح)

اگر جوتے میں گندگی نہ لگی ہو اور مسجد کے فرش پر کنکریاں بچھی ہوں یا گھاس ہو یا کھلا میدان ہو تو جوتے پہن کر نماز پڑھ سکتے ہیں۔ جو لوگ میدان میں نماز جنازہ میں جوتے اتارنے پر اصرار کرتے ہیں وہ احکام شرعیہ سے نابلد ہیں۔

وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى ⑰

Scanned by CamScanner

اور موسیٰ یہ تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا ہے؟(۱۷)

اللہ نے پوچھا اے موسیٰ! تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟ ہاتھ میں عصا ہے کہہ دینا کافی تھا۔ بات کو طویل کیا۔ یہ موسیٰ کی اپنے رب سے محبت کی دلیل ہے۔

قَالَ اَلۡقِهَا يٰمُوۡسٰى ﴿۱۹﴾

فرمایا کہ موسیٰ! اسے ڈال دو۔(۱۹)

لاٹھی پر تکیہ نہ کرو۔ اس کا سہارا چھوڑ دو، میرا سہارا پکڑو۔ لاٹھی کو چھوڑنے کے بعد اس کا حقیقی فائدہ نظر آئے گا۔

فَاَلۡقٰهَا فَاِذَا هِىَ حَيَّةٌ تَسۡعٰى ﴿۲۰﴾

توانہوں نے اس کو ڈال دیا اور وہ ناگہاں سانپ بن کر دوڑنے لگا۔(۲۰)

"جَانّ"، "ثُعبان" اور "حيّة" میں فرق:

"جان" اس چھوٹے سانپ کو کہتے ہیں جو خفیفُ الحرکۃ (آہستہ رو) ہو۔ اور ثعبان "اژدھا" کو کہتے ہیں جو سانپوں میں سب سے بڑا ہے۔ اور "حیّۃ" کا اطلاق ہر چھوٹے بڑے سانپ پر ہوتا ہے۔ بظاہر ان میں تعارض معلوم ہوتا ہے۔ ان میں موافقت پیدا کرنے کی توجیہہ اس طرح کی گئی ہے کہ شروع میں وہ سانپ چھوٹا تھا جتنا کہ لاٹھی تھی۔ پھر وہ بڑھتا اور پھولتا چلا گیا اور بڑا اژدھا بن گیا۔

پیغمبروں سے غیر معمولی معجزہ اس لیے دکھایا جاتا ہے تاکہ آدمی معمولی معجزات دیکھنے کے قابل ہو جائے۔ معمولی معجزہ یہ ہے کہ ایک چیز دوسری چیز میں تبدیل ہو جائے۔ اب گیس کا پانی میں اور پانی کا گیس میں تبدیل ہونا۔ اسی طرح مٹی کا درخت میں تبدیل ہونا۔ اور سمندر کے کھارے پانی کا نمک چھوڑ کر آبِ شیریں برسانا ہے۔

وَاضۡمُمۡ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ تَخۡرُجۡ بَيۡضَآءَ مِنۡ غَيۡرِ سُوۡٓءٍ اٰيَةً اُخۡرٰى ﴿۲۲﴾

اور اپنا ہاتھ اپنی بغل سے لگا لو وہ کسی عیب (بیماری) کے بغیر سفید (چمکتا دمکتا) نکلے گا (یہ) دوسری نشانی (ہے)۔(۲۲)

موسیٰ کو دو خاص معجزے دئے گئے۔ سانپ طاقت کی علامت ہے۔ اور ید بیضاء صداقت کی علامت ہے۔ کیونکہ روشنی، صداقت کا تلازمہ ہے۔

قَالَ رَبِّ اشۡرَحۡ لِىۡ صَدۡرِىۡ ﴿۲۵﴾ وَيَسِّرۡ لِىۡۤ اَمۡرِىۡ ﴿۲۶﴾ وَاحۡلُلۡ عُقۡدَةً مِّنۡ لِّسَانِىۡ ﴿۲۷﴾

کہا کہ میرے اللہ! (اس کام کیلئے) میرا سینہ کھول دے۔(۲۵) اور میرا کام آسان کر دے۔(۲۶) اور

Scanned by CamScanner

میری زبان کی گرہ کھول دے۔(۲۷)

﴿رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي﴾ سینہ کھلنا۔موثر مضامین کا حسب موقع ورود

﴿أَمْرِي﴾ مخالفین، دعوت کی راہ بند کرنے میں کامیاب نہ ہوں۔

﴿وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِي﴾ بڑے بڑے مجمعوں اور نازک مقامات پر بلا جھجک دعوت پہنچانے کا ملکہ۔

اَنِ اقْذِفِيْهِ فِي التَّابُوْتِ فَاقْذِفِيْهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَأْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّيْ وَعَدُوٌّ لَّهٗ ؕ وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ ۚ وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ ﴿۳۹﴾

(وہ یہ تھا) کہ اسے (یعنی موسیٰ کو) صندوق میں رکھو پھر اُس (صندوق) کو دریا میں ڈال دو تو دریا اُسے کنارے پر ڈال دے گا (اور) میرا اور اُس کا دشمن اُسے اٹھالے گا اور (موسیٰ) میں نے تم پر اپنی طرف سے محبت ڈال دی (اس لئے کہ تم پر مہربانی کی جائے) اور اس لئے کہ تم میرے سامنے پرورش پاؤ۔(۳۹)

بچہ ویسے بھی من موہنا ہوتا ہے۔پھر اس پر محبت الٰہی کا پرتو بھی پڑ گیا۔

اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿۴۳﴾

دونوں فرعون کے پاس جاؤ کہ وہ سرکش ہو رہا ہے۔(۴۳)

''طغیان'' کا معنی ''تجاوز الحدّ'' (حد سے تجاوز کرنا) ہے۔اور طاغی کا مطلب ''من لم یمتثل للامر فھو طاغ ومن ارتکب النھی فھو طاغ'' ہے یعنی جو اللہ کے حکم کو نہ بجالائے وہ طاغی ہے اور جو اللہ کی ممنوعہ چیزوں کا ارتکاب کرے وہ طاغی ہے۔

مناظرہ کا طریقہ:

کسی سے مناظرہ کرو تو اصل موضوع سے مت ہٹو۔موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو توحید کی دعوت دی تو اس نے کہا ﴿فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى﴾ (سورہ طٰہٰ:۵۱)۔اس سوال کا موضوع سے کوئی تعلق نہ تھا تو موسیٰ علیہ السلام جواب کے چکر میں نہیں پڑے اس کا علم اللہ کو سونپ دیا۔

قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى ﴿۵۲﴾

کہا کہ اُن کا علم میرے رب کو ہے (جو) کتاب میں (لکھا ہوا ہے) میرا رب نہ چوکتا ہے نہ بھولتا ہے۔(۵۲)

داعی کسی کو جب دعوت دے تو مخاطب کے ذہن میں پیدا ہونے والے ہر اعتراض کا جواب تیار رکھے۔

Scanned by CamScanner

آدمی اس لیے لکھتا ہے کہ اگر بھول جائے تو تحریر سے یاد کر سکے، فرعون کے ذہن میں یہ سوال ہو سکتا تھا کہ کیا اللہ بھولتا ہے کہ اسے لکھنے کی ضرورت پڑی۔ جواب دیدیا ﴿ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى ﴾

﴿ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى ﴾ کسی فیصلے کے خلافِ عدل ہونے کے دو سبب ہیں۔

(١) ضلال (غلطی)

(٢) نسیان (بھول چوک) اور یہ دونوں حق تعالیٰ سے منفی ہیں۔

قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ﴿٥٩﴾

موسیٰ نے کہا کہ آپ (کے مقابلے) کیلئے عید کا دن (مقرر کیا جاتا ہے) اور یہ کہ لوگ اس دن چاشت کے وقت اکٹھے ہو جائیں۔ (٥٩)

موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کے ساتھ بحث کے لیے مخصوص دن (يَوْمُ الزِّيْنَةِ) کو اختیار کرنا اور چاشت (ضُحًى) کا وقت متعین کرنا اور جب لوگوں کا مجمع (يُّحْشَرَ النَّاسُ) ہو، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ انبیاء کی دعوت بالکل صاف اور واضح ہوتی ہے۔

فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى ﴿٦٠﴾

تو فرعون لوٹ گیا اور اپنے سامان جمع کر کے پھر آیا۔ (٦٠)

﴿ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى ﴾ جادوگروں نے اتحاد و اتفاق کی اہمیت کو سمجھا تو مصلحین کو تو بدرجۂ اولیٰ متحد و متفق رہنا چاہئے۔

فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى ﴿٦٢﴾

تو وہ باہم اپنے معاملے میں جھگڑنے اور چپکے چپکے سرگوشی کرنے لگے۔ (٦٢)

جادوگر آپس میں اختلاف کرنے لگے کہ موسیٰ کا مقابلہ کرنا چاہئے یا نہیں، لیکن اس اختلاف کو انھوں نے پوشیدہ رکھا، شاید اس خیال کی بنا پر کہ اگر ہم پر موسیٰ غالب آ گئے تو ان کی اتباع کر لیں گے، جادوگر کافر تھے تو آپس میں اختلاف تھا اور جب اسلام لے آئے تو بالاتفاق اللہ کے آگے سجدہ ریز ہو گئے، اس سے دلیل ملی کہ کفر اختلاف کا سبب ہے اور توحید اور ایمان باللہ اتحاد کا سبب ہے۔

قَالُوْٓا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا

Scanned by CamScanner

بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى ﴿۶۳﴾

کہنے لگے کہ یہ دونوں جادوگر ہیں چاہتے ہیں کہ اپنے جادو (کے زور) سے تمہیں تمہارے ملک سے نکال دیں اور تمہارے شائستہ مذہب کو نابود کر دیں۔ (۶۳)

﴿بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى﴾ "طریقۂ مثلی" کا معنی اعلیٰ مذہب یا آئیڈیل طریق وتہذیب کو کہتے ہیں۔ اہل باطل ہمیشہ اپنے طریقے اور تہذیب کو آئیڈیل طریقہ وتہذیب بتاتے رہے ہیں۔

فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى ﴿۶۷﴾

(اس وقت) موسیٰ نے اپنے دل میں خوف معلوم کیا۔ (۶۷)

"وَجْس" اس خوف اور گھبراہٹ کو کہتے ہیں جو کسی آواز وغیرہ سے دل میں پیدا ہو جائے، اس سے مفہوم ہوتا ہے کہ جب جادوگروں نے اپنی لاٹھیاں اور رسّیاں زمین پر ڈالیں اور موسیٰ کو لگا کہ وہ سانپ بن کر ان کی طرف بڑھ رہی ہیں تو ان کے سرسراہٹ کی آواز سے موسیٰ گھبرا گئے۔

فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى ﴿۷۰﴾

القصہ یونہی ہوا تو جادوگر سجدے میں گر پڑے (اور) کہنے لگے کہ ہم ہارون اور موسیٰ کے رب پر ایمان لائے۔ (۷۰)

﴿بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى﴾ ہارون کو اس لیے مقدم کیا کہ وہ عمر میں موسیٰ علیہ السلام سے بڑے تھے۔

قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۭ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ ۡ وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَآ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰى ﴿۷۱﴾

(فرعون) بولا کہ پیشتر اس کے کہ میں تمہیں اجازت دوں تم اس پر ایمان لے آئے؟ بیشک وہ تمہارا بڑا (یعنی استاد) ہے جس نے تم کو جادو سکھایا ہے سو میں تمہارے ہاتھ اور پاؤں (جانب) خلاف سے کٹوا دوں گا اور کھجور کے تنوں پر سولی چڑھوا دوں گا (اس وقت) تم کو معلوم ہوگا کہ ہم میں سے کس کا عذاب زیادہ سخت اور دیر تک رہنے والا ہے۔ (۷۱)

﴿فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ﴾

اللہ بندے کو جتنے اعلیٰ مراتب پر فائز کرنا چاہتا ہے، امتحانات بھی اتنے سخت ہوتے ہیں لہٰذا انسان امتحان سے نہ ڈرے، ڈرے اس بات سے کہ کہیں فیل نہ ہو جائے، اور اس سے زیادہ ڈرنے کی چیز یہ ہے کہ کہیں اسے سرے سے امتحان سے خارج نہ کر دیا جائے، اور بار بار فیل ہونے والے کو امتحان سے محروم کر دیا جاتا ہے، صبر سے زیادہ مشکل امتحان شکر کا ہے۔ مصائب پر صبر کرنے والے تو کچھ نکل آتے ہیں لیکن نعمت پا کر بھٹکنے سے محفوظ رہنے والے بہت کم نکلتے ہیں۔

قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِيْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ؕ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ؕ

انہوں نے کہا کہ جو دلائل ہمارے پاس آ گئے ہیں ان پر اور جس نے ہمیں پیدا کیا ہے اس پر ہم آپ کو ہرگز ترجیح نہیں دیں گے تو آپ کو جو حکم دینا ہو دیدیجئے اور آپ (جو) حکم دے سکتے ہیں وہ صرف اسی دنیا کی زندگی میں (دے سکتے ہیں)۔ (۷۲)

﴿قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِيْ فَطَرَنَا﴾

دلائل پر شخصیت کو ترجیح نہیں دی جا سکتی، جادوگروں کے سامنے ایک طرف موسیٰ کی دلیل تھی، اور دوسری طرف فرعون کی جابرانہ شخصیت، انھوں نے دلیل کو شخصیت پر ترجیح دی، اگرچہ انھیں معلوم تھا کہ اس ترجیح کی قیمت بہت مہنگی پڑنے والی ہے۔

قدیم مصری لوگ سورج کو رب اعلیٰ (سب سے بڑا دیوتا، مہادیو) مانتے تھے۔ فرعون نے خود کو سورج دیوتا کا زمینی مظہر بتایا۔

موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے مقابلے میں جو کیا وہ دعوت دین کا کام تھا اور بنی اسرائیل کے سلسلے میں جو کیا وہ تحفظ دین کا کام تھا۔ لہٰذا غیر مسلموں میں دعوت کا کام ہو اور اپنے اندر اصلاح کا۔

﴿فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ﴾ باطل طاقتیں اہل ایمان کے بارے میں جو بھی فیصلے سنا دیں ان کے فیصلوں کی حد دنیا تک ہے ابھی اللہ کی عدالت کا فیصلہ باقی ہے۔

اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ؕ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ۝

جو شخص اپنے رب کے پاس گنہگار ہو کر آئے گا تو اس کے لیے جہنم ہے جس میں نہ مرے گا نہ جیے گا۔ (۷۴)

﴿اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا﴾ مومن کے مقابلے میں مجرم؟ دنیا کا سب سے بڑا مجرم وہ ہے جس کے پاس ایمان نہ ہو۔

جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى ۝

(یعنی) ہمیشہ رہنے کے باغ جن کے نیچے سے نہریں بہہ رہی ہیں، ہمیشہ ان میں رہیں گے اور یہ اُس شخص کا بدلا ہے جو

Scanned by CamScanner

پاک ہوا۔(٧٦)

﴿ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى ﴾ جنت کوئی سستی چیز نہیں۔عقیدہ و عمل،فکر و نظر اور اخلاق کو پاکیزہ بنانا ضروری ہے۔ جھوٹی تمناؤں سے جنت ملنے والی نہیں۔

وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى ۙ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۙ لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى ﴿٧٧﴾

اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کی طرف وحی بھیجی کہ ہمارے بندوں کو راتوں رات نکال لے جاؤ پھر اُن کے لیے دریا میں (لاٹھی مار کر) خشک رستہ بنا دو پھر تم کو نہ تو (فرعون کے) آ پکڑنے کا خوف ہوگا اور نہ (غرق ہونے کا) ڈر۔(٧٧)

﴿ وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى ۙ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ ﴾ موسیٰ سے اللہ نے کہا ﴿ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ ﴾ یعنی رات میں چلنے کا حکم دیا جب کہ اللہ قادر تھا کہ ان کو دن میں چلنے کا حکم دیتا اس سے یہ ثابت ہوا کہ اسباب کا اختیار کرنا انبیاء کا منہج ہے۔

وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ﴿٨٢﴾

اور جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور نیک عمل کرے پھر سیدھے رستے چلے،اُس کو میں بخش دینے والا ہوں۔(٨٢)

﴿ وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ﴾ یہاں آیت میں ﴿ اهْتَدٰى ﴾ سے مراد ہدایت پر قائم رہنا ہے۔الاهتداء: هو الاستقامة والثبات على الهدى (کشاف للزمخشری)

بخشش کے لیے چار شرطیں ضروری ہیں: ﴿ وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ ﴾

(١) توبہ۔یعنی کفر و شرک و معصیت سے باز آجانا۔

(٢) اللہ و رسول و آخرت اور کتاب کو صدق دل سے مان لینا۔

(٣) اللہ اور رسول کی ہدایات کے مطابق عمل کرنا۔

(٤) راہ راست پر ثابت قدم رہنا پھر غلط راستے پر نہ جا پڑنا۔

فَرَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۭ اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ

Scanned by CamScanner

فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِيْ ﴿٨٦﴾

اور موسیٰ علیہ علیہ السلام غصے اور غم کی حالت میں اپنی قوم کے پاس واپس آئے (اور) کہنے لگے کہ اے قوم! کیا تمہارے رب نے تم سے ایک اچھا وعدہ نہیں کیا تھا؟ کیا (میری جدائی کی) مدت تمہیں دراز (معلوم) ہوئی یا تم نے چاہا کہ تم پر تمہارے رب کی طرف سے غضب نازل ہو اور (اس لئے) تم نے مجھ سے جو وعدہ کیا تھا (اس کے) خلاف کیا۔ (٨٦)

موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم پر اللہ کے ساتھ شرک کرنے پر بہت ناراض ہوئے۔ اللہ کی حرمتوں کو پامال کرنے پر ناراض ہونا یہ بھی اللہ سے محبت کی دلیل ہے۔

وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ ﴿٩٠﴾

اور ہارون علیہ السلام نے اُن سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ لوگو! اس سے صرف تمہاری آزمائش کی گئی ہے اور تمہارا رب تو اللہ ہے تو میری پیروی کرو اور میرا کہا مانو۔ (٩٠)

ہارون نے قوم کو عجب طرح نصیحت فرمائی: ﴿وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ﴾

(ا) ﴿اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ﴾ یہ فتنہ ہے اس سے دور رہو۔

(٢) ﴿وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ﴾ معبود اللہ ہے نہ کہ یہ بچھڑا۔

(٣) نبوت کے اتباع کی دعوت دی۔ ﴿فَاتَّبِعُوْنِيْ﴾ دین کے بارے میں میری راہ پر چلو۔

(٤) اتباع شریعت کی دعوت دی۔ ﴿اَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ﴾ اس باب میں میرا کہنا مانو۔

ہارون علیہ السلام نے کہا، انھوں نے مجھے بے بس کر دیا تھا، مجھے مار ہی ڈالتے، یعنی ہارون نے اپنی ذمہ داری پوری طرح نبھائی، گوشالہ پرستی سے روکنے میں انھوں نے کوئی مداہنت (سستی) نہیں فرمائی، ہارون علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ آپ چند دنوں میں آنے ہی والے تھے، لہٰذا میں نے اس معاملے کو چند روز کے لیے ملتوی کر دیا، اس لیے یہ استدلال صحیح نہیں کہ اتحاد و اتفاق کی خاطر شرکیہ امور کو بھی گوارا کیا جا سکتا ہے۔

قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ ﴿٩٦﴾

اس نے کہا کہ میں نے ایسی چیز دیکھی جو اَوروں نے نہیں دیکھی تو میں نے فرشتے کے نقشِ پا سے (مٹی

Scanned by CamScanner

کی)ایک مٹھی بھر لی، پھر اس کو(بچھڑے کے قالب میں) ڈال دیا اور مجھے میرے جی نے (اس کام کو) اچھا بتایا۔(۹۶)

موسیٰ علیہ السلام نے کہا او سامری! تو نے یہ فساد کی جڑ کیوں قائم کی؟ کہا محض دل لگی سے یہ کام کیا ہے، مجھے وہ چیز سوجھی جو انہیں نہ سوجھی، میں نے سوچا "بیکار سے بیگار بھلی"۔ چلو کچھ مشغلہ کریں، پس میں نے جبرئیل علیہ السلام کے نقش قدم سے مٹھی بھر دھول لی اور بچھڑے میں ڈال دیا، اصل میں میں جانتا تھا کہ یہ کچھ نہیں ہے، مگر احمقوں کو پھانسنے کے لیے میں نے ایسا کیا۔

قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ ۠ وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ ۚ وَانْظُرْ اِلٰٓى اِلٰهِكَ الَّذِيْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا ۭ لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِي الْيَمِّ نَسْفًا ۝۹۷

(موسیٰ نے کہا) جا تجھ کو دنیا کی زندگی میں یہ (سزا) ہے کہ کہتا رہے کہ مجھے ہاتھ نہ لگانا اور تیرے لئے ایک اور وعدہ ہے (یعنی عذاب کا) جو تجھ سے ٹل نہ سکے گا اور جس معبود (کی پوجا) پر تو (قائم و) معتکف تھا اُس کو دیکھ ہم اُسے جلا دیں گے پھر اُس (کی راکھ) کو اُڑا کر دریا میں بکھیر دیں گے۔(۹۷)

﴿قَالَ فَاذْهَبْ﴾ سامری کو موسیٰ علیہ السلام نے جلاوطن کیا۔

نکتہ: مفسدین کو معاشرے سے نکال دیا جائے۔

آج کل جو لوگ چھلّے وغیرہ بناتے ہیں اس کی شکل بھی یہی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ ایسے لوگ سامری کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔

"الجزاء من جنس العمل" کے دو نمونے:

﴿اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ﴾ وہ کہتا تھا مجھے کوئی ہاتھ نہ لگائے۔ اس آیت میں اصول ہے کہ اہل بدعت و معاصی الگ رہنا چاہئے۔ ان سے اختلاط نہیں رکھنا چاہئے۔

سامری نے ایسی چیز کو چھوا جس کو ہاتھ لگانے کا اسے حق نہیں تھا تو اسے "لامساس" کی سزا دی گئی۔ قتل کی سزا آناً فاناً ختم ہو جاتی ہے مگر اس قسم کی سزا بڑی عبرت ناک ہوتی ہے۔

پھر شرک کے اس اثر (بچھڑا) کو کوٹ پیس کر اس کی راکھ سمندر میں ڈال دی۔

﴿وَانْظُرْ اِلٰٓى اِلٰهِكَ الَّذِيْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا﴾

اللہ کی ربوبیت اور غیر اللہ کی معبودیت میں فرق:

یہ حجت الزامی کا ایک طریقہ ہے کہ اللہ کی دلیل کی روشنی میں اپنے آپ قائم ہے۔ مگر غیر اللہ کی معبودیت ان کے ماننے

Scanned by CamScanner

والوں کی بدولت ہے، اگر ماننے والے نہ مانیں تو معبود بے وجود ہو جائیں۔

يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا ﴿۱۰۲﴾

جس روز صُور پھونکا جائے گا اور ہم گنہ گاروں کو اکٹھا کریں گے اور ان کی آنکھیں نیلی نیلی ہوں گی۔ (۱۰۲)

﴿يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ﴾ پہلے سائرن (صور) پر ساری مخلوق مر جائے گی اور نظام کائنات درہم برہم ہو جائے گا۔ دوسرے سائرن (صور) پر لوگ زندہ ہو کر قبروں سے نکل پڑیں گے۔ آنکھ کی سیاہی میں سبزی کی آمیزش کو "زرقا" کہتے ہیں۔ ایسی آنکھیں بہت بدنما ہوتی ہیں۔ قیامت کے دن کافروں کے چہرے کالے اور آنکھیں زرقا ہوں گی۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ﴿۱۰۵﴾

اور تم سے پہاڑوں کے بارے میں دریافت کرتے ہیں کہہ دو کہ اللہ ان کو اڑا کر بکھیر دے گا۔ (۱۰۵)

پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا۔

فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ﴿۱۰۶﴾

اور زمین کو ہموار کر چھوڑے گا۔ (۱۰۶)

"قاع"، نرم نشیبی زمین کو کہتے ہیں۔ اور صفصف کا معنی "ہموار میدان" ہے۔

لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا ﴿۱۰۷﴾

جس میں نہ تم کجی (اور پستی) دیکھو گے نہ ٹیلا (اور بلندی)۔ (۱۰۷)

﴿لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا﴾ "عوج" کا معنی "کجی" یا "موڑ" ہے اور "اَمت" کا معنی "ابھار" ہے۔
یعنی صور پھونکے جانے کے بعد پہاڑوں کے تین احوال ہوں گے کہ دیکھنے میں وہ ہموار اور چٹیل میدان محسوس ہوں گے۔ اور نشیب وفراز جانچنے کے آلے سے دیکھیں گے تو ان میں نہ کوئی کجی نظر آئے گی نہ کوئی اُبھار نظر آئے گا۔

يَوْمَئِذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهٗ ۚ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ﴿۱۰۸﴾

اُس روز لوگ ایک پکارنے والے کے پیچھے چلیں گے اور اُس کی پیروی سے انحراف نہ کر سکیں گے اور اللہ کے سامنے آوازیں پست ہو جائیں گی تو تم آواز خفی کے سوا کوئی آواز نہ سنو گے۔ (۱۰۸)

جب آدمیوں کو میدان حشر کی طرف لے جایا جائے گا تو ان کے قدموں کے چاپ کو "ھَمْس" سے تعبیر کیا گیا ہے۔

یَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا ﴿۱۰۹﴾

اس روز (کسی کی) سفارش کچھ فائدہ نہ دے گی مگر اُس شخص کی جسے اللہ اجازت دے اور اُس کی بات کو پسند فرمائے۔(۱۰۹)

شفاعت:

دنیا میں شفاعت کی دو قسمیں ہیں:

۱) **شفاعت حسنہ:** ﴿من یشفع شفاعة حسنة ...الخ﴾ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی محتاج آتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے "اشفعوا تؤجروا" (صحیح بخاری)۔

۲) **شفاعت سیئہ:** حرام تجارت کے لئے تجارت کی خاطر لائسنس کی درخواست، ایسے ہی حرام چیز کی شفارش کرنا۔

آخرت میں شفاعت: اس شفاعت کا معاملہ بے حد نازک اور حساس ہے اس میدان میں بہت سے لوگوں کے قدم پھسل گئے۔اس شفاعت کی دو قسمیں ہیں۔

۱) **شفاعت عامہ:** اللہ اپنے جس موحد بندے کو چاہے گا شفاعت کا اذن دے گا، اور یہ اذن دو طرح کے لوگوں کے لئے، ایک وہ گنہگار جو گناہ کی وجہ سے جہنم کے مستحق ہو گئے ہونگے، دوسرے وہ گنہگار جو گناہ کی وجہ سے جہنم میں جا چکے ہونگے۔

۲) **شفاعت خاصہ:** وہ ساری شفاعتیں ہیں جو صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کریں گے۔

۱) میدان محشر میں۔

۲) جنتیوں کو جنت میں داخلے کے لیے۔

۳) جنتیوں کے مقام و مرتبہ کی بلندی کے لیے۔

۴) ابوطالب کے عذاب میں تخفیف کے لیے (نکالنے کے لیے نہیں)۔

۵) ان موحدین کے لیے جو گناہ کی وجہ سے مستحق جہنم ہو گئے تھے۔

۶) ان موحدین کے لیے جو گناہ کی وجہ سے جہنم میں جا چکے ہونگے۔

﴿وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا﴾ اسلام جس شفاعت کا قائل ہے اس کی پہلی شرط اللہ کی اجازت ہے۔کوئی اپنے اختیار سے شفاعت نہیں کر سکتا۔اور کسی شافع کا ایسے شخص کے حق میں بولنا منظور کیا جائے گا جس شخص کے حق میں کلمہ خیر کہنے کی گنجائش ہو۔اور ظاہر ہے کہ ایسی گنجائش موحد ہی کے لیے نکل سکتی ہے۔

Scanned by CamScanner

حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ نَصْرٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ حَدَّثَنَا أَبُو حَيَّانَ عَنْ أَبِي زُرْعَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي دَعْوَةٍ فَرُفِعَ إِلَيْهِ الذِّرَاعُ وَكَانَتْ تُعْجِبُهُ فَنَهَسَ مِنْهَا نَهْسَةً وَقَالَ أَنَا سَيِّدُ الْقَوْمِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ هَلْ تَدْرُونَ بِمَ يَجْمَعُ اللهُ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ فِي صَعِيدٍ وَاحِدٍ فَيُبْصِرُهُمُ النَّاظِرُ وَيُسْمِعُهُمُ الدَّاعِي وَتَدْنُو مِنْهُمُ الشَّمْسُ فَيَقُولُ بَعْضُ النَّاسِ أَلَا تَرَوْنَ إِلَى مَا أَنْتُمْ فِيهِ إِلَى مَا بَلَغَكُمْ أَلَا تَنْظُرُونَ إِلَى مَنْ يَشْفَعُ لَكُمْ إِلَى رَبِّكُمْ فَيَقُولُ بَعْضُ النَّاسِ أَبُوكُمْ آدَمُ فَيَأْتُونَهُ فَيَقُولُونَ يَا آدَمُ أَنْتَ أَبُو الْبَشَرِ خَلَقَكَ اللهُ بِيَدِهِ وَنَفَخَ فِيكَ مِنْ رُوحِهِ وَأَمَرَ الْمَلَائِكَةَ فَسَجَدُوا لَكَ وَأَسْكَنَكَ الْجَنَّةَ أَلَا تَشْفَعُ لَنَا إِلَى رَبِّكَ أَلَا تَرَى مَا نَحْنُ فِيهِ وَمَا بَلَغَنَا فَيَقُولُ رَبِّي غَضِبَ غَضَبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ وَلَا يَغْضَبُ بَعْدَهُ مِثْلَهُ وَنَهَانِي عَنِ الشَّجَرَةِ فَعَصَيْتُهُ نَفْسِي نَفْسِي اذْهَبُوا إِلَى غَيْرِي اذْهَبُوا إِلَى نُوحٍ فَيَأْتُونَ نُوحًا فَيَقُولُونَ يَا نُوحُ أَنْتَ أَوَّلُ الرُّسُلِ إِلَى أَهْلِ الْأَرْضِ وَسَمَّاكَ اللهُ عَبْدًا شَكُورًا أَمَا تَرَى إِلَى مَا نَحْنُ فِيهِ أَلَا تَرَى إِلَى مَا بَلَغَنَا أَلَا تَشْفَعُ لَنَا إِلَى رَبِّكَ فَيَقُولُ رَبِّي غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ وَلَا يَغْضَبُ بَعْدَهُ مِثْلَهُ نَفْسِي نَفْسِي ائْتُوا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَأْتُونِي فَأَسْجُدُ تَحْتَ الْعَرْشِ فَيُقَالُ يَا مُحَمَّدُ ارْفَعْ رَأْسَكَ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ وَسَلْ تُعْطَهْ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ لَا أَحْفَظُ سَائِرَهُ۔

(صحیح بخاری، کِتَابُ أَحَادِيثِ الْأَنْبِيَاءِ: ۳۳۴۰)

اسحاق بن نصر محمد بن عبید ابوحیان ابوزرعہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک دعوت میں تھے آپ ﷺ کے سامنے دست پیش کیا گیا اور آپ ﷺ کو دست کا گوشت مرغوب تھا تو آپ ﷺ اس میں سے نوچ نوچ کر کھانے لگے اور فرمایا کہ میں قیامت کے دن تمام آدمیوں کا سردار ہوں گا کیا تم جانتے ہو کس لیے؟ وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمام اگلے پچھلے لوگوں کو ہموار میدان میں جمع کرے گا اس طرح کہ دیکھنے والا ان سب کو دیکھ سکے اور پکارنے والا انہیں اپنی آواز سنا سکے اور آفتاب ان کے (بہت) قریب آجائے گا پس بعض آدمی کہیں گے کہ تم دیکھتے نہیں کہ تمہاری کیا حالت ہو رہی ہے؟ اور تمہیں کتنی مشقت پہنچ رہی ہے؟ یا تم ایسے شخص کو نہیں دیکھو گے جو اللہ سے تمہاری سفارش کرے دوسرے لوگ کہیں گے اپنے باپ آدم کے پاس چلو، تو وہ ان کے پاس آکر کہیں گے، کہ آدم آپ تمام انسانوں کے باپ ہیں آپ کو اللہ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کر کے اپنی روح آپ کے اندر پھونکی اور فرشتوں کو حکم دیا تو انہوں نے آپ کو سجدہ کیا اور آپ کو جنت میں ٹھہرایا کیا اپنے رب سے آپ ہماری سفارش نہیں کریں گے؟ کیا آپ ہماری حالت اور ہماری مشقت کا مشاہدہ نہیں فرما رہے وہ فرمائیں گے کہ آج اللہ اتنا غضب ناک ہے کہ نہ اس سے پہلے ایسا غضبناک ہوا نہ آئندہ ہوگا اور اس نے مجھے درخت کا پھل کھانے سے منع کیا تھا مگر میں نے نافرمانی کی مجھے تو خود اپنی جان کی پڑی ہے لہٰذا کسی دوسرے کے پاس جاؤ (ہاں) نوح کے پاس چلے جاؤ، تو وہ نوح کے پاس آکر کہیں گے کہ اے نوح آپ

دنیا میں سب سے پہلے (تشریعی) رسول ہیں اور اللہ نے آپ کو شکر گزار بندہ کا خطاب عطا فرمایا ہے کیا آپ ہماری حالت کا معائنہ نہیں فرما رہے؟ کیا آپ اپنے رب سے ہماری سفارش نہیں کریں گے؟ وہ فرمائیں گے کہ آج اللہ اتنا غضبناک ہے کہ اس سے قبل ایسا غضبناک نہ ہوا نہ آئندہ ہوگا مجھے تو خود اپنی فکر ہے (یہاں تک کہ ان سے کہا جائے گا کہ) رسول اللہ ﷺ کے پاس جاؤ تو وہ میرے پاس آئیں گے میں عرش کے نیچے سجدہ میں گر پڑوں گا تو مجھ سے کہا جائے گا اے ہمارے محبوب اپنا سر اٹھایئے اور سفارش کیجئے آپ ﷺ کی سفارش مقبول ہوگی اور مانگئے آپ ﷺ کو دیا جائے گا۔

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ﴿۱۱۰﴾

جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے وہ اس کو جانتا ہے۔ اور وہ (اپنے) علم سے اللہ (کے علم) پر احاطہ نہیں کر سکتے۔ (۱۱۰)

﴿وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا﴾ کون شفاعت کئے جانے کے قابل ہے کون نہیں، اس کا علم بس اللہ کو ہے۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا ﴿۱۱۲﴾

اور جو نیک کام کرے گا اور مومن بھی ہوگا تو اُس کو نہ ظلم کا خوف ہوگا اور نہ نقصان کا۔ (۱۱۲)

ہضم کا لغوی معنی ''کم کرنا'' اور ''توڑنا'' ہے۔ ہضم الطعام اسی سے ہے۔ یعنی معدے کے اندر کھانے کا ٹوٹ پھوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جانا۔

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ﴿۱۱۳﴾

اور ہم نے اس قرآن کو عربی میں نازل کیا ہے اور اس میں طرح طرح کے ڈراوے بیان کر دیئے ہیں تا کہ لوگ پرہیز گار بنیں یا اللہ ان کے لیے نصیحت پیدا کر دے۔ (۱۱۳)

﴿وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ﴾ بہت سے علماء قبر اور جہنم کے بارے میں بار بار تقریر کرتے ہیں تو کہا جاتا ہے کہ انھیں بار بار کیوں ڈرایا جاتا ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ بار بار وعید دلانا قرآن کا منہج ہے۔

﴿لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا﴾ حق کے قبول کرنے کے دو ہی واسطے ہیں۔ بہ واسطۂ جذبات یا بہ واسطۂ تعقل۔ یہ دونوں واسطے اس آیت کے ٹکڑے میں جمع ہو گئے ہیں۔

Scanned by CamScanner

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۡ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ﴿۱۱۴﴾

تو اللہ جو سچا بادشاہ ہے عالی قدر ہے اور قرآن کی وحی جو تمہاری طرف بھیجی جاتی ہے اس کے پورا ہونے سے پہلے قرآن کے (پڑھنے کے) لئے جلدی نہ کیا کرو اور دعا کرو کہ میرا رب مجھے اور زیادہ علم دے۔(۱۱۴)

﴿ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ﴾ (اے میرے رب، میرا علم اور زیادہ کر) "فَلَوْ كَانَ شَيْءٌ أَشْرَفَ مِنَ الْعِلْمِ لَأَمَرَ اللّٰهُ تَعَالٰى نَبِيَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَسْأَلَهُ الْمَزِيدَ مِنْهُ كَمَا أَمَرَ أَنْ يَسْتَزِيدَهُ مِنَ الْعِلْمِ" (تفسیر قرطبی)

امام قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اگر علم سے بڑی کوئی چیز ہوتی تو اللہ اپنے نبی کو حکم دیتا کہ وہ اس میں زیادتی کی دعا کرے۔

وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴿۱۱۵﴾

اور ہم نے پہلے آدم سے عہد لیا تھا مگر وہ (اُسے) بھول گئے اور ہم نے ان میں صبر و ثبات نہ دیکھا۔(۱۱۵)

﴿ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴾ آدم کو اللہ نے سمجھایا تھا کہ شیطان تیرا اور تیری بیوی کا دشمن ہے، یہ تمہیں جنت سے نکلوا نہ دے۔ اسی کو عہد سے تعبیر کیا گیا۔ اسی عہد کو آدم بھول گئے۔

﴿ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴾ نسیان ہر انسان کی سرشت میں داخل ہے اور ارادے کی کمزوری یعنی فقدان عزم انسانی طبائع میں بالعموم پائی جاتی ہے۔ یہ دونوں کمزوریاں شیطان کے وسوسوں میں پھنس جانے کا باعث ہوتی ہیں۔ اگر ان کمزوریوں میں اللہ سے بغاوت کا جذبہ اور اس کی نافرمانی کا عزم مصمم نہ ہو تو بھول اور ضعفِ ارادہ کی غلطی، عصمت و کمال نبوت کے منافی نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے بعد انسان فوراً نادم ہو کر اللہ سے توبہ کرتا ہے۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ اَبٰى ﴿۱۱۶﴾

اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کے لیے سجدہ کرو تو سب سجدے میں گر پڑے مگر ابلیس نے انکار کیا۔(۱۱۶)

ابلیس نے سجدہ کیوں نہیں کیا؟ فرشتوں نے اس کو اللہ کا معاملہ سمجھا، ابلیس نے انسان کا، اللہ کا معاملہ آئے تو انسان اطاعت کرے مگر انسان کا معاملہ آنے پر دیکھتا ہے کہ اگر اس سے طاقتور ہے تو اس کے سامنے جھک جائے گا اگر اس سے طاقتور نہیں ہے تو جھکنے سے انکار کردے گا۔

فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ﴿۱۱۷﴾

ہم نے فرمایا کہ آدم! یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے تو یہ کہیں تم دونوں کو جنت سے نکلوا نہ دے پھر تم تکلیف میں پڑ جاؤ۔(۱۱۷)

Scanned by CamScanner

لام کی تکرار اس بات کے اظہار کے لیے ہے کہ ابلیس کی دشمنی زوجۂ آدم سے بھی مستقل تھی۔ ضمناً وتبعاً نہ تھی۔

﴿فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا﴾ جنت سے خروج کو شقاوت سے تعبیر کیا گیا معلوم ہوا کہ سعادت کہیں ہے تو جنت میں ہے، باقی سب شقاوت ہے۔

﴿فَتَشْقَىٰ﴾ کہا فتشقيا نہیں کہا۔ قرطبی نے اس سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ بیوی کی ضروریات زندگی مرد کے ذمہ ہے۔ اس کے حصول میں مرد کو محنت کرنا ہے۔

إِنَّ لَكَ أَلَّا تَجُوعَ فِيهَا وَلَا تَعْرَىٰ ﴿١١٨﴾ وَأَنَّكَ لَا تَظْمَأُ فِيهَا وَلَا تَضْحَىٰ ﴿١١٩﴾

یہاں تم کو یہ (آسائش) ہوگی کہ نہ بھوکے رہو نہ ننگے۔ (۱۱۸) اور یہ کہ نہ پیاسے رہو اور نہ دھوپ کھاؤ۔ (۱۱۹)

بھوک اور بے لباسی دونوں میں معنوی مناسبت کی وجہ سے ایک جگہ لایا گیا۔ کیونکہ بھوک الم باطنی ہے اور بے لباسی الم ظاہری۔ اسی طرح پیاس نام ہے حرارت باطنی کا۔ اور دھوپ (آفتاب زدگی) نام ہے حرارت ظاہری کا۔ اس طرح جنت سے تمام آلام ظاہری و باطنی کی نفی کر دی گئی۔

﴿إِنَّ لَكَ أَلَّا تَجُوعَ﴾ وہ جو کھائیں گے بھوک مٹانے کے لیے نہیں، لطف لینے کے لیے۔ اسی وجہ سے جنتیوں کے کھانوں کے لیے کہیں فواکہ، کہیں ثمرات وغیرہ کہا گیا، اور جہنمیوں کے کھانوں کو طعام کہا گیا کہ وہ شدید بھوک میں ہوں گے۔

کھانا کپڑا اور مکان۔ عورت کا نفقہ جو مرد کے ذمہ سے ہے۔ یہی تین چیزیں ہیں۔

جنت میں بھوک نہیں لگے گی اس سے شبہ نہ کیا جائے کہ بھوک نہیں لگے گی تو کھانے میں لذت نہیں ملے گی۔ بھوک پیاس نہ لگنے کا مطلب ہے کہ بھوک پیاس کی تکلیف نہیں اٹھانی پڑے گی جو دل چاہے گا فوراً حاضر ہو جائے گا۔

فَوَسْوَسَ إِلَيْهِ الشَّيْطَانُ قَالَ يَا آدَمُ هَلْ أَدُلُّكَ عَلَىٰ شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلَىٰ ﴿١٢٠﴾

تو شیطان نے اُن کے دل میں وسوسہ ڈالا (اور) کہا کہ آدم! بھلا میں تمہیں (ایسا) درخت بتاؤں (جو) ہمیشہ کی زندگی کا (ثمرہ دے) اور (ایسی) بادشاہت کہ کبھی زائل نہ ہو۔ (۱۲۰)

﴿قَالَ يَا آدَمُ هَلْ أَدُلُّكَ﴾ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان نے آدم کو بہکایا اور دوسری جگہ ہے کہ دونوں کو بہکایا۔ اس سے نصاریٰ کے اس عقیدے کی تردید ہوتی ہے کہ شیطان نے پہلے عورت کو بہکایا۔ ترتولیان، مسیحیت کے ابتدائی دور کا امام گذرا ہے، وہ کہتا ہے کہ عورت شیطان کے آنے کا دروازہ ہے۔ وہ شجر ممنوع کی طرف لے جانے والی، اللہ کے قانون کو توڑنے والی اور اللہ کی تصویر مرد کو غارت کرنے والی ہے۔

﴿عَلَىٰ شَجَرَةِ الْخُلْدِ﴾ شیطان نے کہا اے آدم یہ درخت تمہیں خلود فی الجنۃ (جنت میں ہیشگی) عطا کرے گا۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ خود کھا لیتا۔ یہ دنیا نہ مانگتا۔ اس لیے کہ اس نے اللہ سے دعا کی ﴿أَنظِرْنِي إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ﴾ (سورۂ اعراف) اسی طرح بعض قبر پرست جانتے ہیں کہ صاحب قبر نفع اور نقصان نہیں پہنچا سکتا مگر وہ لوگوں کو یہ باور کراتے ہیں

کہ یہاں سے سب کچھ ملتا ہے۔ درحقیقت ایسے لوگ ابلیس کے چیلے ہیں۔

ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ﴿١٢٢﴾

پھران کے رب نے اُن کو نوازا تو اُن پر مہربانی سے توجہ فرمائی اور سیدھی راہ بتائی۔ (١٢٢)

﴿فَتَابَ عَلَيْهِ﴾ جب اللہ نے آدم کی توبہ قبول کرلی تو اس عیسائی پروپیگنڈے کی تردید ہوگئی کہ انسان پیدائشی گناہ گار ہے بائبل میں ہے ''کون ہے جو ناپاک سے پاک کو نکالے۔''

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ﴿١٢٤﴾

اور جو میری نصیحت سے منہ پھیرے گا اُس کی زندگی تنگ ہوجائے گی اور قیامت کو ہم اُسے اندھا کر کے اٹھائیں گے۔ (١٢٤)

اللہ کے ذکر سے اعراض کرنے والے کو اطمینان قلب میسر نہیں ہوتا۔ وہ ہمیشہ ٩٩ کے چکر میں رہتا ہے۔ آج کل دنیا پرستوں کا یہی حال ہے کہ بہت کچھ کمانے کے بعد بھی انھیں سکون دل میسر نہیں ہے۔ نیز جو اللہ کے ذکر سے اندھا پن اختیار کرتے ہیں۔ قیامت میں انھیں اندھا بنا کر اٹھایا جائے گا۔

﴿مَعِيْشَةً ضَنْكًا﴾ تنگی کا جینا۔ یہاں تنگی کا تعلق قلب سے ہے۔ آخرت سے بے خبر اور بے فکر ہو کر زندگی گذارنے اور قناعت وتوکل کے مفہوم سے ناآشنا رہنے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ انسان ساری عمر طلب مال وجاہ میں گذارتا ہے۔ اور اسے کبھی سکون دل حاصل نہیں ہوتا۔ بڑے بڑے دولت مندوں کی خودکشی کر لینے کے اخبار اسی تنگی قلب کے شواہد ہیں۔

فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ﴿١٣٠﴾

پس جو کچھ یہ بکواس کرتے ہیں اس پر صبر کرو اور سورج کے نکلنے سے پہلے اور اس کے غروب ہونے سے پہلے اپنے رب کی تسبیح وتحمید کیا کرو اور رات کی ساعات (اوّلین) میں بھی اُس کی تسبیح کیا کرو اور دن کے اطراف (یعنی دوپہر کے قریب ظہر کے وقت بھی) تاکہ تم خوش ہوجاؤ۔ (١٣٠)

﴿لَعَلَّكَ تَرْضٰى﴾ عارفین کے اعلیٰ مقامات میں سے ایک مقام ''رضا'' ہے اور اس تک پہنچنے کے دو راستے ہیں۔ (١) صبر جمیل (٢) اللہ کا ذکر کثیر۔

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿١٣١﴾

Scanned by CamScanner

اور کئی طرح کے لوگوں کو جو ہم نے دنیا کی زندگی میں آرائش کی چیزوں سے بہرہ مند کیا ہے تا کہ ان کی آزمائش کریں، ان پر نگاہ نہ کرنا اور تمہارے رب کی (عطا فرمائی ہوئی) روزی بہت بہتر اور باقی رہنے والی ہے۔(۱۳۱)

دنیا کو پھول سے تشبیہ دی گئی، دنیا کی عمر پھول جتنی ہے، آج ہرا ہے کل زرد ہو کر گر جاتا ہے۔

وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۭ لَا نَسْـَٔــلُكَ رِزْقًا ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ۝۱۳۲

اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کرو اور اس پر قائم رہو، ہم تم سے روزی کے طلبگار نہیں بلکہ تمہیں ہم روزی دیتے ہیں اور (نیک) انجام (اہلِ) تقویٰ کا ہے۔(۱۳۲)

نماز اور اس پر مداومت اور دعوت دین میں مشغول رہنا، رزق کے حصول کا ایک سبب ہے۔
﴿فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ﴾ (سورۂ مریم:) ایک درجہ غلامی کا عبدیت ہے۔ دوسرا درجہ اس غلامی پر قائم رہنے کا ہے۔ مطلب یہ کہ ایک مرتبہ نماز پڑھ لینا کافی نہیں بلکہ اس کی عبادت پر مداومت ضروری ہے۔
﴿وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا﴾ کے بعد ﴿لَا نَسْـَٔــلُكَ رِزْقًا ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكَ﴾ کیوں کہا۔
جواب: یہ ہے کہ عام طور پر نماز چھوڑنے کا سبب تلاش رزق ہی ہوتا ہے۔ انسان کی اس سطحی سوچ کا ازالہ کرنے کے لیے کہا گیا کہ تو نماز پڑھ، روزی ہم دیں گے۔ ہم تجھ سے روزی نہیں مانگ رہے، ہم تو خود تجھے روزی دے رہے ہیں۔ تیری نماز سے تیری روزی پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز رزق کی ضامن ہے۔

وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى ۝۱۳۴

اور اگر ہم ان کو پیغمبر (کے بھیجنے) سے پیشتر کسی عذاب سے ہلاک کر دیتے تو وہ کہتے کہ اے ہمارے رب! تو نے ہماری طرف کوئی پیغمبر کیوں نہ بھیجا؟ کہ ہم ذلیل اور رسوا ہونے سے پہلے تیرے کلام (واحکام) کی پیروی کرتے۔(۱۳۴)

﴿نَّذِلَّ وَنَخْزٰى﴾، ﴿نَذِلَّ﴾ (بے قدر اپنی نگاہوں میں) ﴿نَخْزٰى﴾ (رسوا دوسروں کی نگاہوں میں)
"خِزی" اور "ذلۃ" میں فرق۔ ذلت وہ ہے جس کا احساس ذلیل ہونے والا اپنے باطن میں کرتا ہے اور خِزیٌ (رسوائی) وہ ہے جو دوسروں کے سامنے ہوتی ہے۔

پارہ نمبر

۱۷

سورۃ الأنبياء

(آیت:۱)

تا

سورۃ الحج

(آیت:۷۸)

مُجمّع بلقیس للبحوث الإسلامیۃ
حیدر آباد الھند

Scanned by CamScanner

سترھواں پارہ

سورۃ الأنبیاء (مکیۃ)

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِىْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ①

لوگوں کا حساب (اعمال کا وقت) نزدیک آ پہنچا ہے اور وہ غفلت میں (پڑے اس سے) منہ پھیر رہے ہیں۔(۱)

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ سورۂ انبیاء کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس کا ایک نام سورۂ الذکر بھی ہے کیونکہ یا تو اس میں ان انبیاء تک پہنچنے کا ذکر ہے جن پر ذکر نازل ہوا یا ان لوگوں کا ذکر ہے جنھوں نے ذکر سے اعراض کیا، یہی وجہ ہے کہ دس مرتبہ اس سورہ میں ''ذکر'' کا لفظ آیا ہے۔

غفلت کے بعد اعراض۔ "غفلة" کا معنی۔ "الذهول عن الشئ"۔(چیز کا ذہن سے نکل جانا) ہے اور الناس سے مراد مشرکین ہیں اور اعراض، "صرف العقل عن الاشتغال بالشيئ" (کسی چیز میں مشغول ہونے سے عقل کو پھیر دینا) کو کہتے ہیں، گویا ان کی غفلت لاشعوری نہیں بلکہ شعوری ہے، وہ جان بوجھ کر ایسا کر رہے ہیں، اسی وجہ سے غافلون نہیں کہا بلکہ ﴿فِىْ غَفْلَةٍ﴾ کہا کہ وہ غفلت میں ڈوبے ہوئے ہیں کیونکہ لفظ ''فی'' ظرفیت کے لیے ہے۔

حساب سے تین چیزیں مراد ہیں:

(۱) روز جزاء

(۲) موت

(۳) گناہوں کی پکڑ کا وقت

وقت قیامت ہے کہ ہر روز انسان سے قریب تر ہوتا جا رہا ہے اور انسان ہے کہ اس کے لیے تیاریاں تو کیا کرتا اس خبر ہی کا اسے یقین نہیں ہے، آج یوروپ اور یورپ زدہ دنیا کے ملحدوں کا نقشہ غفلت اور اعراض کے لحاظ سے یہی ہے، ان کے علوم و

Scanned by CamScanner

فنون، ان کی تہذیب اوران کی معاشرت اس اعراض عقلی کو بڑھانے والی ہے۔ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ: یعنی منکروں کی غفلت، طبعی و اضطراری نہیں بلکہ ان کے ارادی اعراض سے پیدا ہوئی ہے، وقت حساب یعنی قیامت ہر لحہ قریب سے قریب تر ہو رہی ہے، نیز موت بجائے خود ایک قیامت ہے، مگر یہ لوگ دنیا کی زینتوں میں گم اور ایمان کے تقاضوں سے بے خبر ہیں، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ نوع انسانی اپنے دور کے آخری مرحلے میں داخل ہوگئی ہے۔

مَا يَأْتِيهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ ۝٢ لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ ۚ وَاَسَرُّوا النَّجْوَى ۖ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖ هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ۝٣

ان کے پاس کوئی نئی نصیحت ان کے رب کی طرف سے نہیں آتی مگر وہ اُسے کھیلتے ہوئے سنتے ہیں۔(۲) اُن کے دل غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اور ظالم لوگ (آپس میں) چپکے چپکے باتیں کرتے ہیں کہ یہ (شخص کچھ بھی) نہیں مگر تمہارے جیسا آدمی ہے تو تم آنکھوں دیکھتے جادو (کی لپیٹ) میں کیوں آتے ہو؟(۳)

﴿لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ﴾: نصیحت کو اِس کان سے سننا، اُس کان سے اُڑا دینا، آخرت فراموشی یہی ہے، محفل میلاد قائم ہوگی مگر یوم حساب کے تذکرے سے خالی۔

جب دعوت اسلام کا اثر پھیلنے لگا تو کفار مکہ نے مشورہ کیا کہ پروپیگنڈے کی ایک مہم شروع کی جائے، خاص طور سے وہ لوگ حج کے ایام میں لوگوں میں یہ بات پھیلاتے کہ یہاں ایک جادوگر ہے، اس کا کلام دیوانوں کی بڑ یا پریشاں خیالی کا مجموعہ ہے، یا یہ شاعر ہے، جم کر ایک جچی تلی رائے ظاہر نہ کرتے۔

نئی نصیحت آتی ہے تو مقصد بار بار یاددہانی ہے، وہ سنتے بھی تھے، مگر ان کا سننا نصیحت حاصل کرنے کا سننا نہ تھا بلکہ ﴿وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ﴾ ایک تو وہ تماشہ کرنے کے لیے سنتے تھے دوسرے ان کے دل غافل رہتے تھے۔

ایک عجیب نکتہ: يَلْعَبُوْنَ اور لَاهِيَةً سے معلوم ہوا کہ جب بھی کوئی دین کی بات بتائی جائے یا نصیحت کی جائے تو جسمانی اعتبار سے بھی آدمی کی ہیئت ایسی ہونی چاہیے کہ وہ اس کو بغور سن رہا ہو اور اس کا دل و دماغ دونوں متوجہ ہوں۔ قیامت سر پر کھڑی ہے اور لوگ اس کے لیے عمل کے ذریعے تیاری نہیں کر رہے ہیں۔

مشرکین کے تین شبہات:

(۱) یہ بشر ہے ﴿هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾

(۲) اس کا کلام جادو بلکہ جادو تو ایک نادر چیز ہے یہ کچھ خیالات پریشاں ہیں جن کو اس نے دلچسپ عبارتوں میں جمع کرلیا ہے۔

(۳) پہلے نبیوں کی طرح معجزات کیوں نہیں دکھاتا۔

Scanned by CamScanner

پہلے شبہ کا جواب: ﴿وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا قَبۡلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوۡحِیۡۤ اِلَیۡهِمۡ فَسۡـَٔلُوۡۤا اَهۡلَ الذِّكۡرِ اِنۡ كُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ﴾ سے دیا گیا کہ سارے رسول بشر تھے اور مرد تھے۔

دوسرے شبہ کا جواب: ﴿لَقَدۡ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡكُمۡ كِتٰبًا فِیۡهِ ذِكۡرُكُمۡ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ﴾ سے دیا گیا کہ غور کرو اس کتاب میں تمہارے لیے کیسی کیسی نصیحتیں اور تمہاری سعادت کے لیے کیسی کیسی باتیں ہیں، یہ جادو کیسے ہوسکتا ہے، کیا تمہارے پاس عقل نہیں؟

تیسرے شبہ کا جواب: ﴿مَاۤ اٰمَنَتۡ قَبۡلَهُمۡ مِّنۡ قَرۡیَةٍ اَهۡلَكۡنٰهَا ۚ اَفَهُمۡ یُؤۡمِنُوۡنَ﴾ سے دیا گیا۔ کہ بستیوں نے اپنے رسول سے وعدہ کر لیا تھا کہ معجزہ دکھا دو ایمان لے آئیں گے مگر ایمان نہیں لائے تو انہیں ہلاک کر دیا گیا۔ جیسے قوم صالح۔

دشمن کی گواہی:

﴿فَسۡـَٔلُوۡۤا اَهۡلَ الذِّكۡرِ اِنۡ كُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ﴾ اس آیت سے بعض حضرات نے تقلید کا اثبات کیا ہے۔ حالانکہ یہاں اہل ذکر سے مراد اہل کتاب ہیں جو تورات اور انجیل کا علم رکھتے ہیں، کہا جا رہا ہے ان سے پوچھو کہ پچھلے انبیاء جو ہو گذرے ہیں وہ Human تھے یا Superhuman یعنی وہ بشر تھے یا فوق البشر؟ تو وہ تمہیں بتلائیں گے کہ وہ انسان تھے۔

اور تقلید تو یہ ہے کہ ایک معین شخص اور اس کی طرف منسوب فقہ کو مرجع بنا لیا جائے اور اسی پر عمل کیا جائے دوسرے یہ کہ بلا دلیل اس کی بات تسلیم کی جائے جب کہ اولاً تو اس آیت میں کوئی ایک متعین شخص نہیں ہے اس سے تقلید کی نفی ہوتی ہے نہ کہ اثبات، علاوہ ازیں تورات وانجیل آسمانی کتابیں تھیں نہ کہ انسانوں کی خود ساختہ فقہ اور اَهۡلَ الذِّكۡرِ عام ہے، آپ کو کس نے اجازت دی کہ عام کو خاص کریں یا جمع کو واحد بنائیں، تقلید اور اتباع میں فرق یہ ہے کہ فلاں عالم کے محض قول وعمل کو بلا دلیل ماننے کا دعویٰ کرنے والا مقلد ہے اور اگر اپنی سمجھ کے مطابق دلیل کا طالب ہو تو وہ متبع ہے۔

انبیاء کی بشریت کی دلیل دی جا رہی ہے ﴿وَمَا جَعَلۡنٰهُمۡ جَسَدًا لَّا یَاۡكُلُوۡنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوۡا خٰلِدِیۡنَ﴾ ان کو ایسے جسم ملے تھے جو کھانے پینے کی ضرورت سے مستغنی نہ تھے اور نہ وہ زندہ جاوید ہو کر آئے تھے۔ اس سے اس خیال کی بھی تردید ہوتی ہے کہ خضر ہمیشہ کے لیے زندہ ہیں۔

لَقَدۡ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡكُمۡ كِتٰبًا فِیۡهِ ذِكۡرُكُمۡ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۰﴾

ہم نے تمہاری طرف ایسی کتاب نازل کی ہے جس میں تمہارا تذکرہ ہے کیا تم نہیں سمجھتے؟ (۱۰)

عَنِ ابْنِ شَوْذَبٍ، قَالَ: قَالَ الأَحْنَفِ بْنِ قَيْسٍ "عَرَضْتُ نَفْسِي عَلَى الْقُرْآنِ فَلَمْ أَجِدْنِي بِآيَةٍ أَشْبَهُ مِنِّي بِهَذِهِ

Scanned by CamScanner

الْآيَة ﴿وَآخَرُونَ اعْتَرَفُوا بِذُنُوبِهِمْ خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَآخَرَ سَيِّئًا﴾ (تفسیر ابن ابی حاتم)
وَعَنِ الْأَحْنَفِ بْنِ قَيْسٍ أَنَّهُ كَانَ جَالِسًا يَوْمًا فَعَرَضَتْ لَهُ هَذِهِ الْآيَةُ: ﴿لَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ كِتَابًا فِيهِ ذِكْرُكُمْ أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾ (الأنبياء: ۱۰). فَانْتَبَهَ فَقَالَ: عَلَيَّ بِالْمُصْحَفِ، لِأَلْتَمِسَ ذِكْرِي الْيَوْمَ حَتَّى أَعْلَمَ مَعَ مَنْ أَنَا وَمَنْ أُشْبِهُ، فَنَشَرَ الْمُصْحَفَ فَمَرَّ بِقَوْمٍ ﴿كَانُوا قَلِيلًا مِنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ، وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ، وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ﴾ (الذاريات: ۱۸)، وَمَرَّ بِقَوْمٍ: ﴿تَتَجَافَى جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ﴾ (السجدة: ۱۶). وَمَرَّ بِقَوْمٍ: ﴿يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَقِيَامًا﴾ (الفرقان: ۶۴). وَمَرَّ بِقَوْمٍ: ﴿يُنْفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾ (آل عمران: ۱۳۴). وَمَرَّ بِقَوْمٍ: ﴿يُؤْثِرُونَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ (الحشر: ۹). وَمَرَّ بِقَوْمٍ: ﴿يَجْتَنِبُونَ كَبَائِرَ الْإِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَإِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ﴾ (الشورى: ۳۷)، ﴿وَالَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَمْرُهُمْ شُورَى بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ﴾ (الشورى: ۳۸). قَالَ: فَوَقَفَ ثُمَّ قَالَ: اللَّهُمَّ لَسْتُ أَعْرِفُ نَفْسِي هَهُنَا ثُمَّ أَخَذَ فِي السَّبِيلِ الْآخَرِ. فَمَرَّ بِقَوْمٍ: ﴿إِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ يَسْتَكْبِرُونَ وَيَقُولُونَ أَئِنَّا لَتَارِكُوا آلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَجْنُونٍ﴾ (الصافات: ۳۵). وَمَرَّ بِقَوْمٍ: ﴿إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ قُلُوبُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَإِذَا ذُكِرَ الَّذِينَ مِنْ دُونِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ﴾ (الزمر: ۴۵) وَمَرَّ بِقَوْمٍ يُقَالُ لَهُمْ ﴿مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِينَ وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْخَائِضِينَ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّينِ حَتَّى أَتَانَا الْيَقِينُ﴾ (المدثر: ۴۲). قَالَ فَوَقَفَ ثُمَّ قَالَ: اللَّهُمَّ إِنِّي أَبْرَأُ إِلَيْكَ مِنْ هَؤُلَاءِ. قَالَ: فَمَا زَالَ يُقَلِّبُ الْوَرَقَ وَيَلْتَمِسُ حَتَّى وَقَعَ عَلَى هَذِهِ الْآيَةِ: ﴿وَآخَرُونَ اعْتَرَفُوا بِذُنُوبِهِمْ خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَآخَرَ سَيِّئًا عَسَى اللَّهُ أَنْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ (التوبة: ۱۰۲) فَقَالَ: اللَّهُمَّ هَؤُلَاءِ (قيام الليل لمحمد بن نصر المروزی)

احنف بن قیس رضی اللہ عنہ نے جب آیت ﴿لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ﴾ پڑھی تو کہنے لگے کہ میرے پاس قرآن لاؤ تا کہ میں آج اپنا ذکر ڈھونڈوں تا کہ مجھے معلوم ہو کہ میں کن کے ساتھ ہوں، اور کن کے مشابہ ہوں، وہ برابر ورق پلٹتے رہے، یہاں تک کہ جب وہ اس آیت ﴿وَآخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّآخَرَ سَيِّئًا عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ پر پہنچے تو فوراً چلّا پڑے اور کہا کہ میں انہیں میں سے ہوں۔ گویا قرآن میں آدمی اپنے آپ کو دیکھ کر سمجھ سکتا ہے کہ میں کیا ہوں؟ اور کن کے ساتھ ہوں؟

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ﴿١٦﴾

اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو (مخلوقات) ان دونوں کے درمیان ہے اس کو لہو ولعب کے لیے پیدا نہیں کیا۔(۱۶)

چیزیں آپ ہی آپ پیدا ہوتی ہیں اور مٹ جاتی ہیں، ایسا نہیں ہے، بلکہ ان کا ایک خالق ہے اور کوئی چیز عبث بھی نہیں ہے بلکہ ہر ایک کی غایت ہے، اگر کوئی چیز اپنا مقصد پورا نہ کرے تو نکمّی مانی جاتی ہے، جیسے شاخ نکمّی ہو تو اسے کاٹ دیا جاتا ہے۔ تاکہ اس کی جگہ نئی شاخ پھوٹے۔

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۚ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُونَ ﴿١٨﴾

(نہیں) بلکہ ہم سچ کو جھوٹ پر کھینچ مارتے ہیں تو وہ اس کا سر توڑ دیتا ہے اور جھوٹ اسی وقت نابود ہو جاتا ہے اور جو باتیں تم بناتے ہو ان سے تمہاری ہی خرابی ہے۔(۱۸)

باطل کو مٹی کے خام برتن سے اور حق کو سخت پتھر سے تشبیہ دی گئی۔

وَلَهُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَمَنْ عِنْدَهُ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَلَا يَسْتَحْسِرُونَ ﴿١٩﴾

اور جو لوگ آسمانوں میں اور جو زمین میں ہیں سب اُسی کے (مملوک اور اُسی کا مال) ہیں اور جو (فرشتے) اُس کے پاس ہیں وہ اُس کی عبادت سے نہ تکبر کرتے ہیں اور نہ اکتاتے ہیں۔(۱۹)

﴿وَلَا يَسْتَحْسِرُونَ﴾ لفظ "استحسار" سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی تھکنے کے ہیں، یعنی اللہ کی عبادت گو ثقیل ہے اور دوامِ عبادت بہت دشوار ہے، ملائکہ مقربین کو اس سے تھک جانا چاہئے لیکن وہ تھکتے نہیں کیونکہ انہیں عبادت میں لذت ملتی ہے۔

أَمِ اتَّخَذُوا آلِهَةً مِنَ الْأَرْضِ هُمْ يُنْشِرُونَ ﴿٢١﴾

بھلا لوگوں نے جو زمین کی چیزوں سے (بعض کو) معبود بنا لیا ہے (تو کیا) وہ اُن کو (مرنے کے بعد) اٹھا کھڑا کریں گے؟(۲۱)

﴿أَمِ اتَّخَذُوا آلِهَةً مِنَ الْأَرْضِ هُمْ يُنْشِرُونَ﴾

گاؤ ماتا، گنگا میا، اور ناگ دیوتا۔ یہ معبود نہیں ہو سکتے۔

Scanned by CamScanner

لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۲۲﴾

اگر آسمان اور زمین میں اللہ کے سوا اور معبود ہوتے تو زمین و آسمان درہم برہم ہو جاتے جو باتیں یہ لوگ بتاتے ہیں اللہ مالک عرش ان سے پاک ہے۔ (۲۲)

یہ توحید پر ایک دلیل سادہ بھی ہے اور ناقابل تردید بھی، متکلمین نے اس کا نام برہان تمانع رکھا ہے، یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے ہر ایک کو واسطہ پڑتا ہے، ایک ملک میں دو بادشاہ نہیں ہو سکتے اسی طرح ایک اسکول میں دو ہیڈ ماسٹر ایک ہی قسم کے اختیارات میں شریک ہو جائیں تو اقتدار کی خاموش جنگ چھڑ جاتی ہے جو کہ اسکول کی تباہی پر منتج ہوتی ہے۔ لہٰذا اس کائنات کے دو معبود کیسے ہو سکتے ہیں؟ کائنات کا نظم و نسق ہی اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا کوئی منتظم ہے اور وہ ایک ہے۔ نیز اس دلیل سے دہریت کا رد بھی ہو گیا کہ اگر یہ کائنات بغیر اللہ کے ہوتی تو یہ کارخانہ اتنی باقاعدگی کے ساتھ کیسے چل سکتا تھا؟

دلیل عادی: دو معبود ہوں اور دونوں مختار ہوں تو دونوں کے احکام پورے پورے زمین و آسمان میں نافذ ہونے چاہئیں، اور عادۃً یہ ممکن نہیں کہ جو ایک حکم دے دوسرا بھی دے، اختلاف رائے ناگزیر ہے اور احکام مختلف ہوئے تو نتیجہ فساد کے سوا کیا ہے؟ جیسے ایک چاہتا کہ دن ہو اور دوسرا چاہتا کہ رات ہو، ایک چاہتا کہ بارش ہو دوسرا چاہتا کہ دھوپ ہو، تو دو متضاد احکام کیسے جاری ہوں گے؟ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ایک غالب اور دوسرا مغلوب ہو گا اور جو مغلوب ہو گیا وہ مختار نہ ہوا۔ اور اگر دونوں ایک دوسرے کے مشورے سے احکام جاری کریں تو اس سے لازم آتا ہے کہ دونوں ناقص ہیں۔

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ۭ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ۚ هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِيَ وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِيْ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۙ الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۴﴾

کیا لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اور معبود بنا لئے ہیں؟ کہہ دیجئے کہ (اس بات پر) اپنی دلیل پیش کرو، یہ (میری اور) میرے ساتھ والوں کی کتاب بھی ہے اور جو مجھ سے پہلے (پیغمبر) ہوئے ہیں اُن کی کتابیں بھی ہیں بلکہ (بات یہ ہے کہ) ان میں اکثر حق بات کو نہیں جانتے اور اس لئے اُس سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ (۲۴)

﴿اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً﴾ ﴿قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ﴾ اللہ کے سوا کوئی اور معبود ہے، اس پر کوئی دلیل موجود نہیں۔ یہ صرف تعصب ہے۔

﴿ذِكْرُ مَنْ مَّعِيَ﴾ سے قرآن اور ﴿وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِيْ﴾ سے سابقہ کتب آسمانی مراد ہیں۔ اس سے دوسرے مذاہب کی کتابوں کو بطور دلیل پیش کرنے کا جواز ثابت ہوا۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴿۲۵﴾

Scanned by CamScanner

اور جو پیغمبر ہم نے آپ سے پہلے بھیجے ان کی طرف یہی وحی بھیجی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں تو میری ہی عبادت کرو۔(۲۵)

تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت کا نقطۂ آغاز، نقطۂ وسط اور نقطۂ اختتام توحید ہی تھا۔

لَا یَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ یَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾

اس کے آگے بڑھ کر بول نہیں سکتے اور اس کے حکم پر عمل کرتے ہیں (۲۷)

وہ (فرشتے) اللہ سے آگے بڑھ کر بات نہیں کرتے اور اللہ کے حکم کے خلاف کچھ نہیں کرتے۔

یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا یَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْیَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ﴿۲۸﴾

جو کچھ ان کے آگے ہو چکا ہے اور جو پیچھے ہوگا وہ سب سے واقف ہے اور وہ (اس کے پاس کسی کی) سفارش نہیں کر سکتے مگر اُس شخص کی جس سے اللہ خوش ہو اور وہ اُس کی ہیبت سے ڈرتے رہتے ہیں۔(۲۸)

یہاں شفاعت کے مشرکانہ عقیدے کی تردید کرتے ہوئے اس حقیقت پر زور دیا گیا کہ جنہیں تم شفیع قرار دیتے ہو وہ علم غیب نہیں رکھتے یعنی وہ انسان کے اگلے پچھلے پوشیدہ و ظاہر حالات سے واقف نہیں، تو انہیں سفارش کا غیر مشروط اختیار کیسے حاصل ہو گیا، انبیاء و صالحین میں سے ہر ایک کی شفاعت لازماً اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ اللہ ان کو کسی کے حق میں سفارش کی اجازت دے اور جب شفاعت کا سننا نہ سننا، قبول کرنا نہ کرنا، اللہ کی مرضی پر موقوف ہے تو "بے اختیار شفیع" اس قابل کیسے ہو سکتے ہیں کہ ان کے سامنے سر نیاز کو جھکایا جائے اور ان کے سامنے دست سوال دراز کیا جائے۔

﴿وَلَا یَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى﴾ اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء و صالحین کے علاوہ فرشتے بھی سفارش کریں گے۔

شفاعت کے لیے شرائط:

(۱) ﴿لِمَنِ ارْتَضٰى﴾ اس سے اللہ راضی ہو۔

(۲) شفیع کے لیے اذن ہو۔ ﴿الا باذنه﴾

(۳) مثیل شفیع ہو۔ جیسے آم، آم کا مثیل ہے۔ آم، جوتی کا مثیل نہیں، شفاعت کے عقیدے میں دنیا بڑی افراط و تفریط میں مبتلا رہی ہے، مسیحیوں کو تو یہ عقیدہ لے ڈوبا۔

وَمَنْ یَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّیْۤ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِیْهِ جَهَنَّمَ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۹﴾

Scanned by CamScanner

اور جو شخص ان میں سے یہ کہے کہ اللہ کے سوا میں معبود ہوں تو اُسے ہم دوزخ کی سزا دیں گے اور ظالموں کو ہم ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔(۲۹)

یعنی کوئی فرشتہ بھی الہ ہونے کا دعویٰ کرے تو ہم اسے بھی جہنم میں جھونک دیں گے۔

اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ۭ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۭ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۰﴾

کیا کافروں نے نہیں دیکھا کہ آسمان اور زمین دونوں ملے ہوئے تھے تو ہم نے اُن کو جدا جدا کر دیا اور تمام جاندار چیزیں ہم نے پانی سے بنائیں پھر یہ لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے؟(۳۰)

کائنات پہلے ایک Gassins Mass کی شکل میں تھی ایک دھماکے کے ذریعے زمین و آسمان الگ ہو گئے جسے Big Bang سے موسوم کیا جاتا ہے۔ Arnopenzias اور رابرٹ ولسن انہی دونوں نے ۱۹۶۵ء میں اس نظریے کی تصدیق کی، لیکن سائنس یہ نہیں جانتی کہ دھماکا کیسے ہوا؟ اس کے پیچھے کون سی ہستی تھی؟ یا کون سا عامل کارفرما تھا؟ اس کا جواب رَتْقًا (منضم الاجزاء) سے دیا گیا۔ جسے انگلش میں Joint Entity کہا جاتا ہے۔ یوں کہہ سکتے ہیں:

We opened them (ہم نے ان کو کھول دیا)

We unstiched (ہم نے ٹانکے کھول دیئے)

We seperated (ہم نے الگ کر دیا)

We cloved them (ہم نے ان میں شگاف پیدا کر دیا)

One single extreamly hot and dense point that expolded and brought about the begining of the universe. (ایک واحد انتہائی گرم اور کثیف نقطہ جو پھٹا اور کائنات وجود میں آ گئی)

عَنْ عكرمة قال سئل بن عَبَّاسٍ أَكَانَ اللَّيْلُ قَبْلُ أَوِ النهار فقرأ۔ اولم یر الذين كفروا أن السماوات والأرض كانتا رتقا ففتقناهما ثُمَّ قَالَ هَلْ كَانَ بَيْنَهُمَا إِلَّا ظُلْمَةٌ ذَلِكَ لِيَعْلَمُوا أَنَّ الليل قبل النهار؟

(تفسیر سفیان ثوری)

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا کہ رات پہلے ہے یا دن؟ تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسی آیت کی روشنی میں جواب دیا کہ جب آسمان و زمین ملے ہوئے تھے تو ان کے درمیان تاریکی ہی تو تھی، یعنی رات دن سے پہلے ہے۔

اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ۭ وَجَعَلْنَا مِنَ

الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۖ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ ﴿٣٠﴾

کیا کافروں نے نہیں دیکھا کہ آسمان اور زمین دونوں ملے ہوئے تھے تو ہم نے اُن کو جدا جدا کر دیا اور تمام جاندار چیزیں ہم نے پانی سے بنائیں پھر یہ لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے؟ (۳۰)

﴿وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ﴾ زندگی اور قوت حیات میں ایک باریک فرق ہوتا ہے۔ زندگی وائرس اور بیکٹیریا کے ساکت اور محرک حالت سے عبارت ہے جب کہ قوت حیات (Vitality) کا مطلب صرف اس کی محرک حالت ہے۔ حیات کی بنیادی اکائی ایک مالیکیول ہے جسے DNA کہتے ہیں۔ قوت حیات اسی سالمے میں ہوتی ہے، اگر یہ سالمہ پانی سے پیدا ہوتا تو آیت اس طرح ہوتی "وخلقنا من الماء کل شیءحی" اس سالمے کو پانی سے جس میں ہائیڈروجن ہوتا ہے زندگی ملتی ہے، بیکٹیریا اسی سے حرکت پذیر ہو کر عمل میں لگ جاتا ہے اور یہ چارجنگ (Charging) خلیاتی لیب "مائٹوکونڈریا" میں ہوتی ہے، کائنات کے اجزاء ایک تھے ورنہ ان میں ہم آہنگی نہ پائی جاتی۔

خُلِقَ الْإِنسَانُ مِنْ عَجَلٍ ۚ سَأُورِيكُمْ آيَاتِي فَلَا تَسْتَعْجِلُونِ ﴿٣٧﴾

انسان (کچھ ایسا جلد باز ہے کہ گویا) جلد بازی ہی سے بنایا ہے۔ میں تم لوگوں کو عنقریب اپنی نشانیاں دکھاؤں گا تو تم جلدی نہ کرو۔ (۳۷)

آدمی طبعاً اتنا عجلت پسند واقع ہوا ہے اور ہر چیز کے نتیجے کو اتنی جلدی طلب کرتا ہے گویا اس کی تخلیق ہی عجلت کے مادے سے ہوئی ہے۔

أَمْ لَهُمْ آلِهَةٌ تَمْنَعُهُم مِّن دُونِنَا ۚ لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَ أَنفُسِهِمْ وَلَا هُم مِّنَّا يُصْحَبُونَ ﴿٤٣﴾

کیا ہمارے سوا ان کے اور معبود ہیں؟ کہ ان کو (مصائب سے) بچا سکیں وہ آپ اپنی مدد تو کر ہی نہیں سکتے اور نہ ہم سے پناہ ہی دیئے جائیں گے۔ (۴۳)

جن معبودان باطلہ کو انہوں نے سہارا بنا رکھا ہے یہ خود اپنی مدد نہیں کر سکتے۔

وَلَئِن مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُولُنَّ يَا وَيْلَنَا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ﴿٤٦﴾

اور اگر ان کو تمہارے رب کا تھوڑا سا عذاب بھی پہنچے تو کہنے لگیں کہ ہائے کمبختی! ہم بیشک ستمگر تھے۔ (۴۶)

﴿نَفْحَةٌ﴾ .نَفحتِ الدابۃ برِجلھا (گھوڑے نے اپنی ٹانگ ماری) سے ماخوذ ہے، لغوی اعتبار سے نفحۃ خوشبو کی

Scanned by CamScanner

لپٹ کو کہتے ہیں، یعنی نفحہ کا مطلب ہوا ایک ادنیٰ جھونکا یا ذرا سی لپٹ، کہ بڑا عذاب آنا اور مکمل عذاب میں مبتلا ہونا تو درکنار ہمارے عذاب کی ایک ادنیٰ سی لپٹ ان کو چھو بھی جائے تو موت کو پکارنے لگیں اور اپنے ظالم ہونے کا اقرار کرنے لگیں۔ اور اپنی کارستانیوں کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو جائیں۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۸﴾

اور ہم نے موسیٰ اور ہارون کو (ہدایت اور گمراہی میں) فرق کر دینے والی اور (سرتاپا) روشنی اور نصیحت (کی کتاب) عطا کی (یعنی) پرہیزگاروں کیلئے۔ (۴۸)

یہاں سے متعدد انبیاء کرام کے واقعات بیان کئے جا رہے ہیں، مقصود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینی ہے کہ جن لوگوں نے انبیاء کی دعوت کو ٹھکرایا انہیں ہلاک کر دیا گیا، اور انبیاء اور ان کے ساتھیوں کو بچا لیا گیا لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اطمینان رکھیں، غلبہ آپ ہی کو ہوگا اور مخالفین کو منہ کی کھانی پڑے گی۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ﴿۵۱﴾

اور ہم نے ابراہیم کو پہلے ہی سے ہدایت دی تھی اور ہم اُن (کے حال) سے واقف تھے۔ (۵۱)

"رَشَد" اور "رُشْد" میں فرق: "رَشَد" دینی امور میں آتا ہے۔ "رُشْد" دینی دنیوی دونوں امور میں آتا ہے۔
تمثال: کسی چیز کی ہوبہو نقل یا تصویر، یہ تصویریں پیر پرستوں کے یہاں عام ہیں، مکانوں اور دوکانوں میں بطور تبرک آویزاں کی جاتی ہیں۔

وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۵۷﴾

اور اللہ کی قسم جب تم پیٹھ پھیر کر چلے جاؤ گے تو میں تمہارے بتوں سے ایک چال چلوں گا۔ (۵۷)

کہ ایک تدبیر ابراہیم علیہ السلام نے کی اور ایک تدبیر کفار نے کی مگر قوم ہار گئی، ابراہیم علیہ السلام جیت گئے لہٰذا نقصان اور خسارہ ان کی قوم نے اٹھایا۔

قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۳﴾

(ابراہیم علیہ السلام نے) کہا (نہیں) بلکہ یہ ان کے اس بڑے (بت) نے کیا (ہوگا) اگر یہ بولتے ہوں تو ان سے پوچھ لو۔ (۶۳)

جیسے کوئی والد اپنے بچوں سے پوچھتا ہے گلاس کس نے توڑا؟ کوئی بچہ جواب نہیں دیتا تو والد کہتا ہے غالباً یہ فرشتوں نے توڑا

Scanned by CamScanner

ہے، ظاہری صورت میں یہ جھوٹ ہے مگر حقیقت میں جھوٹ نہیں کیونکہ سننے والے بھی یقین نہیں کرتے کہ فرشتوں نے توڑا ہے۔ کہنے والے کے دل میں یقین ہے کہ بچوں ہی میں سے کسی نے توڑا ہے، مگر انہیں احساس دلانے کے لیے کہتا ہے کہ آخر تم ہی میں سے کسی نے توڑا ہے جواب تو دو، ظاہر میں یہ جھوٹ ہے مگر حقیقت میں توحید سمجھانے کا ایک اسلوب ہے، بڑے بت کی گردن میں کلہاڑی ڈال دیا اس کو توڑا نہیں، تاکہ اشارہ ہو کہ بڑے بت نے غیرت میں آکر چھوٹے چھوٹے بتوں کو توڑ دیا کہ بڑے کے رہتے ہوئے چھوٹوں کی عبادت کی جارہی ہے۔

مگر سورۂ صافات میں ﴿قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ فِي الْجَحِيْمِ.فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ﴾ (صافات:۹۸) کہا، ایک عمارت بنا کر اوپر سے نیچے ابراہیم علیہ السلام کو پھینک کر ذلیل کرنا چاہتے تھے مگر اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کو بچالیا اور قوم ذلیل اور اسفل ہوئی۔

﴿قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا﴾

''توریہ'' اور ''تقیہ'' میں فرق:

ایسے الفاظ بولے جائیں جن کے دو مفہوم ہوں اور سننے والا ایک مفہوم سمجھے اور بولنے والے کی نیت، دوسرا مفہوم ہو، ظلم سے بچنے کے لیے یہ جائز ہے، اسے ''توریہ'' کہتے ہیں، یہ تقیہ سے بالکل مختلف ہے۔ ''تقیہ'' میں صریح جھوٹ ہوتا ہے، مگر توریہ میں لفظ کو جس معنی سے متکلم بول رہا ہے وہ سچ ہوتا ہے جیسے اسلامی برادری کے لحاظ سے سب بھائی بہن ہوتے ہیں، اور سقیم کے معنی بیمار، رنجیدہ اور غمگین کے بھی آتے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے جب ان کو جھوٹا نہیں کہا تو ہم کیوں جھوٹا قرار دیں مخالفوں نے جھوٹ کا الزام نہ لگایا اگر وہ جھوٹ سمجھتے تو بڑی آسانی سے وہ ابراہیم علیہ السلام کو جھوٹا قرار دے سکتے تھے۔

کلام ظاہری طور پر کذب ہونے کے باوجود حقیقتاً کذب نہ ہو۔ کسی کام کے دو پہلو ہو سکتے ہیں، ''من وجہ استحسان'' اور من وجہِ ظاہری قباحت کا پہلو، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول ظاہری طور پر کذب ہے کیونکہ واقعے کے خلاف تھا، بتوں کو انہوں نے خود توڑا تھا، لیکن اس کا انتساب بڑے بت کی طرف کیا قیامت میں ابراہیم علیہ السلام، اللہ کی عظمت وجلال کی وجہ سے اتنے خائف ہوں گے کہ یہ باتیں جھوٹ سے ظاہری مماثلت کی وجہ سے قابل گرفت نظر آئیں گی۔

قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿۶۸﴾

(تب وہ) کہنے لگے کہ اگر تمہیں (اس سے اپنے معبودوں کا انتقام لینا اور) کچھ کرنا ہے تو اس کو جلا دو اور اپنے معبودوں کی مدد کرو۔ (۶۸)

اپنے معبودوں کے لیے غیرت مند، اللہ کے لیے بے غیرت، حق کے خلاف ہمیشہ آستین چڑھائے رہتے ہیں، اگر اللہ کو کوئی گالی دے تو ان میں کوئی حرکت پیدا نہیں ہوتی، لیکن بتوں کے خلاف ایک لفظ سننا پسند نہیں کرتے۔

Scanned by CamScanner

وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِي الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ﴿۷۸﴾

اور داؤد اور سلیمان (کا حال بھی سن لو کہ) جب وہ ایک کھیتی کا مقدمہ فیصل کرنے لگے جس میں کچھ لوگوں کی بکریاں رات کو چر گئیں (اور اُسے روند گئی) تھیں اور ہم ان کے فیصلے کے وقت موجود تھے۔(۷۸)

نفش: ابن السکیت رحمہ اللہ نے کہا کہ رات میں بکریوں کے ازخود چرنے کو نفش کہتے ہیں۔

فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا ۫ وَّسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ۭ وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۷۹﴾

تو ہم نے فیصلہ (کرنے کا طریقہ) سلیمان کو سمجھا دیا اور ہم نے دونوں کو حکم (یعنی حکمت ونبوت) اور علم بخشا تھا اور ہم نے پہاڑوں کو داود کا مسخر کر دیا تھا کہ ان کیساتھ تسبیح کرتے تھے اور جانوروں کو بھی (مسخر کر دیا تھا اور ہم ہی ایسا) کرنے والے تھے۔(۷۹)

سلیمان و داؤد علیہما السلام:

سلیمان علیہ السلام بیٹے ہیں اور داؤد علیہ السلام باپ ہیں، دو شخصیتیں ہوں اور دونوں فضیلت والی ہوں اور کسی ایک کی کوئی خاص فضیلت بیان کرنی ہو تو اس طرح نہ کی جائے کہ دوسرے کی تنقیص ہو، بکری کے چرواہے کے معاملے میں جو فہم سلیمان علیہ السلام کو عطا کی گئی تھی، وہ داؤد علیہ السلام کو نہ تھی ﴿ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ﴾ کہا اور اس کے بعد ﴿ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا ﴾ کہا تاکہ داؤد علیہ السلام کی تحقیر نہ ہو۔

داؤد علیہ السلام نبی تھے اور حکمراں بھی، آپ کی عدالت میں ایک کسان نے مقدمہ دائر کیا کہ رات میں فلاں شخص کی بکریاں اس کے کھیت میں جا گھسیں اور اس کی کھیتی چر چگ گئیں۔ داؤد علیہ السلام نے فیصلہ کیا کہ بکریاں کھیت والے کو دیدی جائیں۔ سلیمان علیہ السلام نے اس فیصلہ سے اختلاف کیا اور فیصلہ دیا کہ بکریاں کھیتی والے کو دیدی جائیں وہ ان سے انتفاع کرے اور کھیت بکری والے کو دیدیا جائے کہ کھیتی کی اصلاح کرے جب کھیت اس حالت میں آجائے جیسا بکریوں کے چرنے سے پہلے تھا تو کھیت والے کو کھیتی اور بکری والے کو بکریاں دیدی جائیں، معلوم ہوا کہ مجتہد سے غلطی ہوسکتی ہے اور اجتہاد کا ضعف اور غلطی واضح ہوجانے کے بعد مجتہد کو اپنا فیصلہ بدل دینا چاہیے، دلیل قوی کی بنا پر بڑے کی رائے کو چھوڑ کر فروتر کی رائے قبول کر لی جائے۔

کیا داؤد علیہ السلام کا فیصلہ غلط تھا؟ جب کہ اللہ تعالیٰ نے داؤد اور سلیمان علیہ السلام دونوں کی سمجھ کی تعریف فرمائی ہے۔

جواب: نہیں! درحقیقت فیصلے تین طریقے کے ہوتے ہیں:

Scanned by CamScanner

(۱)خوب

(۲)خوب تر

(۳)خوب ترین۔

داؤدعلیہ السلام کا فیصلہ خوب تر تھااور سلیمان علیہ السلام کا فیصلہ خوب ترین تھا۔

اس فیصلے کے تین عناصر تھے:

داؤدعلیہ السلام:

(۱)چرواہے کی لاپرواہی کی سزا۔

(۲)مدعی کے نقصان کی تلافی

(۳)فوری فیصلہ کیونکہ کبھی کبھی حالات فوری فیصلے(Quick Decision) کا تقاضا کرتے ہیں،لیکن اس میں ایک خلش رہتی ہے کہ تھوڑااور وقت مل جاتا تو فیصلہ اس سے اچھا کیا جا سکتا تھا، یہ فیصلہ خوب تر تھا۔

سلیمان علیہ السلام:

(۱)چرواہے کی لاپرواہی کی سزا۔

(۲)مدعی کے نقصان کی تلافی کے ساتھ ساتھ چرواہے کا بھی نقصان نہ ہو۔

(۳)فیصلے میں زیادہ تاخیر نہ ہو۔ یہ خوب ترین تھا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: ”خَرَجَتِ امْرَأَتَانِ وَمَعَهُمَا صَبِيَّانِ، فَعَدَا الذِّئْبُ عَلَى أَحَدِهِمَا، فَأَخَذَتَا تَخْتَصِمَانِ فِي الصَّبِيِّ الْبَاقِي، فَاخْتَصَمَتَا إِلَى دَاوُدَ، فَقَضَى بِهِ لِلْكُبْرَى مِنْهُمَا، فَمَرَّتَا عَلَى سُلَيْمَانَ النَّبِيِّ، فَقَالَ: فَكَيْفَ أَمَرَكُمَا؟ فَقَصَّتَا عَلَيْهِ الْقِصَّةَ، فَقَالَ: ائْتُونِي بِالسِّكِّينِ أَشُقُّ الْغُلَامَ بَيْنَكُمَا، فَقَالَتِ الصُّغْرَى: أَتَشُقُّهُ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَتْ: لَا تَفْعَلْ حَظِّي مِنْهُ لَهَا، فَقَالَ: هُوَ ابْنُكِ، فَقَضَى بِهِ لَهَا“ (مسند احمد: ۸۴۸۰، صحیح)

روایت ہے کہ دوعورتیں جن کے پاس ایک ایک بیٹا تھا، ایک بھیڑیا آیا اور ایک لڑکے کو اٹھالے گیا اب دوسرے لڑکے کے بارے میں دونوں عورتوں نے دعویٰ کیا، فیصلہ کرانے کے لیے دونوں داؤدعلیہ السلام کے پاس آئیں، انہوں نے بڑی کے حق میں فیصلہ کر دیا، باہر نکلیں تو سلیمان علیہ السلام نے دونوں کو بلایا اور فرمایا چھری لاؤ تا کہ آدھا آدھا ان دونوں کو دیدیں، یہ سن کر چھوٹی نے کہا اللہ آپ پر رحم کرے بیٹا بڑی کا ہے تو سلیمان علیہ السلام نے بچہ چھوٹی کو دیدیا۔

وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ۝۸۰

اور ہم نے تمہارے لئے ان کو ایک (طرح کا) لباس بنانا بھی سکھا دیا تا کہ تم کو لڑائی (کے ضرر) سے بچائے پس تمہیں شکر گزار ہونا چاہیے۔(۸۰)

ہم نے تم کو زرہ بنانا سکھایا تا کہ وہ تمہیں محفوظ رکھے، داؤد علیہ السلام سے پہلے کوئی زرہ بنانا نہ جانتا تھا، آج حفاظت کے لیے قسم قسم کے ہتھیار اور میزائل شکن آلات اور طیارے بنا لیے گئے ہیں، اس پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے، سلیمان علیہ السلام نے بادبانی جہاز ایجاد کئے جو ہندوستان اور مغربی جزائر تک سفر کرتے تھے ان کا بحری بیڑا وقت کا سب سے طاقتور بحری بیڑا تھا، بحراحمر میں اس کا مرکز ترسیس تھا، اس وقت بادبان، جہازوں کے لیے انجن کا کام دیتے تھے۔

فلسطین کے جنوب میں اُدوم کا علاقہ خام لوہے (Ore) کی دولت سے مالا مال ہے، عقبہ اور ایلہ سے متصل سلیمان علیہ السلام کے زمانے کی بندرگاہ "عصیون جابر" کے آثار قدیمہ میں ایک عظیم الشان بھٹی ملی ہے، جس کے بارے میں ماہرین کا اندازہ ہے کہ اُدوم کے علاقے "عَرَبہ" سے خام لوہا اور تانبا لایا جاتا اور اس بھٹی میں پگھلایا جاتا تھا، اور دوسرے کاموں کے علاوہ جہاز سازی میں بھی استعمال کیا جاتا تھا۔

وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَسَّنِىَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۸۳﴾

اور ایوب (کو یاد کرو) جب انہوں نے اپنے رب سے دعا کی کہ مجھے ایذا ہو رہی ہے اور تو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔(۸۳)

ایوب علیہ السلام بہت ہی دولت مند تھے اس کے باوجود اللہ کے بیحد وفادار اور شکر گزار تھے، شیطان نے لوگوں کے ذہنوں میں ڈالا کہ ایوب علیہ السلام کی یہ غیر معمولی معبود پرستی ان کی ان غیر معمولی نعمتوں کی وجہ سے ہے، اگر یہ نعمتیں نہ ہوں تو ان کی ساری شکر گزاری ختم ہو جائے۔ اللہ نے دوسری مثال قائم کی یعنی نعمتیں چھین لی اور صحت بھی چھین لی۔ مگر ایوب علیہ السلام اللہ کے فیصلے پر راضی ہوئے، ۱۸ رسال تک آزمائش میں رہے۔ اسی وجہ سے ان کا صبر ضرب المثل بن گیا۔

ایوب علیہ السلام کے واقعے میں بڑے اسباق ہیں، ان پر اتنی بڑی بڑی مصیبتیں آئیں مگر انہوں نے اپنے لیے "مَسّ" (چھونا) کی تعبیر استعمال کی۔ ﴿وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَسَّنِىَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ﴾ یہ اللہ کی بارگاہ میں ادب ہے کہ اتنی بڑی بڑی مصیبتیں جو میرے اوپر آئی ہیں یہ تو مجھے بس چھو کر گئی ہیں، اس سے بڑی بڑی مصیبتیں آسکتی تھیں۔ یہ مصیبتیں، آزمائشیں اور تکلیفیں کیا تھیں، ان کی مستند تفصیل نہیں ملتی تاہم قرآن کے انداز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ایوب علیہ السلام کو مال و دولت، صحت و اولاد عطا ہوئی تھی، اللہ نے یہ نعمتیں چھین لیں اور انہیں بیماری میں مبتلا کر دیا۔ وہ ۱۸ رسال تک اس آزمائش میں رہے، انہوں نے دعا کی ﴿اَنِّىْ مَسَّنِىَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ﴾ معلوم ہوا کہ دعا صبر کے منافی نہیں، جزع وفزع صبر کے منافی ہے۔

Scanned by CamScanner

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ
عِنْدِنَا وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ﴿۸۴﴾

تو ہم نے اُن کی دعا قبول کر لی اور جو اُن کو تکلیف تھی وہ دُور کر دی اور اُن کو بال بچے بھی عطا فرمائے اور اپنی مہربانی سے اُن کیساتھ اتنے ہی اور (بخشے) اور عبادت کرنے والوں کیلئے (یہ) نصیحت ہے۔(۸۴)

صبر کا پھل:

ہم نے ان کی بیماری دور کر دی اور ان کے بال بچے دیدیئے اور اپنی طرف سے رحمت کے طور پر اتنے ہی اور بخش دیئے۔

مقام رضا:

ایوب علیہ السلام حرف مدعا زبان پر نہ لائے ،صرف اتنا کہا میں دکھی ہوں، بقیہ اللہ کی رحمت پر چھوڑ دیا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "لَمَّا عَافَى اللهُ أَيُّوبَ أَمْطَرَ عَلَيْهِ جَرَادًا مِنْ ذَهَبٍ، فَجَعَلَ يَأْخُذُهُ بِيَدِهِ وَيَجْعَلُهُ فِي ثَوْبِهِ، فَقِيلَ لَهُ: يَا أَيُّوبُ أَمَا تَشْبَعُ؟ قَالَ: وَمَنْ يَشْبَعُ مِنْ رَحْمَتِكَ؟"

(مستدرک علی الصحیحین للحاکم:۲/ ۵۸۲)،(المعجم الاوسط للطبرانی:۳/ ۷۵)

جب اللہ تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام کو بیماری سے عافیت دی تو ان پر سونے کے ٹڈیاں برسائیں،تو وہ انہیں اپنے ہاتھوں سے پکڑ کر اپنے کپڑے میں ڈالنے لگے،کہا گیا اے ایوب (علیہ السلام)! کیا تُو آسودہ نہیں ہوتا۔تو انہوں نے کہا کہ اے اللہ تیری رحمت سے کون آسودہ ہوسکتا ہے؟

وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِى الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ
اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۷﴾

اور ذوالنون (کو یاد کرو) جب وہ (اپنی قوم سے ناراض ہوکر) غصے کی حالت میں چل دیئے اور خیال کیا کہ ہم ان پر قابو نہیں پاسکیں گے آخر اندھیرے میں (اللہ کو) پکارنے لگے کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے (اور) بیشک میں قصوروار ہوں۔(۸۷)

﴿ذَاالنُّوْنِ﴾، ﴿وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ﴾ (سورۂ القلم:۴۸): "ذا" عظمت پر دلالت کرتا ہے اور "نون" الحوت العظیم یعنی بڑی مچھلی کو کہتے ہیں لہٰذا "النون" کی رعایت کرتے ہوئے 'ذا' لایا گیا۔

﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ اللہ کوئی ایسا حکم دے جسے انسان نہ کر سکے، وہ اس سے پاک ہے۔اور جو ذات ظلم سے پاک ہو وہ سُبْحٰـــن ہے کیونکہ سُبْحٰـــن، ظٰلِمِیْن کے مقابلے میں لایا گیا ہے۔

قبولیت دعا کا راز:

آپ گناہ پر قادر ہیں مگر اللہ کے ڈر سے گناہ نہیں کرتے۔ آپ اس وقت دعا مانگ لیں تو دعا قبول ہو جائے گی۔

ظلمات:

(۱) پیٹ کا اندھیرا

(۲) دریا کا اندھیرا

(۳) رات کا اندھیرا

بحر ظلمات: بحر اوقیانوس (المحیط الاطلنطی) کو کہا جاتا ہے، یہ یورپ اور افریقہ کے مغرب میں واقع ہے۔

﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾

دعا کے دو جز:

(۱) اپنے گناہ کا اعتراف ﴿اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾

(۲) اپنی کمزوری کا اظہار کہ اے اللہ، تیرے علاوہ میرا کوئی سہارا نہیں۔

عَنْ سَعْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "دَعْوَةُ ذِي النُّونِ إِذْ دَعَا وَهُوَ فِي بَطْنِ الحُوتِ: لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ، فَإِنَّهُ لَمْ يَدْعُ بِهَا رَجُلٌ مُسْلِمٌ فِي شَيْءٍ قَطُّ إِلَّا اسْتَجَابَ اللَّهُ لَهُ" (ترمذی:۳۵۰۵)

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ میرے بھائی مچھلی والے (یونس علیہ السلام) کی دعا ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ﴾ کبھی بھی کسی مسلم نے اس کے ذریعے دعا مانگی تو اللہ اس کو قبول کرے گا۔

آدم علیہ السلام اور یونس علیہ السلام کی دعا میں فرق: یونس علیہ السلام نے پہلے توحید الوہیت کا اعتراف کیا اس کے بعد اپنے قصور کا اعتراف کیا اور آدم علیہ السلام کی دعا ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ (اعراف:۲۳) میں بغیر کسی تمہید کے اپنے قصور کا اعتراف ہے، اس میں نکتہ یہ ہے کہ یونس علیہ السلام نے اپنی قوم کو عذاب سے ڈرایا اور عذاب کے آثار بھی ظاہر ہو چکے تھے لیکن قوم نے سچے دل سے اللہ کی طرف رجوع کیا اور ایمان لائے تو اللہ نے ان سے عذاب ہٹا دیا، یونس علیہ السلام نے عذاب کو ٹلتا دیکھ کر یہ خیال کیا کہ وہ اپنی قوم کی نظروں میں جھوٹے ثابت ہو گئے، اس لیے وہ جھنجلائے اور اللہ کے حکم کا انتظار کئے بغیر قوم کو چھوڑ کر چل دیئے، جس کی پاداش میں مچھلی کے پیٹ میں جانے کا واقعہ پیش آیا، اس سے معلوم ہوا کہ یونس علیہ السلام کے قصور کا باعث خواہش نفس تھی یعنی وہ نہیں چاہتے

Scanned by CamScanner

لگے کہ وہ جھوٹے ثابت ہوں اور قوم کے سامنے ان کی سبکی ہو، چونکہ ہوی تبع (خواہش نفس کی اتباع) میں یک گونہ شرک پایا جاتا ہے اس لیے سب سے پہلے یونس علیہ السلام کو توحید الوہیت کا اعتراف کرنا ضروری تھا لہٰذا یونس علیہ السلام کو خواہش نفس کا بت پاش پاش کرنے کے لیے اعتراف توحید الوہیت کے علاوہ کوئی چارہ نظر نہیں آیا اور ﴿وهو مليم﴾ کی ملامت کو اعتراف حقیقت کے پانی سے دھو ڈالا، اس کے بعد اپنا حال بیان کیا، برخلاف آدم علیہ السلام کے کہ ان کا قصور ان کی بے احتیاطی تھی، جس کا نتیجہ غلط فہمی اور اس کے بعد ارتکاب جرم ہوا، اس کی تفصیل یہ ہے کہ شیطان نے ان کے سامنے قسمیں کھائیں اور انہیں اپنی خیر خواہی کا یقین دلایا چنانچہ آدم علیہ السلام اس کی دشمنی کو بھول گئے اور شیطان نے جو کہا اسے مان لیا، اور اس لیے وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے کہ جس بات سے منع کیا گیا ہے اس کا سبب یہ نہیں کہ وہ بات اللہ کی مرضی کے خلاف ہے، کیونکہ شیطان نے ان کو یقین دلایا تھا کہ اگر انہوں نے شجر ممنوعہ کا پھل کھالیا تو وہ فرشتے بن جائیں گے، اس لیے آدم علیہ السلام نے بزعم خویش اپنے لیے ترقی مدارج چاہا، ان کا یہ فعل ہوائے نفس کی اتباع پر مبنی نہ تھا لہٰذا ان کی دعا میں توحید الوہیت کے اعتراف کی چنداں ضرورت نہ تھی بلکہ ضرورت یہ تھی کہ اپنی کوتاہی کا اعتراف کرتے، چنانچہ وہ بول اٹھے ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ قرآن میں جہاں کہیں کسی نبی کے قصور کا ذکر آیا ہے ساتھ ہی اس کی توبہ واستغفار کا بھی ذکر آیا ہے۔

دعاء یونس کا مخصوص انداز:

یونس علیہ السلام نے اپنی دعا میں مقصد کی تصریح نہیں کی اور صرف اپنا حال بیان کرنے پر اکتفا کیا کیونکہ "الكناية ابلغ من التصريح" یہ ایک حسن ادب کا پیرایہ ہے، اس قسم کے سوال میں حسن ادب پایا جاتا ہے جیسے کوئی شخص کسی سے کہے میں بھوکا ہوں، میں بیمار ہوں، اس کا مدعا یہ ہوتا ہے کہ مجھے کھانا کھلا دو، میرا علاج کرا دو، یہ ایسا خبریہ پیرایۂ بیان ہے جس میں معنوی طور پر سوال اور طلب شامل ہے۔

پہلے ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ﴾ کہہ کر کے توحید الوہیت کا اعتراف کیا پھر ﴿سُبْحَانَكَ﴾ کہا اس میں یونس علیہ السلام نے اللہ کی عظمت کا اعتراف کیا کہ اے میرے معبود تو تمام عیوب سے پاک ہے، خاص طور سے تیری ذات اس بات سے منزہ اور برتر ہے کہ تو کسی پر ظلم کرے یا بغیر قصور کسی کو سزا دے بلکہ میں خود ہی ظالم تھا، الغرض یونس علیہ السلام کے قول ﴿سُبْحَانَكَ﴾ میں اللہ سے ظلم کی نفی کی گئی ساتھ ہی اس کی عظمت کا اثبات بھی کیا گیا ہے جو نفی ظلم کے لیے بمنزلۂ دلیل ہے، کیونکہ جو ظلم کرتا ہے یا تو وہ اس کا محتاج ہوتا ہے یعنی اس کا مقصد بغیر ظلم کے نہیں پورا ہوتا، یا اس کا باعث اس کی جہالت ہوتی ہے، لیکن اللہ غنی اور بے نیاز ہے اور اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے، اس لیے اس سے ظلم کا صادر ہونا ممکن نہیں۔

عظمت اور کبریائی میں فرق:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ - قَالَ هَنَّادٌ: - قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: قَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: الْكِبْرِيَاءُ

رِدَائِي، وَالْعِظَمَةُ إِزَارِي، فَمَنْ نَازَعَنِي وَاحِدًا مِنْهُمَا، قَذَفْتُهُ فِي النَّارِ (ابوداؤد، کتاب اللباس: ۴۰۹۰، صحیح)

یہ حدیث قدسی ہے، اللہ فرماتا ہے، کبریائی میری چادر ہے اور عظمت میرا ازار ہے، عربوں کے نزدیک چادر کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے، حدیث میں کبریائی کو چادر سے تعبیر کرنا ایک پیرایۂ بیان ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کبریائی کا مفہوم عظمت (بڑائی) کے مفہوم سے بہت زیادہ ہے، کیونکہ ازار، چادر کے نیچے رہتا ہے تو ﴿لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ﴾ میں توحید الوہیت کا اقرار ہے اور ﴿سُبْحَانَكَ﴾ میں اللہ سے ظلم کی نفی ہے اور اپنے لیے ظلم کا اثبات ہے اور ﴿إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ﴾ میں اپنے قصور کا اعتراف ہے جس کے ضمن میں طلب مغفرت ہے اور ہم جانتے ہیں کہ اللہ کی طرف سے خیر و برکت کے نزول کے لیے انسان کے گناہ مانع ہوتے ہیں، اس لیے توحید الوہیت انسان کے لیے خیر کا دروازہ کھول دیتی ہے اور استغفار سے شر کا دروازہ بند ہو جاتا ہے، اس لیے جس شخص نے توحید کو خالص رکھا اور اپنے گناہوں کے لیے مغفرت طلب کی تو کوئی وجہ نہیں کہ دنیا و آخرت کے شر سے محفوظ نہ رہے، اسی وجہ سے قرآن کی اکثر آیتوں میں توحید و استغفار کا ایک ساتھ ذکر آیا ہے۔

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۫ وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ۭ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ﴿۹۰﴾

تو ہم نے اُن کی پکار سن لی اور اُن کو یحییٰ بخشے اور اُن کی بیوی کو اُن کے (حسن معاشرت کے) قابل بنا دیا یہ لوگ لپک لپک کر نیکیاں کرتے اور ہمیں اُمید اور خوف سے پکارتے اور ہمارے آگے عاجزی کیا کرتے تھے۔ (۹۰)

﴿يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ﴾ جہاں وہ بھلائیاں دیکھتے ہیں وہاں ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کی کوشش کرتے ہیں یہ ﴿يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ﴾ ہے۔

﴿يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ﴾ دن ورات بس بھلائیاں کرنے ہی کی دھن میں لگے رہتے ہیں اور اسی میں مشغول رہتے ہیں۔

دعاؤں کی قبولیت کا راز:

(۱) مسارعۃ فی الخیرات (بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کی کوشش کرنا)

(۲) خوف و رجا (امید و بیم)

(۳) خشیت الٰہی۔ ﴿خٰشِعِيْنَ﴾ استمرار کا صیغہ ہے کہ زندگی میں کبھی ڈرنے کا موقع آیا جیسے کوئی مصیبت آئی تو ڈرا، ایسا نہیں ہے بلکہ وہ برابر ڈرتے رہتے ہیں۔

وَالَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۱﴾

اور ان (مریم) کو (بھی یاد کرو) جنہوں نے اپنی عفت و عصمت کو محفوظ رکھا تو ہم نے اُن میں اپنی

Scanned by CamScanner

رُوح پھونک دی اور اُن کو اور اُن کے بیٹے کو اہلِ عالم کے لیے نشانی بنا دیا۔(۹۱)

عیسائی لوگ اس آیت سے دلیل لاتے ہیں کہ مسیح، اللہ تھے کیونکہ ان کو روح اللہ کہا گیا، مگر وہ قرآن کے محاورے پر غور نہیں کرتے کہ اس قسم کی اضافات سے مطلب کیا ہوتا ہے؟ اگر وہ غور کرتے تو انہیں معلوم ہوتا کہ سورۂ سجدہ میں عام انسانوں کے لیے بھی یہی اضافت (روح اللہ) آئی ہے۔ ﴿وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ﴾ (سورہ سجدہ:۹) اگر اس آیت سے مسیح کی الوہیت ثابت ہو تو اس قسم کی آیات سے تمام انسانوں کی الوہیت ثابت ہو جائے گی۔ ﴿وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ﴾ (سورہ ص:۷۲) آدم علیہ السلام کے بارے میں ہے، تو کیا آدم علیہ السلام بھی الٰہ ہو گئے؟

﴿فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا﴾ عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی روح کہنے کا مطلب یہ ہے کہ آدم کی طرح پہلے ان کا پتلا نہیں بنایا گیا، وہ عام انسانوں کی طرح ہی پیدا ہوئے فرق صرف اتنا تھا کہ وہ بغیر نطفہ کے پیدا ہوئے، نیز طہارت اور لطافت کی انتہا کو بتانے کے لیے عیسیٰ علیہ السلام پر روح کا خصوصی اطلاق ہوا جیسے کعبۃ اللہ کے لیے بیت اللہ۔

حَتّٰۤى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ﴿۹۶﴾

یہاں تک کہ یاجوج اور ماجوج کھول دیئے جائیں اور وہ ہر بلندی سے دوڑ رہے ہوں۔(۹۶)

دجال کی موت کے بعد اور عیسیٰ علیہ السلام کی موجودگی میں یاجوج وماجوج کا ظہور ہوگا، یہ بڑی تیزی سے ہر طرف پھیل جائیں گے، ان کی فساد انگیزیوں سے اہل ایمان تنگ آجائیں گے، تو عیسیٰ علیہ السلام ایمان والوں کو لے کر طور پر چلے جائیں گے پھر عیسیٰ علیہ السلام کی بددعا سے وہ ہلاک ہو جائیں گے۔ پھر ان کی لاشوں سے ہر طرف سڑاندھ پھیل جائے گی، اللہ پرندے بھیجے گا جو ان کی لاشوں کو سمندر میں ڈال دیں گے پھر بارش ہوگی اور زمین صاف ہو جائے گی۔

یاجوج ماجوج کسی بندش اور رکاوٹ میں رہیں گے، قرب قیامت میں یہ بندش ہٹا دی جائے گی، ان کا محل وقوع شاید ایشیا کے شمالی پہاڑوں کے پیچھے ہے، خروج کے وقت پہاڑوں اور ٹیلوں سے امنڈتے اور اترتے ہوئے نظر آئیں گے۔

اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ﴿۹۸﴾

(کافرو! اس روز) تم اور جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو دوزخ کا ایندھن ہو گے (اور) تم (سب) اس میں داخل ہو کر رہو گے۔(۹۸)

فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الزِّبَعْرَى: أَمَا وَاللّٰهِ لَوْ وَجَدْتُهُ لَخَصَمْتُهُ، فَسَلُوا مُحَمَّدًا أَكُلُّ مَا يُعْبَدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فِي جَهَنَّمَ مَعَ مَنْ عَبَدَهُ، فَنَحْنُ نَعْبُدُ الْمَلَائِكَةَ، وَالْيَهُوْدُ تعبد عزيرا، وَالنَّصَارَى تَعْبُدُ الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ، فَعَجِبَ الْوَلِيدُ وَمَنْ كَانَ مَعَهُ فِي الْمَجْلِسِ مِنْ قَوْلِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزِّبَعْرَى وَرَأَوْا أَنَّهُ قَدِ احْتَجَّ وَخَاصَمَ، فَذُكِرَ

Scanned by CamScanner

ذلك لرسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: "كُلّ مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُعْبَدَ مِنْ دُونِ اللهِ فَهُوَ مَعَ مَنْ عَبَدَهُ"

(مجمع الزوائد: ۷/ ۱۷، حسن)

عبداللہ بن زبعری عرب کا شاعر تھا، اس نے کہا کہ محمد ﷺ سے پوچھو کہ اللہ کے سوا جتنے معبود ہیں سب جہنم میں جائیں گے تو ہم لوگ فرشتوں کی اور یہود، عزیر علیہ السلام کی اور نصاریٰ عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت کرتے ہیں، تو کیا فرشتے اور عزیر اور عیسیٰ بھی جہنم میں جائیں گے؟ مشرکین اس نکتہ کو پاکر بہت خوش ہوئے، آپ ﷺ سے جاکر سوال کیا، تو آپ ﷺ نے جواب دیا جو اپنے معبود بنائے جانے پر راضی ہو وہ اپنے عابد کے ساتھ ہوگا۔

پتھر کی مورتیوں کا کوئی قصور نہیں کیونکہ وہ بے شعور ہیں لیکن انہیں ان کے پجاریوں کے ساتھ جہنم میں صرف مشرکین کو ذلیل کرنے کے لیے ڈالا جائے گا کہ جن معبودوں کو تم اپنا سہارا سمجھتے تھے وہ تمہارے ساتھ ہیں، بعض کے ذہن میں یہ اشکال ہوسکتا ہے کہ عبادت تو عیسیٰ علیہ السلام وغیرہ کی بھی کی جاتی ہے، تو کیا یہ بھی اپنے عابدین کے ساتھ جہنم میں جائیں گے، اگلی آیت میں اسی شبہے کا ازالہ کیا گیا کہ جنھوں نے نیکی کی راہ اختیار کی ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ کا وعدہ ہے کہ انہیں عذاب دوزخ سے محفوظ رکھا جائے گا۔

إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنَىٰ ۙ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ ﴿١٠١﴾

جن لوگوں کیلئے ہماری طرف سے پہلے بھلائی مقرر ہوچکی ہے وہ اُس سے دُور رکھے جائیں گے۔ (۱۰۱)

جن کے بارے میں اللہ کی طرف سے حسنیٰ کا فیصلہ ہوگیا وہ جہنم سے دور کئے گئے ہیں اور سورۂ حدید میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں کہا گیا ﴿وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ﴾ ثابت ہوا کہ تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جنتی ہیں کوئی جہنمی نہیں۔

لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ وَتَتَلَقَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ۖ هَٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ﴿١٠٣﴾

ان کو (اس دن کا) بڑا بھاری خوف غمگین نہیں کرے گا اور فرشتے ان کو لینے آئیں گے (اور کہیں گے کہ)

یہی وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ (۱۰۳)

﴿لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ﴾ سے مراد نفخہ اولیٰ ہے جب لوگ گھبرا اٹھیں گے، دوسرا نفخہ "صَعِق" جب سب فنا ہوجائیں گے تیسرا نفخہ "بعث" جب سب زندہ ہوں گے۔

يَوْمَ نَطْوِي السَّمَاءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ۚ كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ ۚ وَعْدًا عَلَيْنَا ۚ إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ ﴿١٠٤﴾

جس دن ہم آسمان کو اس طرح لپیٹ لیں گے جیسے خطوں کا طُومار لپیٹ لیتے ہیں جس طرح ہم نے (کائنات کو) پہلے پیدا کیا اُسی طرح دوبارہ پیدا کریں گے (یہ) وعدہ (جس کا پورا کرنا لازم) ہے ہم (ایسا) ضرور کرنے والے ہیں۔(۱۰۴)

آسمان کی تہوں کو ایک کتاب سے تشبیہ دی گئی ہے، کتاب کے اوراق ایک سپر کمپیوٹر کی ٹیپ کی طرح ایک ناقابل تغیر پروگرام کا ریکارڈ ہیں۔

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۱۰۷﴾

اور (اے محمد ﷺ!) ہم نے آپ کو تمام جہان کیلئے رحمت (بنا کر) بھیجا ہے۔(۱۰۷)

تمام پیغمبر رحمت تھے مگر آپ ﷺ کا امتیاز یہ ہے کہ پیغمبر کے ساتھ ایک طاقتور جماعت تیار ہو جو دنیا میں انقلاب برپا کر کے تاریخ کا رخ موڑ دے۔

مثال: ایک سیارہ (Planet) کس طرح اپنا وجود برقرار رکھتا ہے، وہ ایک مخصوص فاصلہ برقرار رکھنے کی کوشش میں اپنے مرکز کے گرد گھومتا ہے، یہ کائنات کھلی کتاب کے اوراق ہیں اور ہر ورق دوسرے ورق سے کچھ فاصلے پر ہے، قیامت میں یہ سارے فاصلے مٹا دیئے جائیں گے یعنی کتاب بند کر دی جائے گی، مادی وجود کا مطلب ہے فضا میں جگہ گھیرنا کیا ہماری دنیا بھی اس اصول کی پابندی کرتے ہوئے قائم نہیں ہے؟ یہاں ہر وجود نے اپنا مقام ایک مخصوص فاصلے پر کیا ہوا ہے، اس طرح سے جیسے کہ ایک کتاب کے اوراق۔

اِنَّهٗ يَعۡلَمُ الۡجَهۡرَ مِنَ الۡقَوۡلِ وَيَعۡلَمُ مَا تَكۡتُمُوۡنَ ﴿۱۱۰﴾

جو بات پکار کر کی جائے وہ اُسے بھی جانتا ہے اور جو تم پوشیدہ کرتے ہو اُس سے بھی واقف ہے۔(۱۱۰)

بہت سارے لوگ ایک جگہ زور زور سے بول رہے ہوں تو ایک آواز کو دوسری آواز سے ممیز نہیں کیا جا سکتا، سب آوازیں ایک دوسرے سے ٹکراتی رہتی ہیں مگر اللہ ہر ایک آواز کو صاف صاف سنتا ہے، قبر پرستوں سے پوچھا جائے کہ قبر کے پاس جب لوگوں کا ہجوم ہو اور وہ صاحب قبر سے اپنی حاجتیں زور زور سے بیان کر رہے ہوں تو کیا قبر والے بھی ایسا ہی سنتے ہیں۔

قٰلَ رَبِّ احۡكُمۡ بِالۡحَقِّ ؕ وَرَبُّنَا الرَّحۡمٰنُ الۡمُسۡتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوۡنَ ﴿۱۱۲﴾

پیغمبر نے کہا کہ اے میرے رب! حق کے ساتھ فیصلہ کر دے اور ہمارا رب بڑا مہربان ہے اسی سے ان باتوں میں جو تم بیان کرتے ہو مدد مانگی جاتی ہے۔(۱۱۲)

ایک دن ایسا آنا چاہئے جس میں حق و باطل کا فیصلہ ہو ورنہ یہ دنیا ایک کھیل بن جاتی ہے۔

Scanned by CamScanner

سورة الحج (مدنية)

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رضی اللہ عنه قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیه وسلم أَفُضِّلَتْ سُورَةُ الْحَجِّ عَلَى الْقُرْآنِ بِأَنْ جُعِلَ فِيهَا سَجْدَتَانِ؟ فَقَالَ: "نَعَمْ، وَمَنْ لَمْ يَسْجُدْهُمَا فَلَا يَقْرَأْهُمَا" (مسند احمد: ۱۷۴۱۲)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنه قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِذَا قَرَأَ ابْنُ آدَمَ السَّجْدَةَ فَسَجَدَ اعْتَزَلَ الشَّيْطَانُ يَبْكِي، يَقُولُ: يَا وَيْلَهُ - وَفِي رِوَايَةِ أَبِي كُرَيْبٍ: يَا وَيْلِي - أُمِرَ ابْنُ آدَمَ بِالسُّجُودِ فَسَجَدَ فَلَهُ الْجَنَّةُ، وَأُمِرْتُ بِالسُّجُودِ فَأَبَيْتُ فَلِيَ النَّارُ" (مسلم، کتاب الایمان: ۸۱)

جب انسان سجدے کی آیت پڑھتا ہے اور سجدہ کرتا ہے تو شیطان الگ ہو کر روتا ہے اور کہتا ہے افسوس! انسان کو سجدوں کا حکم دیا گیا، اس نے سجدہ کیا تو اس کے لیے جنت ہے، مجھے سجدے کا حکم دیا گیا تو میں نے انکار کیا میرے لیے جہنم ہے۔

سورۂ الحج کو قیامت کے ذکر سے کیوں شروع کیا؟

ایک تو حج کے دوران لوگوں کی حالت قیامت سے مشابہ ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ قیامت کے دن کوئی چیز نجات دینے والی ہے تو وہ تقویٰ ہے اور حج میں بھی تقویٰ ہی کو زادراہ بنانے کا حکم دیا گیا ہے۔

يَاأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ ۚ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ ①

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو کہ قیامت کا زلزلہ ایک عظیم حادثہ ہوگا۔ ا۔

ہمارا نظام شمسی اِس وقت جس توازن میں ہے اللہ کے ایک ادنیٰ اشارے سے اس کا توازن بگڑ سکتا ہے مثلاً زمین پر کوئی بڑا شہاب ثاقب گر جائے جو زمین کی رفتار اور وزن کو متاثر کر دے اور یہ توازن جب متاثر ہوگا تو اجرام فلکی ایک دوسرے سے ٹکرا جائیں گے اور جب دو اجسام کا ٹکراؤ ہوتا ہے تو اس کی شدت کا انحصار اس کی رفتار (Momentum) اور وزن پر ہوتا ہے، دو تیز رفتار ٹرینوں کے ٹکراؤ سے جو تباہی مچتی ہے وہ سب جانتے ہیں، اس زمین کا وزن "606x1031" ٹن ہے اور اس کی رفتار ایک لاکھ سات ہزار کلومیٹر فی گھنٹہ ہے اگر یہ اپنے جیسے کسی سیارے سے ٹکرا جائے تو کتنی تباہی ہوگی؟

يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ۝۲

(اے مخاطب!) جس دن تو اُس کو دیکھے گا (اس دن یہ حال ہوگا کہ) تمام دُودھ پلانے والی عورتیں اپنے بچوں کو بھول جائیں گی اور تمام حمل والیوں کے حمل گر پڑیں گے اور لوگ تجھ کو متوالے نظر آئیں گے مگر وہ متوالے نہیں ہوں گے بلکہ (عذاب دیکھ کر) مدہوش ہو رہے ہوں گے بیشک اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے۔ (۲)

﴿مرضعة﴾ میں "ۃ" کیوں لائی گئی جب کہ "مرضع" ہونا چاہیے؟

جواب: "ۃ" لاکر یہ بتایا گیا کہ وہ عورت دودھ پلانے میں مشغول ہوگی، دودھ پلانے والی عورت کو "مرضع" اور دودھ پلانے میں مشغول عورت کو "مرضعة" کہا جاتا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِى اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ۝۳

اور بعض لوگ ایسے ہیں جو اللہ (کی شان) میں علم (و دانش) کے بغیر جھگڑتے اور ہر شیطان سرکش کی پیروی کرتے ہیں۔ (۳)

انسان کسی مقصد پر حجت قائم کرتا ہے یا کوئی عقیدہ دل میں جماتا ہے تو یا تو علم بالبدیہیات کے ذریعے یا استدلال ونظر کے ذریعے یا وحی والہام کے ذریعے۔

﴿بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ میں بدیہیات ﴿وَّلَا هُدًى﴾ میں استدلال ونظر ﴿وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ﴾ سے الہام وحی، اگر انسان کے پاس ان تینوں میں سے کوئی نہ ہو اور وہ جھگڑے تو نادان ہے، اس کا یہ فعل محض تکبر اور لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے ہے دونوں (تکبر اور اضلال (گمراہ کرنا) کی دنیوی سزا "خزی فی الدنیا" (دنیا میں رسوائی) اور اخروی ﴿نُذِيْقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ﴾ (آگ کا عذاب) ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِىْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ۭ وَنُقِرُّ فِى الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْــــًٔا ۭ وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْۢبَتَتْ

Scanned by CamScanner

مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيْجٍ ۝٥

لوگو! اگر تمہیں مرنے کے بعد جی اٹھنے میں شک ہوتو ہم نے تمہیں (پہلی بار بھی تو) پیدا کیا تھا (یعنی ابتداء میں) مٹی سے پھر اُس سے نطفہ بنا کر پھر اس سے خون کا لوتھڑا بنا کر پھر اس سے بوٹی بنا کر جس کی بناوٹ کامل بھی ہوتی ہے اور ناقص بھی تا کہ تم پر (اپنی خالقیت) ظاہر کر دیں اور ہم جس کو چاہتے ہیں ایک میعاد مقرر تک پیٹ میں ٹھہرائے رکھتے ہیں پھر تم کو بچہ بنا کر نکالتے ہیں پھر تم جوانی کو پہنچتے ہو اور بعض (قبل از پیری) مر جاتے ہیں اور بعض (بوڑھے ہو جاتے اور بڑھاپے کی) نہایت خراب عمر کی طرف لوٹائے جاتے ہیں کہ بہت کچھ جاننے کے بعد بالکل بےعلم ہو جاتے ہیں۔ اور (اے دیکھنے والے) تو دیکھتا ہے (کہ ایک وقت میں) زمین خشک (پڑی ہوتی ہے) پھر جب ہم اس پر مینہ برساتے ہیں تو وہ شاداب ہو جاتی اور ابھرنے لگتی ہے اور طرح طرح کی بارونق چیزیں اگاتی ہے۔ (۵)

انسان کی تخلیق کا ذکر اور اس کے مراحل:

جو ذات پانی کے ایک قطرے سے انسانی پیکر تراش سکتی ہو، کیا اس کے لیے دوبارہ زندگی عطا کرنا مشکل ہے؟ اور اس اہتمام سے بنانا دلیل ہے کہ انسان محض کھلونا نہیں بنایا گیا بلکہ اس کے پیچھے ایک عظیم غایت (مقصد) ہے۔ ایک دم انسان نہیں بنا دیا تا کہ انسان کی خلقت خود خالق کی قدرت، حکمت اور ربوبیت کی درسگاہ بن جائے اور اس میں وہ احسن الخالقین کی معرفت حاصل کرے۔

﴿عَلَقَةٍ﴾ اس مرحلے میں جنین پندرہ دن کا ہوتا ہے، مائیکروسکوپ سے دیکھنے سے جنین اس مرحلے میں Leach (جونک) ہی کی طرح ہوتا ہے نیز رحم مادر کی دیوار سے لٹکا ہوا رہتا ہے۔

﴿مُّضْغَةٍ﴾ "مضغ" سے ماخوذ ہے جس کے معنی چبانے کے ہیں۔ اس مرحلے میں اس پر دانتوں کے نشانات دکھائی دیتے ہیں، انسان، جوانی سے بڑھاپے کی طرف، یعنی کمال سے زوال کی طرف اور علم سے لاعلمی کی طرف جا رہا ہے پھر اگر موت کے بعد اور مرحلوں کی خبر دی جا رہی ہے تو اس کا انکار کیوں؟ جنین کی دنیا رحم کی تنگ و تاریک جگہ تھی جس کے بعد وہ وسیع دنیا میں آیا، اس وسیع دنیا سے گذر کر اس سے وسیع مقام پر جانے کی خبر پر شک کی کیا وجہ ہے؟

قیامت کے ذکر کیساتھ توحید کا ذکر اس وجہ سے ہے کہ اگر شرکاء کے وجود کو تسلیم کر لیا جائے، تو قیامت کی ساری اہمیت ختم ہو جاتی ہے کہ اگر کوئی روز عدالت ہے تو اس سے کیا اندیشہ؟ شرکاء موجود ہیں جو اپنے اثر و رسوخ سے اپنے نام لیواؤں کو اللہ کی گرفت سے بچا لیں گے، قیامت اور رد شرک دونوں مضمون ساتھ ہیں تا کہ یہ حقیقت واضح ہو کہ اللہ کی پکڑ سے کوئی کسی کو نہ بچا سکے گا۔

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ﴾ بغیر علم و ہدایت، مجادلہ

Scanned by CamScanner

اور مناظرہ کی بات کرنا اتباع شیطان ہے۔

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِيٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰهُمْ ۙ اِنْ فِيْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا كِبْرٌ مَّا هُمْ بِبَالِغِيْهِ﴾ (سورہ مومن:۵۶) بے دلیل مجادلہ کبر ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ۨ اطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ۨ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ﴿١١﴾

اور لوگوں میں بعض ایسا بھی ہے جو کنارے پر (کھڑا ہو کر) اللہ کی عبادت کرتا ہے اگر اس کو کوئی (دنیاوی) فائدہ پہنچے تو اُس کے سبب مطمئن ہو جائے اور اگر کوئی آفت پڑے تو منہ کے بل لوٹ جائے (یعنی پھر کافر ہو جائے) اُس نے دنیا میں بھی۔ نقصان اٹھایا اور آخرت میں بھی یہی تو نقصان صریح ہے۔ (١١) یہ اللہ کے سوا ایسی چیز کو پکارتا ہے جو نہ اُسے نقصان پہنچائے اور نہ اُسے فائدہ دے سکے یہی تو پرلے درجے کی گمراہی ہے۔ (١٢)

یہ تصویر ہے اس شخص کی جو اللہ کو نہ صرف ماننے کا دعویٰ کرتا ہے بلکہ اس کی عبادت بھی کرتا رہتا ہے۔ لیکن یکسو ہو کر نہیں بلکہ ذہنی تحفظات (Mental Resevations) کے ساتھ کہ اگر خوشحالی میسر آئی تو اللہ کے گن گانے لگا اور اگر تکلیف میں مبتلا ہو گیا تو اس سے بے تعلق ہو کر اس کے خلاف شکایتیں کرنے لگا۔

﴿يَعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ...الخ﴾ کنارے پر کھڑا عبادت کرتا ہے، اللہ کی عبادت میں فائدہ دیکھتا ہے تو لپک پڑتا اور فائدہ نہیں دکھائی دیتا تو پیچھے ہٹ جاتا ہے حالانکہ بندے کو عبادت ایسی کرنی چاہئے جیسے اللہ چاہتا ہے نہ کہ جیسا بندہ چاہے۔

﴿مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ﴾ "عَلٰي حَرْفٍ" (دُور دُور سے) اللہ کی عبادت کرتا ہے۔ اس کی بندگی میں پوری طرح داخل ہو کر نہیں، یہی کردار آج مسلمانوں کا ہے، قرآن کو اللہ کی کتاب مانتے ہیں مگر قانون، معاشرت، تہذیب سیاست، معیشت ہر شعبۂ زندگی میں پیروی دوسروں کی کرتے ہیں، اللہ کی کتاب کا مصرف صرف یہ رہ گیا ہے کہ کوئی مرنے لگے تو اس کے سرہانے سورہ یٰسین کی تلاوت کی جائے تاکہ اس کی جان آسان ہو جائے اور مرنے کے بعد اسے پڑھ کر ایصال ثواب کر دیں، اگرچہ مرنے والے نے خود اپنی زندگی میں کبھی اتفاق سے بھی قرآن کو ہاتھ نہ لگایا ہو۔

يَدْعُوا لَمَنْ ضَرُّهٗٓ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ۭ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ﴿١٣﴾

(بلکہ) ایسے شخص کو پکارتا ہے جس کا نقصان فائدہ سے زیادہ قریب ہے ایسا دوست بھی برا اور ایسا ہم صحبت بھی برا۔ (١٣)

جن کو یہ پکارتے ہیں صرف یہی نہیں کہ وہ کوئی ضرر یا نفع نہیں پہنچا سکتے بلکہ ان کا ضرر نقد کے اعتبار سے ثابت ہے اور نفع موہوم ہے، اللہ سے تعلق کو توڑ لیا اور دوسروں کو کارساز بنا لیا، انہوں نے حقیقی سہارا تو ختم کر دیا، دوسرے مزعومہ سہارے کام آتے ہیں یا نہیں بعد کی چیز ہے یہاں نقصان نقد اور نفع ادھار ہے، ایسی تجارت کوئی بیوقوف تاجر ہی کر سکتا ہے۔

ایک استدلال عقلی: انسان کی طبیعت میں کچھ کمزوریاں دیکھی گئی ہیں ان میں سے ایک کمزوری عجلت کی ہے، ایک چیز مانگ بیٹھتا ہے حالانکہ بعد میں اسے خود تجربے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اگر فوراً اس کی دعا قبول ہو جاتی تو اس کے حق میں خیر نہ ہوتی۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّابِئِينَ وَالنَّصَارَىٰ وَالْمَجُوسَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا إِنَّ اللَّهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿١٧﴾

جو لوگ مؤمن (یعنی مسلمان) ہیں اور جو یہودی ہیں اور ستارہ پرست اور عیسائی اور مجوسی اور مشرک، اللہ ان (سب) میں قیامت کے دن فیصلہ کر دے گا بیشک اللہ ہر چیز سے باخبر ہے۔ (۱۷)

اس آیت سے وحدت ادیان کا فلسفہ (اپنے اپنے مذہب پر قائم رہتے ہوئے اللہ اور آخرت کو مانو اور اچھے عمل کرو) کشید کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ جو جس دین کو مانتا ہے، اس کے مطابق ایمان رکھتا ہے اور بھلے کام کرتا ہے۔ اس کی نجات ہو جائے گی۔ پہلے پارے میں اسی طرح کی آیت:

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ وَالصَّابِئِينَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ (بقرہ:۶۲)

سے پہلی آیات میں یہود کی بدعملیوں پر مستحق عذاب ہونے کا تذکرہ فرمایا گیا تو ذہن میں اشکال پیدا ہوا کہ وہ یہود جو صحیح کتاب الٰہی کے پیرو اور پیغمبر کی ہدایات کے مطابق زندگی بسر کرتے تھے ان کے ساتھ اللہ کیا معاملہ فرمائے گا؟ اللہ نے وضاحت فرمائی کہ یہودی ہی نہیں، نصاریٰ، صابی جو بھی اپنے وقت میں ایمان کے ساتھ عمل صالح کرتے رہے وہ ابدی نعمتوں کے مستحق ہیں۔

عَنْ مُجَاهِدٍ رحمة الله عليه: "قَوْلُهُ: ﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا﴾ (البقرة:٦٢) الْآيَةُ. قَالَ سَلْمَانُ الْفَارِسِيُّ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أُولَئِكَ النَّصَارَى وَمَا رَأَى مِنْ أَعْمَالِهِمْ، قَالَ: لَمْ يَمُوتُوا عَلَى الْإِسْلَامِ. قَالَ سَلْمَانُ: فَأَظْلَمَتْ عَلَيَّ الْأَرْضُ. وَذَكَرَ اجْتِهَادَهُمْ، فَنَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ، فَدَعَا سَلْمَانَ فَقَالَ: "نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ فِي أَصْحَابِكَ" ثُمَّ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ مَاتَ عَلَى دِينِ عِيسَى وَمَاتَ عَلَى الْإِسْلَامِ قَبْلَ أَنْ يَسْمَعَ بِي فَهُوَ عَلَى خَيْرٍ وَمَنْ سَمِعَ بِي الْيَوْمَ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِي فَقَدْ هَلَكَ" (تفسیر طبری)

مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی رسالت سے

پہلے ہمارے کچھ ساتھی عبادت گزار تھے ان کا کیا ہوگا؟ تب یہ آیت نازل ہوئی۔

عن ابن عباس قوله: ﴿إن الذين آمنوا والذين هادوا والنصارى والصابئين إلى قوله: ولا هم يحزنون﴾. فأنزل الله تعالى بعد هذا: ﴿وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الإِسْلامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ [آل عمران:85] (تفسیر طبری)

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر کی ہے کہ جو اسلام کے علاوہ کوئی دین چاہے گا تو وہ قبول نہیں کیا جائے گا۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ؕ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ؕ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ۩ ﴿۱۸﴾

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو (مخلوق) آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے اور بہت سے انسان اللہ کو سجدہ کرتے ہیں اور بہت سے ایسے ہیں جن پر عذاب ثابت ہو چکا ہے۔ اور جس شخص کو اللہ ذلیل کرے اُس کو کوئی عزت دینے والا نہیں بیشک اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔(۱۸)

جو آسمانوں اور زمینوں میں ہیں اور سورج، چاند، ستارے، پہاڑ، درخت، چوپائے اور بہت سے لوگ اللہ کو سجدہ کرتے ہیں اور بہت سے لوگوں پر عذاب ثابت ہو گیا اور ہر چیز کا سایہ، آفتاب کی مخالف سمت میں پھیلتا ہے، سایہ اپنے وجود سے یہ تعلیم دے رہا ہے کہ سجدہ کی اصل سزاوار آفتاب نہیں بلکہ خالق آفتاب ہے۔ آیت کے آخر میں بتایا گیا کہ دو فریق ہیں:

(۱) ذلیل۔ ﴿وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ﴾

(۲) عزیز۔ ﴿فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ﴾

هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ ؗ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ ؕ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ ﴿۱۹﴾

یہ دو (فریق) ایک دوسرے کے دشمن اپنے رب (کے بارے) میں جھگڑتے ہیں تو جو کافر ہیں اُن کیلئے آگ کے کپڑے قطع کیے جائیں گے (اور) اُن کے سروں پر جلتا ہوا پانی ڈالا جائے گا۔۱۹۔

ذلیل فریق وہ ہے جو کہتا ہے کہ اللہ سارے کام آپ نہیں کر سکتا، کچھ اشخاص کو کچھ کام بانٹ دیئے ہیں، اس لیے ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ مکرم کون ہے؟ عزت دار (مکرم) وہ ہے جو کہتا ہے کہ تمام کام اللہ ہی کرتا ہے۔ فریق ذلیل کا انجام

Scanned by CamScanner

﴿فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ﴾ سے اور فریق مکرم کا انجام ﴿جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ﴾ سے بتایا گیا ہے۔

فریق مکرم کو یہ سب کیوں نصیب ہوگا؟ اس کو جاننے کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ سب سے بڑا اشرف اور سب سے بڑی ذلت کیا ہے؟

کائنات کی چیزیں انسان کی خدمت کے لیے بنائی گئی ہیں اس کے باوجود کوئی یہ ننگ گوارہ کرنے کے لیے تیار نہیں کہ انسان کو سجدہ کرے لیکن انسان اشرف ہوتے ہوئے اپنے سے فروتر مخلوقات کو معبود مان کر سجدہ کرتا ہے انہوں نے خود کو بھی ذلیل کیا اور اپنے رب کی تحقیر کی۔

آیت سے معلوم ہوا کہ انسان کا اصلی شرف توحید ہے۔ انسان اس شرف سے خود کو محروم کر دے تو وہ اس کائنات کی چھوٹی سے چھوٹی چیز سے بھی حقیر ہو جاتا ہے، دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ کائنات سے اس کی ہم آہنگی اسی وقت تک ہے، جب تک انسان غیر کو سجدہ نہ کرے۔ ورنہ وہ کائنات سے بالکل بے جوڑ یعنی گول خانے میں چوکھٹی چیز بن جاتا ہے، ساتھ ساتھ وہ پوری کائنات کا دشمن بن جاتا ہے اور پوری کائنات کی نگاہ میں کھٹکتا رہتا ہے۔

﴿فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ﴾ کپڑے میں آگ لگ جائے تو آدمی سب کے سامنے ننگا ہونے کے لیے تیار ہو جاتا ہے، مگر سوچئے کہ اسے آگ ہی کا کپڑا پہنا دیا جائے تو کیا حال ہوگا؟

﴿يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ﴾ سر کو سب سے پہلے نشانہ اس لیے بنایا جائے گا کیونکہ سر کے اندر ہی دماغ ہوتا ہے اور تمام شیطنت اور خرافات کا آغاز یہیں سے ہوتا ہے۔

وَهُدُوْٓا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ۚۖ وَهُدُوْٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ ﴿۲۴﴾

اور ان کو پاکیزہ کلام کی ہدایت کی گئی اور (اللہ) حمید کی راہ بتائی گئی۔ (۲۴)

قول طیب سے مراد کلمہ طیبہ ہے اور ﴿وَهُدُوْٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ﴾ میں صراط حمید سے مراد اسلام یا صراطِ مستقیم ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِيْ جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَآءَ ِۨ الْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ ۭ وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍۢ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۵﴾

جو لوگ کافر ہیں اور (لوگوں کو) اللہ کے رستے سے اور مسجد حرام سے جسے تم نے لوگوں کیلئے یکساں (عبادت گاہ) بنایا ہے روکتے ہیں خواہ وہ وہاں کے رہنے والے ہوں یا باہر سے آنے والے، اور جو اس میں شرارت سے کجروی (وکفر) کرنا چاہے اُسے ہم دردناک عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔ (۲۵)

Scanned by CamScanner

یہاں سے فریق ذلیل کے چند اوصاف بیان کئے جا رہے ہیں، جیسے اللہ کے راستے سے اور مسجد حرام سے روکنا۔
﴿وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍۢ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾ جو مسجد حرام میں ظلم سے کجروی کرنا چاہے گا تو ہم اسے دردناک عذاب چکھائیں گے۔

لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ﴿۲۸﴾

تاکہ اپنے فائدے کے کاموں کیلئے حاضر ہوں اور (قربانی کے) معلوم ایام میں چوپائے مویشی (کے ذبح کے وقت) جو اللہ نے اُن کو دیئے ہیں ان پر اللہ کا نام لیں۔ اس میں سے تم بھی کھاؤ اور فقیر درماندہ کو بھی کھلاؤ۔ (۲۸)

﴿وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ﴾ (اور ان مقررہ دنوں میں اللہ کا نام یاد کریں ان چوپایوں پر جو پالتو ہیں)

اس آیت میں ﴿اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ﴾ سے مراد یوم النحر اور ایام تشریق ہیں اور وہ ہیں: دس، گیارہ، بارہ، اور تیرہ، اس کی یہی تفسیر جمہور مفسرین نے کی ہے۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عَنْهُمَا قَالَ: الأيام المعلومات: يَوْمُ النحر وثلاثة أيام بعده: (تفسیر ابن ابی حاتم)

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ ایام معلومات یوم النحر اور اس کے بعد تین دن ہیں۔ یہ آیت واضح طور سے چار دن قربانی پر دلالت کرتی ہے۔

علامہ ابن عثیمین رحمہ اللہ (الشرح الممتع (۷/۴۶۶) میں فرماتے ہیں کہ جن جانوروں کی قربانی جائز نہیں ہے وہ چار ہیں۔

(۱) کانا، جس کا کانا پن ظاہر ہو۔

(۲) مریض، جس کا مرض ظاہر ہو۔

(۳) لنگڑا، جس کا لنگڑا پن ظاہر ہو۔

(۴) دبلا پتلا، جس میں گودا نہ ہو۔

ان چار عیوب والے جانوروں کی قربانی جائز نہیں ہے، ان عیوب کے مثل یا ان سے بڑھ کر جو عیوب ہیں انہیں بھی ان پر قیاس کیا جائے گا۔

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ؕ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ؕ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۷﴾

Scanned by CamScanner

اللہ تک نہ اُن کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ خون بلکہ اُس تک تمہاری پرہیز گاری پہنچتی ہے، اسی طرح اللہ نے اُن کو تمہارا مسخر کر دیا ہے تا کہ اس بات کے بدلے کہ اُس نے تمہیں ہدایت بخشی ہے، اُسے بزرگی سے یاد کرو اور (اے پیغمبر!) نیکوکاروں کو خوشخبری سنا دو۔ (۳۷)

ذبح کرنے کے بعد اور بعض لوگوں کے نزدیک روح نکل جانے کے بعد گوشت کاٹا جائے کیونکہ زندہ جانور کا گوشت کاٹ کر کھانا ممنوع ہے۔

عَنْ أَبِي وَاقِدٍ رضی اللہ عنہ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَا قُطِعَ مِنَ الْبَهِيمَةِ وَهِيَ حَيَّةٌ فَهِيَ مَيْتَةٌ" (ابوداؤد، کتاب الصید: ۲۸۵۸)

کسی آیت یا حدیث سے گوشت کے دو تین حصوں میں تقسیم جینا اور میرا مرنا یہ سب خالص اللہ ہی کا ہے جو سارے جہان کا مالک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو اسی کا حکم ہوا ہے اور میں سب ماننے والوں میں سے پہلا ہوں، اللہ کے نام پر اور اللہ سب سے بڑا ہے، اے اللہ! یہ تیرے فضل سے ہے اور تیرے لیے ہے، اے اللہ! اسے فلاں کی طرف سے قبول فرما) (مسند أحمد: ۵۰۲۲ او إسنادہ صحیح، صحیح مسلم رقم 1967)

وضاحت: اللهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ (اے اللہ! اسے قبول فرما فلاں کی طرف سے) والی دعاء پڑھی جائے تو (مِنْ) کے بعد اس شخص کا نام لیا جائے جس کی طرف سے قربانی پیش کی جارہی ہے اور اگر اس شخص کے ساتھ اس کے تمام گھر والوں کی طرف بھی وہی قربانی پیش کی جارہی ہے تو اس طرح پڑھے:

اللهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ فلان وَمِنْ أَهْلِ بَيْتِهِ (اے اللہ اسے قبول فرما فلاں اور اس کے گھر والوں کی طرف سے)۔

اور اگر کوئی شخص خود اپنی طرف سے قربانی پیش کر رہا ہے تو وہ ان الفاظ کو اس طرح پڑھے:

اللهُمَّ تَقَبَّلْ مِنِّي (اے اللہ! اسے قبول فرما میری طرف سے) اور اگر کوئی اپنی طرف سے اور اپنے اہل خانہ کی طرف سے قربانی پیش کر رہا ہے تو اس طرح پڑھے: اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنِّي وَمِنْ أَهْلِ بَيْتِي (اے اللہ! اسے قبول فرما میری طرف سے اور میرے گھر والوں کی طرف سے)

تنبیہ: مؤخر الذکر طویل صیغے میں قرآنی آیات کے آخری حصے ﴿وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ﴾ کے تعلق سے بعض اہل علم نے بحث کی ہے کہ اسے ایسے ہی پڑھیں گے یا اسے ﴿وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ﴾ پڑھیں گے دیکھئے: (أصل صفة الصلاة للالبانی: ۱/۲۴۶)

اور غالبا اسی بحث سے متاثر ہو کر بعض رواۃ نے روایت کے اندر بھی اسے بدل دیا ہے اور "اول المسلمین" کو "من المسلمین" بنا دیا ہے، (سنن أبي داود، کتاب الضحایا: ۲۷۹۵)

لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہاں ویسے ہی پڑھا جائے جیسے قرآن میں ہے نیز ابوداؤد رحمہ اللہ کی روایت جس میں یہ الفاظ

Scanned by CamScanner

تبدیل شدہ ہیں وہ سنداً ضعیف بھی ہے، اس کے برعکس جو صحیح روایت ہے جس پر آگے بحث آرہی ہے اس میں یہ الفاظ قرآن کے موافق ہی ہیں۔

درج بالا پانچوں صیغوں میں سے کسی بھی صیغے سے ذکر ودعاء پڑھ کر قربانی کا جانور ذبح کیا جاسکتا ہے، اول الذکر چار صیغوں کی بابت کوئی اختلاف نہیں ہے، پانچویں صیغے سے متعلق متقدمین علماء میں کوئی اختلاف مجھے نہیں معلوم، البتہ معاصرین میں اس صیغے کو لے کر اختلاف ہوگیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ لیکن ہماری نظر میں یہ حدیث صحیح ہے۔

حدیث جابر ابوداؤد میں ہے کہ عید کے دن دو مینڈھوں کی قربانی کی جب لٹایا تو پڑھا:

﴿انی وجہت وجھی للذی فطر السموات والارض حنیفا وما انا من المشرکین انی صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین لاشریک لہ وبذلک امرت وانا اول المسلمین﴾ اللھم منک ولک عن محمد وامتہ بسم اللہ اللہ اکبر (ضعیف)

ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۭ وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ۝۳۰

یہ (ہمارا حکم ہے) اور جو شخص ادب کی چیزوں کی جو اللہ نے مقرر کی ہیں عظمت رکھے تو یہ اللہ کے نزدیک اس کے حق میں بہتر ہے۔ اور تمہارے لئے مویشی حلال کر دیئے گئے ہیں سواء اُن کے جو تمہیں پڑھ کر سنائے جاتے ہیں تو بتوں کی پلیدی سے بچو اور جھوٹی بات سے اجتناب کرو۔ (۳۰)

﴿وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ﴾ حرمات سے مراد وہ امور ہیں جن سے اللہ نے منع کیا ہے اور اس کی تعظیم کرنا، اس سے بچنا ہے۔

صنم اور وثن میں فرق:

"الصنم۔ ما کان منحوتا علی صورۃ" صنم وہ ہے جو کسی شکل پر تراشا گیا ہو۔

"الوثن۔ ما کان موضوعاً علی غیر ذلک" وثن وہ ہے جو اس کے علاوہ پر بنایا گیا ہو۔

﴿قَوْلَ الزُّوْرِ﴾: قول زور کا معنی جھوٹی گواہی ہے اور اس میں شرک بھی داخل ہے جیسے حج کے موقع پر مشرکین کا قول "لاشریک لک لبیک الا شریکاً ھو لک" ہے۔

حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ۭ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ۝۳۱

Scanned by CamScanner

صرف ایک اللہ کے ہو کر اور اُس کیساتھ شریک نہ ٹھہرا کر اور جو شخص (کسی کو) اللہ کیساتھ شریک مقرر کرے تو وہ گویا ایسا ہے جیسے آسمان سے گر پڑے پھر اُس کو پرندے اچک لے جائیں یا ہوا کسی دُور جگہ اُڑا کر پھینک دے۔(۳۱)

جس نے توحید چھوڑی اور شرک کیا وہ اپنے اصل مرکز سے کٹ گیا۔ اب وہ بغیر لنگر کے جہاز ہے جو کسی بھی چٹان سے ٹکرا سکتا ہے یا کٹی پتنگ ہے جس کو ہوا جہاں چاہے اُڑا کر لے جاسکتی ہے۔ شرک کے نتیجے میں انسان خواہشات کا شکار ہو جاتا ہے، توحید سے بلندی، شرک سے پستی ملتی ہے۔

ذٰلِكَ ۗ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ﴿۳۲﴾

یہ (ہمارا حکم ہے) اور جو شخص ادب کی چیزوں کی جو اللہ نے مقرر کی ہیں عظمت رکھے تو یہ (فعل) دلوں کی پرہیزگاری میں سے ہے۔(۳۲)

شعائر، شعیرۃ کی جمع ہے، اور شعیرہ اس علامت (Symbol) کو کہتے ہیں جو کسی معنوی حقیقت کے لیے ظاہری علامت کا کام کرے۔ مثلاً مسجدِ حرام، اللہ کے شعائر میں سے ہے، ان کی تعظیم اسی طرح مطلوب ہے جس طرح وہ مشروع کی گئی مثلاً مسجد حرام سے نکلتے ہوئے آدمی کی پیٹھ خانہ کعبہ کی طرف ہو جائے تو یہ تعظیم کے خلاف نہیں اور اگر کوئی اس کو تعظیم کے خلاف سمجھ کر الٹے پاؤں چل کر باہر نکلے تو یہ تعظیم نہیں، بدعت ہے۔

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ﴿۳۹﴾

جن مسلمانوں سے (خواہ مخواہ) لڑائی کی جاتی ہے اُن کو اجازت ہے (کہ وہ بھی لڑیں) کیونکہ اُن پر ظلم ہو رہا ہے اور اللہ (اُن کی مدد کرے گا وہ) یقیناً اُن کی مدد پر قادر ہے۔(۳۹)

جہاد کے چار مراحل:

(۱) صبر۔

(۲) جواز۔ ﴿اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ﴾

(۳) فرض۔ (۲ ہجری میں) یہ اس صورت میں ہے جب کافر خود مسلمانوں سے لڑنے کے لیے آئیں۔

(۴) اسلامی حکومت کے پاس قوت آجائے تو اقدامی جہاد کی اجازت ہے۔

عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ صُرَدٍ، قَالَ: لَمَّا انْصَرَفَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْأَحْزَابِ، قَالَ: الْآنَ نَغْزُوهُمْ، وَلَا يَغْزُونَا (مسند احمد: ۱۸۳۰۸، صحیح)

Scanned by CamScanner

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ احزاب سے لوٹے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اب ہم اُن سے لڑیں گے، وہ ہم سے نہیں۔

اسلامی اقتدار کی علامت:

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۝۴۱

یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو ملک میں دسترس دیں تو نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں اور نیک کام کرنے کا حکم دیں اور بُرے کاموں سے منع کریں اور سب کاموں کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔(۴۱)

اگر ہم زمین میں ان کے قدم جمادیں یعنی ان کو اقتدار عطا کردیں تو وہ اس تمکن فی الارض اور اقتدار کو کس کام میں لائیں گے؟ وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کریں گے۔ یہاں قیام صلوٰۃ، ایتاء زکوٰۃ، اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے علاوہ کسی اور اسلامی عمل کا تذکرہ نہیں کیا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی اقتدار ان عملوں سے خالی ہو وہ اسلامی اقتدار نہیں سمجھا جاسکتا۔

جہاد کے دو مقاصد:

(۱) مظلومیت کا خاتمہ

(۲) اعلاء کلمۃ اللہ۔ کمزوروں کی مدد نہ کی جائے تو باوسائل لوگ بے وسیلہ لوگوں کو جینے نہیں دیں گے اور باطل کی سرکوبی نہ کی جائے تو دنیا سے امن کا خاتمہ ہوجائے اور اللہ کا نام لینے والوں کے لیے کوئی عبادت خانہ باقی نہ رہے۔

اسلامی حکومت کے بنیادی اہداف:

﴿اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ﴾

جو حکومت ان چیزوں کو اپنی ترجیحات میں سرفہرست نہ رکھے وہ فلاحی مملکت کے قیام میں کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی، منصب امامت کے تقاضے یہ ہیں کہ اللہ ہی کی عبادت کی جائے اور سارے گوشوں میں اسی کی اطاعت کی جائے، تب تمکن فی الارض کی صلاحیت ہوگی، یہاں جہاد سے مراد قتال نہیں کیونکہ جہاد بہت سی شرطوں کے ساتھ مشروط ہے، یہاں جہاد سے عملی جدوجہد (اخلاقی و روحانی تیاری) مراد ہے۔

فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ ۝۴۵

اور بہت سی بستیاں ہیں کہ ہم نے اُن کو تباہ کر ڈالا کہ وہ نافرمان تھیں سو وہ اپنی چھتوں پر گری پڑی ہیں

Scanned by CamScanner

اور (بہت سے) کنوئیں بیکار اور (بہت سے) محل ویران (پڑے ہیں)۔(۴۵)

جولوگ واقعات کو دیکھیں اور نصیحت نہ پکڑیں تو وہ اللہ کی نظر میں اندھے ہیں، ان کا دیکھنا جانور کا دیکھنا ہے نہ کہ انسان کا دیکھنا۔

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ؕ وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ﴿۴۷﴾

اور (یہ لوگ) تم سے عذاب کیلئے جلدی کر رہے ہیں اور اللہ اپنا وعدہ ہرگز خلاف نہیں کرے گا اور بیشک آپ کا رب کے نزدیک ایک روز تمہارے حساب کے رُوبرو ہزار برس کے برابر ہے۔(۴۷)

اللہ کے پاس ایک دن ہمارے یہاں کے ایک ہزار سال کے برابر ہے، اب کسی کو ۲۴ گھنٹے کی مہلت مل جائے تو ہزار سال کی مہلت ہوگی۔

وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "يَدْخُلُ فُقَرَاءُ الْمُسْلِمِينَ الْجَنَّةَ قَبْلَ أَغْنِيَائِهِمْ بِنِصْفِ يَوْمٍ وَهُوَ خَمْسُمِائَةِ عَامٍ" (ترمذی، ابواب الزهد: ۲۳۵۴، صحیح)

غریب مسلمان، مسلمان مالداروں سے آدھے دن یعنی پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۲﴾

اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول اور نبی نہیں بھیجا مگر (اُس کا یہ حال تھا کہ) جب وہ کوئی آرزو کرتا تھا تو شیطان اُس کی آرزو میں (وسوسہ) ڈال دیتا تھا تو جو (وسوسہ) شیطان ڈالتا ہے اللہ اُس کو دُور کر دیتا ہے پھر اللہ اپنی آیتوں کو مضبوط کر دیتا ہے اور اللہ علم والا اور حکمت والا ہے۔(۵۲)

جب بھی کوئی رسول یا نبی، وحی شدہ کلام تلاوت کرتا ہے تو شیطان اس کی بابت لوگوں کے دلوں میں شبہے ڈالتا ہے۔ اللہ شیطان کی رکاوٹوں کو دور فرما کر تلاوت میں ملاوٹ کی کوشش کو ناکام بنا کر شیطان کے پیدا کردہ شکوک وشبہات کا ازالہ فرما کر اپنی آیات کو محکم بنا دیتا ہے، اس آیت میں نبی کو تسلی دی گئی ہے کہ شیطان کی یہ کارستانیاں صرف آپ کے ساتھ نہیں بلکہ تمام انبیاء ورسل کے ساتھ رہی ہیں تاہم آپ گھبرائیں نہیں، شیطان کی ان سازشوں سے ہم ان کو بچاتے رہے ہیں اور آپ بھی یقیناً محفوظ رہیں گے۔

﴿اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ﴾ حق کا داعی جب حق کا اعلان کرتا ہے تو معاندین اس بات میں طرح طرح کے شوشے چھوڑتے ہیں تا کہ لوگوں کو اس کی صداقت کے بارے میں مشتبہ کر دیں، داعی اس کی وضاحت کرتا ہے تو دوطرح کے

Scanned by CamScanner

لوگ سامنے آتے ہیں، ایک مخلص، یہ جھوٹے پروپیگنڈوں سے متاثر نہیں ہوتے اور دوسرے وہ لوگ جو سنجیدہ نہیں ہوتے یہ شوشے ان کے لیے فتنہ بن جاتے ہیں۔

نبی کی تمنا یہ ہوتی ہے کہ لوگوں کے دلوں میں اللہ کی ہدایت کی باتیں اتارنے کی کوئی راہ کھلے اور وہ طرح طرح کے جتن کرتا ہے، شیاطین ہر وقت گھات میں رہتے ہیں جہاں نبی کی بات بنتی نظر آتی ہے وہاں فوراً پروپیگنڈہ شروع کر دیتے ہیں۔مگر اللہ شیاطین کے فتنے کو جھاگ کی طرح بٹھا دیتا ہے اور اپنے نبی کی بات کو استحکام دیتا ہے۔

مثال: ایک بات کو آپ جانتے اور مانتے ہیں لیکن اس کے خلاف جو کچھ کہا جا سکتا ہے وہ آپ کے سامنے نہیں آیا ہوتا ہے، اگر وہ آپ کے سامنے آجائے تو آپ کا علم متزلزل ہو جائے، پھر دونوں چیزیں آپ کے سامنے آگئیں اور اس صورت میں آپ نے کھرے کھوٹے میں امتیاز کر کے حق کو قبول کیا تو کوئی باد مخالف آپ کو آپ کے موقف سے نہ ہٹا سکے گی۔

﴿لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ﴾ ہمارے بندے، دنیا میں ہماری خاطر اعدائے حق کے ہاتھوں جو کچھ جھیل رہے ہیں ہم اس سے بے خبر نہیں، لیکن چونکہ ہم حلیم ہیں اس لیے دشمنوں کو جلدی نہیں پکڑتے، ان کو اصلاح حال کا ہم پورا موقع دیتے ہیں۔

لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ ؕ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٦٧﴾

ہم نے ہر ایک اُمت کیلئے ایک شریعت مقرر کر دی ہے جس پر وہ چلتے ہیں تو یہ لوگ تم سے اس امر میں جھگڑا نہ کریں اور تم (لوگوں کو) اپنے رب کی طرف بلاتے ہو بیشک تم سیدھے رستے پر ہو۔(۶۷)

عبادت کے دو پہلو ہیں:

(۱) ظاہری۔

(۲) باطنی۔

بعض لوگ ظاہری تعمیل اور ظاہری آداب و قواعد ہی کو اصل عبادت سمجھ لیتے ہیں، اسی کا نام جمود ہے۔

سورۂ حج میں آیت ۵۹ سے ۶۵ تک لگاتار سات آیتوں میں اللہ کے چودہ اسمائے حسنیٰ ہیں اور ہر آیت میں الگ الگ نام ہیں۔اور ہر آیت میں دو دو نام ہیں، پورے قرآن حکیم میں یہ اکلوتی جگہ ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ﴿٧٣﴾

Scanned by CamScanner

لوگو! ایک مثال بیان کی جاتی ہے اسے غور سے سنو کہ جن لوگوں کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ ایک مکھی بھی نہیں بنا سکتے اگرچہ اس کیلئے سب مجتمع ہو جائیں اور اگر ان سے مکھی کوئی چیز چھین لے جائے تو اُسے اُس سے چھڑا نہیں سکتے طالب اور مطلوب (یعنی عابد اور معبود دونوں) گئے گزرے ہیں۔(۷۳)

کسی اور مثال کے بارے میں یہ نہیں کہا گیا کہ سنو۔

قدیم مشرکین بتوں پر شہد اور زعفران کا لیپ کرتے تھے۔ اور جدید مشرکین بتوں پر مٹھائی اور پھل وغیرہ چڑھاتے ہیں اور کلمہ گو مشرکین قبروں پر چادر چڑھاتے ہیں اور غیر اللہ کے نام نذر و نیاز کرتے ہیں، جب کہ ان کے سامنے یہ ساری چیزیں پیش کرنا حماقت کے سوا کچھ نہیں، ان نام نہاد معبودوں کی بے بسی کا یہ حال ہے کہ مکھی ان کھانوں سے کچھ اُڑا لے جائے تو یہ اس کو واپس نہیں لے سکتے۔

﴿لَنۡ یَّخۡلُقُوۡا ذُبَابًا﴾ سب حیوانات میں کم مرتبہ مکھی ہے اور سب معبودانِ باطلہ مل کر ایک مکھی بھی نہیں بنا سکتے۔ پھر دوسری بات اس سے بھی کم تر ہے، کہ مکھی کچھ لے اُڑے تو چھین نہیں سکتے ضحاک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ طالب سے مراد عابد اور مطلوب سے مراد معبود ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں طالب مکھی ہے اور مطلوب وہ صنم ہے جس سے مکھی چیز کو طلب کرتی ہے۔ بعض اس کے برعکس کہتے ہیں کہ طالب صنم اور مطلوب مکھی ہے، بہر تقدیر یہ سب ضعیف اور کمزور ہیں۔ لفظ "سلب" (چھیننا) کافی دلچسپ ہے یعنی مکھی ان کے چڑھاوے میں سے کوئی چیز لے اُڑی اور یہ بے چارے اتنے بے بس ہیں کہ اپنی چیز اس مکھی سے نہیں چھین پاتے، تو طالب و مطلوب دونوں کمزور ہوئے اور غور کریں تو معلوم ہوگا کہ طالب، مطلوب سے زیادہ کمزور ہے کیونکہ چھین کر بھاگنے والی مکھی ہے اور بُت اس سے چھین نہ سکا تو مکھی بت سے زیادہ قوی نکلی۔

وَجَاهِدُوۡا فِى اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ هُوَ اجۡتَبٰٮكُمۡ وَمَا جَعَلَ عَلَيۡكُمۡ فِى الدِّيۡنِ مِنۡ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِيۡكُمۡ اِبۡرٰهِيۡمَ ؕ هُوَ سَمّٰٮكُمُ الۡمُسۡلِمِيۡنَ ۙ مِنۡ قَبۡلُ وَفِىۡ هٰذَا لِيَكُوۡنَ الرَّسُوۡلُ شَهِيۡدًا عَلَيۡكُمۡ وَتَكُوۡنُوۡا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۖۚ فَاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعۡتَصِمُوۡا بِاللّٰهِ ؕ هُوَ مَوۡلٰٮكُمۡ ۚ فَنِعۡمَ الۡمَوۡلٰى وَنِعۡمَ النَّصِيۡرُ ﴿۷۸﴾

مومنو! رکوع کرتے اور سجدے کرتے اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہو اور نیک کام کرو تا کہ فلاح پاؤ۔(۷۷) اور اللہ (کی راہ) میں جہاد کرو جیسا جہاد کرنے کا حق ہے، اُس نے تمہیں برگزیدہ کیا ہے اور تم پر دین (کی کسی بات) میں تنگی نہیں کی (اور تمہارے لئے) تمہارے باپ ابراہیم کا دین (پسند کیا) اُسی نے پہلے (یعنی پہلی کتابوں میں) تمہارا نام مسلمان رکھا تھا اور اس کتاب میں بھی (وہی نام رکھا ہے تو جہاد کرو) تا کہ پیغمبر تمہارے بارے میں شاہد ہوں اور تم لوگوں کے مقابلے میں شاہد ہو اور نماز

Scanned by CamScanner

پڑھو اور زکوٰۃ دو اور اللہ (کے دین کی رسی) کو پکڑے رہو وہی تمہارا دوست ہے اور خوب دوست اور خوب مددگار ہے۔(۷۸)

مفردات میں ہے۔"الجہاد والمجاهدۃ استفراغ الوسع فی مدافعۃ العدو" ﴿وَمَنْ جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ، إِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (عنکبوت)

دشمن کے مقابلے میں پوری طاقت لگا دینا جہاد اور مجاہدہ کہلاتا ہے۔

والجہاد ثلاثۃ اضرب:(جہاد کی تین قسمیں ہیں)

(۱)مجاھدۃ العدو الظاھر ظاہری دشمن سے لڑنا

(۲)مجاھدۃ الشیطان شیطان سے لڑنا

(۳)مجاھدۃ النفس نفس سے مقابلہ کرنا۔

وتدخل ثلاثۃ فی قولہ تعالیٰ ﴿وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ﴾ اور یہ تینوں قسم کے جہاد اللہ تعالیٰ کے قول ﴿وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ﴾ میں داخل ہیں۔

﴿فِي اللّٰهِ﴾ مزاحمت کرنے والی کچھ طاقتیں ہیں جن کے مقابلے میں جدوجہد مطلوب ہے، وہ طاقتیں وہ ہیں جو اللہ کی رضا جوئی و بندگی کی راہ پر چلنے میں مانع ہیں، مجاہدہ کا مقصود یہ ہے کہ ان مزاحمتوں کو شکست دے کر آدمی اللہ کی رضا جوئی میں لگ جائے۔اس کے اولین مخاطب صحابہ ہیں یہ آیت ان کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے دوسروں کو خطاب بالتبع ہے۔

﴿مِنْ حَرَجٍ﴾ یہاں نکرہ تحت النفی ہے جو عموم کا فائدہ دیتا ہے یعنی اللہ نے دین میں کسی بھی قسم کی تنگی نہیں رکھی۔، چھوٹے سے لے کر بڑے حکم تک دیکھ لو، ہر حکم انسان کے لیے باعث رحمت و برکت ہے۔

﴿مِلَّةَ أَبِيْكُمْ إِبْرٰهِيْمَ﴾ کہہ کر اس حقیقت پر متنبہ کرنا ہے کہ اگر ابراہیم علیہ السلام برسر ہدایت تھے اور ان ملتوں (یہودیت، عیسائیت، بت پرست) میں کسی کے پیرو نہ تھے تو لامحالہ اصل ملت، ملتِ ابراہیم ہے نہ کہ یہ ملّتیں۔ملت ابراہیم کی اتباع کی دعوت دی گئی کیونکہ یہودی، عیسائی، عرب مشرکین اور صابی سب اس پر متفق تھے۔

﴿هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا﴾ اس زمانے سے پہلے اور اس کتاب میں بھی تمہارا نام اللہ نے مسلم رکھا ہے۔

مادہ"سلم"جس سے اسلام بنا ہے اس کو جس شکل میں بدلتے جائیں ان کے معنوں میں حفاظت کے معنی بدستور پائے جائیں گے، اسلام کے معنی فرمانبرداری کے ہیں، ظاہر ہے کہ کوئی کسی بڑے آدمی کی بات مان لے اور اس کا فرمانبردار بن جائے تو اس کی تکالیف سے محفوظ ہو جاتا ہے، اسی سے "سَلَمَ الجلد"محاورہ ہے جس کا معنی ہے"اس نے چمڑے کو دباغت دی" کیونکہ دباغت سے چمڑا محفوظ ہو جاتا ہے۔

سالَمَہ: اس سے صلح کی۔ صلح میں حفاظت مدنظر ہوتی ہے۔ اشتقاق کبیر میں "سلم" سے "سَمل" ہے جس کے معنی حوض سے گندہ پانی نکال کر صاف کرنے کے ہیں "مَسَل الماء" پانی بہہ پڑا تو کھیتی میں پہونچا تو کھیتی کی حفاظت ہوتی ہے۔

"لمس"۔ اس حاسہ سے انسان کیفیات اشیاء کو محفوظ رکھتا ہے۔

"لسم"۔ چپ رہنا۔ ضرب المثل ہے۔ ہونٹوں نکلی، کوٹھوں چڑھی۔

"ملس"۔ مداہنت کے معنی میں ہے۔ کہ انسان کسی کے شر سے چکنی چپڑی باتیں کر کے محفوظ ہوجاتا ہے۔

اگر لوگ اسلام لے آئیں تو اللہ کے غضب سے محفوظ ہوجائیں اور دنیا فتنہ وفساد سے محفوظ ہوجائے۔

﴿وَفِیْ هٰذَا﴾: میں دعائے ابراہیم علیہ السلام ﴿رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ﴾ (سورہ بقرہ:۱۲۸) کی طرف اشارہ ہے کہ تمام رسول یہ کہیں گے کہ انہوں نے رب کا پیغام پہونچا دیا تھا اور تم گواہی دو کہ تمام رسولوں نے اپنی امتوں تک اللہ کا پیغام پہونچا دیا تھا۔ اس عظیم نعمت کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ کے شکر میں نماز قائم کرو اور زکوۃ ادا کرو۔

❀❀❀

Scanned by CamScanner

پارہ نمبر

۱۸

سورۃ المؤمنون

(آیت:۱)

تا

سورۃ الفرقان

(آیت:۲۰)

مجمع بلقیس للبحوث الإسلامیۃ
حیدرآباد، الھند

Scanned by CamScanner

اٹھارہواں پارہ

سورۃ المؤمنون (مکیۃ)

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ۝ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۙ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ
مُعْرِضُوْنَ ۙ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۙ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۙ۝ اِلَّا
عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۚ۝ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ
ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۚ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۙ۝ وَالَّذِيْنَ
هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۘ۝

بیشک ایمان والے فلاح پا گئے۔(۱) جو نماز میں عجز و نیاز کرتے ہیں۔(۲) اور جو بیہودہ باتوں سے منہ موڑے رہتے ہیں۔(۳) اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔(۴) اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں (۵) مگر اپنی بیویوں یا (کنیزوں سے) جو اُن کی مِلک ہوتی ہیں کہ (ان سے) مباشرت کرنے سے انہیں ملامت نہیں۔(۶) اور جو ان کے سوا اوروں کے طالب ہوں وہ (اللہ کی مقرر کی ہوئی حد سے) نکل جانے والے ہیں۔(۷) اور جو امانتوں اور اِقراروں کو ملحوظ رکھتے ہیں۔(۸) اور جو نمازوں کی پابندی کرتے ہیں ہیں۔(۹)

فلاح کا مطلب:

"قد"، حرف تحقیق ہے، یعنی فلاح میں کوئی شبہ نہیں ہے۔آگے فلاح کی شرطیں بیان کی گئی ہیں، مگر اس سے پہلے وہ اوصاف بیان کیے گئے جن پر فلاح مرتب ہے اور وہ سات صفتیں ہیں۔ جو تمام مکارم اخلاق کی بنیاد ہیں، اس سورہ کو

Scanned by CamScanner

﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ سے شروع کر کے خاتمہ ﴿اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ پر کرنا کلام میں عجب منظر پیش کرتا ہے۔

مومن کامل کے سات اوصاف ذکر کئے گئے ہیں جن پر فلاح کا وعدہ ہے، اَفْلَحَ: 'فَلَحَ' کے مادے سے ہے۔ اور فَلَح کا مطلب ''کاٹنا'' ہے، ''فَلّاح'' کسان کو کہتے ہیں گویا فلاح ایسی کامیابی ہے جس میں اپنی محنت شامل ہو۔ ''فلاح'' کا مطلب ہے ہر مراد حاصل ہو اور ہر تکلیف دور ہو (قاموس) ظاہر ہے مکمل فلاح کہ ایک مراد بھی ایسی نہ رہے جو پوری نہ ہو اور ایک بھی تکلیف ایسی نہ رہے جو دور نہ ہو۔ یہ دنیا کے کسی بھی انسان کے بس میں نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ فلاحِ کامل اس دنیا میں دستیاب نہیں ہو سکتی کیونکہ دنیا دار المحن ہے، فلاحِ کامل کا حصول دوسرے عالم میں ہوگا، جس کا نام جنت ہے۔

فلاح کی پہلی شرط ایمان ہے، جو عمل بغیر ایمان کے ہو وہ صورۃً خیر تو ہے مگر مغز و روح کے اعتبار سے اس پر عملِ صالح کا اطلاق ہو ہی نہیں سکتا۔ نماز کی اہمیت اسی سے ظاہر ہے کہ اعمال میں سب سے پہلے اسے ہی جگہ ملی اور نماز میں خشوع کی اہمیت اس سے ظاہر ہے کہ نماز کے سلسلے میں سب سے پہلے اسی کو بیان کیا گیا۔

﴿اَلَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ﴾ خشوع ایک دلی کیفیت ہے، جسے ہمارے محاورے میں ''دل لگنا'' کہتے ہیں، اس کا اعلیٰ درجہ محویت اور استغراق کی حالت پیدا کر دیتا ہے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ خشوع، قلب و جوارح کے سکون کو کہتے ہیں یعنی نمازی بالقصد غیر اللہ کا خیال قلب میں نہ حاضر کرے اور اعضاء سے فضول و عبث حرکتیں نہ کرے، وَرُوِيَ عَنْ علي، أَنَّهُ قَالَ: ''اَلْخُشُوعُ فِي الْقَلْبِ وَأَنْتلين كتفك للمرء المسلم وأن لَا تَلْتَفِتَ فِي صَلَاتِكَ'' (سلسلہ ضعیفہ: ۶۲۴، ضعیف موقوفا) علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا، دائیں بائیں التفات، یعنی گوشہ چشم سے دیکھنے سے بچنا خشوع ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا اپنی نگاہ سجدہ کی جگہ رکھو۔ دائیں بائیں التفات نہ کرو۔

قَالَ جُبَيْرٌ: فَلَقِيتُ عُبَادَةَ بْنَ الصَّامِتِ، قُلْتُ: أَلَا تَسْمَعُ إِلَى مَا يَقُولُ أَخُوكَ أَبُو الدَّرْدَاءِ؟ فَأَخْبَرْتُهُ بِالَّذِي قَالَ أَبُو الدَّرْدَاءِ قَالَ: »صَدَقَ أَبُو الدَّرْدَاءِ، إِنْ شِئْتَ لَأُحَدِّثَنَّكَ بِأَوَّلِ عِلْمٍ يُرْفَعُ مِنَ النَّاسِ؟ الْخُشُوعُ، يُوشِكُ أَنْ تَدْخُلَ مَسْجِدَ جَمَاعَةٍ فَلَا تَرَى فِيهِ رَجُلًا خَاشِعًا (ترمذی: ۲۶۵۳، أبواب العلم)

ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سب سے پہلے جو علم امت سے اٹھ جائے گا وہ خشوع ہے، یہاں تک کہ کوئی خاشع نظر نہ آئے گا۔

عَنْ أَبِي الدرداء قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ''أَوَّلُ شَيْءٍ يُرْفَعُ مِنْ أُمَّتِي الْخُشُوعُ'' قُلْتُ: مَا الْخُشُوعُ؟ قَالَ: ''خَوْفُ اللهِ جَلَّ ثَنَاؤُهُ'' (صحيح الجامع، ۲۵۷۶، صحيح)

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے پہلے میری اُمت سے جو چیز اٹھ جائے گی وہ خشوع ہے، میں نے پوچھا کہ خشوع کیا ہے؟ فرمایا، اللہ کا خوف، بعض لوگ کہتے ہیں کہ خشوع قبول صلوٰۃ کے لیے شرط ہے اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ خشوع، حسن قبول کے لیے شرط ہے۔

Scanned by CamScanner

﴿ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ﴾ "لغو"، وہ فضول کلام ہے جس میں کوئی دینی فائدہ نہ ہو یا "لغو" وہ چیز ہے جو دنیا یا آخرت کے اعتبار سے لاحاصل اور بے فائدہ ہو، اس میں یہ درس ہے کہ زندگی بڑی ہی قیمتی اور سنجیدہ حقیقت ہے۔ مسلمان کی شان نہیں کہ ایک لمحہ بھی غیر مفید بات میں لگے۔

﴿ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ﴾ "اَلْإِعْرَاضُ عَنِ اللَّغْوِ مِنْ مُتَمِّمَاتِ الصَّلَاةِ" (تفسیر رازی) لغو سے اعراض نماز کو پوری کرنے والی چیزوں میں سے ہے۔

﴿ عَنِ اللَّغْوِ ﴾ بچنا مطلب نہیں ہے، اعراض کرتے ہیں یعنی راستہ بدل دیتے ہیں اور ہر غیر مفید قول وعمل سے بچتے ہیں، نماز کے بعد ﴿ عَنِ اللَّغْوِ ﴾ لاکر یہ بتایا گیا کہ دونوں لازم وملزوم ہیں یعنی جو خشوع اختیار کرے گا وہ لغو سے بچے گا۔

﴿ مُعْرِضُوْنَ ﴾، ﴿ فٰعِلُوْنَ ﴾ یہ سب جملے اسمیہ ہیں۔ جو اشارہ کرتے ہیں کہ یہ مومنوں کا مسلسل اور مستمر کام ہے۔

﴿ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ﴾ بیوی اور لونڈی کے علاوہ شہوت رانی کی تمام صورتیں اس کے حکم میں آجائیں گی بشمولِ لواطت، اس کے علاوہ قضائے شہوت کا کوئی طریقہ اختیار کرنا ناجائز ہے۔

﴿ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴾ آغاز خشوع سے اور اختتام نماز کی مداومت پر کیا۔ اس طرح نماز کی کیفیت اور کمیت دونوں کو بیان کر دیا گیا۔ اور مومنوں کے اوصاف کے بیان کو نماز سے شروع کر کے نماز پر ختم کرنا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نماز کو نماز کی طرح پڑھو تو باقی اوصاف تم میں خود بخود پیدا ہوتے چلے جائیں گے۔

﴿ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ﴾ عام طور پر "لغو" کا تعلق زبان سے ہوتا ہے اور 'فرج' شرمگاہ کو کہتے ہیں اور انہیں دونوں کی حفاظت پر جنت کی ضمانت دی گئی ہے۔

﴿ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ﴾ امانت میں مال وآبرو سب داخل ہیں۔

﴿ فُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ﴾ (شرمگاہ کی حفاظت) اور ﴿ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ﴾ (امانت اور عہد کا لحاظ) دونوں میں مناسبت یہ ہے کہ اگر شادی شدہ ہے تو "زنا" بیوی کے ساتھ خیانت ہے اور اگر کنوارا ہے تو ہونے والی بیوی کے ساتھ خیانت ہے۔ اور زکوٰۃ کا تعلق بھی امانت سے ہے، زکوٰۃ ادا کرنا اس امانت کی صحیح ادائیگی ہے اور زکوٰۃ نہ دینا سب سے بڑی خیانت ہے، امانت اور عہد کے ساتھ ﴿ رٰعُوْنَ ﴾ لایا گیا جو رعایت سے ماخوذ ہے، جس کا مطلب ہے، کسی چیز کی ایسی نگرانی کرنا کہ اس کو کوئی خلل اور فساد لاحق نہ ہو، گویا اہلِ ایمان حتی الامکان اپنی امانت وعہد کو پامال نہیں ہونے دیتے۔

مومن کی دو نمایاں صفتیں:

(۱) الاتقان فی العمل۔ یعنی مومن کوئی کام کرتا ہے تو مضبوطی سے کرتا ہے یعنی اس کا حق ادا کرتا ہے۔

(۲) المداومة علی العمل۔ عمل میں ہمیشگی یہ دو صفتیں مستفاد ہیں ﴿ فِيْ صَلَاتِهِمْ ﴾ سے ابتدا کر کے ﴿ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴾ پر اختتام کرنے سے۔

Scanned by CamScanner

أُولَٰئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ ﴿١٠﴾

یہی لوگ میراث حاصل کرنے والے ہیں۔(١٠)

﴿ أُولَٰئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ ﴾ نکتہ یہ ہے کہ مُورث کا مال اس کے وارث کو پہنچنا لازمی ہے۔اسی طرح اوصاف مذکورہ سے متصف ہونے والوں کا جنت میں داخلہ یقینی ہے۔

الَّذِينَ يَرِثُونَ الْفِرْدَوْسَ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿١١﴾

(یعنی) جو جنت کی میراث حاصل کریں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔(١١)

﴿ الَّذِينَ يَرِثُونَ الْفِرْدَوْسَ ﴾ ایسا نہیں کہا کہ انہیں جنت ملے گی بلکہ یہ کہا کہ وہ جنت کے وارث بنیں گے، کیونکہ مال کے استحقاق کا سب سے مضبوط سبب وراثت ہے، وراثت کا لفظ لاکر یہ بتادیا گیا کہ ان کے لیے جنت پکی ہے، اور جنت کا اعلیٰ درجہ فردوس ہے، یہ سب سے اعلیٰ درجے کی صفات ہیں، لہٰذا بدلہ بھی اعلیٰ درجے کا (جنت الفردوس) دیا جائے گا۔ اس سلسلے کی آخری آیت کا آخری ٹکڑا ﴿ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴾ ہے، جسے لاکر یہ بتادیا گیا کہ یہ کامیابی دائمی ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن سُلَالَةٍ مِّن طِينٍ ﴿١٢﴾ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ ﴿١٣﴾ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ أَنشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ ۚ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ ﴿١٤﴾

اور ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصے سے پیدا کیا۔(١٢) پھر اس کو ایک مضبوط (اور محفوظ) جگہ میں نطفہ بنا کر رکھا۔(١٣) پھر نطفے کا لوتھڑا بنایا پھر لوتھڑے کی بوٹی بنائی پھر بوٹی کی ہڈیاں بنائیں پھر ہڈیوں پر گوشت (پوست) چڑھایا پھر اس کو نئی صورت میں بنا دیا تو اللہ جو سب سے بہتر بنانے والا ہے بابرکت ہے۔(١٤)

ہر فعل کے آخر میں ضمیر متکلم لگی ہوئی ہے، ہم نے پیدا کیا، ہم نے بنایا، یعنی ہر عمل کا انتساب اللہ نے اپنی جانب کیا۔اس میں اشارہ ہے کہ ان تمام چیزوں میں غیر اللہ کی شرکت کا شائبہ تک نہیں ہے۔

﴿ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ ﴾ محفوظ و مضبوط قرارگاہ (Safe Lodging) کو قرار مکین کہتے ہیں۔ کسی ڈاکٹر کا مقولہ ہے کہ "جسمِ انسانی میں سب سے محفوظ ترین عضو "رحم" ہے اور دفن کے بعد سب سے آخر میں یہی سڑتا ہے"۔

مٹی کا نطفہ کی صورت میں تبدیل ہونا ایک طویل وقت کا تقاضہ کرتا ہے، پھر مٹی سے غذا کا پیدا ہونا، پھر غذا کا جزو بدن بننا، اس لیے "ثُمَّ" لایا گیا، پھر روح حیات پھونکا جانا بڑی مدت چاہتا تھا اس لیے "ثُمَّ" لایا گیا۔

Scanned by CamScanner

﴿فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا﴾ ہڈیوں پر ہم نے گوشت چڑھایا، گوشت اس تناسب سے چڑھایا ہے کہ کہیں کم یا زیادہ نہیں ہے اگر کہیں بھی عدمِ توازن (Misbalancing) ہوتی تو انسان انتہائی بھدا لگتا، لہٰذا یہ دلیل ہے اس بات کی کہ اللہ جیسی صنعت وکاریگری کسی کے پاس نہیں، اسی وجہ سے آیت کے آخر میں ﴿فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ﴾ کہا گیا۔

انسانی تخلیق کے سات ادوار:

(۱) ﴿سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ﴾ مٹی کے خاص اجزاء نکال کر اس سے انسان کو خلق کیا۔ ﴿سُلٰلَةٍ﴾ ''سلت ای اخذت من جمیع الارض'' (تمام زمینوں سے لیا) سے ماخوذ ہے۔ (۲) نطفہ (۳) علقہ (۴) مضغہ (۵) عظام (ہڈیاں) (۶) گوشت چڑھانا (۷) روح پھونکنا۔ چھ ادوار عالمِ مادیات سے متعلق تھے اور ساتواں عالم، عالم ارواح سے متعلق تھا، اسی وجہ سے ''ثُمَّ'' لایا گیا۔

ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ﴿۱۶﴾

پھر قیامت کے دن اٹھا کھڑے کئے جاؤ گے۔ (۱۶)

قیامت سے پہلے کوئی نہیں اٹھایا جائے گا۔ تو کسی ہاتھ کے قبر سے نکلنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، مرنے کے بعد پھر قیامت میں اٹھائے جاؤ گے اس سے ہر جمعرات کو روحوں کے دنیا میں آنے کے عقیدے کی تردید ہوتی ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ ۖ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷﴾

اور ہم نے تمہارے اوپر (کی جانب) سات آسمان پیدا کئے اور ہم خلقت سے غافل نہیں ہیں۔ (۱۷)

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ﴾ شاید تمام ارواح انہیں ساتوں راستوں سے لے جائی جاتی ہیں، اسی فرشتے بھی انہیں راستوں سے آتے جاتے ہیں۔

فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ ۘ لَكُمْ فِيْهَا فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۚ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهَا وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۱﴾

پھر ہم نے اس سے تمہارے لیے کھجوروں کے باغ بنائے ان میں تمہارے لئے بہت سے میوے پیدا ہوتے ہیں اور ان میں سے تم کھاتے بھی ہو۔ (۱۹) اور وہ درخت بھی (ہم ہی نے پیدا کیا) جو طور سینا میں پیدا ہوتا ہے (یعنی زیتون کا درخت کہ) کھانے والوں کے لیے روغن اور سالن لئے ہوئے اُگتا ہے۔ (۲۰) اور

تمہارے چوپایوں میں عبرت (اور نشانی) ہے کہ جو اُن کے پیٹوں میں ہے اس سے ہم تمہیں (دودھ) پلاتے ہیں اور تمہارے لیے ان میں اور بھی بہت سے فائدے ہیں اور بعض کو تم کھاتے بھی ہو۔(۲۱)

پہلے انسان کی پیدائش کا تذکرہ کیا گیا، اس کے بعد اس کی جسمانی ضروریات کا انتظام کیا گیا، غذاؤں میں کچھ پھلوں جیسے کھجور اور انگور کا اور اس کے بعد دودھ کا ذکر کیا۔ پھر یہ کہا گیا کہ جانوروں میں منافع کثیرہ ہیں یعنی تم ان پر سواری کرتے ہو اور ان کے دودھ، کھال، ہڈی اور پٹھے وغیرہ سے فائدہ اٹھاتے ہو۔ پھر روحانی ضروریات کے انتظام کے لیے وحی ورسالت کا سلسلہ قائم فرمایا، روحانی انتظام میں سب سے پہلے توحید کا ذکر کیا گیا۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً ۖۚ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۴﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۲۵﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۲۶﴾ فَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ فَاسْلُكْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۚ وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ نَجّٰنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۸﴾

اور ہم نے نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تو انہوں نے ان سے کہا کہ اے قوم! اللہ ہی کی عبادت کرو اُس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں کیا تم ڈرتے نہیں؟ (۲۳) تو اُن کی قوم کے سردار جو کافر تھے کہنے لگے یہ تو تم ہی جیسا آدمی ہے تم پر بڑائی حاصل کرنا چاہتا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو فرشتے اتار دیتا، ہم نے اپنے اگلے باپ دادا میں تو یہ بات کبھی نہیں سنی تھی۔ (۲۴) اس آدمی کو تو دیوانگی (کا عارضہ) ہے تو اس کے بارے میں کچھ مدت انتظار کرو۔ (۲۵) نوح علیہ السلام نے کہا کہ اے اللہ! انہوں نے مجھے جھٹلایا ہے، تو میری مدد کر۔ (۲۶) پھر ہم نے اُن کی طرف وحی بھیجی کہ ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہمارے حکم سے کشتی بناؤ پھر جب ہمارا حکم آ پہنچے اور تنور (پانی سے بھر کر) جوش مارنے لگا تو سب (قسم کے حیوانات) میں سے جوڑا جوڑا (یعنی نر اور مادہ) دو دو کشتی میں بٹھا دو اور اپنے گھر والوں کو بھی، سواء

Scanned by CamScanner

اُن کے جن کی نسبت، ان میں سے، (ہلاک ہونے کا) حکم پہلے صادر ہو چکا ہے، اور ظالموں کے بارے میں ہم سے کچھ نہ کہنا وہ ضرور ڈبو دیئے جائیں گے۔ (۲۷) اور جب تم اور تمہارے ساتھی کشتی میں بیٹھ جاؤ تو (اللہ کا شکر کرنا اور) کہنا کہ سب تعریف اللہ ہی کو (سزاوار) ہے جس نے ہمیں ظالم لوگوں سے نجات بخشی۔ (۲۸)

عَنْ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا سَافَرَ فَرَكِبَ رَاحِلَتَهُ كَبَّرَ ثَلَاثًا وَقَالَ: «سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هَذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ وَإِنَّا إِلَى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ»، ثُمَّ يَقُولُ: «اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ فِي سَفَرِي هَذَا مِنَ الْبِرِّ وَالتَّقْوَى، وَمِنَ الْعَمَلِ مَا تَرْضَى، اللَّهُمَّ هَوِّنْ عَلَيْنَا الْمَسِيرَ، وَاطْوِ عَنَّا بُعْدَ الْأَرْضِ، اللَّهُمَّ أَنْتَ الصَّاحِبُ فِي السَّفَرِ، وَالْخَلِيفَةُ فِي الْأَهْلِ، اللَّهُمَّ اصْحَبْنَا فِي سَفَرِنَا، وَاخْلُفْنَا فِي أَهْلِنَا»، وَكَانَ يَقُولُ إِذَا رَجَعَ إِلَى أَهْلِهِ: «آيِبُونَ إِنْ شَاءَ اللهُ تَائِبُونَ، عَابِدُونَ لِرَبِّنَا حَامِدُونَ»

(ترمذی، أبواب الدعوات: ۳۴۳۷، صحیح)

جب آپ ﷺ سواری پر مستوی ہوتے تو پہلے تین بار تکبیر کہتے پھر ﴿ سُبْحَانَ الَّذِی سَخَّرَ لَنَا هَذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ وَإِنَّا إِلَى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ ﴾ اور اس کے بعد ہی سفر کی دعا پڑھتے یعنی سواری اور سفر دونوں کی دعا ایک ساتھ پڑھتے۔

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ۖ﴿۳۳﴾

تو ان کی قوم کے سردار جو کافر تھے اور آخرت کے آنے کو جھوٹ سمجھتے تھے اور دنیا کی زندگی میں ہم نے ان کو آسودگی دے رکھی تھی کہنے لگے کہ یہ تو تمہارے جیسا آدمی ہے، جس قسم کا کھانا تم کھاتے ہو اسی طرح کا یہ بھی کھاتا ہے اور پانی جو تم پیتے ہو اسی قسم کا یہ بھی پیتا ہے۔ (۳۳)

رسولوں پر ایمان نہ لانے کے دو بنیادی اسباب:

(۱) عقیدہ آخرت پر عدم ایمان ﴿ وَكَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ ﴾

(۲) دنیاوی آسائشوں کی فراوانی ﴿ وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ﴾

وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗٓ اٰيَةً وَّاٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ ﴿۵۰﴾

Scanned by CamScanner

اور مریم کے بیٹے (عیسیٰ) اور ان کی ماں کو (اپنی) نشانی بنایا تھا اور ان کو ایک اونچی جگہ پر جو رہنے کے لائق تھی اور جہاں (شفاف) پانی جاری تھا پناہ دی تھی۔ (۵۰)

مرزا غلام احمد قادیانی نے تیرہویں صدی کی ابتداء میں اپنے نبی اور مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا، اس نے عیسیٰ علیہ السلام کی رفع کو طبعی موت قرار دیتے ہوئے کہا کہ ان کی قبر کشمیر میں ہے، جسے اس نے ربوۃ قرار دیا، اس نے محلہ خان یار سری نگر کشمیر میں جو قبر یوز آسف سے مشہور ہے، عیسیٰ کی قبر ہونے کا دعویٰ کیا اور اس کی بنیاد اپنے ایک الہام کو قرار دیا، اس الہام کو اگر درست مان لیا جائے تو اس آیت میں صرف عیسیٰ علیہ السلام کا نہیں بلکہ ان کی ماں مریم کا بھی ذکر ہے، اس صورت میں کم از کم دو قبروں کا الہام ہونا چاہیے۔

﴿رَبْوَةٍ﴾ "ربوۃ" سے مراد وہ زمین ہے جو اپنے گرد و پیش کی زمین سے اونچی ہو، یہودی بادشاہ نے عیسیٰ کو قتل کرنا چاہا تو مریم ربوۃ (رملہ) جا کر چھپ گئیں اور ۱۲ سال تک وہیں رہیں، رملہ کی دو نعمتیں بیان کی گئیں: (۱) ذات قرار۔ (وہ جگہ جہاں ضرورت کی سب چیزیں ہوں) وہاں مریم اکل حلال کے لیے دھاگہ بنتی تھیں۔ (۲) پانی کا چشمہ۔ قادیانیوں کے نزدیک "ربوۃ" سے مراد کشمیر ہے، وہاں عیسیٰ کی قبر محلہ خان یار (سری نگر) قبر یوز آسف کے نام سے مشہور ہے۔

يَاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ؕ﴿۵۱﴾

اے پیغمبرو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو جو عمل تم کرتے ہو میں ان سے واقف ہوں۔ (۵۱)

حلال غذا کا عمل صالح میں بڑا دخل ہے، غذا جب حلال ہوتی ہے تو انسان کو نیک اعمال کی توفیق ہوتی ہے اور غذا حرام ہو تو نیک کام کا ارادہ کرنے کے باوجود بھی اس میں مشکلات حائل ہو جاتی ہیں۔

﴿كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ﴾ یہ نہیں کہا گیا کہ حلال کھاؤ بلکہ یہ کہا گیا کہ پاک چیزیں کھاؤ۔ نکتہ یہ ملا کہ تمام حلال چیزیں پاک ہیں اور تمام پاکیزہ چیزیں حلال ہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حرام چیزیں کتنی بھی اچھی لگیں وہ ناپاک ہیں۔ حلال غذا ہو تو نیک اعمال کی توفیق خود بخود ہونے لگتی ہے۔

اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ﴿۵۵﴾ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ؕ بَلْ لَّا
يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِ
رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۸﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا
وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ﴿۶۰﴾ اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَهُمْ
لَهَا سٰبِقُوْنَ ﴿۶۱﴾

کیا یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ ہم جو دنیا میں ان کو مال اور بیٹوں سے مدد دیتے ہیں۔(۵۵)(تو اس سے)ان کی بھلائی میں جلدی کر رہے ہیں (نہیں) بلکہ سمجھتے ہی نہیں۔(۵۶) جو لوگ اپنے رب کے خوف سے ڈرتے ہیں۔(۵۷)اور جو لوگ اپنے رب کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔(۵۸)اور جو اپنے رب کیساتھ شریک نہیں کرتے۔(۵۹)اور جو دے سکتے ہیں وہ دیتے ہیں اور اُن کے دل اس بات سے ڈرتے رہتے ہیں کہ ان کو اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔(۶۰) یہی لوگ نیکیوں میں جلدی کرتے ہیں وہ ان میں باہم سبقت کرنے والے ہیں۔(۶۱)

﴿اَيَحۡسَبُوۡنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمۡ بِهٖ مِنۡ مَّالٍ وَّبَنِيۡنَ﴾ کفار کے ایک اعتراض کا جواب ہے کہ اگر ہمارے اعمال اللہ کو پسند نہیں تو ہمیں مال واولاد سے کیوں نوازتا ہے؟اس کا جواب دیا گیا کہ مال واولاد کی اس ترقی کو اپنے حق میں بہتر نہ سمجھو یہ تمہاری خرابی کا باعث ہوگا۔

﴿نُسَارِعُ لَهُمۡ فِى الۡخَيۡرٰتِ‌ؕ بَلْ لَّا يَشۡعُرُوۡنَ﴾ اللہ کے نافرمان یہ سمجھتے نہیں کہ مال و اولاد کی افراط فضیلت وکرامت کی بنا پر نہیں بلکہ 'امہال' (ڈھیل دینا) کی بنا پر ہے، جتنی ڈھیل دی جا رہی ہے ان کی شقاوت کا پیمانہ 'لبریز' ہوتا جاتا ہے۔پھر ان کی تعریف فرمائی جو مندرجہ ذیل اوصاف سے متصف ہیں:

(۱)اللہ سے ڈرتے ہیں۔(۲)ایمان رکھتے ہیں۔(۳)شرک نہیں کرتے۔(۴)نیکیاں کرتے ہیں مگر ان پر ناز نہیں کرتے بلکہ خوف لگا رہتا ہے کہ قبول ہوں گی یا نہیں۔

﴿اِنَّ الَّذِيۡنَ هُمۡ مِّنۡ خَشۡيَةِ رَبِّهِمۡ مُّشۡفِقُوۡنَ﴾ باوجود ایمان کے مغروروں کی طرح ''مکر اللہ'' (اللہ کی تدبیر) سے مامون نہیں بلکہ لرزاں وترساں رہتے ہیں کہ دنیا میں ان پر جو انعامات ہو رہے ہیں کہیں یہ استدراج تو نہیں۔

﴿وَالَّذِيۡنَ هُمۡ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمۡ يُؤۡمِنُوۡنَ﴾ اپنے رب کی آیات پر ایمان رکھتے ہیں، آیات کا مذاق نہیں اُڑاتے اور جو کچھ اللہ کی طرف سے پیش آئے اسے عین حکمتِ الٰہی سمجھتے ہیں اور جو خبر دی جائے اسے بالکل حق مانتے ہیں اور جو حکم ملے اسے بہمہ وجوہ صواب ومعقول سمجھتے ہوئے اس پر عمل پیرا ہو جاتے ہیں۔

﴿وَالَّذِيۡنَ هُمۡ بِرَبِّهِمۡ لَا يُشۡرِكُوۡنَ﴾ شرک نہیں کرتے۔

﴿وَالَّذِيۡنَ يُؤۡتُوۡنَ مَاۤ اٰتَوْا وَّقُلُوۡبُهُمۡ وَجِلَةٌ اَنَّهُمۡ اِلٰى رَبِّهِمۡ رٰجِعُوۡنَ﴾ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے باوجود وہ ڈرتے رہتے ہیں۔

﴿اُولٰٓـئِكَ يُسٰرِعُوۡنَ فِى الۡخَيۡرٰتِ وَهُمۡ لَهَا سٰبِقُوۡنَ﴾ نیکی کے تمام کاموں میں سبقت کرتے ہیں، عام لوگ دنیا کے پیچھے دنیوی منافع کے لیے دوڑتے ہیں، یہ دین کے کاموں میں بڑھنے کی فکر میں رہتے ہیں۔

Scanned by CamScanner

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ﴾

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ سَعِيدِ بْنِ وَهْبٍ الْهَمْدَانِيِّ، أَنَّ عَائِشَةَ، زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ: سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ هَذِهِ الآيَةِ: ﴿وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوْا وَقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ﴾ (المؤمنون: ٦٠) قَالَتْ عَائِشَةُ: أَهُمُ الَّذِينَ يَشْرَبُونَ الخَمْرَ وَيَسْرِقُونَ؟ قَالَ: "لَا يَا بِنْتَ الصِّدِّيقِ، وَلَكِنَّهُمُ الَّذِينَ يَصُومُونَ وَيُصَلُّونَ وَيَتَصَدَّقُونَ، وَهُمْ يَخَافُونَ أَنْ لَا تُقْبَلَ مِنْهُمْ ﴿أُولَئِكَ يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سَابِقُونَ﴾"

(ترمذی،ابواب تفسیر القرآن:۳۱۷۵،صحیح)

عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ کیا یہ کام کر کے ڈرنے والے وہ لوگ ہیں جو شراب پیتے یا چوری کرتے ہیں فرمایا اے صدیق کی بیٹی یہ وہ لوگ ہیں جو نمازیں پڑھتے ہیں، صدقات دیتے ہیں باوجود اس کے ڈرتے رہتے ہیں کہ شاید یہ عمل اللہ کے نزدیک کسی کوتاہی کی وجہ سے قبول نہ ہوں۔

ایک اہم معاشی مسئلہ کے تین اصول:

(۱) ہر چیز کا اصل مالک اللہ ہے۔ ﴿وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ﴾ (سورہ نور: ۳۳)

(۲) اپنے فضل سے اس نے مال کے ایک حصہ کا تمہیں مالک بنادیا ہے۔

(۳) جس مال کا تمہیں مالک بنایا، اس پر کچھ پابندیاں لگادی ہیں اس طرح کہ بعض چیزوں میں خرچ ممنوع قرار دیا اور بعض میں خرچ کو لازم وواجب اور بعض میں مستحب اور بعض میں افضل قرار دیا اور مالک بنانے کے بعد تمہیں آزاد ملکیت نہیں دی کہ جس طرح چاہے تصرف کرو۔ جیسے چاہے کماؤ اور خرچ کرو، تمہیں سوچنا ہے کہ یہ قدرتی وسائل خود تو پیدا نہیں ہو گئے، ان وسائل کو جس نے پیدا کیا وہی ان کا مالک ہوگا۔

کیپٹل ازم:

انسان کو ہر چیز پر آزاد ملکیت کا حق ہے کہ جس طرح چاہے اسے حاصل کرے اور جہاں چاہے خرچ کرے، کوئی روک ٹوک نہیں، کمیونزم: کسی چیز پر انسان کو ملکیت کا حق نہیں دیتا بلکہ ہر چیز کو تمام انسانوں میں مشترک اور سب کو فائدہ اٹھانے کا یکساں حقدار قرار دیتا ہے۔

وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾ بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ ﴿۶۳﴾

اور ہم کسی شخص کو اُس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے اور ہمارے پاس کتاب ہے جو سچ سچ کہہ دیتی ہے اور لوگوں پر ظلم نہیں کیا جاتا۔ (۶۲) مگر ان کے دل ان (باتوں) کی طرف سے غفلت میں

Scanned by CamScanner

(پڑے ہوئے) ہیں اور ان کے سوا اور اعمال بھی ہیں جو یہ کرتے رہتے ہیں۔ (۶۳)

﴿ وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ﴾

عَنْ جَابِرٍ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَادَ مَرِيضًا فَرَآهُ يَسْجُدُ عَلَى وِسَادَةٍ، فَرَمَى بِهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَخَذَ عُودًا يُصَلِّي عَلَيْهِ، فَرَمَى بِهِ وَقَالَ: "إِذَا صَلَّيْتَ فَإِنْ أَطَقْتَ أَنْ تُصَلِّيَ عَلَى الْأَرْضِ، وَإِلَّا فَأَوْمِ إِيمَاءً، وَاجْعَلْ سُجُودَكَ أَخْفَضَ مِنْ رُكُوعِكَ": (السنن الکبریٰ للبیہقی: ۲/۳۰۶)

ایک شخص تکیے پر سجدہ کر رہا تھا نبی ﷺ نے تکیہ پھینک دیا اور فرمایا نماز پڑھ جتنی طاقت ہو۔

﴿ وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا ﴾ سے جن اعمال کی پہلے تعریف فرمائی تھی ان کی ترغیب مقصود ہے کہ یہ اعمال دشوار نہیں بلکہ اللہ طاقت سے زیادہ کسی کو تکلیف نہیں دیتا۔

﴿ وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴾ سے یہ سمجھایا کہ یہ خیال نہ کرنا کہ تم جو اعمال کرتے ہو وہ ضائع ہو جائیں گے، انہیں کون یاد رکھے گا اور ان کے مطابق جزا دے گا؟

﴿ وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ ﴾ یہ کافروں کا حال بیان ہو رہا ہے کہ ان کو ان کاموں سے دلچسپی نہیں جو اللہ کے یہاں مقبول ہیں بلکہ اس کے علاوہ دوسرے کاموں سے ہے۔

(۱) میچ سے دلچسپی ہے نماز سے نہیں۔

(۲) فلمیں دیکھنے میں رات گذار دیتے ہیں تہجد سے دلچسپی نہیں۔

(۳) مسجد میں دل نہیں لگتا درگاہوں میں اٹکا رہتا ہے۔

(۴) سنتِ نبوی ﷺ سے کوسوں دور رہیں گے، مگر محرم کا شربت، کھچڑا، میلاد، گیارہویں وغیرہ کا شاندار اہتمام کریں گے۔

(۵) فضول خرچی کریں گے مگر اللہ کے حقوق اور بندوں کے حقوق ادا کرنے سے جی چرائیں گے۔

وَهُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۹﴾

اور وہی ہے جس نے تم کو زمین میں پیدا کیا اور اُسی کی طرف تم سب جمع ہو کر جاؤ گے۔ (۷۹)

"ذرأ الأرض" ای "بذرھا" "ذرأ" کا مطلب بونا ہے یعنی جس طرح کسان زمین میں بیج بوتا ہے اسی طرح اللہ نے تمہیں زمین میں بو دیا ہے۔

یہ قیامت کی ایک جامع دلیل ہے کہ کسان جب بوتا ہے تو محض بونے کی خاطر نہیں بوتا، بلکہ اس کو کاٹ کر اکٹھا بھی کرتا ہے، اس مغالطہ میں نہ رہنا کہ یہیں پیدا ہوئے ہیں، یہیں مر کھپ جائیں گے، اسی طرح جس نے تمہیں اس زمین میں پھیلایا ہے وہ ایک دن تمہیں جمع بھی کرے گا۔

وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ﴿٩٧﴾

اور کہو کہ اے اللہ! میں شیطانوں کے وسوسوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ (۹۷)

"ھمزۃ" کے معنی ہیں دھکا دینا، پیچھے سے آواز دینا، غیظ وغضب کی حالت میں انسان کو جب اپنے اوپر قابو نہیں رہتا تو اس میں شیطان کے "ھمزۃ" کا دخل ہوتا ہے، نماز میں تکبیر تحریمہ کے بعد ثنا میں آپ یہ دعا پڑھتے مثلاً:

"اللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِي وَبَيْنَ خَطَايَايَ، كَمَا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ، اللهم نَقِّنِي مِنَ الْخَطَايَا كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْأَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ، اللّٰهُمَّ اغْسِلْ خَطَايَايَ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ"

(صحیح بخاری، کتاب الأذان: ۷۴۴)

پھر "اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم من همزه ونفخه ونفثه بسم الله الرحمٰن الرحیم" پھر سورۂ فاتحہ پڑھتے۔

وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ﴿٩٨﴾

اور اے اللہ! اس سے بھی تیری پناہ مانگتا ہوں کہ وہ میرے پاس آ موجود ہوں۔ (۹۸)

﴿اَنْ يَّحْضُرُوْنِ﴾ شیطان، انسان کے پاس آتا ہے اور ہر کام میں گناہوں اور غلط کاموں کا وسوسہ اس کے دل میں ڈالتا رہتا ہے۔

حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿٩٩﴾

(یہ لوگ اسی غفلت میں رہیں گے) یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے پاس موت آجائے گی تو کہے گا کہ اے اللہ! مجھے پھر (دنیا میں) واپس بھیج دے۔ (۹۹)

﴿رَبِّ ارْجِعُوْنِ﴾

وروی ابن جریج "إذا عاين المؤمن الملائكة، قالوا: نرجعك إلى الدنيا، فيقول: إلى دار الهموم والأحزان؟ فيقول: بل قُدُماً إلى الله جل ثناؤه، وأما الكافر فيقولون له نرجعك فيقول: رب ارجعون لعلي أعمل صالحاً فيما تركت (فتح القدیر للشوکانی: ۳/۷۰۸، مرسل)

ابن جریج سے روایت ہے کہ موت کے وقت فرشتے مومن سے پوچھتے ہیں کہ کیا تمہیں دنیا میں واپس کر دیا جائے؟ وہ کہتا ہے اس تکلیفوں کے عالم میں جا کر کیا کروں گا۔ کافر کہتا ہے مجھے لوٹا دو۔

لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ۭ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَاۗىِٕلُهَا ۭ وَمِنْ وَّرَاۗىِٕهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿١٠٠﴾

Scanned by CamScanner

تاکہ میں اس میں جسے چھوڑ آیا ہوں نیک کام کیا کروں۔ ہر گز نہیں یہ ایک ایسی بات ہے کہ وہ اسے زبان سے کہہ رہا ہوگا (اور اس کے ساتھ عمل نہیں ہوگا) اور اُس کے پیچھے برزخ ہے (جہاں وہ) اس دن تک کہ (دوبارہ) اٹھائے جائیں گے (رہیں گے)۔(۱۰۰)

کافر کہے گا مجھے دنیا میں لوٹا دیا جائے تاکہ نیک عمل کر کے عذاب سے نجات حاصل کرلوں، یہ کلمہ تو اس کو کہنا ہی تھا کیونکہ عذاب سامنے آچکا ہے مگر اس کلمہ کا کوئی فائدہ اس لیے نہیں کیونکہ وہ برزخ میں پہونچ گیا ہے، جس کا قانون یہ ہے کہ وہاں سے پلٹ کر کوئی دنیا میں واپس نہیں آسکتا۔

﴿كَلَّا ۚ إِنَّهَا كَلِمَةٌ﴾ قانون یہ ہے کہ برزخ سے لوٹ کر کوئی دنیا میں نہیں آتا۔

﴿وَمِن وَرَائِهِم بَرْزَخٌ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ﴾

قرآن مجید میں برزخ دو معنوں میں آیا ہے:

(۱) برزخ لغوی جیسے ﴿بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ﴾ (سورۂ رحمن:۲۰) یہاں برزخ سے مراد حاجز (روک، آڑ) ہے

(۲) برزخ شرعی جیسے ﴿وَمِن وَرَائِهِم بَرْزَخٌ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ﴾

"البرزخ شرعا مابين الدنيا والآخرة قبل الحشر من وقت الموت الى البعث ،فمن مات فقد دخل البرزخ"

حشر سے پہلے موت کے وقت سے اٹھائے جانے تک دنیا اور آخرت کے درمیان کا دورانیہ برزخ کہلاتا ہے۔

﴿وَمِن وَرَائِهِم بَرْزَخٌ﴾ دو چیزوں کے درمیان "فاصل" کو برزخ کہتے ہیں، یہ موت کے بعد سے قیامت تک کا دورانیہ ہے، یہ متشابہات میں سے ہے، اس پر ہمارا ایمان ہے، مگر اس کی کیفیت معلوم نہیں، نہ اس میں ہمیں کھود کرید کی اجازت ہے مثلاً ایک انسان کو مرنے کے بعد دفن کر دیا جاتا ہے اور اس پر عذاب وثواب ہوتا ہے۔ مگر ایک شخص کو جلا کر راکھ کر دیا جاتا ہے اور راکھ کے تمام ذرات منتشر ہو جاتے ہیں، اسی طرح کسی آدمی کو جانور کھا جاتا ہے اور وہ اس جانور کا جز وبدن بن جاتا ہے، ایسے تمام لوگوں پر عذاب وثواب کیسے ہوتا ہے؟ اس کی کیفیت مجہول ہے، ہمیں صرف اتنا معلوم ہے کہ انسان خواہ راکھ ہو جائے یا کسی جانور کا جز وبدن بن جائے، کوئی بھی جز فنا نہیں ہوتا، صرف اس کی شکل بدل جاتی ہے، عذابِ قبر کے بارے میں اتنی حدیثیں وارد ہوئی ہیں کہ ان کا مضمون تواتر کی حد تک پہونچ گیا ہے، اس لیے عذابِ قبر کا منکر گمراہ اور بدعتی ہے بلکہ اس پر کفر کا خوف ہے، قرآن اور احادیث کو ملا کر یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ عذابِ قبر روح اور بدن دونوں پر ہوتا ہے۔

فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ فَلَا أَنسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَاءَلُونَ ﴿١٠١﴾ فَمَن ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿١٠٢﴾ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا

Scanned by CamScanner

اَنۡفُسَهُمۡ فِیۡ جَهَنَّمَ خٰلِدُوۡنَ ﴿۱۰۳﴾ تَلۡفَحُ وُجُوۡهَهُمُ النَّارُ وَهُمۡ فِيۡهَا كٰلِحُوۡنَ ﴿۱۰۴﴾

پھر جب صور پھونکا جائے گا تو نہ تو ان میں قرابتیں ہوں گی اور نہ ایک دوسرے کو پوچھیں گے۔(۱۰۱) تو جن کے (اعمال کے) بوجھ بھاری ہوں گے وہ فلاح پانے والے ہیں۔(۱۰۲) اور جن کے بوجھ ہلکے ہوں گے وہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈالا، ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔(۱۰۳) آگ اُن کے مونہوں کو جھلس دے گی اور وہ اس میں تیوری چڑھائے ہوں گے۔(۱۰۴)

﴿فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوۡرِ فَلَاۤ اَنۡسَابَ بَيۡنَهُمۡ يَوۡمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوۡنَ﴾

تین صور (۱) پہلا نفخہ ،فزع اکبر اور دوسرا نفخہ صعق ،تیسرا نفخہ بعث ہے۔

﴿فَلَاۤ اَنۡسَابَ بَيۡنَهُمۡ﴾ اس وقت باہمی رشتے اور قرابتیں کام نہ آئیں گی ،کوئی کسی پر رحم نہ کرے گا۔سب کو اپنی فکر لگی ہوگی۔

﴿وَلَا يَتَسَآءَلُوۡنَ﴾ ایک دوسرے کے بارے میں ہیبت کے مارے سوال نہ کریں گے۔

﴿تَلۡفَحُ وُجُوۡهَهُمُ النَّارُ وَهُمۡ فِيۡهَا كٰلِحُوۡنَ﴾ "كَلَحَ" تاریک دکھائی دینا (Look Gloomy) "کالح" (Disfigured) "لفح" (Scorch) جھلس دے گی ،جہنم کی آگ ان کے چہروں کو جھلس دے گی جس سے وہ کالے دکھائی پڑیں گے ،اس آیتِ کریمہ کو وہ لوگ نگاہ میں رکھیں جو لوگوں کو فتنے میں مبتلا کرنے کے لیے خاص طور سے اپنے چہرے پر زیادہ توجہ دیتے ہیں اور اس کو خوبصورت بنانے کے لیے نہ جانے کیا کیا کرتے ہیں۔

وَقُلۡ رَّبِّ اغۡفِرۡ وَارۡحَمۡ وَاَنۡتَ خَيۡرُ الرّٰحِمِيۡنَ ﴿۱۱۸﴾

اور اللہ سے دعا کرو کہ میرے رب! مجھے بخش دے اور (مجھ پر) رحم کر اور تو سب سے بہتر رحم کرنے والا ہے۔(۱۱۸)

"غفر" کے معنی چھپانے کے ہیں ،یعنی اللہ گناہوں کو انسانوں کی نگاہوں سے اوجھل کر دیتا ہے اور اللہ کی رحمت ہی اسے اس کے تمام اقوال واعمال میں توفیق خیر دیتی ہے ،گویا غفر ایک طرح سے منزل سلبی ہے اور رحمت منزل ایجابی۔

Scanned by CamScanner

سورۃ النور (مدنیۃ)

سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِيْهَآ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ①

یہ (ایک) سورۃ ہے جس کو ہم نے نازل کیا اور اس (کے احکام) کو فرض کر دیا اور اس میں واضح المطالب آیتیں نازل کیں تاکہ تم یاد رکھو۔(۱)

﴿سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا﴾ اس سورہ کو سورہ کہنے سے ظاہر ہے کہ یہ سورہ ایک انفرادیت رکھتی ہے، کسی اور سورہ میں یہ نہیں فرمایا گیا کہ یہ فرض ہے، اس کی وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ اس میں احکام وحدود کا ذکر ہے اور اخلاقی گناہوں پر سزاؤں کا ذکر ہے اور تمام مسلمانوں پر ان حدود کا نفاذ لازمی ہے اور یہ کہ تمام مسلمان ان حدود کی پابندی کریں۔

﴿سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا﴾ یہ تمہید ہے ان حدود واحکام کے مضامین کی جو آگے آنے والے ہیں تو لوگ چاہئے کہ ان کے منقاد بن جائیں کیونکہ یہ بشری افکار اور انسانی اجتہادات نہیں ہیں لہٰذا کسی کو حق نہیں پہونچتا کہ اختلاط مردوزن اور حجاب وغیرہ کے بارے میں یہ کہے کہ یہ قضایا شخصیہ (پرسنل میٹرس) ہیں۔

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۪ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ②

بدکاری کرنے والی عورت اور بدکاری کرنے والا مرد (جب اُن کی بدکاری ثابت ہو جائے تو) دونوں میں سے ہر ایک کو سو دُرّے مارو اور اگر تم اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو شریعتِ الٰہی (کے حکم) میں تمہیں ان پر ہرگز ترس نہ آئے اور چاہئیے کہ اُن کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت بھی موجود ہو۔(۲)

Scanned by CamScanner

اسلام نے زنا اور اس کے اسباب ودواعی کے سدباب کے لیے تین تدبیریں اختیار کی ہیں:

(۱) عفت وعصمت پر بہترین انعام واکرام کا ذکر اور فحش کاری پر وعید شدید۔

(۲) حدود اور سزائیں، کہ غیر شادی شدہ کو سو کوڑے مارنا اور شادی شدہ کو سنگسار کرنا۔

(۳) غیر محرم مرد اور عورت کی ایک دوسرے سے مکمل علیحدگی اور ان کے باہمی اختلاط پر دوٹوک پابندی۔

انسان کی تین حالتیں ہیں:

(۱) یا تو رہبانیت اختیار کرلے، شادی ہی نہ کرے۔

(۲) یا کہیں بھی منہ مارتا پھرے۔

(۳) اسلام کا راستہ ہے، جو معتدل ہے، کہ نکاح کرلے۔

سارا زور قرآن نے عورت کی پاکیزگی اور حفظِ عصمت پر رکھا ہے، نہ کہ اس کی اعلیٰ تعلیم اور اعلیٰ ڈگریوں پر، عورت کی عفت ہی خانگی زندگی کی جان ہے، بنیادی نکتہ یہ ہے کہ اسلام نے معاشرہ کی بنیاد خاندان کو قرار دیا ہے، اگر خاندان کا نظام صحیح اصول پر قائم ہوگیا تو اصلاح سارے معاشرے کی ہورہے گی۔

احکام پڑھیے اور اس عمل کو دیکھیے جو آزاد خیال مسلمانوں نے اختیار کر رکھا ہے۔

شادی شدہ زانیہ کو رجم کیوں؟

وہ اپنی عصمت برباد کرکے اپنے شوہر سے عملی غداری اور بیوفائی کرتی ہے، وہ دہرے جرم کی مجرم ہوگئی۔

مرد مومن ایک ہی عورت کا وفادار ہوکر رہے اور شراب نہ پیئے تو اس کے پیشاب سے Enzym (انزائم) بنتا ہے جو کینسر کا علاج کرتا ہے۔ اسی طرح ماں کے دودھ میں D.H.A پایا جاتا ہے جو دماغی قوت کو بڑھاتا ہے۔

زنا کی سزا:

(۱) غیر شادی شدہ کو سو کوڑے اور شادی شدہ کو رجم۔

(۲) یہ سزا مسلمانوں کی جماعت کے سامنے ہو۔

(۳) بدکار کو بدکار عورت سے رغبت ہوتی ہے۔

کسی عورت پر تہمت (قذف) کی سزا اسّی کوڑے ہے اگر وہ چار گواہ نہ لاسکے تو اور اگر اپنی بیوی پر الزام لگائے تو ایسی صورت میں چار گواہوں کا بہم پہونچانا مشکل ہے اور اپنی بیوی پر تہمت لگانے میں مرد کی بھی بے عزتی ہے، بغیر سبب قوی کے شوہر اپنی بیوی پر ایسا الزام نہیں لگا سکتا، اس لیے دونوں کی رعایت کرتے ہوئے حکم جداگانہ دیا گیا کہ چار قسمیں کھائیں جو بمنزلہ چار گواہوں کے ہیں، پانچویں بار بولے کہ اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو، اور عورت بھی کہے گی کہ اللہ کی قسم میرا شوہر جھوٹا ہے اور پانچویں بار کہے گی اگر وہ سچا ہے تو مجھ پر اللہ کا غضب ہو۔

Scanned by CamScanner

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ
اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿٦﴾ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ
كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿٧﴾ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ
لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿٨﴾ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿٩﴾
وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ﴿١٠﴾

اور جو لوگ اپنی عورتوں پر بدکاری کی تہمت لگائیں اور خود اُن کے سواء اُن کے گواہ نہ ہوں تو ہر ایک کی شہادت یہ ہے کہ پہلے تو چار بار اللہ کی قسم کھائے کہ بیشک وہ سچا ہے۔(۶) اور پانچویں بار یہ (کہے) کہ اگر وہ جھوٹا ہے تو اُس پر اللہ کی لعنت۔(۷) اور عورت سے سزا کو یہ بات ٹال سکتی ہے کہ وہ پہلے چار بار اللہ کی قسم کھائے کہ بیشک یہ جھوٹا ہے۔(۸) اور پانچویں دفعہ یوں (کہے) کہ اگر یہ سچا ہو تو مجھ پر اللہ کا غضب (نازل ہو)۔(۹) اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی مہربانی نہ ہوتی تو بہت سی خرابیاں پیدا ہو جاتیں مگر وہ صاحبِ کرم ہے اور یہ کہ اللہ توبہ قبول کرنے والا اور حکیم ہے۔(۱۰)

﴿وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ﴾

"لعان": چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ وہ اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگانے میں سچا ہے، پانچویں مرتبہ کہے گا کہ اگر جھوٹا ہے تو اس پر اللہ کی لعنت، بیوی قسم کھا کر کہے کہ میرا خاوند جھوٹا ہے اور اگر میں جھوٹی ہوں تو مجھ پر اللہ کا غضب ہو۔

لعان کے بعد اللہ کی دو صفتیں "تواب" اور "حکیم" لائی گئیں۔ جب کہ توبہ کے ساتھ صفت رحمت زیادہ مناسب تھی۔ اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ لعان کی مشروعیت میں اللہ کی زبردست حکمت ہے، اس میں اس عظیم برائی پر پردہ بھی ڈالا گیا ہے اور غیور مردوں کے لیے ایک آسان اور معقول تجویز مہیا کردی ہے، پردہ ڈالنے کا مطلب ہے کہ زنا کی سزا نہیں دی گئی۔

اگر کوئی شخص کسی غیر عورت پر تہمت لگائے تو اس کا فیصلہ شہادتوں کی بنا پر ہوگا۔ اور اگر اپنی بیوی پر الزام لگائے تو اس کا فیصلہ لعان کی صورت میں ہوگا جیسے ان آیات میں مذکور ہے۔

قسم کھانے کے دوران قاضی فریقین کو اللہ سے ڈر کر صحیح بات کہنے کی تلقین کرتا رہے اور اگر فریق اپنے دعویٰ سے رک جائے تو اس پر قذف لگے گی اور مرد کے قسمیں کھانے کے بعد عورت رک جائے تو ظاہر ہے کہ اس نے اپنے زنا کے جرم کا اعتراف کرلیا، اس صورت میں اسے رجم کیا جائے گا اور آیت نمبر/ ۸ میں لفظ عذاب سے یہی سزا مراد ہے۔

لعان کے احکام

☆ لعان تفریقِ زوجین کی سب سے سخت قسم ہے۔جس کے بعد فریقین میں کبھی دوبارہ نکاح نہیں ہوسکتا۔

☆ لعان کے بعد مرد طلاق دے یا نہ دے،اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا،ہمیشہ کے لیے جدائی ازخود واقع ہوجاتی ہے۔

☆ لعان کے بعد مرد عورت سے حق مہر یا دیگر اخراجات کی واپسی کا مطالبہ نہیں کرسکتا۔

☆ لعان کے بعد عدت کے دوران عورت کا نان ونفقہ یا سکنی مرد کے ذمہ نہ ہوگا۔

☆ پیدا ہونے والا بچہ ماں کی طرف منسوب ہوگا،اسے متہم زانی کی طرف منسوب نہیں کیا جائے گا۔

☆ بچہ ماں کا وارث ہوگا اور ماں بچہ کی اور وضعِ حمل کے بعد اگر عورت مجرم ثابت ہوجائے تو بھی اسے سنگسار نہیں کیا جائے گا۔

إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنكُمْ ۚ لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُم ۖ بَلْ هُوَ خَيْرٌ
لَّكُمْ ۚ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُم مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ ۚ وَالَّذِي تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ
عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١١﴾ لَّوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْرًا
وَقَالُوا هَٰذَا إِفْكٌ مُّبِينٌ ﴿١٢﴾ لَّوْلَا جَاءُوا عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ ۚ فَإِذْ لَمْ يَأْتُوا
بِالشُّهَدَاءِ فَأُولَٰئِكَ عِندَ اللَّهِ هُمُ الْكَاذِبُونَ ﴿١٣﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ
فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِي مَا أَفَضْتُمْ فِيهِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١٤﴾ إِذْ تَلَقَّوْنَهُ
بِأَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُولُونَ بِأَفْوَاهِكُم مَّا لَيْسَ لَكُم بِهِ عِلْمٌ وَتَحْسَبُونَهُ هَيِّنًا
وَهُوَ عِندَ اللَّهِ عَظِيمٌ ﴿١٥﴾ وَلَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ قُلْتُم مَّا يَكُونُ لَنَا أَن نَّتَكَلَّمَ بِهَٰذَا
سُبْحَانَكَ هَٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ ﴿١٦﴾ يَعِظُكُمُ اللَّهُ أَن تَعُودُوا لِمِثْلِهِ أَبَدًا إِن كُنتُم
مُّؤْمِنِينَ ﴿١٧﴾ وَيُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿١٨﴾ إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ
أَن تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ
وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿١٩﴾

جن لوگوں نے بہتان باندھا ہے تم ہی میں سے ایک جماعت ہے اُس کو اپنے حق میں بُرا نہ سمجھنا بلکہ وہ تمہارے لیے اچھا ہے ان میں سے جس شخص نے گناہ کا جتنا حصہ لیا اُس کیلئے اتنا وبال ہے اور جس نے اُن میں سے اس بہتان کا بڑا بوجھ اٹھایا ہے اُس کو بڑا عذاب ہوگا۔(۱۱) جب تم نے وہ بات سنی تھی تو مومن مردوں اور عورتوں نے کیوں اپنے دلوں میں نیک گمان نہ کیا اور کیوں نہ کہا کہ یہ صریح طوفان

ہے۔(۱۲) یہ (افتراء پرداز) اپنی بات (کی تصدیق) کے (لئے) چار گواہ کیوں نہ لائے؟ تو جب یہ گواہ نہیں لا سکے تو اللہ کے نزدیک یہی جھوٹے ہیں۔(۱۳) اور اگر دنیا و آخرت میں اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو جس بات کا تم چرچا کرتے تھے اُس کی وجہ سے تم پر بڑا (سخت) عذاب نازل ہوتا۔(۱۴) جب تم اپنی زبانوں سے اُس کا ایک دوسرے سے ذکر کرتے تھے اور اپنے منہ سے ایسی بات کہتے تھے جس کا تمہیں کچھ علم نہ تھا اور تم اُسے ایک ہلکی بات سمجھتے تھے اور اللہ کے نزدیک وہ بڑی بھاری بات تھی۔(۱۵) اور جب تم نے اُسے سنا تو کیوں نہ کہا کہ ہمیں شایاں نہیں کہ ایسی بات زبان پر لائیں (اللہ!) تو پاک ہے یہ تو (بہت) بڑا بہتان ہے۔(۱۶) اللہ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ اگر مومن ہو تو پھر کبھی ایسا (کام) نہ کرنا۔(۱۷) اور اللہ تمہارے (سمجھانے کیلئے) اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان فرماتا ہے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔(۱۸) اور جو لوگ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ مومنوں میں بے حیائی (یعنی تہمت کی خبر، بدکاری) پھیلے ان کو دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہوگا اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔(۱۹)

﴿ اِنَّ الَّذِیۡنَ جَآءُوۡ بِالۡاِفۡكِ ﴾

﴿ اِفۡكِ ﴾ "افک" کے معنی الٹ دینے کے ہیں، انہوں نے پیکرِ عفت کو الزام تراشی کا ہدف بنالیا یعنی عائشہ رضی اللہ عنہا کا مقام و کردار تعریف و توصیف کا حقدار تھا، انہوں نے الٹ دیا۔

﴿ لَا تَحۡسَبُوۡهُ شَرًّا لَّكُمۡ ﴾ اس معاملے کو خیر کیوں کہا گیا، اس کے تین جوابات ہیں:

(۱) جو کرب و صدمہ لاحق ہوا، اس کے سبب ثواب عظیم ہے۔

(۲) آسمان سے عائشہ رضی اللہ عنہا کی برأت سے ان کا اور ان کے خاندان کا شرف معلوم ہوا۔

(۳) اہلِ ایمان کے لیے بہت سے عبرت کے پہلو سامنے آئے۔

(۱) تم نے اپنے اوپر قیاس کیوں نہ کیا کہ تم کسی پر تہمت لگانے سے پہلے اس کی جگہ اپنے آپ کو رکھ کر سوچتے۔

(۲) اس بہتان پر کوئی گواہ بھی پیش نہ کیا۔

(۳) اس افواہ کو بلا تحقیق پھیلانا شروع کر دیا، اگر اللہ کی رحمت نہ ہوتی تو تم عذاب عظیم کے مستحق ہو جاتے۔

(۴) ﴿ وَتَحۡسَبُوۡنَهٗ هَيِّنًا ﴾ یہ معاملہ براہ راست رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و آبرو کا تھا مگر تم نے اسے اہمیت نہ دی، اسے ہلکا سمجھ لیا۔

اس سے یہ بھی سمجھانا مقصود ہے کہ زنا ہی بڑا جرم نہیں ہے بلکہ کسی کی عزت و آبرو پر حملہ کرنا یا کسی خاندان کی تذلیل کرنا

Scanned by CamScanner

بھی بہت بڑا گناہ ہے، اسے ہلکا مت سمجھو، اسی وجہ سے آگے یہ کہا گیا کہ ایسی بات تم نے کیوں کہی، تمہیں ایسی بات منہ سے نکالنا ہی نہ تھا۔

﴿سُبۡحٰنَكَ هٰذَا بُهۡتَانٌ عَظِيۡمٌ﴾ اس سے امام مالک رحمہ اللہ استدلال کرتے ہیں کہ جو عائشہ رضی اللہ عنہا پر بے حیائی کا الزام عائد کرے وہ کافر ہے کیونکہ وہ اللہ اور قرآن کی تکذیب کرتا ہے۔

﴿اَلَّذِيۡنَ يُحِبُّوۡنَ اَنۡ تَشِيۡعَ الۡفَاحِشَةُ فِى الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ۙ فِى الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ ؕ وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ وَاَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ﴾

آیت کے الفاظ فحش پھیلانے کی تمام صورتوں پر حاوی ہیں، جیسے بدکاری کے اڈے قائم کرنا، بداخلاقی کی ترغیب دینے والے اور جذبات کو بھڑکانے والے، رقص، گانے، تصویریں، فحش کھیل تماشے نیز وہ تقریبات بھی اس دائرے میں آجاتی ہیں جن میں مخلوط تفریحات ہوتی ہیں۔

آپ اپنے اردگرد دیکھیں، آرٹ، کلچر، موسیقی اور ٹی وی چینلس کے ذریعے تفریحی پروگراموں کے نام پر کس طرح فحاشی پھیلائی جارہی ہے، اگر انہوں نے توبہ نہیں کی تو انہیں نمونۂ عبرت بنادیا جائے گا۔

﴿فَاِنَّهٗ يَاۡمُرُ بِالۡفَحۡشَآءِ﴾ فحاشی کی طرف رغبت شیطان کے نقشِ قدم پر چلنے کی پہلی علامت ہے۔

وَلَا يَاۡتَلِ اُولُوا الۡفَضۡلِ مِنۡكُمۡ وَالسَّعَةِ اَنۡ يُّؤۡتُوۡۤا اُولِى الۡقُرۡبٰى وَالۡمَسٰكِيۡنَ وَالۡمُهٰجِرِيۡنَ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ۖ وَلۡيَعۡفُوۡا وَلۡيَصۡفَحُوۡا ؕ اَلَا تُحِبُّوۡنَ اَنۡ يَّغۡفِرَ اللّٰهُ لَكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۲۲﴾

اور جو لوگ تم میں صاحبِ فضل (اور صاحبِ) وسعت ہیں وہ اس بات کی قسم نہ کھائیں کہ رشتہ داروں اور محتاجوں اور وطن چھوڑ جانے والوں کو کچھ (خیرات) نہیں دیں گے ان کو چاہیئے کہ معاف کردیں اور درگزر کریں، کیا تم پسند نہیں کرتے ہو کہ اللہ تمہیں بخش دے اور اللہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔ (۲۲)

﴿وَلۡيَعۡفُوۡا وَلۡيَصۡفَحُوۡا ؕ اَلَا تُحِبُّوۡنَ اَنۡ يَّغۡفِرَ اللّٰهُ لَكُمۡ﴾

عفو و درگزر:

نکتہ: انسان اگر یہ چاہتا ہے کہ اللہ کے عفو و درگذر کا حقدار بنے تو اس کو اپنے آپ کو ایسا بنانا ہوگا کہ اگر کوئی مسلم اس کے حق میں کوئی حق تلفی کردے یا کوئی زیادتی کردے تو اس کو معاف کردے۔

واقعہ کچھ یوں ہے کہ واقعۂ افک میں مسطح رضی اللہ عنہ جو فقرائے مہاجرین میں سے تھے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خالہ زاد بھی تھے اور یہی ان کی کفالت کیا کرتے تھے، اس بہتان عظیم کے بانی عبداللہ ابن ابی بن سلول کی چرب زبانی کی وجہ سے

Scanned by CamScanner

مسطح رضی اللہ عنہ بھی اس مہم میں شریک ہو گئے جن سے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دلی صدمہ پہنچا کہ غیر تو غیر، اپنا بھی اس مہم میں شریک ہو گیا، جب اللہ رب العالمین نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اس الزام و دشنام طرازی سے ﴿سُبۡحٰنَكَ هٰذَا بُهۡتَانٌ عَظِيۡمٌ﴾ کہہ کر بری قرار دے دیا تو ''فحلف ابو بکر آن لا ینفع مسطحا بنافعة ابدا'' ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قسم کھالی کہ مسطح رضی اللہ عنہ کو آئندہ کبھی بھی کوئی فائدہ نہ پہنچائیں گے۔ (مسطح کی مالی سرپرستی نہیں کریں گے) اس پر اللہ رب العالمین نے یہ آیت: ﴿وَلَا يَاۡتَلِ اُولُوا الۡفَضۡلِ مِنۡكُمۡ وَالسَّعَةِ اَنۡ يُّؤۡتُوۡۤا اُولِى الۡقُرۡبٰى وَالۡمَسٰكِيۡنَ وَالۡمُهٰجِرِيۡنَ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ۖ وَلۡيَـعۡفُوۡا وَلۡيَـصۡفَحُوۡا ؕ اَلَا تُحِبُّوۡنَ اَنۡ يَّغۡفِرَ اللّٰهُ لَـكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ﴾ (النور:۲۲)

اور تم میں سے جو بزرگی اور کشادگی والے ہیں انہیں اپنے قرابت داروں اور مسکینوں اور مہاجروں کو اللہ کی راہ میں دینے سے قسم نہ کھالینی چاہئے بلکہ معاف و درگذر کر دینا چاہئے، کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہاری غلطیوں کو معاف کر دے؟ اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔

اس آیت کے نازل ہوتے ہی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا:

''قَالَ أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ: بَلَى وَاللهِ إِنِّي لَأُحِبُّ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لِي، فَرَجَعَ إِلَى مِسْطَحٍ النَّفَقَةَ الَّتِي كَانَ يُنْفِقُ عَلَيْهِ، وَقَالَ: وَاللهِ لَا أَنْزِعُهَا مِنْهُ أَبَدًا (بخاری، کتاب المغازی: ۴۱۴۱)

کیوں نہیں اے ہمارے رب، تیری قسم ہم تو اسی بات کے خواہش مند ہیں کہ تو ہماری مغفرت فرما اور پھر پہلے کی طرح ابوبکر رضی اللہ عنہ مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ کو جو دیا کرتے تھے جاری کر دیا اور فرمایا اللہ کی قسم! اب کبھی بھی میں ان کا خرچ بند نہیں کروں گا۔

اِنَّ الَّذِيۡنَ يَرۡمُوۡنَ الۡمُحۡصَنٰتِ الۡغٰفِلٰتِ الۡمُؤۡمِنٰتِ لُعِنُوۡا فِى الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ ۖ وَلَهُمۡ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ ۝۲۳ يَّوۡمَ تَشۡهَدُ عَلَيۡهِمۡ اَلۡسِنَـتُهُمۡ وَاَيۡدِيۡهِمۡ وَاَرۡجُلُهُمۡ بِمَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ۝۲۴

جو لوگ پرہیزگار اور بُرے کاموں سے بے خبر اور ایمان دار عورتوں پر بدکاری کی تہمت لگاتے ہیں اُن پر دنیا و آخرت (دونوں) میں لعنت ہے اور اُن کو سخت عذاب ہوگا۔ (۲۳) (یعنی قیامت کے روز) جس دن اُن کی زبانیں ہاتھ اور پاؤں سب ان کے کاموں کی گواہی دیں گے۔ (۲۴)

﴿اِنَّ الَّذِيۡنَ يَرۡمُوۡنَ الۡمُحۡصَنٰتِ الۡغٰفِلٰتِ﴾

مومنات کی ایک صفت ''غافلات'' گویا مسلمان عورت ایسی ہونی چاہئے کہ وہ گناہوں سے اس قدر غافل ہو کہ اسے

Scanned by CamScanner

یہ بھی معلوم نہ ہو کہ گناہ کسے کہتے ہیں، آج ٹی وی اور فلموں وغیرہ کے ذریعے یون شکشا (Sex Education) کے نام پر اسی صفت غفلت سے ان کو عاری کیا جا رہا ہے۔

اَلْخَبِیْثٰتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ وَالْخَبِیْثُوْنَ لِلْخَبِیْثٰتِ ۚ وَالطَّیِّبٰتُ لِلطَّیِّبِیْنَ وَالطَّیِّبُوْنَ لِلطَّیِّبٰتِ ۚ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا یَقُوْلُوْنَ ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِیْمٌ ﴿۲۶﴾

ناپاک عورتیں ناپاک مردوں کیلئے اور ناپاک مرد ناپاک عورتوں کے لیے اور پاک عورتیں پاک مردوں کے لیے اور پاک مرد پاک عورتوں کے لیے یہ (پاک لوگ) ان (بدگویوں) کی باتوں سے بَری ہیں (اور) ان کے لیے بخشش اور نیک روزی ہے۔ (۲۶)

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت:

(۱) جبرئیل علیہ السلام نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی تصویر ریشم کے ایک ٹکڑے میں لا کر دکھائی اور کہا کہ یہ آپ کی بیوی ہیں۔
(۲) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے سوا کسی کنواری عورت سے نکاح نہیں کیا۔
(۳) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال ان کی آغوش میں ہوا۔
(۴) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے ہمراہ لیٹے ہوتے اور وحی نازل ہوتی۔
(۵) ان کی پاکی آسمان سے نازل ہوئی۔
(۶) صدیق کی بیٹی ہیں۔
(۷) اللہ نے ان کو طیبہ کہا۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾

مومنو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے (لوگوں کے) گھروں میں گھر والوں سے اجازت لئے اور اُن کو سلام کئے بغیر داخل نہ ہوا کرو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے (اور ہم یہ نصیحت اس لئے کرتے ہیں کہ) شاید تم یاد رکھو۔ (۲۷)

سورہ کے آغاز میں جو احکام دیئے گئے تھے وہ اس لیے تھے کہ معاشرے میں برائی رونما ہو جائے تو اس کا تدارک کیسے کیا جائے، اب یہاں سے وہ احکام دیئے جا رہے ہیں جن کا مقصد یہ ہے کہ معاشرے میں سرے سے برائیوں کی پیدائش ہی کو روک دیا جائے۔

Scanned by CamScanner

نکتہ: گھر میں سے آواز آئے کہ چلے جاؤ، تو چلے جاؤ، گھر کے باہر کھڑے رہنا بھی بعض اوقات ناگواری اور شبہات کا سبب بنتا ہے، زنا کے اسباب میں سے ایک سبب، مرد عورت کا ایک دوسرے کو بے حجابانہ دیکھنا ہے۔

﴿وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا﴾ پہلے سلام پھر اجازت۔

عَنْ رِبْعِيٍّ، قَالَ: حَدَّثَنَا رَجُلٌ مِنْ بَنِي عَامِرٍ أَنَّهُ اسْتَأْذَنَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي بَيْتٍ فَقَالَ: أَلِجُ؟ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِخَادِمِهِ: "اخْرُجْ إِلَى هَذَا فَعَلِّمْهُ الِاسْتِئْذَانَ، فَقُلْ لَهُ: قُلِ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ، أَأَدْخُلُ؟" فَسَمِعَهُ الرَّجُلُ، فَقَالَ: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ، أَأَدْخُلُ؟ فَأَذِنَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَدَخَلَ (ابوداؤد، کتاب الأدب:۵۱۷۷، صحیح)

السلام علیکم کہو! پھر کہو، کیا میں داخل ہو سکتا ہوں؟

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۭ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝۳۰

مومن مردوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کیا کریں یہ ان کیلئے بڑی پاکیزگی کی بات ہے اور جو کام یہ لوگ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے خبردار ہے۔(۳۰)

﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ﴾

عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَلِيٍّ: »يَا عَلِيُّ لَا تُتْبِعِ النَّظْرَةَ النَّظْرَةَ، فَإِنَّ لَكَ الْأُولَى وَلَيْسَتْ لَكَ الْآخِرَةُ (ابوداؤد، کتاب النکاح:۲۱۴۹، حسن)

نبی نے فرمایا اے علی رضی اللہ عنہ! پہلی نظر کے بعد دوسری نظر مت ڈالو، کیونکہ پہلی تمہاری ہے دوسری تمہاری نہیں ہے۔

﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۭ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ﴾ اس کے آخر میں ﴿وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ کیوں کہا توبہ سے اس کا کیا تعلق ہے؟

جواب:

انسان کتنی ہی کوشش کرے غض بصر (نظریں جھکانا) کے تعلق سے کچھ کچھ کوتاہی ہو ہی جاتی ہے، لہٰذا توبہ کا اہتمام کیا گیا۔

﴿يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ﴾ غضِ بصر سے مراد نیچے دیکھ کر چلنا نہیں، بلکہ پوری طرح نگاہ بھر کر نہ دیکھنا۔

مرد کا ستر ناف سے گھٹنے تک ہے۔

Scanned by CamScanner

عورت کی تین حالتیں ہیں:

(۱) اجنبی مرد کے لیے عورت پوری پردہ ہے۔

(۲) شوہر کے لیے کچھ پردہ نہیں۔

(۳) محرم کے لیے پانچ چیزیں پردہ نہیں، شیخ تویجری نے عورت کے اس ستر کا ذکر کرتے ہوئے جسے وہ اپنے محرم رشتہ داروں سے چھپائے گی نقل فرمایا کہ ان لوگوں کے لیے عورت کا مکمل جسم ستر ہے۔ سوائے ان اعضاء کے جو غالباً ظاہر ہو جاتے ہیں جیسے:

(۱)''وجہ''۔چہرہ

(۲)''رأس''۔سر

(۳)''عنق''۔گردن

(۴)''کفین''۔دونوں ہاتھ

(۵)''قدمین'' دونوں قدم۔

نماز میں عورتوں کے لیے ستر پوشی یعنی چہرے اور کفین کے علاوہ مکمل جسم چھپانے کے ساتھ سر پر اوڑھنی کا ہونا ضروری ہے، مرد کا ستر ناف اور گھٹنے کا درمیانی حصہ ہے، (خود ناف یا گھٹنا ستر میں داخل نہیں)، عورت کا سارا جسم ستر ہے سوائے چہرے اور کفین کے۔ ستر کا تعلق جسم کے پردہ سے ہے، خواہ عورت گھر کے اندر ہو یا باہر اور حجاب کا تعلق باہر سے ہے۔ یہاں ان آیات میں ستر کا مسئلہ بیان ہوا ہے اور حجاب کا مسئلہ سورۂ احزاب میں ہے۔ ستر وہ چیز ہے جسے محرم کے سامنے بھی کھولنا ناجائز ہے، رہا حجاب تو وہ ستر سے زائد ایک چیز ہے جسے عورتوں اور غیر محرم مردوں کے درمیان حائل کیا گیا ہے۔

عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاکدامنی مدلل کی گئی پھر ﴿اَلْخَبِيْثٰتُ﴾ سے عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاکدامنی اور بھی ثابت کیا جا رہا ہے کہ ناپاک عورتیں، ناپاک مردوں کے ساتھ رہتی ہیں اور پاکباز عورتیں، پاکباز مردوں کے ساتھ، اب دیکھنا یہ ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ پاکباز کون ہے؟ پس عائشہ رضی اللہ عنہا پاکباز ہیں، اس لیے جو شخص حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی جناب میں بدگمانی کرے وہ کافر ہے، زنا پر قدغن لگا کر تہمت (قذف) کی سخت ممانعت کرنے کے بعد اب جو چیزیں بدگمانی اور زنا کے اسباب نہیں ان سے روکتا ہے۔

اس لیے ﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا﴾ اور ﴿وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ﴾ فرمایا پھر زنا کے تمام اسباب و دواعی کی ممانعت کے بعد نکاح کی رغبت دلائی کہ مجرد رہنے میں خطرہ ہے اور جو لوگ شادی میں تاخیر کرتے ہیں کہ جب تک تعیش پسند زندگی حاصل نہ ہو تب تک رکے رہو ان کے لیے ﴿يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ﴾ فرمایا۔

﴿نِسَآئِهِنَّ﴾ علامہ البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد صرف مسلمان عورتیں ہیں یعنی مسلم عورت کسی کافرہ

عورت کے سامنے اپنی زیب و زینت کا اظہار نہیں کر سکتی، مفسرین نے کہا ہے کہ ضرورتوں کے پیشِ نظر عورت کو شریعت نے اجازت دی ہے کہ وہ اپنے چہرے کو کھول سکتی ہے۔ ﴿اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ﴾ سے مراد صرف باندیاں ہیں اور عورت کا غلام اپنی مالکہ کو دیکھ سکتا ہے اور یہ اجازت صرف ضرورت کے پیشِ نظر ہے، عورت ہجڑے سے بھی پردہ کرے کیونکہ نبی ﷺ نے ایک ہجڑے کو مدینہ سے نکال دیا تھا، جو عورتوں کی مشابہت اختیار کرتا تھا۔

﴿غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ﴾ مسلمان عورتیں اپنی زینت کو ان نوکروں اور ملازموں کے سامنے ظاہر کر سکتی ہیں جو جنسی خواہش نہ رکھتے ہوں۔

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ ۚ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ
يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۲﴾ وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ
نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ
اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ۖ وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ
اٰتٰىكُمْ ۚ وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۳﴾

اور اپنی قوم کی بیوہ عورتوں کے نکاح کر دیا کرو اور اپنے غلاموں اور لونڈیوں کے بھی جو نیک ہوں (نکاح کر دیا کرو) اگر وہ مفلس ہوں گے تو اللہ اُن کو اپنے فضل سے خوشحال کر دے گا اور اللہ (بہت) وسعت والا اور (سب کچھ) جاننے والا ہے۔(۳۲) اور جن کو بیاہ کا مقدور نہ ہو وہ پاکدامنی کو اختیار کئے رہیں یہاں تک کہ اللہ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے اور جو غلام تم سے مکاتبت چاہیں اگر تم ان میں (صلاحیت اور) نیکی پاؤ تو ان سے مکاتبت کر لو اور اللہ نے جو مال تمہیں بخشا ہے اس میں سے ان کو بھی دو اور اپنی لونڈیوں کو اگر وہ پاک دامن رہنا چاہیں تو (بے شرمی سے) دنیاوی زندگی کے فوائد حاصل کرنے کیلئے بدکاری پر مجبور نہ کرنا اور جو ان کو مجبور کرے گا تو ان (بیچاریوں) کے مجبور کئے جانے کے بعد اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔(۳۳)

﴿وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ﴾ زکوۃ اور صدقہ اپنی معنویت اور معنوی حقیقت کے اعتبار سے یہ ہے کہ لوگ خود غرض بن کر نہیں بلکہ دوسروں کے خیر خواہ بن کر رہیں۔

﴿وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ﴾ مجرد مردوں اور عورتوں کے لیے ان کے متعلقین نکاح میں مدد کریں۔

﴿وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ﴾ قحبہ گری کے پیشہ کا انسداد کیا جائے۔

Scanned by CamScanner

وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ: عَنْ أَبِي ذَرٍّ الْغِفَارِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: »إِنَّ اللَّهَ قَدْ تَجَاوَزَ عَنْ أُمَّتِي الْخَطَأَ، وَالنِّسْيَانَ، وَمَا اسْتُكْرِهُوا عَلَيْهِ (ابن ماجہ، کتاب الطلاق: ۲۰۴۳، صحیح)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے میری امت سے خطا، نسیان اور استکراہ (زبردستی کوئی گناہ کا کام کروانا) کو درگزر فرمادیا ہے۔

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِىْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّىٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِىْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ يَهْدِى اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۳۵﴾

اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے اُس کے نور کی مثال ایسی ہے کہ گویا ایک طاق ہے جس میں چراغ ہے اور چراغ ایک قندیل میں ہے اور قندیل (ایسی صاف شفاف ہے کہ) گویا موتی کا سا چمکتا ہوا تارا ہے اس میں ایک مبارک درخت کا تیل جلایا جاتا ہے (یعنی) زیتون کہ نہ مشرق کی طرف ہے نہ مغرب کی طرف (ایسا معلوم ہوتا ہے کہ) اس کا تیل خواہ آگ اُسے نہ بھی چھوئے جلنے کو تیار ہے (بڑی) روشنی پر روشنی (ہو رہی ہے) اللہ اپنے نور سے جس کو چاہتا ہے سیدھی راہ دکھاتا ہے اور اللہ جو مثالیں بیان فرماتا ہے (تو) لوگوں کے (سمجھانے کے) لئے اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔ (۳۵)

﴿اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾

انسانوں کی ایک قسم وہ ہے جس کی فطری استعداد زندہ ہوتی ہے، یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کا روغن دعوت حق کی آگ سے بھڑکنے کے لیے تیار رہتا ہے، دوسرے وہ لوگ کہ جن کا روغن بھڑکنے کے لیے تیار نہیں ہوتا، ان کی دو قسمیں ہیں (۱) جھوٹی تمناؤں پر زندہ رہتے ہیں۔ (۲) دوسرے کھلم کھلا منکر اور باغی ہوتے ہیں۔

﴿اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِهٖ﴾ ﴿زُجَاجَةٍ﴾ نور کو تارے سے کیوں تشبیہ دی گئی؟ چاند اور سورج سے کیوں نہیں؟ کیونکہ تارے میں گرہن نہیں لگتا، آغاز اس سورہ کا زنا کی قباحت و سزا سے ہوا، وہاں سے آیت ۳۳ تک زنا کے سدباب کے ۱۴ طریقے بیان کئے گئے ہیں۔

﴿مَثَلُ نُوْرِهٖ﴾ انسان کو جب اپنے دل میں تاریکی کا احساس، گناہ کے بعد ہو تو وہ اپنے آپ سے پوچھے کہ وہ کون سی چیز ہے جو میرے اور اس عظیم نور کے بیچ حائل ہو سکتی ہے؟ جس نے اس پوری کائنات کو اپنے نور سے روشن کیا ہے تو ﴿اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ میں یہی نکتہ ہے کہ انسان کو جب اپنے سینے میں ظلمت کا احساس ہو تو وہ اللہ کو یاد کرے، اسی لیے آیت نور کے آخر میں ﴿وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ﴾ فرمایا گیا۔

Scanned by CamScanner

﴿يَهۡدِي ٱللَّهُ لِنُورِهِۦ مَن يَشَآءُ﴾ یہاں نور سے مراد دین حق کی روشنی ہے، اس میں اہل ایمان کے لیے کتنی عظیم بشارت ہے کہ دنیا میں کتنے ایسے لوگ ہیں جو بہت ذہین، پڑھے لکھے اور مالدار وطاقتور ہیں لیکن اس نور سے محروم ہیں، لہٰذا اس نور کی حفاظت کریں، تاکہ قیامت میں ان لوگوں میں شمار ہوں جن کے بارے میں کہا گیا ﴿نُورُهُمۡ يَسۡعَىٰ بَيۡنَ أَيۡدِيهِمۡ وَبِأَيۡمَٰنِهِمۡ﴾ (سورہ تحریم:۸)

اللہ نہ ہوتا تو آسمان وزمین میں نور نہ ہوتا یعنی کسی کو ہدایت ہی نصیب نہ ہوتی، پس وہی دونوں کو روشن کرنے والا ہے، اس کی کتاب نور، اس کا رسول بحیثیت صفات نور ہے، انہیں دونوں کے ذریعے زندگی کی تاریکیوں میں روشنی حاصل کی جاسکتی ہے۔

نور کی دو قسمیں:

(۱) نور محسوس

(۲) نور معقول۔

نور محسوس جسے آنکھوں سے دیکھا جاسکے، جس سے زمین وآسمان کا چپہ چپہ روشن ہے، نور معقول جسے بصیرت اور [illegible] کی آنکھوں سے دیکھا جاسکے، جس کے ذریعے اللہ نے زمین وآسمان والوں کو ہدایت دی ہے، تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی صفت [illegible] ہے اور اس کا حجاب نور ہے جس سے زمین وآسمان روشن ہیں، اس کی کتاب نور ہے، اس کی شریعت نور ہے اور اسی پر ایمان [illegible] وہ نور ہے جس سے حیران اور بھٹکے ہوؤں کو ان کے راستے کی ہدایت ہوتی ہے، پھر اس نور کی مثال بیان کی اور اس کا مقام [illegible] اس کے حامل اور اس کے مادے کو بیان کیا۔

"مشکوۃ" (طاقچہ) انسان کا سینہ ہے اور "زجاجہ" (شیشہ) دل ہے۔ اس "زجاجہ" میں ایک چراغ ہے اور وہ نور ہے جو فتیلہ یعنی بتی میں ہے اور وہی فتیلہ (بتی) اس کی حامل (یعنی اٹھانے والی) ہے اور اس کے نور کا مادہ زیت (تیل) ہے جو درخت زیتون سے نچوڑا گیا ہے اور وہ ایسے معتدل مقام پر ہے جہاں سورج دن کے شروع اور آخر میں پہونچتا رہتا ہے، اس لیے اس کا تیل بہت ہی صاف ہوتا ہے، اس کی صفائی کا عالم یہ ہے کہ بلا آگ ہی کے جل اٹھے، مومن کا دل اپنی فطرتِ سلیمہ پر ہوتا ہے اور جیسے ہی ہدایت اس تک پہونچتی ہے، اس کا نور اور بڑھ جاتا ہے، زیتون کا درخت وحی کا درخت ہے۔

آیت نور کی تفسیر:

نورِ فطرت اور نورِ وحی:

سورۂ نور کی مشہور آیت ر۳۵ میں اس ایمان کو ایک نور قرار دے کر اس کی اصل حقیقت کو اس کے دو اجزائے ترکیبی یعنی نور فطرت اور نور وحی کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے اس کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔ اللہ آسمان وزمین کا نور ہے، اس کے نور کی

Scanned by CamScanner

مثال ایسے ہے جیسے ایک طاق ہو اس میں ایک چراغ ہو، چراغ ایک فانوس میں ہو اور وہ فانوس ایک چمکدار ستارے کی مانند روشن ہو، وہ چراغ جلتا ہے ایک ایسے مبارک زیتون کے درخت کے تیل سے جو نہ شرقی ہو نہ غربی، اس کا روغن بھڑک اٹھنے کو بے تاب ہو خواہ اسے آگ نے چھوا تک نہ ہو، یہ روشنی ہے روشنی پر، اللہ ہدایت دیتا ہے اپنے نور کی جانب جس کو چاہتا ہے اور اللہ لوگوں کے لیے مثالیں بیان فرماتا ہے، اور اللہ تو سب کچھ جاننے والا ہے (یعنی وہ ہر شئی کی حقیقت سے کما حقہ واقف ہے)

یہ آیت پورے قرآن مجید میں ایک منفرد اہمیت کی حامل ہے بالخصوص ''سورۃ النور'' میں تو اس کی حیثیت بالکل ایسے ہے جیسے ایک خوبصورت انگوٹھی میں ایک قیمتی نگینہ جڑا ہوا ہو، اس لیے کہ یہ سورۃ النور کے پانچویں رکوع کی پہلی آیت ہے اور ''سورۂ نور'' کل ۹ رکوعوں پر مشتمل ہے گویا پانچواں رکوع اس کے عین وسط میں واقع ہے۔ اور چار رکوع اس سے قبل ہیں اور چار رکوع اس کے بعد ہیں۔ اس رکوع میں ایمان اور اس کی اصل حقیقت کو تمثیلات کے پیرائے میں سمجھایا گیا ہے چنانچہ پہلی آیت میں ایمان کی حقیقت اور اس کی ماہیت کے لیے تمثیل لائی گئی ہے کہ وہ ایک نور ہے، ایک روشنی ہے، جس سے انسان کا قلب اور اس کا سینہ اور اس کے نتیجے میں اس کا پورا وجود، اس کی پوری شخصیت منور ہو جاتی ہے، پھر یہ کہ اس نور کے اجزائے ترکیبی دو ہیں، ایک وہ نورِ فطرت جو ہر انسان کی فطرت میں ودیعت شدہ ہے اور دوسرا نور وحی، جس سے اس نور کی تکمیل ہوتی ہے۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآنِ حکیم میں تمثیلوں اور تشبیہوں کو اس قدر کیوں استعمال فرمایا گیا ہے، یہ بات بھی جان لیجئے کہ یہ معاملہ صرف قرآنِ مجید ہی کا نہیں ہے بلکہ یہ تمام آسمانی کتابوں کا مشترک وصف ہے، خصوصاً انجیل میں تمثیلیں نہایت کثرت سے بیان ہوئی ہیں جو نہایت اعلیٰ اور حد درجہ معنی خیز ہیں اور دنیا کی اکثر زبانوں کے کلاسیکل ادب میں ضرب المثل کے طور پر استعمال ہوتی ہیں، آسمانی ادب میں ان تمثیلوں کے بکثرت استعمال کا سبب یہ ہے کہ بعض مضامین ایسے لطیف ہوتے ہیں اور فہم وادراک کی عمومی سطح سے اتنے بلند ہوتے ہیں کہ اولاً تو ان کو صراحت کے ساتھ بیان کرنا ممکن نہیں ہوتا، ثانیاً اگر انہیں عام انداز میں بیان کیا جائے تو ہو سکتا ہے کہ فائدے سے زیادہ نقصان ہو جائے اور عوام الناس کسی مغالطہ میں مبتلا ہو جائیں۔ دوسری طرف ان لطیف اور ماورائی حقائق کا ایک اجمالی تصور انسان کی ہدایت و رہنمائی کے لیے ضروری اور ناگزیر ہے لہٰذا آسمانی کتابوں میں ایسے حقائق کے ضمن میں تمثیل یا تشبیہہ کا پیرایہ اختیار کیا گیا ہے تا کہ اس سے ہر شخص اپنے فہم وشعور کی سطح کے مطابق استفادہ کرے۔

چنانچہ انجیل میں مذکور ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ایک حواری نے سوال کیا کہ استاد آپ تمثیلوں میں گفتگو کیوں کرتے ہیں حضرت مسیح نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ ''تا کہ وہی سمجھیں جن کا سمجھنا مفید ہے'' حاصل کلام یہ کہ تمثیل کی احتیاج انسان کو ہے اللہ کو نہیں۔ جیسے اس آیت کے آخر میں بیان فرمایا گیا کہ اللہ مثالیں بیان فرماتا ہے لوگوں کے لیے اور اللہ کو تو تمام چیزوں کا علم ہے اور یہ علم کما حقہ بھی ہے اور کما ھی بھی۔ ہر شئی کی اصل حقیقت اس پر روشن ہے، تمثیل کی احتیاج اللہ کو نہیں بلکہ اس کی ضرورت اصلاً ہمیں ہے۔

Scanned by CamScanner

اس کی ایک اور مثال بھی آپ کے سامنے آجائے تو مناسب ہوگا، جب یہ کہا جاتا ہے کہ قانون اسلامی بنیاد ہے تو بعض لوگ نا سمجھی کے باعث اعتراض کر بیٹھتے ہیں کہ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ قرآن مجید کو تو سنت کی ضرورت ہے، گویا قرآن، سنت کا محتاج ہے، اصل بات یہ ہے کہ ہم قرآن کو سمجھنے اور زندگی کے پیچیدہ مسائل و معاملات میں عملی رہنمائی کے حصول کے لیے سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے محتاج ہیں، قرآن مجید میں فرمایا گیا ''اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ کی جانب یہ ذکر یعنی قرآن مجید نازل فرمایا ہے تاکہ آپ لوگوں پر واضح کر دیں جو ان کے لیے نازل کیا ہے'' (النحل: ۴۴) اس آیت مبارکہ کی رُو سے قرآن کی تبیین، قرآن کی تشریح و توضیح اور قرآن کے اوامر و نواہی پر عمل کا واضح اور روشن اسوہ و نمونہ پیش کرنا، یہ تمام امور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض منصبی میں شامل ہیں اور ہم قرآن مجید کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات و فرمودات، نیز آپ کے عمل اور آپ کی سنت کی رہنمائی کے محتاج ہیں۔ بالکل یہی بات یہاں ہے کہ تمثیلوں کی احتیاج اللہ کو نہیں بلکہ ہمیں ہے، اللہ تو ہر شئی سے واقف ہے، ہر شئی کا علم رکھتا ہے۔

﴿مَثَلُ نُوۡرِهٖ﴾ کے ضمن میں دو صحابہ کی رائے بھی نہایت قابلِ غور ہے یہ دونوں صحابہ وہ ہیں جن کی قرآن فہمی کے ضمن میں خصوصی فضیلت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے، ان میں سے ایک ہیں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ دوسرے ہیں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، حضرت ابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہاں اس کے نور سے مراد ہے جو ایمان لائے، انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نور عطا ہوتا ہے۔ اس نور کی مثال یہاں بیان ہو رہی ہے وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: مَثَلُ نُورِهٖ فِي قَلْبِ الْمُؤْمِنِ (تفسیر الرازی) عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہاں مثل نورہ سے مراد قلب مومن میں اس کا نور ہے، گویا کہ یہاں مراد نور ایمان ہے، اس لیے کہ ہر شخص جانتا ہے کہ ایمانِ حقیقی کے نور کا محل و مقام قلب ہے، جیسے کہ سورۂ حجرات میں ایک جانب صحابہ کرام کے بارے میں فرمایا گیا کہ ''لیکن اللہ نے ایمان کو تمہاری محبوب ترین متاع بنا دیا ہے اور اسے تمہارے دلوں میں کھبا (سمو) دیا ہے اور کچھ دوسرے لوگوں کے بارے میں فرمایا کہ ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔ (الحجرات: ۷)

قلب مومن میں جو نور ایمان پیدا ہوتا ہے آگے اس کی تمثیل بیان کی گئی ہے کہ جیسے ایک طاق ہے، اب ذرا غور کیجئے اور اپنے جسم کی ہڈیوں کے پنجر کو اپنے تصور میں لائیے تو سینے کی جو ہڈیاں اور پسلیاں ہیں وہ بالکل ایک طاق کے مانند ہیں۔ ''ڈایافرام'' جو ہمارے سینے کو معدے وغیرہ سے جدا کرتا ہے وہ اس کا فرش ہے اور اس پر قلب رکھا ہوا ہے جب یہ قلب ایمان سے منور ہوتا ہے تو اب یہ ایک روشن چراغ کی مانند ہے جیسے ایک طاق ہو اور اس میں چراغ رکھا ہو، یہ چراغ ایک شیشے (فانوس) میں ہے ہم سب کا تجربہ ہے کہ اگر چراغ، شیشہ (فانوس یا قندیل) میں نہ ہو تو چراغ کی لو، ہوا سے ادھر ادھر منتشر ہوتی رہتی ہے اور جب چراغ، شیشے (فانوس یا قندیل) میں ہوتا ہے تو لو ایک مرکز پر مرتکز اور ایک جگہ قائم رہتی ہے جس سے روشنی بالکل یکساں طریقے اور ہموار طور پر اپنے ماحول میں سرایت کرتی ہے۔

اب آگے اس تمثیل کی اصل فصاحت و بلاغت آرہی ہے۔ کہ فانوس کی کیفیت یہ ہے جیسے چمکتا اور جگمگاتا تارا اور وہ چراغ ایک ایسے بابرکت زیتون کے درخت کے تیل سے روشن ہے جو نہ شرقی ہے نہ غربی، جس کا روغن خود بخود بھڑک اٹھنے کے لیے تیار ہو، چاہے اسے آگ نے چھوا تک نہ ہو، اس زیتون کے متعلق حبر الامۃ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اس سے زیتون کا ایسا درخت مراد ہے جو کسی پہاڑی کی چوٹی پر ہے یا کسی میدان میں یکہ وتنہا کھڑا ہو، ایسے درخت پر صبح سے شام تک مسلسل دھوپ پڑتی ہے گویا سورج کی حرارت وتمازت اس پر اثرانداز ہوتی رہتی ہے، اس کے برعکس اگر درختوں کا کوئی جھنڈ ہو اور اس کے مشرقی گوشے میں کوئی درخت ہو تو صبح کی دھوپ سے محروم رہے گا، یہ ہے مفہوم ﴿لَا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ﴾ کا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما مزید فرماتے ہیں کہ ایسے درخت کے پھل کا تیل نہایت صاف وشفاف ہوتا ہے اور اس میں روشن ہونے کی استعداد بدرجۂ تمام وکمال موجود ہوتی ہے، آیت کے اس حصے میں زیتون کے اس درخت کی روغن کی یہ خصوصیت وکیفیت بیان ہوئی ہے وہ اتنا صاف شفاف ہے کہ بھڑکنے اور مشتعل ہونے کے لیے بے تاب ہے اور مچل رہا ہے، چاہے اسے آگ نے چھوا نہ ہو، جدید دور میں اگر ہم اس کی مثال دیں تو وہ پٹرول ہے، مٹی کے تیل سے بھی دیا جلایا جاتا ہے اور لیمپ اور لالٹین روشن کی جاتی ہے اور سرسوں کے تیل سے بھی دیا جلالیا جاتا ہے، لیکن ان سب کے لیے بڑی جتن کرنا پڑتا ہے، اس کے لیے بتی چاہئے، کپڑا چاہئے، تب وہ جلے گا، اس کو براہ راست دیا سلائی دکھائیں، تو وہ نہیں جلے گا۔ اس کے برعکس پٹرول کا معاملہ ہے کہ دیا سلائی ابھی اس سے دور ہے قریب بھی نہیں آئی مگر پٹرول خود آگے بڑھ کر آگ کو پکڑنے اور بھڑک اٹھنے کے لیے بے تاب ہے، گویا یہاں ۔

"نغمے بے تاب ہیں تاروں سے نکلنے کے لیے"

فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ ۙ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ﴿۳۶﴾

(وہ قندیل) ان گھروں میں (ہے) جن کے بارے میں اللہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ بلند کئے جائیں اور وہاں اللہ کے نام کا ذکر کیا جائے (اور) ان میں صبح وشام اُس کی تسبیح کرتے رہیں۔ (۳۶)

انسانی جسم میں جو مقام دل کا ہے وہی مقام انسانی بستی میں مسجد کا ہے۔ انسان کا دل ایمان سے آباد ہوتا ہے اور مسجد اللہ کی عبادت سے آباد ہوتی ہے۔

رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ ۙ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ﴿۳۷﴾

(یعنی ایسے) لوگ جن کو اللہ کے ذکر اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے سے نہ سوداگری غافل کرتی ہے اور

نہ خرید وفروخت وہ اس دن سے جب دل (خوف وگھبراہٹ کے سبب) الٹ جائیں گے اور آنکھیں (اوپر کو چڑھ جائیں گی) ڈرتے ہیں۔(۳۷)

﴿رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ﴾ تجارت یعنی خرید وفروخت دونوں عام ہیں، مگر فروخت میں نفقہ حاصل کیا جاتا ہے، اس میں اور بھی لالچ ہے جو ذکر الٰہی سے روک دیتا ہے، اس لیے اس کو جداگانہ ذکر فرمایا، بعض لوگ نماز، زکوٰۃ اور ذکر الٰہی پر نازاں ہوتے ہیں، مگر یہ نماز وزکوٰۃ اور ذکر الٰہی کے باوجود اس دن (قیامت کے دن) سے ڈرتے رہتے ہیں۔ جس دن دل اور آنکھوں کا عجب حال ہوگا، دل صدمات کے مارے ہوا ہوں گے اور آنکھیں ٹکٹکی باندھے دیکھ رہی ہوں گی کہ کیا حکم آتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ۚ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـًٔـا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ۗ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۳۹﴾ اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ۗ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ۗ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ۗ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ﴿۴۰﴾

جن لوگوں نے کفر کیا اُن کے اعمال کی مثال ایسی ہے جیسے میدان میں ریت کہ پیاسا اُسے پانی سمجھے یہاں تک کہ جب اُس کے پاس آئے تو اُسے کچھ بھی نہ پائے اور اللہ ہی کو اپنے پاس دیکھے تو وہ اُس کا حساب پورا پورا چکا دے اور اللہ جلد حساب کرنے والا ہے۔(۳۹) یا (ان کے اعمال کی مثال ایسی ہے) جیسے گہرے سمندر میں اندھیرے، جس پر لہر چلی آتی ہو اور اس کے اوپر اور لہر (آ رہی ہو) اور اس کے اوپر بادل ہو غرض اندھیرے ہی اندھیرے ہوں ایک پر ایک (چھایا ہوا) جب اپنا ہاتھ نکالے تو کچھ نہ دیکھ سکے اور جس کو اللہ روشنی نہ دی اُس کو (کہیں بھی) روشنی نہیں (مل سکتی)۔(۴۰)

﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ﴾ پہلی مثال میں چونکہ ان کے عقائد صحیح نہیں لہٰذا کہا گیا کہ ان کے اعمال سراب کی طرح ہیں کہ آخرت میں ان سے کوئی نفع نہ ہوگا جیسے سراب کو پانی سمجھ لینے والے ظمآن (بہت پیاسا) کو پانی نہیں ملتا، سراب کے معنی چلنے کے ہیں، یعنی وہ ریت جو چلتے ہوئے پانی کی طرح نظر آتی ہے اسے سراب کہتے ہیں۔ جب پیاسا وہاں پہونچتا ہے تو ایک تو وہ شرمندہ ہوتا ہے ساتھ ساتھ اس کی پیاس بڑھ جاتی ہے، ایسے ہی کفار کے اعمال ہیں کہ وہ اعمال نافعہ دکھائی دیتے ہیں مگر یوم جزاء کو جب ان اعمال کے پاس وہ آئے گا تو اسے بیکار پائے گا، بلکہ وہاں اللہ کو پائے گا جس پر نقیر اور قطمیر کچھ نہیں چھپا ہوگا۔

یہ کفار کے اعمال ضائع اور باطل ہونے کی پہلی مثال ہے۔

﴿ كَسَرَابٍۢ بِقِيعَةٍ ﴾ (Like a Mirage in a Desert)

﴿ قِيعَةٌ ﴾ "قیعہ" زمین کے اس نشیبی حصے کو کہتے ہیں جس میں پانی ٹھہر جاتا ہے یا چٹیل میدان کو کہتے ہیں۔

﴿ اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِیْ بَحْرٍ لُّجِّیٍّ یَّغْشٰىهُ...... ﴾

جب ہاتھ نکالتا ہے تو باوجود قرب ید (ہاتھ کا قریب ہونا) کے اسے دیکھ نہیں پاتا تو اس کے علاوہ کسی چیز کو کیسے دیکھ پائے گا؟ ایسے ہی کفار کہ ظلمتیں ان کے دلوں پر تہ بہ تہ ہوگئی ہیں، پس وہ تاریکیوں میں حیران و سرگرداں ہیں، اللہ نے انہیں نور نہیں دیا، یہ کفار کے اعمال کے باطل ہونے کی دوسری مثال ہے۔

پہلی مثال: کافر کے اچھے اعمال، عدمِ ایمان کی وجہ سے اللہ کے نزدیک بالکل بے وزن ہوں گے، ان کا کوئی صلہ انہیں نہیں ملے گا۔

کافروں کے اعمال کی دوسری مثال یہ دی گئی کہ کافروں کے اعمال تہ بہ تہ اندھیروں کی طرح ہیں، یعنی مطلب یہ ہے کہ ان کے اعمال کو سراب سے تشبیہ دے لو یا تہ بہ تہ اندھیروں سے یا پہلی مثال کافروں کے اعمال کی ہے اور دوسری مثال ان کے کفر کی ہے جس میں وہ ساری زندگی گھرا رہتا ہے، یہ اندھیریاں اسے راہ ہدایت کی طرف نہیں آنے دیتیں۔

﴿ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ﴾

(۱) دریا کے قعر (گہرائی) کا اندھیرا

(۲) امواج کے تلاطم کے وقت کا اندھیرا

(۳) امواج کے اوپر تہ بہ تہ بادلوں کا اندھیرا، ایسی حالت میں ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا حالانکہ انسان کے پاس کی چیزوں میں عادتاً جو سب سے زیادہ قریب دکھائی دیتا ہے، وہ اس کا ہاتھ ہوتا ہے، اسی طرح کفار تین ظلمتوں (تاریکیوں)

(۱) اعتقاد کی ظلمت

(۲) قولِ بد کی ظلمت

(۳) عملِ بد کی ظلمت، میں ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الطَّیْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَ تَسْبِیْحَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِمَا یَفْعَلُوْنَ ﴿۴۱﴾

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو لوگ آسمانوں اور زمین میں ہیں اللہ کی تسبیح کرتے ہیں اور پر پھیلائے ہوئے جانور بھی اور سب اپنی نماز اور تسبیح کے طریقے سے واقف ہیں اور جو کچھ وہ کرتے ہیں سب اللہ کو معلوم ہے۔(۴۱)

پورا عالم مسخر و منقاد ہے (صغریٰ) جو مسخر و منقاد ہو وہ قابل پرستش نہیں۔ (کبریٰ)

Scanned by CamScanner

نتیجہ: پس عالم کی کوئی شئی اللہ کے علاوہ قابل پرستش نہیں، غور فرمائیں، صغریٰ بدیہی الثبوت ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْۢ بَرَدٍ فَيُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَيَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ ؕ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ﴿۴۳﴾

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ ہی بادلوں کو چلاتا ہے پھر اُن کو آپس میں ملا دیتا ہے اور ان کو تہہ بہ تہہ کر دیتا ہے پھر تم دیکھتے ہو کہ بادل سے مینہ نکل (کر برس) رہا ہے اور آسمان میں جو (اولوں کے) پہاڑ ہیں ان سے اولے نازل کرتا ہے تو جس پر چاہتا ہے اس کو برسا دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ہٹا دیتا ہے اور بادل میں جو بجلی ہوتی ہے اُس کی چمک آنکھوں کو (خیرہ کر کے بینائی کو) اُچکے لئے جاتی ہے۔ (۴۳)

اللہ بادل پیدا کرتا ہے پھر چھوٹے چھوٹے ٹکڑے جمع کر کے ''گھٹا'' بناتا ہے، اُس سے مینہ برساتا ہے، پھر خشک کا دہانہ کھلنے سے جس طرح پانی بے تحاشہ گر پڑتا ہے، اسی طرح مینہ گرے، ایسا نہیں ہونے دیتا، اس پر اور حکمت دیکھو نہیں بادلوں میں سے جو پہاڑوں کی طرح ہیں جس طرح مینہ برساتا ہے اسی طرح اولے (جسم جامد) برساتا ہے۔ جس کو نسبت ﴿مِنْ جِبَالٍ﴾ پتھر کہنا زیادہ مناسب ہے، اس پر اور قدرت کاملہ ﴿يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ﴾ اس سرد جگہ سے گرم یعنی بجلی جو آتش نہیں، بلکہ روح آتش ہے، ظاہر کرتا ہے۔ پھر وہ اس طرح کوندتی ہے کہ دیکھنے والوں کی آنکھیں چندھیا جاتی ہے۔ ان سب سے عاقل، بصیر کی آنکھیں نہیں چندھیاتیں بلکہ اور روشن ہو جاتی ہیں، کیونکہ اس میں وہ قادر و حکیم کی قوت دیکھتے ہے۔

وَيَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾

اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور رسول پر ایمان لائے اور (ان کا) حکم مان لیا پھر اُس کے بعد اُن میں سے ایک فرقہ پھر جاتا ہے اور یہ لوگ صاحب ایمان ہی نہیں ہیں۔ (۴۷)

یہاں سے روئے سخن منافقین مدینہ کی طرف ہو گیا ہے۔ پہلے یہ بتایا گیا کہ آخرت کی کامیابی سے ہمکنار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمانبردار ہوں گے۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۵۲﴾

اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے گا اور اس سے ڈرے گا تو ایسے ہی لوگ مراد کو پہنچنے والے ہیں۔ (۵۲)

أَنَّ عُمَرَ رضی اللہ عنہ بَيْنَمَا هُوَ قَائِمٌ فِي مَسْجِدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَإِذَا رَجُلٌ مِنْ دَهَاقِينِ الرُّومِ قَائِمٌ عَلَى رَأْسِهِ وَهُوَ يَقُولُ: أَنَا أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ. فَقَالَ لَهُ عُمَرُ: مَا شَأْنُكَ؟ قَالَ: أَسْلَمْتُ لِلَّهِ. قَالَ: هَلْ لِهَذَا سَبَبٌ؟ قَالَ: نَعَمْ! إِنِّي قَرَأْتُ التَّوْرَاةَ وَالزَّبُورَ وَالْإِنْجِيلَ وَكَثِيرًا مِنْ كُتُبِ الْأَنْبِيَاءِ، فَسَمِعْتُ أَسِيرًا يَقْرَأُ آيَةً مِنَ الْقُرْآنِ جَمَعَ فِيهَا كُلَّ مَا فِي الْكُتُبِ الْمُتَقَدِّمَةِ، فَعَلِمْتُ أَنَّهُ مِنْ عِنْدِ اللهِ فَأَسْلَمْتُ: قَالَ: مَا هَذِهِ الْآيَةُ؟ قَالَ قَوْلُهُ تَعَالَى: "وَمَنْ يُطِعِ اللهَ" فِي الْفَرَائِضِ "وَرَسُولَهُ" فِي السُّنَنِ "وَيَخْشَ اللهَ" فِيمَا مَضَى مِنْ عُمُرِهِ "وَيَتَّقْهِ" فِيمَا بَقِيَ مِنْ عُمُرِهِ: "فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ (قرطبی)

قرطبی میں ہے عمر فاروق رضی اللہ عنہ نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک رومی دہقان آپ کے بغل میں کھڑا ہو گیا کہا اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہدان اللہ محمد رسول اللہ۔ عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا بات ہے کہا میں مسلمان ہو گیا ہوں، کیونکہ میں نے ایک مسلمان قیدی کو قرآن کی ایک آیت پڑھتے سنا جس نے تمام کتب قدیمہ کو اپنے اندر سمو لیا ہے۔

﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ﴾ فرائض الہیہ سے متعلق ہے۔ ﴿وَرَسُوْلَهٗ﴾ سنن نبویہ سے متعلق ہے۔ ﴿وَيَخْشَ اللّٰهَ﴾ گذشتہ عمر سے متعلق ہے۔ اور ﴿وَيَتَّقْهِ﴾ آئندہ عمر سے متعلق ہے۔ اگر کوئی انسان ان چاروں چیزوں کا عامل ہو جائے تو اسے ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ﴾ کی بشارت ہے۔

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ۭ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ۭ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝

کہہ دیجئے کہ اللہ کی اطاعت کرو اور رسول اللہ اطاعت کرو اگر منہ موڑو گے تو رسول پر (اس چیز کا ادا کرنا) جو ان کے ذمے ہے اور تم پر (اس چیز کا ادا کرنا) ہے جو تمہارے ذمے ہے اور اگر تم ان کے فرمان پر چلو گے تو سیدھا رستہ پاؤ گے اور رسول کے ذمے تو صاف صاف (احکام الٰہی کا) پہنچا دینا ہے۔ (۵۴)

﴿وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا﴾ رسول کی اطاعت ہی پر ہدایت موقوف ہے، ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اس کی تفسیر کرتے ہیں: "من امر السنۃ علی نفسہ قولا وفعلا نطق بالحکمۃ ومن امر الھوی علی نفسہ نطق بالبدعۃ" جس آدمی نے سنت کو اپنے قول و فعل میں حاکم بنایا اس کی زبان سے حکمت نکلے گی۔ اور جس نے خواہش نفس کو اپنا حاکم بنایا اس کے منہ سے بدعت نکلے گی۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـــًٔا ۭ وَمَنْ كَفَرَ

Scanned by CamScanner

بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۵۵﴾

جولوگ تم میں سے ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے اُن سے اللہ کا وعدہ ہے کہ اُن کو ملک کا حاکم بنادے گا جیسا اُن سے پہلے لوگوں کو حاکم بنایا تھا اور اُن کے دین کو جسے اُس نے ان کیلئے پسند کیا ہے مستحکم و پائیدار کرے گا اور خوف کے بعد ان کو امن بخشے گا، وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی اور کو شریک نہ بنائیں گے اور جو اس کے بعد کفر کرے تو ایسے لوگ بدکردار ہیں۔(۵۵)

اس آیت میں 'استخلاف فی الارض' کے شرائط بیان کیے گئے ہیں:

(۱) اللہ ہی کی عبادت

(۲) شرک سے دوری۔

ان شرطوں کو پورا کرنے پر تین چیزوں کا وعدہ کیا گیا ہے۔

(۱) زمین میں اقتدار

(۲) دین اسلام کی بالادستی

(۳) خوف کے بعد امن۔

پھر ﴿وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ﴾ سے یہ بتایا گیا کہ خلافت ملے تو اللہ سے تعلق اور بندوں سے تعاون برابر استوار رہے، اقتدار پا کر اللہ اور رسول سے برگشتہ نہ ہو جائیں ورنہ سلطنت چھین لی جائے گی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ؕ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ۫ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ؕ طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۸﴾

مومنو! تمہارے غلام لونڈیاں اور جو بچے تم میں سے بلوغ کو نہیں پہنچے تین دفعہ (یعنی تین اوقات میں) تم سے اجازت لیا کریں (ایک تو) نمازِ صبح سے پہلے اور (دوسرے گرمی کی دوپہر کو) جب تم کپڑے اتار دیتے ہو اور تیسرے عشاء کی نماز کے بعد (یہ) تین (وقت) تمہارے پردے (کے) ہیں، ان کے (آگے) پیچھے (یعنی دوسرے اوقات میں) نہ تم پر کچھ گناہ ہے نہ اُن پر کہ کام کاج کے لیے ایک

Scanned by CamScanner

دوسرے کے پاس آتے رہتے ہو اس طرح اللہ اپنی آیتیں تم پر کھول کھول کر بیان فرماتا ہے اور اللہ بڑا علم والا اور حکمت والا ہے۔ (۵۸)

تین مواقع پر نا سمجھ بچے بھی بلا اجازت داخل نہ ہوں، اور جب بالغ ہو جائیں تو ہمہ وقت اجازت لے کر داخل ہوں۔

(۱) نماز فجر سے پہلے

(۲) دوپہر میں قیلولہ کے وقت

(۳) نماز عشاء کے بعد۔

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَیْسَ عَلَیْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ یَّضَعْنَ ثِیَابَهُنَّ غَیْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِیْنَةٍ ؕ وَاَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ خَیْرٌ لَّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۶۰﴾

اور بڑی عمر کی عورتیں جن کو نکاح کی توقع نہیں رہی اور وہ کپڑے اتار کر سر ننگا کر لیا کریں تو اُن پر کچھ گناہ نہیں بشرطیکہ اپنی زینت کی چیزیں نہ ظاہر کریں اور اگر اس سے بھی بچیں تو یہ ان کے حق میں بہتر ہے اور اللہ سنتا اور جانتا ہے۔ (۶۰)

سن یاس کو پہنچی ہوئی (بوڑھی اور از کار رفتہ) عورتیں جن کی جنسی خواہشات مر چکی ہوں اگر وہ پردہ نہ کریں تو اجازت ہے اور اگر کریں تو بہتر ہے۔

لَیْسَ عَلَی الْاَعْمٰی حَرَجٌ وَّلَا عَلَی الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَی الْمَرِیْضِ حَرَجٌ وَّلَا عَلٰۤی اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُیُوْتِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ اٰبَآىِٕكُمْ اَوْ بُیُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗۤ اَوْ صَدِیْقِكُمْ ؕ لَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِیْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ؕ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُیُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِكُمْ تَحِیَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَیِّبَةً ؕ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۱﴾

نہ تو اندھے پر کچھ گناہ ہے اور نہ لنگڑے پر اور نہ بیمار پر اور نہ خود تم پر کہ اپنے گھروں سے کھانا کھاؤ یا اپنے باپوں کے گھروں سے یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں کے

گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا اس گھر سے جس کی کنجیاں تمہارے ہاتھ میں ہوں یا اپنے دوستوں کے گھروں سے (اور اس کا بھی) تم پر کچھ گناہ نہیں کہ سب مل کر کھانا کھاؤ یا جدا جدا اور جب گھروں میں جایا کرو تو اپنے (گھر والوں کو) سلام کیا کرو (یہ) اللہ کی طرف سے مبارک اور پاکیزہ تحفہ ہے۔اس طرح اللہ اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان فرماتا ہے تا کہ تم سمجھو۔(۶۱)

﴿اَوْ صَدِیْقِکُمْ﴾ لوگ ایک دوسرے کے یہاں کھانے میں سخت احتیاط برتتے تھے حتیٰ کہ قانونی شرطوں کے مطابق صاحبِ خانہ کی دعوت و اجازت جب تک نہ ہو، وہ سمجھتے تھے کسی عزیز یا دوست کے یہاں کھانا ناجائز ہے۔قدیم زمانے میں بعض قبیلوں کی تہذیب یہ تھی کہ ہر ایک الگ کھانا لے کر بیٹھے اور کھائے، ایک جگہ بیٹھ کر کھانا برا سمجھتے تھے جیسا کہ ہندوؤں کے یہاں آج بھی برا سمجھا جاتا ہے، اسی طرح بعض قبیلے تنہا کھانے کو برا سمجھتے تھے حتیٰ کہ اگر کوئی ساتھ کھانے والا نہ ہوتا تو فاقہ کر جاتے۔

﴿فَسَلِّمُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِکُمْ﴾

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِذَا انْتَهَى أَحَدُكُمْ إِلَى الْمَجْلِسِ، فَلْيُسَلِّمْ فَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَقُومَ، فَلْيُسَلِّمْ فَلَيْسَتِ الْأُولَى بِأَحَقَّ مِنَ الْآخِرَةِ" (ابوداؤد، کتاب الأدب: ۵۲۰۸، صحیح)

جب مجلس میں پہنچے تو سلام کرے اور جب اٹھے تو بھی سلام کرے، کیونکہ پہلا دوسرے سے زیادہ حقدار نہیں۔اس حدیث سے بعض علماء نے استدلال کیا ہے کہ واپسی سلام میں مصافحہ کرنا جائز ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰۤى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ یَذْهَبُوْا حَتّٰى یَسْتَاْذِنُوْهُ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓىٕكَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۶۲﴾

مومن تو وہ ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور جب کبھی ایسے کام کیلئے جو جمع ہو کر کرنے کا ہو پیغمبر الٰہی کے پاس جمع ہوں تو اُن سے اجازت لئے بغیر چلے نہیں جاتے ،اے پیغمبر! جو لوگ تم سے اجازت حاصل کرتے ہیں وہی اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں سو جب یہ لوگ تم سے کسی کام کیلئے اجازت مانگا کریں تو ان میں سے جسے چاہا کرو اجازت دیدیا کرو اور ان کیلئے اللہ سے بخشش مانگا کرو کچھ شک نہیں کہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔(۶۲)

Scanned by CamScanner

﴿ اَمۡرٍ جَامِعٍ ﴾ عام منفعت میں سب کی حاضری ضروری ہے۔

لَا تَجۡعَلُوۡا دُعَآءَ الرَّسُوۡلِ بَیۡنَکُمۡ کَدُعَآءِ بَعۡضِکُمۡ بَعۡضًا ؕ قَدۡ یَعۡلَمُ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ یَتَسَلَّلُوۡنَ مِنۡکُمۡ لِوَاذًا ۚ فَلۡیَحۡذَرِ الَّذِیۡنَ یُخَالِفُوۡنَ عَنۡ اَمۡرِہٖۤ اَنۡ تُصِیۡبَہُمۡ فِتۡنَۃٌ اَوۡ یُصِیۡبَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۶۳﴾

مومنو! پیغمبر کے بلانے کو ایسا خیال نہ کرنا جیسا تم آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو بیشک اللہ کو یہ لوگ معلوم ہیں جو تم میں سے آنکھ بچا کر چل دیتے ہیں تو جو لوگ ان کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں ان کو ڈرنا چاہیئے کہ (ایسا نہ ہو کہ) ان پر کوئی آفت پڑ جائے یا دردناک عذاب نازل ہو۔ (۶۳)

جیسے تم ایک دوسرے کو بے تکلفی سے پکارتے ہو اس طرح نبی کو مت پکارو یعنی آپ کے نام کے ساتھ یا لگا کر یا محمد کہہ کر نہ پکارو، دوسرا مفہوم یہ ہے کہ آپ کے منہ سے نکلی ہوئی دعا یا بد دعا کسی اور کی دعا یا بد دعا کی طرح نہیں ہے، بلکہ آپ کی دعا تمہیں جہاں کی کامیابی سے ہمکنار کر دے گی اور بد دعا تمہیں تباہ و برباد کر دے گی، تیسرا مفہوم یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پکار کو سرسری نہ سمجھو بلکہ فی الفور حاضر ہو کر تعمیل حکم کیا کرو۔

❀❀❀

Scanned by CamScanner

نکاتِ سورۂ نور (الف):

اس سورہ کا نام نور ہے، جب آپ اس سورت پر غور کریں گے تو آپ اس میں نور کا ذکر پائیں گے۔

﴿ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ۭ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ۭ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْۗءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ۭ نُوْرٌ عَلٰي نُوْرٍ ۭ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴾

(۱) ﴿ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾

(۲) ﴿ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ ﴾

(۳) ﴿ نُوْرٌ عَلٰي نُوْرٍ ﴾

(۴) ﴿ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ﴾

(۵) ﴿ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا ﴾

(۶) ﴿ فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ﴾

اس سے واضح ہوا کہ عفت اور پاکدامنی دل کے نور کے اسباب میں سے ہے اور اس کی ضد فجور ہے جو دل کی تاریکی کے اسباب میں سے ہے۔

کسی مرد کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ زانیہ سے نکاح کرے اور کسی عورت کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی زانی سے نکاح کرے، لیکن زانی اور زانیہ توبہ کر لیں تو ان سے نکاح جائز ہے۔

قدف میں تین باتیں ہیں:

(۱) ﴿ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً ﴾ انہیں اسّی (۸۰) کوڑے لگائے جائیں۔

(۲) ﴿ وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ﴾، ان کی شہادت قبول نہ کی جائے۔

(۳) ﴿ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴾، ان پر فاسق کا حکم لگایا جائے اور کوئی ایسا معاملہ ان کے سپرد نہ کیا جائے جس میں عدالت کی شرط ہو، لیکن توبہ اور اصلاحِ حال کے بعد یہ وصف فسق زائل ہو جائے گا۔

Scanned by CamScanner

﴿ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴾

ایک شخص دوسری عورت پر زنا کی تہمت لگاتا ہے، اگر وہ چار گواہ نہ لا سکے تو اس کو اسّی (۸۰) کوڑے لگائے جائیں۔

﴿ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ ﴾ اور کوئی شخص اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگاتا ہے، تو اس کے لیے ﴿ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ ﴾ ہے یعنی وہ کہے "اشهد ان امرأته كذا و كذا" وہ کہے کہ میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں کہ اس کی بیوی ایسی ایسی ہے، امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک یہاں شہادت سے مراد قسم ہے، شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ شہادت مقرون بالقسم ہے، مرد چار مرتبہ اللہ کو گواہ کر کے کہے کہ میں بلاشبہ سچا ہوں، پانچویں بار شہادت یہ ہو کہ اگر وہ جھوٹا ہے تو اس پر اللہ کی لعنت ہو، عورت چار مرتبہ اللہ کو گواہ کر کے کہے کہ وہ (شوہر) جھوٹا ہے اور پانچویں یہ شہادت دے کہ اللہ کا غضب اس پر (مجھ پر یعنی عورت پر) آئے اگر وہ شخص (اس کا شوہر) سچا ہے۔

غضب، لعنت سے شدید ہے کیونکہ لعنت کا مطلب ہے رحمت سے دور کر دینا ہے اور غضب کا مطلب ہے غضب کے ساتھ رحمت سے دور کر دینا، شوہر اگر سچا ہے اور عورت انکار کر رہی ہے تو گویا وہ حق کو جان بوجھ کر رد کر رہی ہے اور جو حق کو جان بوجھ کر رد کرے اس کی جزاء غضب ہے، کیونکہ اس کا حال یہود کا سا ہو گیا جنھوں نے حق کو علم کے باوجود ٹھکرا دیا، اس لیے وہ غضب کے مستحق ہوئے، مگر شوہر اگر اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگا رہا ہے تو وہ اپنی بیوی کے انکار کے مقابلے میں سچائی کے زیادہ قریب ہوتا ہے کیونکہ یہ بات عقل سے بعید ہے کہ شوہر بلا وجہ اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگائے، جب تک اسے اس کا یقین نہ ہو جائے، اس کے برعکس عورت کا انکار ایک متوقع امر ہے کیونکہ وہ اپنے اوپر سے زنا کا عار ہٹا رہی ہے۔

﴿ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ ﴾ اللہ پردہ پوشی کو پسند کرتا ہے، یہ اس کا فضل اور اس کی رحمت ہے ورنہ وہ عورت کو رسوا کر دیتا اور ایسی نشانی ظاہر کر دیتا جو شوہر کی سچائی پر دلیل ہوتی یا اس کے برعکس کرتا، اگر شوہر جھوٹا ہوتا، یہ اللہ کی رحمت ہے کہ اپنے بندوں سے اس معاملے پر پردہ ڈال دیتا ہے پھر آخرت میں اس کا بدلہ دے گا۔

﴿ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ﴾ لعان میں حکمت یہ ہے کہ اگر اللہ لعان کو مشروع نہ کرتا تو شوہر حرج عظیم میں مبتلا ہو جاتا۔ اگر بولتا تو حد قذف لگائی جاتی اور اگر خاموش رہتا تو ایک امر عظیم سے سکوت اختیار کرتا۔

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ ﴾ واقعۂ افک میں صحابہ تین قسموں میں منقسم ہو گئے۔

(۱) اجلہ صحابہ نے شدت سے انکار کر دیا۔

(۲) کچھ صحابہ سے اس معاملے میں انحراف صادر ہوا۔

(۳) اس معاملے میں انہوں نے توقف سے کام لیا۔

﴿ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ﴾ تمام مومنین نفس واحدہ کی طرح ہیں۔

Scanned by CamScanner

﴿ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ۙ وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ﴾ مومنوں سے ہمیشہ حسن ظن رکھنا چاہئے۔

﴿عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ﴾ جو افک میں شامل تھے وہ ایمان سے نہیں نکلے، اور منافقین بظاہر مومن تھے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منافقین سے مومنوں جیسا معاملہ کرتے تھے۔

﴿لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ﴾ اللہ نے ایسے معاملے سے منع کیا ہے، جس میں ظن کی گنجائش ہو اور یہ بھی معلوم ہوا کہ انسان جس سے شر کی توقع کرتا ہے کبھی کبھی اس میں خیر ہوتا ہے۔

﴿ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ۙ وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ﴾

معلوم ہوا کہ احکام میں قرائن کی تاثیر ہوتی ہے۔ انسان کو چاہئے کہ وہ اپنے گمان کی بنیاد قرائن پر رکھے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ اپنے نبی کے تعلق سے بڑا غیور ہے کہ اس نے اپنے نبی اور ان کی بیوی کی طرف سے خود مدافعت کی۔

﴿لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ﴾ یہ آیت دو مسئلوں کی دلیل ہے:

(۱) انسان اپنے عمل کے بقدر بدلہ دیا جاتا ہے۔

(۲) دوسرے کے گناہ کی سزا اس کو نہ دی جائے گی۔

﴿وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ شر کے لیڈروں کو ان کے مقلدین سے زیادہ سزا دی جا[illegible]

﴿ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ۙ وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ﴾

''ظننتم خیرًا'' نہیں کہا کیونکہ مومنین خیر ہی کا گمان رکھتے ہیں، ان کے لیے مناسب تھا کہ خیر کا گمان کرتے [illegible] وہ خود کو مومن کہتے ہیں اور جب وہ حقیقی مومن ہیں تو انہیں اچھا گمان رکھنا چاہئے تھا۔

﴿وَقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ﴾ مومن پر واجب ہے کہ وہ باطل کا رد زبان اور دل دونوں سے کرے۔ صرف دل کا اعتقاد کافی نہیں، کہ یہ چیز درست نہیں ہے، بلکہ وہ اس چیز کے بطلان کو زبان سے واضح کرے۔

﴿بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا﴾ میں ﴿بِاَنْفُسِهِمْ﴾ سے مراد ''مقذوفون'' (جن پر تہمت لگائی گئی) ہیں اور وہ عائشہ رضی اللہ عنہا، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صفوان بن معطل سلمی رضی اللہ عنہ ہیں۔ نیز اس آدمی سے سوءِ ظن جو اس کا مستحق ہے، ایمان کے منافی نہیں۔

﴿ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ یہ بھی معلوم ہوا کہ لوگوں کو ان کے منزلے میں اتارنا چاہئے، مومن سے حسنِ ظن رکھا جائے اور فاسق سے جس کے وہ لائق ہے ویسا گمان رکھنا چاہئے، اس سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ مومنوں کی آبرو کا احترام واجب ہے۔

شاہد اور قاذف میں فرق:

قاذف وہ ہے جو زنا کو عیب کے طریقے پر لوگوں میں پھیلاتا ہے اور شاہد وہ ہے جو صرف قاضی کے پاس شہادت دیتا

Scanned by CamScanner

ہے۔لوگوں میں بیان نہیں کرتا پھرتا،عیب لگانے کے لیےنہیں بلکہ حد کے ثابت کرنے کے لیے گواہی دیتا ہے۔

﴿مَآ اَفَضۡتُمۡ فِيۡهِ﴾ ''تفاوت العقوبات''۔حسب تفاوت الاعمال یعنی جیسے اعمال ہوں سزائیں ویسی ہی دی جائیں،کیونکہ اعمال مختلف ہیں توسزائیں بھی مختلف ہونی چاہئیں۔

﴿تَلَقَّوۡنَهٗ بِاَلۡسِنَتِكُمۡ﴾ ''ای یرویہ بعضکم عن بعض''یعنی اس کوتم میں سے بعض،بعض سے بیان کرتا تھا۔

﴿تَقُوۡلُوۡنَ بِاَفۡوَاهِكُمۡ﴾اور ﴿وَتَلَقَّوۡنَهٗ بِاَلۡسِنَتِكُمۡ﴾میں فرق:

تلقی بالالسنۃ:بات کوغیر سے لینا۔

قول بالافواہ: دوسروں کے سامنے بات ڈالنا،اس میں اشارہ ہے کہ یہ بات دل تک نہیں پہونچتی وہ صرف زبان کی بات ہوتی ہے،اسی وجہ سے اکثر صحابہ کواس خبر کے بارے میں شک ہوا۔

﴿تَقُوۡلُوۡنَ بِاَفۡوَاهِكُمۡ﴾ کا مطلب یہ ہے یہ بات صرف منہ اور زبان سے ہے،دل کی گہرائیوں میں نہیں پہنچی کیونکہ یہ علم کی روشنی میں نہیں ہے۔

﴿وَّهُوَ عِنۡدَ اللّٰهِ عَظِيۡمٌ﴾ بڑی بات کوآسان سمجھنا کم نظری ہے،وہ بات نہ بولوجس کاتمہیں علم نہ ہواوراس بات کی اتباع مت کروجس کاتمہیں علم نہیں،خصوصاً جب وہ بات اللہ کے تعلق سے ہو۔

﴿سُبۡحٰنَكَ﴾ اے ہمارے رب ہم تیری تسبیح بیان کرتے ہیں،کہ اس طرح کا معاملہ تیرے رسول کے اہل بیت میں ہو۔

﴿تَعُوۡدُوۡا لِمِثۡلِهٖۤ اَبَدًا اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ﴾ ''موعظۃ''(نصیحت)بغیرایمان کے نافع نہیں ہے۔

﴿وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ﴾

''رأفۃ'' اور''رحمت''میں فرق:

''الرافۃھی الرحمۃ المتضمنۃ للرقۃ البالغۃ'':رافت ایسی رحمت کوکہتے ہیں جس میں انتہائی رقت (نرمی) ہواور رحمت،رافت سے اعم(زیادہ عام)ہے،''فکل رافۃ رحمۃ ولا عکس'' ہررافت رحمت ہے برعکس نہیں۔

اللہ نے چارکوچار سے پاکی عنایت کی:

(۱)یوسف علیہ السلام کوگھروالے بچے کی شہادت کی وجہ سے پاکی عطا کی۔

(۲)موسیٰ علیہ السلام کو یہودیوں کی تہمت سے۔پتھر کے ذریعے پاک کیا جوان کا کپڑا لے کر بھاگا۔

(۳)مریم علیہا السلام کوان کے بچے کی شہادت سے پاکی عطا کی۔

(۴)عائشہ رضی اللہ عنہا کوان دس آیات کے ذریعے اور پُرزورطریقوں سے ان کی پاکدامنی کی گواہی دی گئی۔

﴿اِنَّ الَّذِيۡنَ يُحِبُّوۡنَ اَنۡ تَشِيۡعَ الۡفَاحِشَةُ﴾ جوعریانیت اور بے حیائی کو پسند کرتے ہیں ان کے لیے دنیا اورآخرت دونوں جگہ ﴿عَذَابٌ اَلِيۡمٌ﴾ ہے تو اندازہ کیجئے جولوگ مومن معاشرے میں بے حیائی پھیلاتے ہیں ان کا کیا

Scanned by CamScanner

انجام ہوگا؟ اہل فواحش کو اللہ نے مندرجہ ذیل صفات سے متصف کیا ہے اور عجیب بات تو یہ ہے کہ یہ تمام صفات قوم لوط میں پائی جاتی تھیں۔

قوم لوط کی بعض بری صفات:

(۱) سکرۃ۔ ﴿لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِیْ سَكْرَتِهِمْ یَعْمَهُوْنَ﴾ (الحجر:۷۲) تمہاری عمر کی قسم وہ لوگ اپنی مستی میں بالکل مدہوش ہوئے جارہے تھے۔

(۲) عمہ۔ ﴿یَعْمَهُوْنَ﴾ مدہوش ہو رہے تھے۔

(۳) جہالۃ۔ ﴿اَىٕنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ﴾ (النمل:۵۵) کیا تم لوگ شہوت پوری کرنے کے لیے عورتوں کے بجائے مردوں کے پاس جاتے ہو؟ حقیقت یہ ہے کہ تم لوگ جہالت میں ڈوبے ہوئے ہو۔

(۴) عدم العقل: ﴿اَلَیْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِیْدٌ﴾ (ھود:۷۸) کیا تم میں کوئی آدمی بھی سمجھدار نہیں ہے۔

(۵) طمس الابصار: ﴿فَطَمَسْنَاۤ اَعْیُنَهُمْ﴾ (القمر:۳۷) ہم نے ان کی آنکھیں اندھی کردیں۔

(۶) اسراف: ﴿بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ﴾ (الاعراف:۸۱) حقیقت یہ ہے کہ تم لوگ حد سے نکل جانے والے ہو۔

(۷) فسق: ﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِیْنَ﴾ (الانبیاء:۷۴) بیشک وہ لوگ برے (اور) بدکردار تھے۔

(۸) اجرام: ﴿وَاَمْطَرْنَا عَلَیْهِمْ مَّطَرًا ؕ فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِیْنَ﴾ (الاعراف:۸۴) اور ہم نے ان پر پتھروں کی زبردست بارش برسائی، پس دیکھو مجرموں کا انجام کیا ہوا؟

(۹) فساد: ﴿رَبِّ انْصُرْنِیْ عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِیْنَ﴾ (العنکبوت:۳۰) اے میرے رب فساد کرنے والے لوگوں کے مقابلہ میں میری مدد فرما۔

(۱۰) فحش۔ ﴿اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ﴾ (العنکبوت:۲۸) تم لوگ ایک کھلی ہوئی بدکاری کا ارتکاب کرتے ہو۔

(۱۱) منکر۔ ﴿وَتَاْتُوْنَ فِیْ نَادِیْكُمُ الْمُنْكَرَ﴾ (العنکبوت:۲۹) کلبوں اور بھری مجلسوں میں برے کام کرتے ہو۔

(۱۲) خبث۔ ﴿وَلُوْطًا اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا وَّنَجَّیْنٰهُ مِنَ الْقَرْیَةِ الَّتِیْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓىٕثَ﴾ (الانبیاء:۷۴) اور ہم نے لوط کو نبوت اور علم دیا اور اس بستی سے نجات دی جس کے رہنے والے گندے کام کرتے تھے۔

(۱۳) عدوان۔ ﴿بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ﴾ (الشعراء:۱۶۶) تم حد سے تجاوز کرنے والے لوگ ہو۔

(۱۴) ظلم۔ ﴿مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ؕ وَمَا هِیَ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ بِبَعِیْدٍ﴾ (ھود:۸۳) جو (کنکر) آپ کے رب کی طرف سے نشان زدہ تھے اور یہ سزا ان ظالموں سے کچھ دور نہ تھی۔

Scanned by CamScanner

﴿ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ؕ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾

''عفو''اور''صفح''میں فرق:

عفو بمعنی تجاوز ہے یعنی اللہ نے اسے معاف کر دیا تو اس سے درگذر کیا اور صفح کبھی بغیر عفو کے ہوتا ہے اور کبھی عفو بغیر صفح کے ہوتا ہے یعنی کبھی درگذر تو کرتا ہے مگر اسے معاف نہیں کرتا اور کبھی معاف کر دیتا ہے مگر درگذر نہیں کرتا۔ صفح اور عفو مخلوق کے حق میں جمع ہوں تو دونوں میں فرق کیا جائے گا، عفو کا مطلب ہوگا غلطی پر مواخذہ اور گرفت نہ کرنا اور صفح کا مطلب ہوگا اس سے بالکلیہ اعراض کرنا گویا وہ ہوا ہی نہیں تو وہ عفو کی تکمیل ہوگا۔

﴿ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ﴾ اللہ کی مغفرت اور خوشنودی چاہنا واجب ہے، اس میں ابو بکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت ہے کہ اللہ نے انہیں ''ذو فضل وسعة'' کہا۔ عفو (معافی) کا کمال صفح (درگذر) ہے۔ خطا کاروں کو معاف کر دینا اللہ کی بخشش کے اسباب میں سے ہے۔

﴿ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ ﴾ ''قذف'' (جھوٹا الزام) کو ''رمی'' (پھینکنا) سے تعبیر کیا گیا کیونکہ یہ اتنا تکلیف دہ ہوتا ہے جتنا پتھر سے تکلیف ہوتی ہے۔ ''محصنٰت'' سے مراد ''عفیفات'' (پاکدامن عورتیں) ہیں نیز شادی شدہ عورتیں ہیں۔

''غٰفِلٰتِ'' (بھولی بھالی عورتیں) جن کے دلوں میں بے حیائی کا خیال بھی نہ آئے۔

﴿ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ ﴾ آیت میں ''احصان'' (پاکدامنی) کو ایمان سے پہلے لایا گیا جب کہ ایمان سب سے بڑی چیز ہے اور اصل ہے؟ جواب: زنا کا الزام لگانا احصان (پاکدامنی) کی ضد اور اس کے منافی ہے تو اس صفت کو پہلے لایا گیا جو الزام کو توڑ دے اور وہ احصان (پاکدامنی) کی صفت ہے۔ مومنہ کبھی مومنہ ہوتی ہے محصنہ نہیں ہوتی لیکن وہ محصنہ (پاکدامن) اس الزام سے جو اس پر لگایا گیا ہے، بہت بعید ہے صرف مومنہ ہی نہیں بلکہ محصنہ بھی ہے۔

﴿ لُعِنُوْا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ﴾ ''لعنهم اللّٰه'' نہیں کہا تا کہ اللہ کی لعنت کے ساتھ اس کے علاوہ کی لعنت بھی شامل ہو جائے کیونکہ فعل مجہول کے فوائد میں سے عموم ہے، یہ عموم کا فائدہ ہمیشہ حاصل نہیں ہوتا لیکن اس قسم کی آیت میں عموم کا فائدہ ہوتا ہے۔

''لعنة'' کا مطلب: اللعنة الطرد والابعاد عن رحمة اللّٰه '' اللہ کی رحمت سے دور کرنا لعنت ہے اور حدیث میں بھولی بھالی مومنہ عورتوں پر الزام لگانا سات ہلاک کر دینے والی چیزوں میں سے ایک ہے۔

سوال: آیت ﴿ يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ ﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ زبانیں گواہی دیں گی اور ﴿ اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ ﴾ (یس:٦٥) سے معلوم ہوتا ہے کہ ان پر مہر لگا دی جائے گی تو بظاہر ان دو باتوں میں تعارض ہے؟

جواب: قیامت کے کئی مقامات ہیں تو کسی مقام پر یہ ہوگا اور کسی مقام پر وہ ہوگا۔

﴿ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ ﴾ اللہ کا حق ہونا تین طرح سے ہے:

Scanned by CamScanner

(۱) اس کا وجود حق ہے کیونکہ عقلِ سلیم اور فطرت سلیمہ اس کے وجود پر گواہ ہے۔

(۲) جو اللہ سے صادر ہو وہ سب حق ہے، یعنی اس کے احکام حق ہیں۔

(۳) اس کے افعال حق ہیں۔

﴿ اَلْمُبِیْنُ ﴾ اس نے اپنے بندوں کے لیے واضح کر دیا ہے کہ وہ حق ہے۔

﴿ اَلْخَبِیْثٰتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ وَ الْخَبِیْثُوْنَ لِلْخَبِیْثٰتِ ۚ وَ الطَّیِّبٰتُ لِلطَّیِّبِیْنَ وَ الطَّیِّبُوْنَ لِلطَّیِّبٰتِ ۚ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا یَقُوْلُوْنَ ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِیْمٌ ﴾

بفرضِ محال اگر عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس چیز کا صدور ہوا جس کا الزام ان پر لگایا گیا تو لازم آئے گا کہ نعوذ باللہ ایک خبیثہ طیب کے تحت ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ بات اس آیت کریمہ کے خلاف ہے، عائشہ رضی اللہ عنہ ان اوصاف کی وجہ سے فخر کرتی تھیں۔

سوال: کیا فخر وافتخار جائز ہے؟

جواب: افتخار کی دو قسمیں ہیں:

(۱) افتخار طیب، کہ آدمی اللہ کی نعمت کو بیان کرے یہ جائز ہے۔

(۲) اور اگر انسان دوسروں پر اپنی فضیلت ظاہر کرنا چاہتا ہے تو یہ فخر جائز نہیں۔

﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ﴾ سے خطاب کا

نکتہ: اس سے مقصودِ الٰہی اس خطاب کے بعد جو حکم بیان کیا جا رہا ہے اس کے التزام پر ابھارنا ہے۔ مطلب ہے کہ "ان کنتم مومنا فافعل کذا" (کہ اگر تم مومن ہو تو ایسا کرو)

﴿ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَ تُسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَهْلِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴾ ﴿ تَسْتَاْنِسُوْا ﴾ ای تستاذنوا (اجازت لے لو) اللہ نے استئذان (کسی کے گھر میں داخل ہونے سے پہلے اجازت طلبی) کو پہلے ذکر کیا، بعد میں سلام کو ذکر کیا، یہ ترتیبِ فطری ہے کیونکہ آپ جب اجازت لیں گے تو معلوم ہوگا کہ گھر میں کوئی ہے۔ اس کے بعد آپ اس کو سلام کریں گے تو "استئذان" (اجازت طلبی) کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی کہے

السلام علیکم أأدخل۔ (ابو داؤد، کتاب الأدب: ۵۱۷۷، صحیح)

ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ۔ "الخیریۃ": (خیر ہونا) کئی طرح سے ہے:

(۱) گھر کی عورتیں بے پردہ نہ ہوں گی۔

(۲) صاحبِ خانہ کو حرج اور پریشانی نہ ہوگی۔

(۳) صاحبِ خانہ کی تیاری کے زیادہ قریب ہے تا کہ داخل ہونے والا یہ نہ سمجھے کہ اس نے اس کی توہین کی ہے۔

(۴) تہمت سے انسان کی برأت ہو جاتی ہے، کیونکہ اگر آدمی بلا اجازت کسی کے گھر میں داخل ہو تو اس کے اوپر چوری یا

بدکاری کی تہمت لگائی جاسکتی ہے۔

(۵) سلام سے داخل ہونے والا شخص اپنے شر سے گھر والوں کو امان دیتا ہے۔ کیونکہ سلام کا مطلب ہے کہ آپ اس کے لیے سلامتی کی دعا کر رہے ہیں، اس کا مطلب ہے کہ آپ ہرگز اس کو ضرر نہیں پہونچائیں گے۔

(۶) سلام اہل خانہ کے لیے احسان ہے۔

(۷) داخل ہونے والے کو بھی اس سلام کی وجہ سے اجر ملتا ہے کیونکہ حدیث ترمذی میں ہے کہ جب کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کو سلام کرے تو وہ دس نیکیوں پر کامیاب ہو گیا۔

﴿ تَذَكَّرُوْنَ ﴾ ای تتعظون انسان کے ذہن میں ہمیشہ یہ بات رہے کبھی نہ بھولے۔

﴿ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ ﴾ پہلے غض بصر کا حکم دیا۔ 'لان البصر رائد القلب'، کیونکہ نگاہ دل کی رہنما ہے۔

عَنْ حذيفة ابن اليمان قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ النَّظْرَةَ سَهْمٌ مِنْ سِهَامِ إِبْلِيسَ مَسْمُومٌ، مَنْ تَرَكَهَا خوفا من الله آتاه الله إيمانا يحب حلاوته في القلب (السلسلة الضعيفة: ۱۰۶۵، ضعيف جدا)

عن عبد الله بن مسعود قال قال رسول الله ﷺ النظر سهم مسموم من سهام ابليس من تركها من مخافتي أبدلته إيمانا يجد حلاوته في قلبه (الترغيب والترهيب: ۳/۸۶)

آپ ﷺ نے فرمایا کہ نگاہ ابلیس کے تیروں میں سے ایک زہریلا تیر ہے، تو جس نے اسے میرے ڈر سے چھوڑ دیا تو میں اس کے دل میں ایمان کی مٹھاس پیدا کر دوں گا، اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص اللہ کے لیے کوئی چیز چھوڑ دے تو اللہ اس کو اس سے بہتر عوض عطا کرتا ہے اور جو شخص حرام چیز سے اپنی نگاہ نیچی کر لی تو اللہ اس کی بصیرت کو چمکا دیتا ہے۔

ابن القیم رحمہ اللہ نے لکھا ہے "العين مرآة القلب فاذا غض العبد بصره غض القلب شهوته وارادته" آنکھ دل کا آئینہ ہے جب بندہ اپنی نگاہ جھکاتا ہے تو دل اس کی خواہشِ نفسانی اور اس کے بد ارادے کو جھکا دیتا ہے۔

زینت کی دو قسمیں ہیں:

﴿ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ ﴾

(۱) زینت ظاہریہ۔

(۲) زینت خفیہ۔ زینت خارجیہ وہ ہے جس کا چھپانا ممکن نہ ہو جیسے دوپٹہ اور نقاب وغیرہ۔ زینت خفیہ وہ ہے جس کا چھپانا ممکن ہو جیسے زیورات وغیرہ۔

نکتہ: بعض مفسرین نے کہا ہے کہ وجہ (چہرہ) اور کفین (دونوں ہتھیلیاں) کھولنا جائز ہے، لیکن بعض مفسرین یہ کہتے ہیں کہ

Scanned by CamScanner

اگر وجہ اور کفین کو کھولنا جائز ہوتا اور ﴿ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا ﴾ سے مراد وجہ اور کفین ہوتے تو ﴿ اِلَّا مَا ظَهَرَ ﴾ کے بجائے "الا ما أظهِر منها" کہا جاتا۔

زینت کی دو قسمیں ہیں:

(۱) زینۃ ظاھرۃ تُبدی لکل احد: ظاہری زینت جو ہر ایک کے لیے ظاہر کر سکتی ہے۔

(۲) زینۃ خفیۃ لا تبدی الا لھولاء: چھپی ہوئی زینت کو صرف انہیں لوگوں کے سامنے ظاہر کر سکتی ہے جن کا ذکر یہاں کیا گیا ہے اور عورت کے لیے محرم کے سامنے بھی اتنا ہی کھولنا جائز ہے جس پر عادت جاری ہے جیسے ہمارے عرف میں ہتھیلی، ذراع، پنڈلی، سر اور گھٹنا یہ سب عادۃً کھلے رہتے ہیں، لیکن اس سے زائد اگر کھلا ہو تو لوگ ناپسند کرتے ہیں اور جیسے عورت کپڑے دھو رہی ہے یا بستر لگا رہی ہے یا جھاڑو دے رہی ہے اور دیور موجود ہے تو عورت سے کہا جائے کہ ہاتھوں کو ڈھک لے تو اس میں حرج اور پریشانی ہے تو ہم کہیں گے کہ جس سے بچنا مشقت میں ڈال دے اس کے ظاہر کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

﴿ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا ﴾

زینت کی دو قسمیں ہیں:

(۱) زینۃ خُلقیۃ (فطری اور پیدائشی محاسن)

(۲) زینۃ مکتسبۃ۔ (حاصل کی ہوئی زینت) جیسے عورت کے چہرے کا جمال خَلقی (پیدائشی) ہے اور چہرے پر غازہ وغیرہ زینت مکتسبہ ہے۔ زینۃ خلقیہ اور زینت مکتسبہ دونوں کے بارے میں عورت کو حکم دیا گیا کہ کچھ بھی ظاہر نہ کرے اور کوشش کرے کہ ہر زینت کو چھپائے، استثناء اس میں ہے کہ بلا قصد کوئی زینت ظاہر ہو جائے اور جب زینت کو ظاہر کرنا منع ہے تو اعضاء زینت کو بدرجۂ اولیٰ نہیں ظاہر کیا جا سکتا۔

﴿ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا ﴾

(۱) شوہر کے لیے عورت کے بدن کا کوئی حصہ پردہ نہیں، یہاں تک کہ وہ عورت کی شرمگاہ بھی دیکھ سکتا ہے

وَرُوِيَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: (النَّظَرُ إِلَى الْفَرْجِ يُورِثُ الطَّمْسَ) أَيِ الْعَمَى، أَيْ فِي النَّاظِرِ.
وَقِيلَ: إِنَّ الْوَلَدَ بَيْنَهُمَا يُولَدُ أَعْمَى. (قرطبی)

شرمگاہ کی طرف دیکھنا بینائی چلے جانے کا سبب ہے اور یہ کہا گیا ہے کہ اس سے بچہ اندھا پیدا ہوتا ہے۔ روایت صحیح نہیں، "وفی کلام عائشۃ رضی اللہ عنھا ما رأی منی ولا رأیت منہ ای العورۃ" (روح البیان) رہا عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ کہنا کہ میں نے کبھی نبی کے شرم کی جگہ نہیں دیکھی اور نہ آپ نے دیکھا۔ تو یہ حسنِ ادب ہے۔

Scanned by CamScanner

(۲) محرم کے سامنے زینت کا ظاہر کرنا جائز ہے کہ خدمت کے لیے جو حصہ بدن کھلا رہتا ہے یا کھل جاتا ہے اس کو دیکھ سکتے ہیں یعنی سر، پنڈلیاں وغیرہ بازو، سینہ، پیٹ اور پیٹھ کو دیکھنا جائز نہیں، نہ ناف سے لے کر زانو تک کوئی حصہ دیکھنا جائز ہے۔ عام طور پر کام کے وقت یہ حصے چھپے رہتے ہیں اور ان کو چھپا رکھنے میں کوئی تکلیف بھی نہیں ہوتی، یہ حکم ان مردوں اور عورتوں کے لیے ہے جو باہم محرم ہیں، جن کے درمیان سلسلۂ نکاح ہمیشہ کے لیے حرام کر دیا گیا ہے، خواہ یہ حرمت نسبی ہو یا رضاعی۔ محرم عورت کے جس حصے کو دیکھنا جائز ہے اس کا چھونا بھی جائز ہے۔ کیونکہ حرمت دوامی ہے اس لیے فتنہ کا اندیشہ نہیں۔

(۳) اجنبی مرد کے لیے عورت کا پورا جسم پردہ ہے۔ سوائے چہرے اور کفین (ہتھیلیاں) کے۔

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا، أَنَّ أَسْمَاءَ بِنْتَ أَبِي بَكْرٍ، دَخَلَتْ عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهَا ثِيَابٌ رِقَاقٌ، فَأَعْرَضَ عَنْهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَقَالَ: "يَا أَسْمَاءُ، إِنَّ الْمَرْأَةَ إِذَا بَلَغَتِ الْمَحِيضَ لَمْ تَصْلُحْ أَنْ يُرَى مِنْهَا إِلَّا هَذَا وَهَذَا" وَأَشَارَ إِلَى وَجْهِهِ وَكَفَّيْهِ (ابوداود، کتاب اللباس: ۴۱۰۴، صحیح)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا اے اسماء! جب عورت جوان ہو جائے تو اس کے جسم کا کوئی حصہ دکھائی دینا درست نہیں، سوائے اس اور اس حصے کے اور آپ نے اپنے چہرے اور دونوں ہتھیلیوں کی طرف اشارہ فرمایا۔ علامہ البانی اسی حدیث کے پیشِ نظر عورت کے چہرے کے پردے کے قائل نہیں ہیں، تفسیر مظہری میں ہے کہ چاروں اماموں کے نزدیک بالاتفاق چہرہ ستر سے مستثنیٰ ہے، مگر چونکہ ہر اجنبی عورت کا چہرہ، ہر جوان نامحرم (اجنبی) کے لیے نفسانیت میں ابھار پیدا کرنے کا احتمال رکھتا ہے اس لیے ہم کو کہنا پڑے گا کہ عورت کے لیے اجنبی مرد سے چہرے کا پردہ رکھنا بھی لازم ہے۔ حسن کا اصل سرچشمہ تو چہرہ ہی ہے، چہرے کو دیکھنے سے ہی فتنہ ہونے کا خطرہ بہت زیادہ ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "الْمَرْأَةُ عَوْرَةٌ، فَإِذَا خَرَجَتْ اسْتَشْرَفَهَا الشَّيْطَانُ" (ترمذی، کتاب الرضاع: ۱۱۷۳، صحیح)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ عورت سرتاپا قابل ستر ہے، جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کی تاک جھانک میں رہتا ہے۔ ہاں! کبھی کبھی علاج کے لیے ڈاکٹر کے پاس جانے اور کبھی عدالت میں گواہ بن کر حاکم کے سامنے جانے کی ضرورت پڑتی ہے، ان سب صورتوں میں بقدرِ ضرورت پردے کا انکشاف درست ہے، مجبوری کے وقت بہر حال چہرے وغیرہ کا پردہ نہیں رہتا۔

﴿ وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ ﴾ "ضرب الشیء علی الشئی" کا معنی ہے "القاہ علیہ لکن مع الإلصاق" کسی چیز کو کسی چیز پر اس طرح ڈالنا کہ وہ چیز اس چیز سے ملی رہے۔

﴿ وَتُوبُوا إِلَى اللّٰهِ جَمِيعًا أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴾ توبہ مقتضیاتِ ایمان میں سے ہے جس

Scanned by CamScanner

نے توبہ نہیں کی وہ ناقص الایمان ہے اور یہ کہ توبہ فلاح کا سبب ہے۔

﴿ وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى ﴾ "ایامی" "ایّم" کی جمع ہے، ایسی عورت جس کا شوہر نہ ہو خواہ وہ باکرہ ہو یا ثیبہ، مطلقہ ہو یا متوفی عنھازوجھا (جس کا شوہر مرگیا ہو) ﴿ اَنْكِحُوا ﴾ کا معنی ہے، نکاح کراؤ، یہ دلیل ہے کہ عورت خود کی شادی نہیں کرسکتی۔

﴿ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ﴾ (اگر وہ محتاج ہوں گے تو غنی کردے گا) لہٰذا تنگ دستی شادی کے لیے رکاوٹ نہیں بننی چاہئے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "ثَلَاثَةٌ حَقٌّ عَلَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ عَوْنُهُمْ: الْمُكَاتَبُ الَّذِي يُرِيدُ الْأَدَاءَ، وَالنَّاكِحُ الَّذِي يُرِيدُ الْعَفَافَ، وَالْمُجَاهِدُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ"

(نسائی، کتاب النکاح: ۳۲۱۸، حسن)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تین آدمیوں کی مدد ضرور کرتا ہے ان میں سے ایک نکاح کرنے والا ہے جو پاکدامن رہنا چاہتا ہے۔

عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: كَانَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ أُبَيٍّ ابْنُ سَلُولَ يَقُولُ لِجَارِيَةٍ لَهُ: اذْهَبِي فَابْغِينَا شَيْئًا فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿ وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ ﴾

(مسلم، کتاب التفسیر: ۳۰۲۹)

جابر کہتے ہیں کہ راس المنافقین عبداللہ ابن اُبی کے پاس ایک لونڈی تھی جسے وہ بدکاری پر مجبور کرتا تھا۔ تو آیت ﴿ وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ ﴾ (النور: ۳۳) (اپنی لونڈیوں کو بدکاری پر مجبور نہ کرو) نازل ہوئی، زنا پر مجبور کرنا حرام ہے، زنا کی کمائی بھی حرام ہے۔

﴿ لِتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ﴾ متاعِ دنیا کو "عَرَض" کہا گیا یعنی امر عارضی ہے اور وقتی ہے، دائمی نہیں ہے۔ یہ زائل ہونے والی چیز ہے۔

﴿ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴾

﴿ مِشْكٰوةٍ ﴾ صدر المومن، طاقچہ مومن کا سینہ ہے۔

اَلْمِصْبَاحُ: نور الایمان فی قلب المومن، چراغ مومن کے دل میں نورِ ایمان ہے۔

لان المصباح اذا کان فی مکان ضیق لکان اجمع لنورہ بخلاف المکان المتسع فانہ ینشر النور۔ کیونکہ

Scanned by CamScanner

چراغ جب کسی تنگ جگہ میں ہوتو روشنی یکجا رہتی ہے۔ بخلاف کشادہ جگہ کے کہ وہ روشنی کو پھیلا دیتی ہے۔

﴿اَلزُّجَاجَۃُ﴾: "قلب المومن"، شیشہ مومن کا دل ہے اور شیشہ روشنی کے بڑھانے پر مددگار ہوتا ہے۔

﴿شَجَرَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ زَیْتُوْنَۃٍ﴾ "شجرۃ الوحی" ہے، یہ مادۃ المصباح ہے کہ تیل اسی درخت سے نچوڑا گیا ہے جس سے وہ چراغ روشن ہے، اسی طرح تیل جتنا صاف ہوگا روشنی اتنی ہی صاف ہوگی۔

﴿لَّا شَرْقِیَّۃٍ وَّلَا غَرْبِیَّۃٍ﴾ یہ وحی کا درخت ایسا ہے کہ سورج کی روشنی اس سے کبھی منقطع نہیں ہوتی، وہ صبح وشام کبھی بھی سورج کی نگاہوں سے چھپتا نہیں، یہ اس کے نمو اور اس کے پھلوں کے نمو پر دلیل ہے، نہ یہ سخت ہے نہ نرم ہے۔ نہ اس میں یہودیت ہے نہ نصرانیت ہے، نہ اس میں صرف علم ہے نہ صرف عمل ہے۔

﴿نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ﴾ نورِ فطرت اور نورِ وحی ہیں، جب دونوں نور ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں، تو انسان کے نور پر نور بڑھ جاتا ہے۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ نص میں تین قسم کے نور ہیں:

(۱) ﴿اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾، زمین وآسمان کا نور ہے۔

(۲) رایت نورًا: میں نے ایک نور دیکھا۔

(۳) حجابہ النور: اس کا حجاب نور ہے۔

﴿رِجَالٌ لَّا تُلْھِیْھِمْ تِجَارَۃٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ وَاِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَآءِ الزَّکٰوۃِ یَخَافُوْنَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِیْہِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ﴾

مسئلہ تجارت اور ذکر میں لوگوں کی تین قسمیں ہیں:

(۱) تجارت کو ذکر پر مقدم کرتا ہے۔ یہ خاسر (گھاٹا اٹھانے والا) ہے۔ ﴿لَا تُلْھِکُمْ اَمْوَالُکُمْ وَلَآ اَوْلَادُکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾ (المنافقون: ۹)

(۲) جس کی تجارت اور مال واولاد اسے اللہ کے ذکر سے غافل نہیں کرتے، یہ رابح (نفع اٹھانے والا) ہے۔

(۳) اپنی تجارت اور اولاد کو اللہ کے ذکر سے ہٹا دیتا ہے اس طرح کہ وہ اس تجارت سے اپنے رب کی اطاعت پر استعانت کا ارادہ کرتا ہے اور اپنے مالوں کو رب کی رضا میں خرچ کرتا ہے، یہ سب سے اعلیٰ قسم ہے۔

﴿یَخَافُوْنَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ﴾ اس کے دل پر کبھی امید غالب ہوگی اور کبھی خوف غالب ہوگا۔

﴿اَنْ تُرْفَعَ﴾ ذکر وہ افضل ہے جو زبان اور دل دونوں سے ہو۔

مساجد کو مزین نہیں کرنا چاہئے کیونکہ مساجد دنیا کے گھر نہیں ہیں بلکہ آخرت کے لیے عمل کا گھر ہیں۔

Scanned by CamScanner

﴿يَخَافُوْنَ﴾ امام احمد رحمہ اللہ نے کہا کہ خوف اور امید برابر ہونا چاہئے، ان میں ایک غالب ہوا تو آدمی ہلاک ہوا، اگر خوف غالب ہوا تو اللہ کی رحمت سے مایوس ہو جائے گا اور امید غالب ہوئی تو اللہ کی تدبیر سے امن میں پڑ جائے گا، راجح یہ ہے کہ فعلِ تعبد میں امید کو غالب رکھے اور معصیت کے فعل میں خوف کو غالب رکھے۔

﴿اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ﴾ یہ انتہائی بلیغ تشبیہ ہے کہ کفار اعمال کرتے ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ یہ اعمال ان کو فائدہ دیں گے اسی طرح پیاسا بڑی شدت سے پانی کا قصد کرتا ہے اس امید میں کہ پانی اس کی پیاس بجھا دے گا لیکن جب وہاں پہونچتا ہے تو کچھ نہیں پاتا۔

﴿اَوْ كَظُلُمٰتٍ﴾ لفظ "اَوْ" یہاں شک کے لیے نہیں کیونکہ اللہ شک سے منزہ ہے بلکہ "اَوْ" یہاں تنویع کے لیے ہے، یہ کفار کی دوسری قسم ہے، پہلی مثال اس کافر کی ہے جس کے پاس فہم اور اجتہاد ہے اور وہ گمان کرتا ہے کہ اس کا عمل اس کو نفع دے گا۔ دوسری مثال اس کافر کی ہے جو جاہل مقلد ہے جس کے پاس جہالت اور ضلالت ہے تو وہ تاریکی میں کافروں کے ساتھ چلتا ہے اور وہ نہیں جانتا، دریا جتنا گہرا ہوتا جاتا ہے اس کی تاریکی اتنی بڑھتی جاتی ہے۔

﴿بَحْرٍ لُّجِّيٍّ﴾: گہرا دریا

﴿مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ﴾: ایک موج

﴿مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ﴾: اس کے اوپر دوسری موج۔

سمندر میں آپ دیکھیں کہ ایک طرف سے ایک موج آتی ہے اور دوسری طرف سے دوسری موج آتی ہے دونوں موجوں میں سے ایک موج نیچے اور ایک اوپر ہو جاتی ہے۔

﴿سَحَابٌ﴾: (بادل)

﴿ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ﴾

(۱) ظلمۃ البحر

(۲) ظلمۃ الموج الاول

(۳) ظلمۃ الموج الثانی

(۴) ظلمۃ السحاب

﴿اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا﴾ جب وہ ہاتھ نکالتا ہے تو اس ہاتھ کو دیکھنے کے قریب نہیں ہوتا تو دیکھنا بدرجہ اولیٰ نہیں ہوتا۔

﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ﴾ ہمزہ استفہام جب نفی پر داخل ہو تو تقریر (اثبات یعنی ثابت کرنا) کا فائدہ دیتا ہے جیسے ﴿اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ﴾ کا معنی ہے "قد شرحنا لک صدرک" کہ ہم نے آپ کا سینہ کھول دیا ہے۔

﴿اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ نور کی دو قسمیں ہیں (۱) ذاتِ باری تعالیٰ اس کی صفات، اس کی آیات، اس

Scanned by CamScanner

کے احکام اور اس کا کلام سب نور ہیں، اس کی ذات نور ہے، اس کی صفات نور ہیں، اس کی آیات نور ہیں، اس کا کلام نور ہے، جس سے ہدایت ملتی ہے وہ نور غیر مخلوق ہے اور وہ نور جو سورج چاند وغیرہ میں ہے وہ نور حسی ہے اور مخلوق ہے۔

﴿مَثَلُ نُوْرِهٖ﴾ یہاں نور سے مراد "النور الذی یضعه اللہ فی قلب المومن" (یعنی وہ نور ہے جسے اللہ مومن کے دل میں رکھتا ہے)

﴿كَمِشْكٰوةٍ﴾: طاقچہ۔طاق جس میں کھڑکی نہ ہو۔

﴿زُجَاجَةٍ﴾: شیشہ

﴿اَلْمِصْبَاحُ﴾: چراغ

شیشے میں رہنے کی وجہ سے روشنی بکھرتی نہیں ہے اس وجہ سے اس کی روشنی زیادہ تیز ہوتی ہے۔

﴿كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ﴾: ستارہ، موتی جیسا بے حد صاف۔

﴿يُّوْقَدُ﴾: ایندھن حاصل کرتا ہے، اس میں ایندھن رکھا جاتا ہے۔

﴿شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ﴾: مستقل خیر و برکت والا درخت۔

﴿مُّبٰرَكَةٍ﴾: بِرکۃ (تالاب) سے ماخوذ ہے کیونکہ اس میں پانی زیادہ رہتا ہے اور مستقل رہتا ہے۔

﴿زَيْتُوْنَةٍ﴾: زیتون کے درخت کے علاوہ دیگر درختوں کا بھی تیل ہوتا ہے مگر زیتون کا تیل سب سے عمدہ اور اعلیٰ اور انتہائی صاف و شفاف ہوتا ہے۔

﴿لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ﴾: نقصان پہونچانے والی سردی اور گرمی اس پر قابو نہیں پاتی بلکہ درخت سردی اور گرمی کے بیچ بیچ رہتا ہے۔اس میں دلیل ہے کہ انسان جب درخت لگائے تو ایسی جگہ میں نہ لگائے کہ وہ شرقاً غرباً سورج سے چھپ جائے بلکہ ایسی جگہ لگائے جہاں سورج کی روشنی شرقاً غرباً اس پر پڑے۔

﴿يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ﴾ بغیر آگ چھوئے اس کا تیل روشن ہو اٹھے اور اگر آگ چھولے تو کیا ہوگا! ﴿نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ﴾ ہوگا، ایک نور مصباح (چراغ) کا نور ہے اور دوسرا نور جو اس تیل میں ہے۔

مشبہ نور اللہ ہے، مشبہ بہ مشکاۃ ہے، اللہ نے اس نور کی تشبیہ دی ہے جو مومن کے دل میں ہے تو یہ تشبیہ تمثیل ہے، اس معنیٰ میں کہ اللہ نے اس نور کی جو مومن کے دل میں ہے اس تمام معاملے سے تشبیہ دی ہے اور نور ایمان کے ساتھ وہ نور جو اللہ مومن کے دل میں ڈالتا ہے وہ مصباح (چراغ) ہے اور یہ چراغ شیشے میں ہے اور شیشہ صاف اور چمکدار ہے جیسے کوئی تارہ جو موتی کی طرح صاف اور چمکدار ہو اور اس نور کا ایندھن شجرۂ مبارکہ زیتونہ سے ہے جس کا تیل صاف ہے، عمدہ ہے، تو نور کا مادہ بھی عمدہ ہے، اسی طرح اس کا مقام و محل بھی عمدہ ہے، اسی طرح اس کا تحفظ بھی عمدہ ہے کیونکہ شیشہ نور کو محفوظ رکھتا ہے اور اس کو صاف رکھتا ہے، اگر نور شیشے میں نہ ہو تو صاف نہ ہوگا اور مضطرب ہوگا تو ایندھن اور مکان کے اعتبار سے صفائی کے اسباب مکمل ہو چکے ہیں، وہ نور جو مومن کے دل میں ہے اسی کے مثل ہے، لیکن اس مومن سے مراد حقیقت میں مومن کامل الایمان ہے، تو

Scanned by CamScanner

نورِ ایمان دل میں ایسے ہے جیسے تیل کا نور اور علم وہدایت کا نور اس آگ کی طرح ہے جو اس تیل کو پکڑتی ہے۔ تو ایمان بمنزلہ تیل ہے اور ہدایت اس آگ کے منزلہ میں ہے جس کے لیے تیل، ایندھن بنایا گیا ہے۔

﴿ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ﴾ مثالیں دینا اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے اور یہ بلاشبہ تعلیم کی تمامیت ہے، محسوس کو محسوس سے، معقول کو معقول سے، معقول کو محسوس سے اور کبھی غائب کو حاضر سے اور اکثر اگر معاملہ معقول (معنوی غیر محسوس، عقلی) ہو تو محسوس مثال دیتا ہے۔

﴿ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْۢ بَرَدٍ فَيُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَيَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ ۭ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ﴾

﴿ يُزْجِيْ ﴾، "ازجاء" سے ماخوذ ہے اور ازجاء کا معنی "سَوْقٌ" (لے جانا، ہانکنا) ہے، اسی سے سائق ہے، چلانے والا۔ کبھی بادلوں کا چلنا دھیرے دھیرے ہوتا ہے اور کبھی تیزی کے ساتھ ہوتا ہے۔

﴿ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ ﴾ بعض کو بعض سے ملا دیتا ہے، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بادل کا ایک چھوٹا ٹکڑا اچھل جاتا ہے اور بادل کا بڑا ٹکڑا بن جاتا ہے اور کبھی ایک ہی ٹکڑا پھیل کر بادل بن جاتا ہے، یہ بادل سفید، لال اور کالے ہوتے ہیں پھر جب [illegible] تو ایک رنگ ہو جاتا ہے، پھر بادل کے ایک ٹکڑے کے اوپر ایک بادل پھر اس کے اوپر ایک بادل، اسی طرح بادل کے ٹکڑے، تہ بہ تہ ہو جاتے ہیں اور بعض بعض کو ڈھک لیتا ہے۔

﴿ فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ﴾ پھر اس بادل میں سے بارش برستی ہے گویا بادل ایک غربال (چھلنی) بن جاتا ہے جس سے بارش گرتی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ مطر (بارش) کہاں سے آتی ہے؟ جب وہ بادل سے نکلتی ہے۔ جواب یہ ہے کہ وہی بادل نچڑ جاتا ہے۔

﴿ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْۢ بَرَدٍ ﴾ آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے "اَنَّ فی السماء جبالاً من البرد ینزل اللہ منھا" یعنی آسمان میں اولوں کے پہاڑ ہیں اس سے اللہ نازل کرتا ہے، سوال یہ ہے کہ کیا نازل کرتا ہے؟ جواب اولے نازل کرتا ہے، یہ اولے کبھی بڑے اور کبھی چھوٹے ہوتے ہیں، لیکن یہ اللہ کی نعمت ہے کہ وہ اتنے بڑے نہیں ہوتے کہ عمارتیں منہدم ہو جائیں، کھیتوں کو بالکل تباہ کر دیں اور بعض درختوں کو ختم کر دیں اور انسان کو مار ڈالیں، یہ اللہ کی قدرت ہے کہ اس میں سے اللہ کی مشیت اور حکمت کے مطابق زمین پر نازل ہوتے ہیں، اسی لیے فرمایا ﴿ فَيُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَيَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ ﴾ کہ اللہ کا یہ احسان ہے کہ کبھی ان اولوں سے زمین سیراب ہوتی ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ نافع ہونے کے باوجود اس کو پھیر دیتا ہے، گویا اولے کبھی عقوبت (سزا) ہوتے ہیں اور کبھی وجہ رحمت بن جاتے ہیں۔

﴿ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ ﴾ "سنا البرق ای لمعان البرق" یعنی بجلی کی چمک، اس میں اشارہ ہے کہ جس بادل میں

Scanned by CamScanner

اولے ہوتے ہیں تو دیگر بادلوں کے مقابلے میں اس کے اندر چمک بہت زیادہ ہوتی ہے جس کی وجہ سے کبھی کبھی آنکھیں چلی جاتی ہیں۔

﴿اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزۡجِىۡ﴾ سے لے کر یہاں تک، اللہ نے جو چیزیں ثابت کی ہیں صرف اس لیے نہیں کہ انسان ان چیزوں کو دیکھے بلکہ اس لیے کہ ان چیزوں سے عبرت حاصل کرے اور اس سے استدلال کرے کہ اس کا ایک فاعل ہے اور وہی عبادت کے لائق ہے کیونکہ قادر، مستحق عبادت ہوتا ہے۔

﴿يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيۡلَ وَالنَّهَارَ﴾ "التقليب تغيير الشئى من جهة الى جهة" ایک سمت سے دوسری سمت کسی چیز کو پھیر دینے کو تقلیب کہتے ہیں، رات اور دن کو اللہ ہی بدلتا ہے، ورنہ تمام مخلوقات مل کر چاہیں کہ آدھی رات کو سورج نکال دیں تو ایسا نہیں کر سکتے، اسی طرح اگر دوپہر میں چاہیں کہ رات لے آئیں تو نہیں لا سکتے، اللہ نے رات اور دن کا جو وقت ہمیشہ مقرر کر دیا ہے، مخلوقات اس حالت میں تبدیلی نہیں کر سکتیں، یہاں تقلیب معنوی یعنی معنوی تبدیلی بھی مراد ہو سکتی ہے کہ ابھی ایک آدمی کے ہاتھ میں مکمل حکومت ہے، دوسرے ہی لمحے حکومت اس کے ہاتھ سے نکل جاتی ہے۔ کوئی قوم عزت کے ساتھ زندگی بسر کر رہی ہوتی ہے، اسے ذلت کا لباس پہنا دیا جاتا ہے، اس سے ایک صاحب بصیرت استدلال کر سکتا ہے کہ معاملات کو بدلنے میں اللہ کی قدرت اور حکمت کارفرما ہے۔ اسی وجہ سے آگے ﴿اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَعِبۡرَةً لِّاُولِى الۡاَبۡصَارِ﴾ فرمایا گیا، اب اس آئینے میں ہر شخص دیکھے کہ وہ صاحبِ بصیرت ہے یا نہیں اگر عبرت حاصل کرتا ہے تو صاحب بصیرت ہے، اگر عبرت حاصل نہیں کرتا تو وہ صاحب بصیرت نہیں ہے۔

﴿لَقَدۡ اَنۡزَلۡنَاۤ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ﴾

مُبَيِّنٌ اور بَيِّنٌ میں فرق:

اَلْمُبَيِّنُ: البائن فى نفسه المبيّن لغيره: خود ظاہر ہو اور اپنے علاوہ کو ظاہر کرنے والا ہو۔

اَلْبَيِّنُ: "ظاهر فى نفسه فقط" صرف خود ظاہر ہو۔

ہم نے ﴿اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ﴾ نازل کیں، لیکن ہر آدمی اس سے ہدایت نہیں پا سکتا بلکہ جسے اللہ چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔

﴿ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيۡقٌ مِّنۡهُمۡ﴾ ﴿وَاِذَا فَرِيۡقٌ مِّنۡهُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ﴾ (النور: ۴۸) "تولّی" (پیٹھ پھیرنا) کا تعلق بدن سے ہے اور اعراض کا تعلق قلب سے ہے۔ یعنی وہ پیٹھ پھیرتے ہیں اور ان کی نیت پلٹنے کی نہیں ہے۔

﴿اِذَا فَرِيۡقٌ مِّنۡهُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ﴾ "اذا"، مفاجاتیہ ہے یعنی جب انہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تو بلا غور وفکر بڑی جلدی سے اعراض کرتے ہیں گویا وہ اللہ اور اس کے رسول کا حکم نہ ماننے اور رد کرنے کے لیے تیار بیٹھے تھے۔ ایک شخص ہے غور وفکر کرتا ہے، پھر اعراض کرتا ہے، لیکن انسان کا بلا غور وفکر جلدی سے انکار کر دینا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ متکبر ہے اور وہ کبھی نہیں چاہتا کہ حق کے سامنے سرنگوں ہو۔

تین مراحل ہیں:

(۱) وہ رسول کو حَکم نہیں بناتے۔

(۲) رسول کو حَکم بناتے ہیں مگر دل میں تنگی پاتے ہیں۔ (یہ دونوں مومن نہیں ہیں)

(۳) رسول کو حَکم بناتے ہیں دل میں تنگی بھی پاتے خود سپردگی نہیں کرتے۔ یہ بھی مومن نہیں ہیں۔ معلوم ہوا کہ تینوں چیزیں بیک وقت ضروری ہیں۔

(۱) التحکیم: اپنے فیصلے کے لیے قرآن وسنت کی عدالت میں جانا۔

(۲) انتفاء الحرج: دل میں کوئی تنگی محسوس نہ کرنا۔

(۳) التسلیم: خود کو پوری طرح قرآن وسنت کے فیصلے کے حوالے کر دینا۔ ﴿وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ میں اسی تسلیم کامل کی طرف اشارہ ہے۔

﴿اَفِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْٓا اَمْ يَخَافُوْنَ اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُوْلُهٗ بَلْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾

جو اللہ اور رسول کے فرمان کو رد کر دیتے ہیں ان کی تین حالتیں ہیں:

(۱) ان کے دلوں میں مرض ہے، مرض اس بیماری کو کہتے ہیں جو تندرست کو لگ جائے تو اسے حدِ اعتدال سے نکال دے۔

(۲) یا شک ہو، یہ شبہ کا مرض ہے۔

(۳) رسول کی عدالت میں شبہ، کہ رسول ان کی حق تلفی کرے گا اور غلط فیصلہ کرے گا۔

یعنی تین امور ہیں، جن کی وجہ سے یہ حق کو رد کر دیتے ہیں:

(۱) ارادۂ سیئۃ (برا ارادہ)

(۲) شک

(۳) خوف (کہ رسول غلط فیصلہ کرے گا)

بالفاظ دیگر۔۔۔

(۱) مرضِ شہوت

(۲) مرضِ شبہ

(۳) مرضِ خوف۔

Scanned by CamScanner

ان کو ظلم سے موصوف کرنا تین احتمالات سے خالی نہیں:

(۱) جس کے دل میں مرض ہے وہ ظالم ہے۔

(۲) جس کے دل میں شبہ ہے وہ ظالم ہے۔

(۳) جسے رسول کی عدالت کا خوف ہو وہ ظالم ہے۔

﴿وعداللہ الذین آمنوا منکم وعملوا الصلحت ...الخ﴾

"الوعد" معناه "ان یمنی شخصا بما یحب": "وعد" کا مطلب ہے کہ کسی شخص کو اس کی پسندیدہ چیز کی تمنا دلائے، "الوعید ان یحذرہ مما یکرھة" وہ ناپسندیدہ چیز سے لوگوں کو ڈرائے، وعد اور وعید کے درمیان فرق یہ ہے "الوعد لما یرجی من المحبوب والوعید لما یخشی من المکروہ" پسندیدہ چیز کی امید کی جائے وہ وعدہ اور ناپسندیدہ چیز سے ڈرا جائے وہ وعید ہے۔

﴿آمنوا منکم وعملو الصلحت﴾ یعنی وہ ایمان وعمل کے جامع ہوں، ایمان کا محلِ دل، اور عمل صالح کا محل اعضاء وجوارح ہیں، صرف ایمان کافی نہیں، نہ صرف عمل کافی ہے اور آدمی ایمان ہی سے صالح ہوگا، اگرچہ وہ ظاہر میں صالح دکھائی دے۔ ﴿دینھم﴾ دین کی طرف ان کی اضافت ایک قسم کا اعزاز ہے۔

﴿ارتضی لھم﴾ اس میں دوسرا امتیاز ہے کہ یہ دین جس کو انہوں نے اختیار کیا، اللہ نے ان کے [illegible] اس کو پسند کیا ہے۔

فیکون فیه مزیتان- مزیة من جهة السالک فی دینهم، ومزیة من جهة الشارع فی [illegible]له، الذی ارتضی لهم-فهم رضوا هذا الدین-وربهم رضیه لهم

اس دین کو انہوں نے پسند کیا اور ان کے رب نے ان کے اس دین کو پسند کیا، ایمان اور عملِ صالح کا تیسرا نتیجہ انہیں زمین میں جما دے گا، پھر خوف کے ساتھ امن نہیں کہا بلکہ خوف کے بعد امن کہا کیونکہ اشیاء کی قیمت ان کے اضداد سے معلوم ہوتی ہے، ایک شخص خوف کی حالت میں ہے، اسے اس خوف کے بعد امن 'دے دیا جائے' کے مقابلے میں ایسے شخص کو امن دیا جائے تو جو پہلے ہی سے امن میں ہے زیادہ بلیغ ہے، بھوکے کو کھانا دینے کے مقابلے میں آسودہ کو کھانا دینا۔

یہ استخلاف فی الارض (زمین میں خلیفہ بنانا) اور تمکین فی الارض (زمین میں جما دینا) اور خوف کے بعد امن دینا، یہ نعمتیں اس وقت حاصل ہوں گی جب وہ اللہ کی عبادت اس کے ساتھ شرک کئے بغیر کرتے رہیں۔

پانچ چیزیں نصرت الٰہی کے اسباب میں سے ہیں:

(۱) عبادۃ اللہ بدون اشراک (توحید)۔

(۲) نماز قائم کرنا۔

(۳) زکوۃ دینا۔

(۴) بھلائی کا حکم دینا۔

(۵) برائیوں سے روکنا۔

نکتہ: ﴿لا یشرکون بی شیئا﴾ اللہ کی حقیقی عبادت شرک کی نفی کئے بغیر نہیں ہو سکتی۔

﴿کما استخلف الذین من قبلھم﴾ وعدے کے شواہد بیان کئے گئے جس میں موعودین (جن سے وعدہ کیا گیا ہے) کے لیے طمانیت ہے کہ یہ واقعہ ان سے پہلے ہو چکا ہے۔ ساتھ ساتھ ہمت افزائی بھی ہے۔ ﴿ارتضی لھم﴾ سے دین اسلام کے کامل ہونے کی طرف ساتھ ساتھ ختم رسالت کی طرف بھی اشارہ ہو گیا۔

نکتہ: ﴿یستخلفنھم﴾ اور ﴿لیبدلنھم﴾ میں لام تاکید با نون تاکید ثقیلہ کی وجہ سے تاکید لفظی اور ﴿کما استخلف الذین من قبلھم﴾ میں تاکید معنوی ہے جو دل کو تقویت اور تثبیت دیتا ہے۔

﴿واقیموا الصلوۃ وآتوا الزکوۃ واطیعوا الرسول لعلکم ترحمون﴾ یہ آیت دلیل ہے کہ اقامت صلاۃ اور ایتاء زکوۃ اور اطاعت رسول، اللہ کی رحمت کا سبب ہیں۔

﴿لیس علیکم جناح ...الخ﴾ ان اوقات ثلاثہ کے علاوہ اوقات میں بلا اجازت داخل ہونا، چھوٹے بچے، سرپرست اور غلام کے لیے کوئی گناہ نہیں۔

﴿الطِّفْلُ﴾ اسم جنس ہے اس کا مطلب اطفال ہے، دلیل یہ ہے کہ اس کے بعد ﴿الذین﴾ اسم موصول جمع لا[illegible]یا،

ایک نحوی نکتہ: ان اسم الجنس اذا حلی ب (ال) یکون للعموم ولو کان مفردًا اسم جنس پر الف لام داخل ہو[illegible]م کا فائدہ دیتا ہے اگرچہ وہ مفرد ہو۔

﴿لَمْ یَظْهَرُوْا عَلٰی عَوْرٰتِ النِّسَآءِ﴾ یعنی ان بچوں کے سامنے زینت ظاہر کر سکتی ہے جو یہ نہیں جا[illegible] کہ عورتوں سے کیا کیا جاتا ہے، ان کی کل تعداد بارہ ہے جن کے سامنے عورت اپنی زینت ظاہر کر سکتی ہے۔

کیا عورت مرد کو دیکھ سکتی ہے؟

جواب: دیکھ سکتی ہے اگر شہوت یا فتنہ نہ ہو، اس کی دلیل حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا ہے وہ مسجد میں حبشیوں کو کھیلتے دیکھ رہی تھیں، دوسرے فاطمہ بنت قیس سے نبی ﷺ کا قول "اعتدی فی بیت" ابن ام مکتوم، ابن ام مکتوم کے گھر میں عدت گذار لے، شادیوں میں عورتوں کی تصویر کھینچنا جائز نہیں ہے۔

﴿وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِیْ﴾ کبرسنی (بہت زیادہ عمر ہونا) کی وجہ سے جن عورتوں کو حیض نہیں آتا اور جنھیں نکاح کی خواہش نہیں وہ چادر اور نقاب وغیرہ اتار سکتی ہیں۔

﴿القواعد﴾ ای "الملازمات للبیوت لکبرھن لانھن لا یخرجن بسبب العجز والضعف"

Scanned by CamScanner

''القواعد'' سے مراد وہ عورتیں ہیں جو اپنے بڑھاپے کی وجہ سے گھروں میں پڑی رہتی ہیں کیونکہ وہ مجبوری اور کمزوری کی وجہ سے باہر نہیں نکل پاتیں، وہ اپنا ہاتھ، سر، چہرہ، پیر اور پنڈلی ظاہر کرسکتی ہیں، شرط یہ ہے کہ زینت کو ظاہر کرنے والی نہ ہوں، کیونکہ بعض بوڑھیاں چاہتی ہیں کہ وہ نوجوان لڑکیوں کی طرح دکھائی دیں۔ وہ کنگن اور پازیب وغیرہ پہنتی ہیں اور لوگوں کے درمیان مٹک مٹک کر چلتی ہیں۔

﴿وان يستعففن خير لهن﴾ اگر وہ یہ چیزیں نہ اتاریں تو ان کے لیے بہتر ہے، کیونکہ انسان فتنے سے جتنا دور رہے اتنا ہی بہتر ہے۔

﴿ليس على الاعمى حرج ...الخ﴾ اندھا، بینا کے ساتھ، اسی طرح لنگڑا اور مریض، تندرست کے ساتھ کھا سکتا ہے اس میں کوئی حرج نہیں۔

اعرج: جو چل نہ سکتا ہو۔

اعمی: جو دیکھ نہ سکتا ہو۔

مریض: جو صحت مند نہ ہو۔

❀❀❀

نکاتِ سورۂ نور (ب):

یہ سورہ مدنی ہے، اس سورۃ کی ایک خاص اہمیت ہے کہ اس میں ایسے بنیادی اصول اور قوانین بیان کردیئے گئے ہیں کہ اگر کوئی معاشرہ اسے تھام لے تو وہ امن وسلامتی اور اللہ کی حفاظت و رعایت میں زندگی گذارے اور اگر آج ہمارا معاشرہ جس میں انسان کی زندگی، آبرو اور مال کچھ بھی محفوظ نہیں، ایک مثالی معاشرہ بن جائے۔

﴿فرضناها﴾ یہ احکام تمہارے اوپر فرض ہیں، انہیں معاشرے میں نافذ کیا جائے اور کوئی سستی نہ کی جائے۔

﴿السَّارِقُ والسَّارِقَةُ﴾ یہاں ''سارق'' پہلے ہے اور ''سارقة'' بعد میں ہے، کیونکہ چوری میں مرد عورت کے مقابلے میں جری ہوتا ہے۔ ﴿الزانية والزاني﴾ یہاں ''زانية'' کو ''زاني'' پر مقدم کیا گیا اس کی وجہ یہ ہے کہ فعل زنا کے صدور میں اصل عورت ہے کیونکہ داعیہ زنا اس میں اتم واکمل ہوتا ہے، اگر عورت راضی نہ ہو تو فعل زنا کا صدور ہی کیوں ہو؟

زنا اور شرک میں مماثلت:

دونوں اپنی اصل چوکھٹ چھوڑ دیتے ہیں، اس زانیہ عورت سے نکاح نہیں کیا جا سکتا جو بدستور بدکاری کرتی رہتی ہے،

Scanned by CamScanner

لعان میں اگر عورت حمل سے ہے اور خاوند کہہ دے کہ یہ حمل مجھ سے نہیں ہے تو وہ بچہ اس عورت کا ہوگا، وہ صرف اپنی ماں کا وارث ہوگا اور ماں اس کی وارثہ ہوگی، باپ سے اس بچے کا کوئی تعلق نہ ہوگا۔

﴿السُّوء﴾ الاستجابة النفسية للاغراء۔ شیطان کی ترغیب پر نفس کا لبیک کہنا ''سوء'' کہلاتا ہے۔

﴿الفحشَاء﴾ ''هی الفعل الذی ینتهی الیه یعنی الزنا'' فاحشہ اور فحشاء وہ ہے جس کی قباحت مفرط (حد سے بڑھی ہوئی) ہو اور منکر وہ ہے جس کا شرع انکار کرے۔

﴿ظن المومنون﴾ نیک لوگوں سے نیک گمانی کا حکم دیا اور یہ فرمایا کہ نیک لوگوں کے حق میں بے تحقیق برائی کا کلمہ ہرگز زبان سے نہ نکالنا۔

مسئلہ: ایک شخص نے ایک عورت سے شادی کی، بعد میں معلوم ہوا کہ اس شادی سے پہلے اس کا کسی لڑکے سے ناجائز تعلق تھا تو عورت اگر عہد کرتی ہے اور توبہ کرتی ہے تو لڑکا اس کو اپنے نکاح میں برقرار رکھ سکتا ہے۔

﴿افك﴾ (پلٹ دینا) کیونکہ افتراء اور بہتان میں اصلیت مقلوب ہو جاتی ہے، عائشہ رضی اللہ عنہا کی برأت قرآن سے ثابت ہے ان کے حق میں بدکلامی کرنے والا مکذب بالقرآن ہے اور دائرۂ اسلام سے خارج ہے اور عبداللہ بن ابی منافق کا بھائی ہے۔

نکتہ: ﴿الطیبات... الخ﴾ عائشہ رضی اللہ عنہا، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں تھیں اور محمد طیب تھے تو عائشہ طیبہ ہوئیں۔

﴿یغضوا من ابصارهم﴾ بدنظری زنا کی پہلی سیڑھی ہے، اسی سے فواحش کا دروازہ کھلتا ہے۔

﴿ایمٌ﴾ وہ مرد جس کے پاس عورت نہ ہو اور وہ عورت جس کا مرد نہ ہو۔

الدیوث: الذی یُقِرُّ السوء فی اهله، جو اپنے اہل میں برائی کو برقرار رکھتا ہے وہ دیّوث ہے۔

عن عمار، قال: قال النبي صلی اللہ علیه وسلم: لا یدخل الجنة دیوث۔ (إتحاف الخیرة المهرة للبوصیري: ۵/۳۴۱ ضعیف وله شاهد)

عمار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دیوث جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

﴿اللهُ نورُ السَّمٰوات والارض﴾

مادة کل خیر و صلاح کل شیئ۔ وهو ینشأ عن امتثال امر الله واجتناب نهیه وعن الصبر علی ذلک فان حفظ الحدود بتقوی الله یجعل الله لصاحبه نورًا۔

یہ نور ہر بھلائی کا مادہ اور ہر شئ کی درستگی ہے، اور یہ اللہ کے حکم کی بجا آوری اور اس کی منع کی ہوئی چیزوں سے اجتناب اور اس پر صبر سے پیدا ہوتا ہے، کیونکہ اللہ کے حدود کی حفاظت، اللہ کے تقویٰ سے ہوتی ہے اور صاحبِ تقویٰ کے لیے اللہ نور بنا دیتا ہے۔

اللہ نے مومن کے ایمان کی مَثَل نور سے اور اعمالِ کفار کی مَثَل ظلمت سے دی ہے، لہٰذا نور اور مومنوں کے اعمال کے ذکر کے بعد کفار کے اعمال کو ذکر کیا گیا۔

Scanned by CamScanner

"الایمان: اسم جامع لکل ما یحبہ اللہ و یرضاہ والکفر اسم جامع لکل ما یبغضہ اللہ وینھی عنہ" ایمان جامع نام ہے ہر اس چیز کا جس کو اللہ پسند کرے اور اس سے راضی ہو اور کفر جامع نام ہے ہر اس چیز کا جسے اللہ ناپسند کرے اور اس سے روکے۔

"والفجور: اسم جامع لکل متجاھر بمعصیۃ" ہر کھلم کھلا گناہ کرنے والے کے عمل کا جامع نام فجور ہے۔

نکتہ: تمام عقوباتِ شرعیہ، ادویہ نافعہ (نفع بخش دوائیں) کی طرح ہیں جن کے ذریعہ اللہ دل کے امراض کو دور کرتا ہے اور رافت ورحمت یہ ہے کہ دوا کے پینے پر معاونت کی جائے اگرچہ دوا کڑوی ہو، اگر رحم کی وجہ سے دوا نہ دے تو گویا اس نے مریض کی ہلاکت پر معاونت کی، اگرچہ وہ بظاہر مریض کا خیر خواہ ہو، رحم ایک اچھی اور محمود چیز ہے مگر دین کے معاملے میں منھی عنہ (اس سے روکا گیا) ہے، دلیل، حدیث "لو ان فاطمۃ بنت محمد سرقت لقطعت یدھا" (صحیح بخاری، کتاب المغازی: ۴۳۰۴) ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِذَا خَفِيَتِ الْخَطِيئَةُ لَمْ تَضُرَّ إِلَّا صَاحِبَهَا، وَإِذَا ظَهَرَتْ فَلَمْ تُغَيَّرْ ضَرَّتِ الْعَامَّةَ" (المعجم الاوسط: ۵/ ۹۴، ضعیف)

گناہ جب چھپ کر کیا جائے تو صرف اس کے مرتکب ہی کو نقصان پہنچتا ہے اور جب گناہ علانیہ کیا جائے اور اس پر نکیر نہ کی جائے تو اس سے پوری عوام کو نقصان پہنچتا ہے، لہٰذا "لم یکن للمعلن بالبدع والفجور غیبۃ" لہٰذا علانیہ بدعتوں اور فجور کا ارتکاب کرنے والوں کی غیبت، غیبت نہیں ہے۔

ان کی مثال ایسے ہے جیسے بیماروں کی پوری جماعت ہے اور ڈاکٹر نے ان کے لیے ایک نافع دوا تجویز کی، تو ان کے بڑے نے دوا کو کڑوی پایا تو اس کا پینا چھوڑ دیا اور باقی لوگوں کو بھی پینے سے روک دیا۔ ظاہر ہے کہ ان سب کا انجام موت کے سوا کیا ہے؟

نتیجہ: فان الرافۃ والرحمۃ یحبھما اللہ ما لم تکن مضیعۃ لدین اللہ۔ اللہ شفقت اور رحم کو اس وقت تک پسند کرتا ہے جب تک وہ دین کو ضائع کرنے والے نہ ہو جائیں۔

"مذنب" اور "مسرف" کا فرق:

ایک شخص شدت کی طرف مائل ہے تو شیطان اسے اللہ کے احکام کے علاوہ میں شدت میں مبتلا کر دیتا ہے۔ تو یہ شخص وہ احسان، صلہ رحمی، نرمی، نیکی، اور رحم چھوڑ دیتا ہے، جس کا اللہ حکم دیتا ہے۔ اور شدت میں زیادتی اور تعدی اس طرح کرتا ہے کہ اللہ جس چیز سے محبت رکھتا ہے اس سے بغض رکھتا ہے۔ پہلا مذنب اور دوسرا مسرف ہے۔

شہوانی (Sexy) باتیں کرنے والے ہجڑوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ ان کو اپنے گھروں سے نکال دو۔ تو ایسے پروگرام جو ٹی وی پر دکھائے جاتے ہیں جس سے جذبات میں ہیجان پیدا ہو کیسے جائز ہو سکتے ہیں؟

Scanned by CamScanner

مدینہ میں تین ہجڑے تھے۔ (۱) ہم (۲) ماتع (۳) ہیت۔ ان پر فاحشہ کبریٰ (زنا یا لواطت) کی تہمت نہ تھی، یہ صرف لچکدار آواز میں باتیں کرتے اور تھوڑا لچکے جھٹکے کے ساتھ چلتے تھے اور ہاتھوں اور پیروں میں مہندی لگاتے تھے۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم آئے اور اس وقت میرے پاس ایک ہجڑا تھا اور وہ میرے بھائی عبداللہ سے کہہ رہا تھا کہ اگر کل طائف فتح ہوا تو میں تمہیں غیلان کی بیٹی کو بتاؤں گا جو "تقبل باربع و تدبر بثمان" (آتی ہے چار کے ساتھ اور جاتی ہے آٹھ کے ساتھ۔ یعنی بہت موٹی ہے) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اخرجوھم من بیوتکم" انہیں اپنے گھروں سے نکال دو۔

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أُمِّ سَلَمَةَ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ دَخَلَ عَلَيْهَا، فَسَمِعَ مُخَنَّثًا وَهُوَ يَقُولُ لِعَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي أُمَيَّةَ: إِنْ يَفْتَحِ اللَّهُ الطَّائِفَ غَدًا، دَلَلْتُكَ عَلَى امْرَأَةٍ تُقْبِلُ بِأَرْبَعٍ وَتُدْبِرُ بِثَمَانٍ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: "أَخْرِجُوهُمْ مِنْ بُيُوتِكُمْ"۔

(سنن ابن ماجہ: ۱۹۰۲)

ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس آئے، تو ایک مخنث کو عبداللہ بن ابی امیہ سے یہ کہتے سنا کہ اگر اللہ تعالیٰ کل طائف فتح کرا دے، تو میں تمہیں ایسی عورت کے بارے میں بتاؤں گا جو آگے کی طرف مڑتی ہے تو چار سلوٹیں پڑ جاتی ہیں اور پیچھے کی جانب مڑتی ہے تو آٹھ سلوٹیں ہو جاتی ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان (مخنثوں) کو اپنے گھروں سے نکال دو۔

وضاحت: پہلے اس مخنث کو ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے یہ سمجھ کر اجازت دی ہوگی کہ وہ ان لوگوں میں سے ہے جن کو عورتوں سے دلچسپی نہیں ہوتی، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ وہ عورتوں کی خوبیوں اور خرابیوں کو سمجھتا ہے تو اس کے نکالنے کا حکم دیا، اس مخنث کا نام "ہیت" تھا، بعضوں نے کہا یہ مدینہ سے بھی نکال دیا گیا تھا اور شہر کے باہر رہا کرتا تھا، عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت میں سنا کہ وہ بہت بوڑھا ہو گیا ہے، اور روٹیوں کا محتاج ہے تو ہفتہ میں ایک بار اس کو شہر میں آنے کی اجازت دی کہ خیرات مانگ کر واپس چلا جایا کرے، اسی طرح نصر بن حجاج کو عمر رضی اللہ عنہ نے جلاوطن کر دیا تھا کیونکہ "انہ سمع تشبیب النساء بہ" کہ وہ عورتوں کے بارے میں عشقیہ اشعار کہتا تھا۔ اسی طرح اصوات مطربہ ہیں جو دلوں میں ہیجان پیدا کریں، فقال بعض السلف "الغنا رقیۃ الزنا" بعض سلف نے کہا ہے کہ گانا، زنا کا منتر ہے، ان گانوں کے ذریعے شیطان، انسان کے دل سے اس طرح کھیلتا ہے جیسے بچہ گیند سے کھیلتا ہے۔

صحبت: زناۃ لوطیہ (قوم لوط کا عمل کرنے والے)، تارک الصلاۃ (بے نمازی)، اہل البدع (بدعتی)، شاربوالخمر (شرابی) کی صحبت و مخالطت، دین کے لیے نقصان دہ ہے جیسے خربوزہ خربوزے سے رنگ پکڑتا ہے۔

(۱) ﴿والرُّجزَ فاھجُر﴾ (۲) ﴿انکم اذا مثلھم﴾ (۳) ﴿احشرو الذین ظلموا وازواجھم﴾

عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو بتایا گیا کہ کچھ لوگ شراب پی رہے ہیں، ان میں ایک شرابی کا دوست بھی ہے، وہ صائم (روزہ دار) ہے۔ "فقال ابداؤبہ فی الجلد۔ الم یسمع اللہ یقول فلا تقعدوا معھم" تو آپ نے فرمایا! پہلے اس کو

Scanned by CamScanner

کوڑے لگاؤ، کیا اس نے اللہ کا یہ فرمان نہیں سنا کہ ان کے ساتھ مت بیٹھو۔

غور فرمائیں کہ یہ مجالست عارضہ یعنی وقتی اور ہنگامی ہم نشینی تھی۔ "فکیف بالعشرة الدائمة" تو ان سے ہمیشہ کی صحبت کیسے جائز ہو سکتی ہے، اسی وجہ سے زانیہ سے نکاح ممنوع قرار دیا گیا کہ اس کے ساتھ نکاح سے ایک فاجرہ کی دائمی مصاحبت و معاشرت ہوتی تھی۔

عن الشعبي، قال: من زوج كريمته من فاسق فقد قطع رحمها (التاسع والثلاثون من شعب الايمان) جس آدمی نے اپنی بیٹی کی شادی کسی فاسق سے کی تو اس نے قطع رحمی کی۔

عَنْ أَبِي بَرْزَةَ الْأَسْلَمِيِّ قَالَ بَيْنَمَا جَارِيَةٌ عَلَى نَاقَةٍ عَلَيْهَا بَعْضُ مَتَاعِ الْقَوْمِ إِذْ بَصُرَتْ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَضَايَقَ بِهِمُ الْجَبَلُ فَقَالَتْ حَلْ اللَّهُمَّ الْعَنْهَا قَالَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُصَاحِبْنَا نَاقَةٌ عَلَيْهَا لَعْنَةٌ (مسلم: ۲۵۹۶ كِتَابُ الْبِرِّ وَالصِّلَةِ وَالْآدَابِ بَابُ النَّهْيِ عَنْ لَعْنِ الدَّوَابِّ وَغَيْرِهَا)

ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک باندی اپنی ایک اونٹنی پر سوار تھی، اس پر لوگوں کا کچھ سامان رکھا ہوا تھا کہ اچانک اس نے نبی ﷺ کو دیکھا حالانکہ ان کے درمیان پہاڑ کا تنگ درہ تھا تو وہ باندی کہنے لگی اے اللہ اس (اونٹنی) پر لعنت کر، تو نبی ﷺ نے فرمایا ہمارے ساتھ وہ اونٹنی نہ رہے جس پر لعنت کی گئی ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمَرْءُ عَلَى دِينِ خَلِيلِهِ فَلْيَنْظُرْ أَحَدُكُمْ مَنْ يُخَالِلُ۔ (ابوداود، کتاب الأدب: ۴۸۳۳، صحیح)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے تو تم میں سے ایک کو دیکھنا چاہئے کہ کس سے دوستی کر رہا ہے؟

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَا تَدْخُلُوا عَلَى هَؤُلَاءِ الْمُعَذَّبِينَ إِلَّا أَنْ تَكُونُوا بَاكِينَ، فَإِنْ لَمْ تَكُونُوا بَاكِينَ فَلَا تَدْخُلُوا عَلَيْهِمْ، لَا يُصِيبُكُمْ مَا أَصَابَهُمْ"

(بخاری: ۴۳۳، كِتَابُ الصَّلَاةِ)

مہذب قوموں پر گذرو تو روتے ہوئے گذرو۔

زانی سے نکاح گویا زنا پر راضی ہونا ہے اور معصیت پر رضا اس کے کرنے کی طرح ہے۔

حدیث: "المرء على دين خليله۔ واعظم الخلة خلة الزوجين" آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے اور سب سے بڑی دوستی میاں بیوی کی دوستی ہے۔

﴿الخبيثات للخبيثين... الخ﴾

عن ابن عباس رضي الله عنهما في قوله فخانتاهما قال والله ما زنتا ولا بغت امرأة نبي قط فقيل له فما كانت خيانة امرأة نوح وامرأة لوط فقال أما امرأة نوح فكانت تخبر أنه مجنون وأما امرأة لوط فإنها

Scanned by CamScanner

كانت تدل على الضيف (في كتاب روضة المحبين لابن قيم الجوزية)، (فتح القدير للشوكانی: ۵/۳۶۴)

کسی نبی کی بیوی سے زنا کا صدور نہیں ہوا۔ خیانت سے مراد دینی خیانت ہے۔

مسئلہ: زانیہ سے بعد توبہ نکاح جائز ہے، لیکن پہلے امتحان لے کہ "هل هى صحيحة التوبة ام لا؟" آیا اس کا توبہ کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا طریقہ بتایا: "ان يراودها عن نفسها فاذا اجابته لم تصح توبتها وان لم تجبه فقد تابت" کہ وہ اس پر ڈورے ڈالے، اگر وہ اس کو قبول کر لیتی ہے تو اس کی توبہ صحیح نہیں ہے اور اگر قبول نہیں کرتی ہے تو اس کی توبہ صحیح ہے، عورتوں کو آزمانے کی دلیل سورۂ ممتحنہ کی یہ آیت ہے: ﴿اذا جاء كم المومنات مهاجرات فامتحنوهن... الخ﴾ (سورۂ ممتحنہ: ۱۰) یہ امتحان زندگی کے تمام معاملات میں ہے۔

واقعہ: عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ایک شخص کے بارے میں جس سے وہ متاثر تھے اپنے غلام سے اس کا امتحان لینے کے لیے کہا۔ غلام نے اس شخص سے کہا، تمہیں معلوم ہے کہ امیر المومنین کے پاس میرا مقام کیا ہے؟ تو اگر میں تمہاری گورنری کا اشارہ ان سے کروں تو تم مجھے کیا دو گے؟ تو اس نے مال عظیم دینے کا وعدہ کیا۔ تو عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ جان گئے کہ وہ گورنری کے لائق نہیں ہے۔ قول بالباطل اور قول بلا علم دونوں حرام ہیں۔

نکتہ: اللہ نے فاحشہ اور قذف (زنا اور الزام) دونوں میں ایسی سزا رکھی ہے جو اور کسی گناہ میں نہیں رکھی ہے، شرابی کی حد اسی پر قیاس کر کے ہے۔

فَقَالَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ: إِنَّهُ إِذَا شَرِبَ هَذِيَ، وَإِذَا هَذِيَ افْتَرَى فَاجْلِدُوهُ ثَمَانِينَ

(التلخيص الحبير لابن حجر: ۴/۱۳۹۷)

شرابی جب شراب پیتا ہے تو ہذیان بکتا ہے اور جب ہذیان بکتا ہے تو الزام لگاتا ہے، تو اُسے اَسّی کوڑے مارو۔

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَبِيعُوا الْقَيْنَاتِ وَلَا تَشْتَرُوهُنَّ وَلَا تُعَلِّمُوهُنَّ وَلَا خَيْرَ فِي تِجَارَةٍ فِيهِنَّ وَثَمَنُهُنَّ حَرَامٌ فِي مِثْلِ هَذَا أُنْزِلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ۔ {وَمِنْ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ} إِلَى آخِرِ الْآيَةِ

(ترمذی كِتَاب الْبُيُوعِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ۱۲۸۲، حسن)

حدیث مذکور میں "القینات"، "القینة" کی جمع ہے جس کا مطلب الجارية المغنية (گانے والی لونڈی) ہے۔

اللہ نے ہمیں معروف کرنے اور منکر سے رکنے کا حکم دیا ہے۔ "وحب الشئ وفعله وبغض ذلک وتركه لا يكون الا بعد العلم" کسی چیز کو پسند کرنا اور اس کو انجام دینا اور اس سے بغض رکھنا اور اس کا چھوڑ دینا اس کے بارے میں علم کے بعد ہی ہوتا ہے، لہٰذا امر و نہی کسی چیز کا مسبوق بمعرفتہ ہے یعنی پہلے امر و نہی کا علم ہونا ضروری پھر اس پر عمل۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ غرضیکہ تمام واجبات کا یہی حال ہے۔

"المهاجر الذى هجر السيئات" مہاجر وہ ہے جو برائیاں چھوڑ دے۔

Scanned by CamScanner

"المجاهد الذی یجاهد فی ازالتها" مجاہد وہ ہے جو اس کے ختم کرنے میں جی جان لگا دے۔

﴿ انّ الذین یحبُّون ان تشیع الفاحشة ﴾

"فان اللّٰه قد توعد بالعذاب علی مجرد محبة ان تشیع الفاحشه فی الذین آمنوا بالعذاب الالیم فی الدنیا والاٰخرة وهذه المحبة قد لا یقترن بها قول ولا فعل"۔

جب بے حیائی کی محض پسندیدگی پر اللہ نے دنیا اور آخرت میں عذاب الیم کی وعید سنائی ہے تو اندازہ لگایئے بے حیائی کے مرتکبین کا کیا حال ہوگا؟ غور فرمائیں، امرأۃ لوط، قوم لوط کے عمل نہیں کرتی تھی مگر چونکہ ان کے فعل پر راضی تھی لہٰذا عذاب میں وہ بھی گرفتار ہوئی۔

"بغی"، "فحشاء"، "منکر" میں فرق:

قوت غضبیہ کی بے اعتدالی سے جو فعل وجود میں آئے وہ بغی ہے۔

قوت شہویہ (جنسی جذبہ کی بے اعتدالی) سے جو فعل وجود میں آئے وہ فحشاء ہے اور مُنکرُ عام ہے۔

نکتہ: مجبوری میں ایک عورت غیر محرم کے ساتھ سفر کر سکتی ہے جیسے عائشہ رضی اللہ عنہا، صفوان بن معطل سلمی کے ساتھ۔ توبہ کے بعد شہادت مقبول ہے جیسے مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ، حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا اور حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ۔ کیونکہ اس قذف میں یہ لوگ بھی شامل تھے۔

ثلاث عورات۔ پردے کے تین اوقات۔

(۱) حین الاستیقاظ من النوم۔ (نیند سے بیدار ہونے کے وقت)

(۲) حین ارادة النوم۔ (سونے کے ارادے کے وقت)

(۳) حین القائلة۔ (قیلولے کے وقت)

ان اوقات میں بے پردگی کے امکانات ہیں۔

جلابیب: من فوق رؤوسهن، برقع کا مطلب پردہ نہیں، برقع کے باوجود بے پردگی ہو تو یہ بے پردگی ہی شمار ہوگی۔

جیٹھ سے پردہ، بہنوئی سے پردہ، دیور سے پردہ کو لوگ معیوب سمجھتے ہیں، ایسا لگتا ہے کہ اس پر پردے کا کوئی حکم ہی نازل نہیں ہوا، جب کہ ان سب سے پردہ کرنا ضروری ہے، ددھیال میں چاچا کے لڑکوں سے پردہ ہے، پھوپھی، پھوپھا کے لڑکوں سے پردہ ہے، پھوپھا سے بھی پردہ ہے مثلاً میری بیٹی ہے اس کی شادی میری بہن کے شوہر سے، میری بہن کے مرنے کے بعد ہو سکتی ہے، وہ پھوپھا ہے، لہٰذا اس سے پردہ ہے، ماموں کی بیوی مامی سے پردہ ہے، خالو سے بھی پردہ ہے۔

پردے کا اصول: کوئی رشتہ دیکھئے اگر دودھ سے اس کا تعلق ہے تو پردہ نہیں اور اگر دودھ کا رشتہ نہیں ہے تو پردہ ہے۔

"رجس": یہ نجاست کفر، شرک، نفاق، ظلم، فواحش سے ہوتی ہے اور یہ صرف توبہ سے زائل ہوتی ہے، "فمن تاب فقد

Scanned by CamScanner

تطھر والا فھو متنجس وان اغتسل بالماء"۔اس نجاست سے انسان کا دل (باطن) نجس ہو جاتا ہے جو نہانے سے نہیں رفع ہوتا بلکہ اغتسال بماء التوبہ النصوح۔(توبۂ نصوح کے پانی سے نہانے) سے رفع ہوتا ہے۔

نجاست کی دو قسمیں ہیں:

(۱) نجاست حقیقیہ حسیہ

(۲) نجاست حکمیہ: بدن ناپاک ہو جائے تو پانی سے پاک ہو جاتا ہے اور مال میں سے زکوٰۃ نہ نکالنے پر مال ناپاک ہو جاتا ہے۔

نکتہ: غضِ بصر (نگاہ نیچی رکھنا)، حفظِ فروج (شرمگاہوں کی حفاظت کرنا) اور گناہوں سے توبہ کے بعد آیت نور لائی گئی ہے، یہ جزاء من جنس العمل ہے، محبوب چیز کی طرف دیکھنا اگر اللہ کے لیے چھوڑ دیا تو عوض میں اللہ اس سے اچھی چیز دیتا ہے اور وہ نور ہے جو قلب میں ڈالتا ہے اور آنکھ میں جس سے وہ حق کو دیکھتا ہے۔

متوسم: "من اعتبر بما عاقب اللہ بہ غیرہ من اھل الفواحش کان من المتوسمین" جو آدمی بدکاروں کے انجام سے عبرت حاصل کرے وہ متوسمین میں سے ہے۔

عقیدہ کا مسئلہ: النور ضد الظلمہ: "لا یقال لا ولئک انھم اضداد اللہ ولکن یقال انھم موصوفون" بضد صفات اللہ، نور ظلمت کی ضد ہے۔ یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ اللہ کی ضد ہیں بلکہ یہ کہا جائے گا کہ وہ اللہ کی صفات کی ضد کے ساتھ متصف ہیں۔

سوال: النور ضد الظلمۃ وجلّ الحق ان یکون لہ ضد۔نور ظلمت کی ضد ہے اور اللہ اس بات سے بلند ہے کہ اس کی کوئی ضد ہو۔

جواب: النور ضد الظلمۃ معناہ یمتنع اجتماعھما فی عین واحدۃ۔لم یقولوا انہ یمتنع ان یکون شئی موصوفًا بانہ نور وشئی موصوفا بانہ ظلمۃ۔لوکان نورًا لم یجز اضافۃ الی نفسہ فی قولہ مثل نورہ۔نور ظلمت کی ضد ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ان دونوں کا اجتماع (اکٹھا ہونا) ایک عین (ذات) میں محال ہے۔

(۱) نور السمٰوات والارض۔زمین اور آسمان کا نور ہے۔

(۲) "ھو۔نور انّی اراہ"۔(مسلم) وہ نور ہے میں اس کو کیسے دیکھ سکتا ہوں۔

(۳) "متحجب بالنور۔حجابہ النور"۔روشنی کے پردہ میں ہے۔اس کا حجاب نور ہے۔

فالاقسام ثلثۃ: تین قسمیں ہیں:

(۱) اشراق بلا احراق: جیسے نور قمر کہ چمک ہے مگر تپش نہیں۔

(۲) احراق بلا اشراق: النار المظلمۃ (نارِ جہنم) تپش ہے مگر چمک نہیں۔

(۳) نار ونور: شمس ونار المصابیح۔(سورج اور چراغوں کی آگ) تپش اور چمک دونوں ہے۔

Scanned by CamScanner

نکتہ: نور السمٰوات والارض: لیس المضاف ھو عین المضاف الیہ۔ مضاف، مضاف الیہ کا عین نہیں ہوتا بلکہ دونوں میں مغائرت ہوتی ہے۔

"اشرقت الارض بنور ربھا" اللہ کے چہرے کے نور سے یہ کائنات روشن ہے اس لیے نور السمٰوات والارض کہا۔

قد اخبر اللہ فی کتابہ ان الارض تشرق بنور ربھا فاذا کانت تشرق من نورہ کیف لا یکون ھو نورًا: ولا یحوز ان یکون ھذا النور المضاف الیہ اضافۃ خلق وملک و اصطفاء کقولہ ناقۃ اللہ ۔ ناقۃ اللہ ونحو ذلک لوجوہ۔ احدھا ان النور لم یضف قط الی اللہ اذا کان صفۃ لاعیان قائمۃ۔ فلا یقال فی المصابیح التی فی الدنیا انھا نور اللہ ولا فی الشمس والقمر۔ وانما یقال کما قال ابن مسعود ان ربکم لیس عندہ لیل ولا نھار، نور السمٰوات من نور وجھہ ان الانوار المخلوقۃ کالشمس والقمر تشرق لھا الارض فی الدنیا ولیس من نور الا ھو خلق من خلق اللہ۔

﴿اللہ نور السمٰوات والارض﴾ اللہ آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے۔ یہ آیت اپنی حقیقت اور اپنے ظاہر پر ہے۔

﴿فمنھم ظالم لنفسہ ومنھم مقتصد ومنھم سابق بالخیرات﴾

فالظالم لنفسہ۔ "المخل ببعض الواجب" بعض فرائض کو چھوڑ دینے والا ظالم لنفسہ ہے۔

والمقتصد۔ "القائم بہ" اس پر قائم رہنے والا مقتصد ہے۔

والسابق بالخیرات۔ "المتقرب بالنوافل بعد الفرائض" فرائض کے بعد نوافل کے ذریعے تقرب حاصل کرنے والا سابق بالخیرات ہے۔

دنیا کے سورج چاند:

(۱) ومعلوم ان العمیان لا حظّ لھم فی ذلک: اندھوں کو روشنی سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔

(۲) ومن یکون بینہ وبین ذلک حجاب لا حظّ فی ذلک: اور وہ شخص جس کے درمیان اور روشنی کے درمیان پردہ ہو اس کو بھی اس روشنی سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔

(۳) والموتٰی لا نصیب لھم من ذلک: مُردوں کو بھی روشنی سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

(۴) واھل الجنۃ لا نصیب لھم من ذلک فان الجنۃ لیس فیھا شمس ولا قمر: جنتیوں کو بھی اس روشنی سے کوئی فائدہ نہیں، کیونکہ جنت میں سورج اور چاند نہیں، وہ روشنی عرش سے آئے گی۔

جیسے صراط مستقیم کی تفسیر کی گئی ہے کہ وہ اسلام ہے، دوسرا قول قرآن ہے، تیسرا السنۃ والجماعۃ، اور طریق عبودیت ہے، "فھذہ کلھا صفات لہ متلازمۃ لا متباینہ" تو یہ سب اس کی صفات لازمہ ہیں۔ صفات متباینہ نہیں۔

Scanned by CamScanner

صفات کی دو قسمیں ہیں:

(۱) صفت ذاتیہ (جیسے وجہ اور ید وغیرہ)

(۲) صفت فعلیہ (جیسے رحمت وغیرہ)

صفات فعلیہ کو پہچاننے کا طریقہ: "کل صفة من صفات الله یکون لها سبب فانها من الصفات الفعلیه فالرضا والغضب والفرح والضحک کلها من الصفات الفعلیه"۔ اللہ کی صفات میں سے جس صفت کا کوئی سبب ہو وہ صفات فعلیہ میں سے ہے، جیسے رضا، غضب، فرح، ضحک سب صفات فعلیہ ہیں۔

افعال اللہ کی قسمیں: تکون جنسا، تکون نوعاً، تکون فرداً اللہ کے افعال کبھی جنس ہوتے ہیں کبھی نوع ہوتے ہیں کبھی فرد ہوتے ہیں۔

(۱) "جنسی": یہ ازلی اور ابدی صفت ہے، یعنی ان الله لم یزل ولا یزال فعّالا فهو فعّال فی الازل کما هو فعال فی الابد یعنی اللہ ہمیشہ سے فعال ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

(۲) "نوعی": مثل الاستواء علی العرش وهذا حادث فان الله لم یستو علی العرش قبل خلق العرش جیسے عرش پر مستوی ہونا۔ یہ حادث ہے اس لیے کہ عرش کے پیدا کرنے سے پہلے وہ اس پر مستوی نہیں ہوا۔

(۳) "آحادی" (فردی) "کالنزول الی السماء الدنیا کل لیلة" جیسے ہر رات سماء دنیا کی طرف اس کا نزول۔

﴿لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ؕ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾

﴿يَتَسَلَّلُوْنَ﴾ یہ "سل البعیر فی جوف اللیل" سے ماخوذ ہے۔ جس کا مطلب ہے رات میں اونٹ چپکے سے نکل کر چلا گیا۔

﴿يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ﴾ "خالفه عن الامر" کا مطلب ہے کترانا۔ مخالفت میں اعراض کا مفہوم داخل ہے۔ تو ﴿يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖ﴾ کا مطلب یہ ہوا کہ وہ رسول کے حکم کی مخالف سمت میں چلتے ہیں۔

﴿فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ مجاہد کے قول کے مطابق فِتْنَةٌ سے مراد دنیوی مصیبت اور عَذَابٌ اَلِيْمٌ سے مراد اُخروی مصیبت ہے۔

Scanned by CamScanner

سورۃ الفرقان (مکیۃ)

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ۝۱ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ۝۲

وہ (اللہ عزوجل) بہت ہی بابرکت ہے جس نے اپنے بندے پر قرآن نازل فرمایا تاکہ جہاں والوں کو ہدایت کرے۔(۱) وہی کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اُسی کی ہے اور جس نے (کسی کو) بیٹا نہیں بنایا جس کا بادشاہی میں کوئی شریک نہیں اور جس نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر اُس کا ایک اندازہ ٹھہرایا۔(۲)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت، قرآن کے کلام الٰہی ہونے پر مشرکین کے شبہات اور اللہ کو اور اس کی صفات کو اپنے اوہام باطلہ کے موافق سمجھنا اس سورہ میں سب کا جواب ہے۔

کتاب کیوں بھیجی، اس کی کیا ضرورت تھی؟ اس کا جواب ﴿تبارك الذی﴾ سے دیا گیا کہ وہ برکت والا ہے، وہ بندوں کو بھلائی پہنچانا چاہتا ہے، لوگوں کو عقائد و افعال صحیحہ و غیر صحیحہ میں امتیاز نہیں رہا تھا، اس لیے اس نے فرقان (حق و باطل میں فرق کرنے والی کتاب) عطا کیا۔

تیسرے شبہ کا جواب:

﴿لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرً﴾ اسے دیا گیا کہ جہان والوں کو متنبہ کرے کہ یہ عقائد و افعال دنیا و آخرت میں مصائب لانے والے ہیں ﴿الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ میں دوسرے شبہے کا رد ہے کہ ہر شئ اس سے رشتہ عبودیت رکھتی ہے، پھر کیا وجہ ہے کہ اپنے بندے پر کلام نازل نہ کرے؟

﴿لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا﴾ اس سے ثابت ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت سارے عالم کے لیے ہے۔

﴿وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً﴾ سے مسئلہ توحید شروع ہے کہ غلط توہمات کی وجہ سے انہوں نے معبودان باطلہ

بنالیے جو کچھ پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وہ خود پیدا کیے گئے ہیں۔

دوسرا شبہ: محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن از خود بنالیا ہے۔ چونکہ یہ شبہ بدگمانی پر مبنی تھا اس لیے ﴿فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا﴾ سے جواب دیا گیا کہ یہ بڑی بے انصافی کی بات ہے کہ جو شخص دنیا کے معاملے میں کبھی جھوٹ نہیں بولا، وہ آخرت کے معاملے میں جھوٹ کیسے بول سکتا ہے؟ کافروں کا یہ کہنا کہ قرآن پہلے لوگوں کی کہانیاں ہے۔ اس کا جواب ﴿اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ﴾ سے دیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُمی ہیں۔ کوئی آپ کا استاذ نہیں اور باہر ملکوں میں پھر کر آئے بھی نہیں تو پھر ان حقائق نیز تاریخ کا علم انہیں کیسے ہوا؟

﴿فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا﴾

ہر شئی قدرت کا شاہکار ہے: زمین کو رقیق مادے کی طرح نہ بنایا کہ جو کچھ اس پر رکھا جائے ڈوب جائے نہ اس کو اتنا سخت بنایا کہ اس کو کھود نہ سکیں، پانی کو سیال بنایا، ہوا بھی سیال ہے مگر پانی سے مختلف ہے۔ پانی ہر جگہ خود نہیں پہنچتا، اس میں انسان کو محنت کرنی پڑتی ہے۔ اور ہوا بغیر محنت وعمل ہر جگہ پہنچ جاتی ہے اس سے بچنے کے لیے محنت کرنی پڑتی ہے۔

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۝

اور کہتے ہیں کہ یہ کیسا پیغمبر ہے کہ کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے، کیوں نازل نہیں کیا گیا اس کے پاس کوئی فرشتہ کہ اس کے ساتھ ہدایت کرنے کو رہتا۔ (۷)

اسی شبہ میں ایک شبہ اور تھا کہ اس کے ساتھ فرشتہ ہوتا وہ بھی پیغام پہنچاتا۔ تاکہ سب کو یقین ہوجاتا یا اس پر کسی نے جادو کر دیا ہے۔ اور یہ لوگ جادو کیے ہوئے پر ایمان لے آئے ہیں۔

کفار کا یہ خیال تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگر رسول ہیں تو انہیں انسان نہیں ہونا چاہیے۔ جواب دیا گیا کہ جن انبیاء کو تم بھی رسول و نبی مانتے ہو وہ بھی تو انسان ہی تھے اور انسانوں کی طرح کھاتے پیتے اور بازاروں میں چلتے تھے۔ اس سے تمہیں نتیجہ نکال لینا چاہیے تھا کہ کھانا پینا اور بازاروں میں چلنا منصب نبوت ورسالت کے خلاف نہیں، کیونکہ خود معترضین، ابراہیم و اسماعیل کو نبی ورسول مانتے تھے، لیکن ان کے متعلق ان کا یہ دعویٰ نہ تھا کہ وہ مافوق البشر تھے، نہ ان پر خزانہ اترا تھا اور نہ وہ باغ وجائداد کے مالک تھے۔

اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ۝

(اے پیغمبر!) دیکھو تو یہ تمہارے بارے میں کس کس طرح کی باتیں کرتے ہیں سو گمراہ ہو گئے اور رستہ نہیں پا سکتے۔ (۹)

Scanned by CamScanner

نکتہ: ﴿ اُنۡظُرۡ کَیۡفَ ضَرَبُوۡا ﴾ کہ یہ سب بکواس کرتے ہیں آپ کچھ خیال نہ کریں، اس کے بعد تحقیقی جواب دیا گیا کہ آپ سے پہلے بہت سے انبیاء ابراہیم علیہ السلام، اسمٰعیل علیہ السلام وغیرہ آئے۔ کسی کے پاس خزانہ تھا، نہ باغ تھا، نہ ان کی تصدیق کے لیے کوئی فرشتہ تھا۔ وہ بشر تھے، غریب تھے اور بازاروں میں خرید وفروخت کے لیے جاتے تھے۔ رہے دنیا کے تعیّشات وتجملات تو یہ سب فتنے ہیں اور آزمائشیں ہیں کہ امیر شکر کرتا ہے یا ناشکری۔ اور غریب صبر کرتا ہے یا نہیں۔ لہٰذا کسی کو کچھ دیا، کسی کو کچھ دیا۔

لَهُمۡ فِيۡهَا مَا يَشَآءُوۡنَ خٰلِدِيۡنَ ؕ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ وَعۡدًا مَّسۡـُٔوۡلًا ﴿۱۶﴾

وہاں جو چاہیں گے اُن کیلئے میسر ہوگا، ہمیشہ اس میں رہیں گے، یہ وعدہ اللہ کو (پورا کرنا) لازم ہے اور اس لائق ہے کہ مانگ لیا جائے۔ (۱۶)

جنت کا پہلا وصف یہ ہے کہ جنت میں انہیں کی مرضی کارفرما ہوگی وہ جو کچھ چاہیں گے، انہیں ملے گی۔ اس عالم میں اپنی مرضی کو مرضیٔ الٰہی کے تابع کردینے کا یہی نتیجہ ہونا بھی چاہئے تھا۔

﴿ خٰلِدِيۡنَ ﴾: دوسرا وصف ہے کہ جنت کی نعمتیں سب دائمی اور سرمدی ہوں گی۔ یہ دو اوصاف ایسے جامع ہیں کہ ان پر کسی اضافے کی نہ ضرورت ہے نہ گنجائش۔

فَقَدۡ كَذَّبُوۡكُمۡ بِمَا تَقُوۡلُوۡنَ ۙ فَمَا تَسۡتَطِيۡعُوۡنَ صَرۡفًا وَّلَا نَصۡرًا ۚ وَمَنۡ يَّظۡلِمۡ مِّنۡكُمۡ نُذِقۡهُ عَذَابًا كَبِيۡرًا ﴿۱۹﴾

تو (کافرو!) انہوں نے تو تمہیں تمہاری بات میں جھٹلا دیا پس (اب) تم (عذاب کو) نہ پھیر سکتے ہو نہ (کسی سے) مدد لے سکتے ہو اور جو شخص تم میں سے ظلم کرے گا ہم اس کو بڑے عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔ (۱۹)

﴿ فَقَدۡ كَذَّبُوۡكُمۡ بِمَا تَقُوۡلُوۡنَ ﴾ ہم نے ان سے نہیں کہا تھا کہ ہماری قبریں پختہ بناؤ۔ ہماری نذر ونیاز کرو۔ تو ہم اللہ کے یہاں تمہاری سفارش کا ذمہ لیتے ہیں۔ یہ آیت ان مسلمانوں کی آنکھیں کھول دینے کے لیے کافی ہے جو سمجھتے ہیں کہ ولیوں کی منّتیں ماننے سے اور ان کی قبروں پر چڑھاوے چڑھانے سے وہ خوش ہوتے ہیں۔ حالانکہ یہ بزرگ قیامت کے دن اپنے عقیدتمندوں سے بیزاری کا اظہار کریں گے۔

وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا قَبۡلَكَ مِنَ الۡمُرۡسَلِيۡنَ اِلَّاۤ اِنَّهُمۡ لَيَاۡكُلُوۡنَ الطَّعَامَ وَيَمۡشُوۡنَ فِى الۡاَسۡوَاقِ ؕ وَجَعَلۡنَا بَعۡضَكُمۡ لِبَعۡضٍ فِتۡنَةً ؕ اَتَصۡبِرُوۡنَ ۚ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيۡرًا ﴿۲۰﴾

Scanned by CamScanner

اور ہم نے تم سے پہلے جتنے پیغمبر بھیجے ہیں سب کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے اور ہم نے تمہیں ایک دوسرے کیلئے آزمائش بنایا ہے کیا تم صبر کرو گے؟ اور تمہارا رب تو دیکھنے والا ہے۔(۲۰)

اس آیت میں ایک عالم کی فضیلت زاہد منقطع کے اوپر واضح ہے، رسولوں کا بازاروں میں جانا یہ بتاتا ہے کہ لوگوں سے ان کا تعلق ہوتا ہے، گویا انبیاء طبیب کی طرح ہیں اور طبیب مریض کے ساتھ ہوتا ہے، الگ ہو جائے تو مریض مر جائے گا۔

Scanned by CamScanner

پارہ نمبر

۱۹

سورۃ الفرقان
(آیت:۲۱)

تا

سورۃ النمل
(آیت:۵۹)

مُجمّع بلقیس للبحوث الاسلامیۃ
حیدرآباد الھند

Scanned by CamScanner

انیسواں پارہ

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ؕ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا ﴿٢١﴾

اور جو لوگ ہم سے ملنے کی امید نہیں رکھتے کہتے ہیں کہ ہم پر فرشتے کیوں نہ نازل کئے گئے یا ہم اپنی آنکھ سے اپنے رب کو دیکھ لیں، یہ اپنے خیال میں بڑائی رکھتے ہیں اور (اسی بنا پر) بڑے سرکش ہورہے ہیں۔ (٢١)

ہم فرشتوں کو کیوں نہیں دیکھتے یا رب کو، یہ مستکبرین کا وہ گروہ تھا جو اللہ کے حضور پیشی کے اندیشے سے بالکل بے خوف تھا، کفرانہیں ﴿اسْتَكْبَرُوْا﴾ کہا جس سے ان کا غرور پوری طرح بے نقاب ہوسکے، اس گروہ کا مطالبہ تھا کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فرشتہ آتا ہے تو ہمارے پاس کیوں نہیں آتا؟ یا خود اللہ بے حجاب ہوکر سامنے کیوں نہیں آتا؟ فرمایا گیا کہ ان کو اندازہ نہیں کہ فرشتوں کا دیکھنا کیا ہوتا ہے، اللہ کو دیکھنا بہت دور کی بات ہے، ایک دن آئے گا اور وہ فرشتوں کو دیکھیں گے تو وہ دن ان کے لیے خوش آئند نہ ہوگا۔

امتحان اس بات میں ہے کہ انسان حقیقت کو بصیرت کی آنکھ سے دیکھے، اور یہ لوگ چاہتے ہیں کہ بصیرت کی آنکھوں سے نہیں، بصارت سے دیکھیں۔

﴿اسْتَكْبَرُوْا﴾ انھوں نے اپنے دل میں خود کو بہت بڑا سمجھ رکھا ہے۔ اپنی سیہ کاریوں کی وجہ سے وہ دنیا میں اللہ کو اور فرشتوں کو دیکھنے کا مطالبہ کررہے ہیں۔

يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿٢٢﴾

جس دن یہ فرشتوں کو دیکھیں گے اس دن گنہگاروں کیلئے کوئی خوشی کی بات نہیں ہوگی اور کہیں گے (اللہ کرے تم) روک لیے (اور بند کردیے) جاؤ۔

Scanned by CamScanner

فرشتے مخصوص لوگوں (انبیاء ورسل) کے پاس آتے ہیں، اسی طرح اللہ لطیف ہے، خفاش کو تاب کہاں کہ آفتاب کو دیکھ سکے مگر موت کے وقت ان کی فرشتوں کو دیکھنے کی تمنا ضرور پوری ہوگی، مگر اس وقت انھیں دیکھ کر یہ ﴿حِجْرًا مَّحْجُوْرًا﴾ کہیں گے۔﴿يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ﴾ سے معلوم ہوا کہ موت کے وقت فرشتے دکھائی دیتے ہیں۔زمانہ جاہلیت میں جب کسی کو کوئی بلا پیش آتی یا کوئی اپنے دشمن کو دیکھتا اور اس کا خیال یہ ہوتا کہ وہ اس پر حملہ کرے گا تو یہی لفظ ﴿حِجْرًا مَّحْجُوْرًا﴾ پکار کر کہتا۔جیسے اردو میں کہتے ہیں۔دُور، دُور۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِنَّ الْمَيِّتَ تَحْضُرُهُ الْمَلَائِكَةُ، فَإِذَا كَانَ الرَّجُلُ الصَّالِحُ، قَالُوا: اخْرُجِي أَيَّتُهَا النَّفْسُ الطَّيِّبَةُ، كَانَتْ فِي الْجَسَدِ الطَّيِّبِ، وَاخْرُجِي حَمِيدَةً، وَأَبْشِرِي بِرَوْحٍ وَرَيْحَانٍ، وَرَبٍّ غَيْرِ غَضْبَانَ. فَلَا يَزَالُ يُقَالُ لَهَا ذَلِكَ حَتَّى تَخْرُجَ، ثُمَّ يُعْرَجُ بِهَا إِلَى السَّمَاءِ، فَيُسْتَفْتَحُ لَهُ، فَيُقَالُ: مَنْ هَذَا؟ فَيُقَالُ: فُلَانٌ، فَيُقَالُ: مَرْحَبًا بِالنَّفْسِ الطَّيِّبَةِ كَانَتْ فِي الْجَسَدِ" (مسند احمد:۸۷۶۹، صحیح)

مرنے والے کے پاس فرشتے آتے ہیں تو اگر مرنے والا نیک آدمی ہے تو کہتے ہیں نکل اے پاک روح! جو پاک جسم میں تھی، تیرا رب تجھ پر غضب ناک نہیں ہے، روح جب نکلتی ہے تو اسے آسمانوں کی طرف لے جایا جاتا ہے۔

حجر: کعبہ کے پاس ایک مقام ہے اس کو "حجر" اس وجہ سے کہتے ہیں کہ طواف کرنے والے کو اس کے اندر طواف کرنے سے منع کرتا ہے۔اس لئے اس کے باہر سے طواف کیا جاتا ہے۔ عقل کو بھی حجر کہتے ہیں کہ وہ ناشائستہ باتوں سے منع کرتی ہے۔

وَقَدِمْنَآ إِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴿٢٣﴾

اور جو انہوں نے عمل کئے ہوں گے ہم ان کی طرف متوجہ ہوں گے تو ان کو اڑتی خاک کر دیں گے۔(۲۳)

﴿هَبَآءً مَّنْثُوْرًا﴾ غبار پریشاں۔وہ باریک ذرے جو گھر میں داخل ہونے والی سورج کی کرنوں میں ہوتے ہیں ان کو پکڑنا ناممکن ہوتا ہے، کافروں کو اپنے جن جن اعمال پہ غرہ ہوگا کہ ہم نے دنیا میں فلاں فلاں اعمال خیر بھی تو کئے ہیں ان کے ان اعمال کو غبار پریشاں کی طرح بے مصرف کر کے دکھا دیا جائے گا، اس حقیقت کی تعلیم ایک بار پھر ہوگئی کہ جس طرح کوئی مکان بغیر بنیاد کے نہیں ہو سکتا اسی طرح کوئی حسن عمل بغیر ایمان و اعتقاد کے صحیح نہیں، آج آخرت بیزار لوگ اپنے قومی کارناموں پر بڑا فخر کرتے ہیں، اور ان کارناموں کی بدولت وہ قومی ہیرو بن جاتے ہیں، لیکن قیامت کے دن انھیں پتہ چلے گا کہ ان کے یہ کارنامے کتنے بے وزن اور بے وقعت تھے۔

اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا ﴿٢٤﴾

اس دن اہل جنت کا ٹھکانہ بھی بہتر ہوگا اور مقام استراحت بھی ہوگا۔(۲۴)

قیامت کا یہ ہولناک دن اہل ایمان کے لیے اتنا آسان ہوگا کہ قیلولے کے وقت تک فارغ ہو جائیں گے اور جنت

Scanned by CamScanner

میں استراحت فرمارہے ہوں گے۔ مسند احمد میں ہے مومن کے لئے یہ دن اتنا ہلکا ہوگا جتنا دنیا میں ایک فرض نماز ادا کرنا۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ: قِيلَ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَوْمًا كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ، مَا أَطْوَلَ هَذَا الْيَوْمَ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، إِنَّهُ لَيُخَفَّفُ عَلَى الْمُؤْمِنِ، حَتَّى يَكُونَ أَخَفَّ عَلَيْهِ مِنْ صَلَاةٍ مَكْتُوبَةٍ يُصَلِّيهَا فِي الدُّنْيَا

(مسند احمد: ۱۱۷۱۷ احسنہ الحافظ ابن حجر فی کتابہ فتح الباری)

﴿وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَاءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيلًا﴾ یہ پراسرار قسم کا بادل ہوگا جو آسمان کو چیر دے گا، یا یہ حقیقت میں بادل نہ ہوگا بلکہ بے شمار فرشتوں کا لشکر زمین پر کھڑے لوگوں کو بادل کی طرح دکھائی دے گا، ان فرشتوں کی پرشوکت آمد یہ ظاہر کردے گی کہ اب زمین پر انسان کی خلافت ختم کردی گئی ہے اور اب اس کی حیثیت ایسے ملزم کی ہے جو کٹہرے میں کھڑے ہوکر الزامات کا سامنا کرے گا اور اپنے کرتوتوں کا حساب دے گا، ان کی آمد سے ظاہر ہوگا کہ اب اللہ کی عدالت قائم ہونے والی ہے اور اس کے حضور لوگوں کو تنہا تنہا پیش ہونا ہے۔

يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ﴿۲۸﴾

ہائے شامت کاش میں نے فلاں شخص کو دوست نہ بنایا ہوتا۔ (۲۸)

اللہ کے نافرمانوں سے دوستی نہیں رکھنی چاہئے۔ صحبت صالح ترا صالح کند، صحبت طالح ترا طالح کند، لہٰذا سوچ سمجھ کر دوست کا انتخاب کرو، کتنے لوگ اس وجہ سے فاسق وفاجر بنے ہوئے ہیں کہ وہ برے دوستوں کے زیر اثر ہیں۔

لَقَدْ اَضَلَّنِيْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِيْ ؕ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ﴿۲۹﴾

اس نے مجھ کو (کتاب) نصیحت کے میرے پاس آنے کے بعد بہکا دیا اور شیطان انسان کو وقت پر دغا دینے والا ہے۔ (۲۹)

شیطان جب کسی کو بہکاتا ہے اور اسے جب اس کی ہلاکت کا یقین ہوجاتا ہے تو اسے چھوڑ دیتا ہے۔

وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴿۳۰﴾

اور پیغمبر کہیں گے کہ اے اللہ! میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ رکھا تھا۔ (۳۰)

آج مسلمانوں کی بڑی تعداد کا حال یہ ہے کہ وہ قرآن کو ماننے کا دعویٰ تو کرتی ہے مگر رسمی حد تک، یہ لوگ نہ اس کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں نہ اپنے عقائد واعمال میں اس کو رہنما بناتے ہیں، آخرت کی عدالت میں ان پر مقدمہ چلے گا، اور آج دنیا میں مسلمان ہر جگہ جو ذلیل وخوار ہیں اس کی وجہ قرآن سے مہجوری ہے، مسلمانوں نے قرآن کو چھوڑ دیا تو قرآن والے نے

Scanned by CamScanner

انھیں چھوڑ دیا۔ قرآن پر ایمان نہ لانا، اس پر عمل نہ کرنا، اس پر غور وفکر نہ کرنا، اس کی جگہ کسی اور کتاب کو ترجیح دینا یہ سب چیزیں ہجران (چھوڑ دینا) میں داخل ہیں۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ۭ وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا ﴿۳۱﴾

اور اسی طرح ہم نے گنہگاروں میں سے ہر پیغمبر کا دشمن بنا دیا اور تمہارا رب ہدایت دینے اور مدد کرنے کو کافی ہے۔ (۳۱)

﴿وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا﴾ انبیاء کے دشمن انبیاء کی دعوت کو روکنے کے لئے دو طریقے اختیار کرتے ہیں۔

(۱) اضلال (گمراہ کرنا) جیسے باطل پروپیگنڈے کرنا۔

(۲) ہتھیار کا راستہ۔ پہلے کے مقابلے میں ھادی لایا گیا دوسرے کے مقابل نصیر (مددگار) لایا گیا۔

﴿لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ﴾ اگر دل کو منتشر پاؤ تو قرآن پڑھو، اس سے تمہارا دل مجتمع ہو جائے گا۔

نزول قرآن میں تدریج کی حکمت:

ایک ہی مرتبہ نسخہ بتلا دینے میں مریض کا اتنا فائدہ نہیں ہوتا جتنا کہ تدریجی علاج میں ہے۔ قرآن کو یکبارگی کیوں نہ اتار دیا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ایک استاذ اگر چاہے تو اپنے شاگردوں کو پوری کتاب ایک ہی نشست میں پڑھا دے۔ لیکن کیا اس طرح شاگرد کتاب کے مضامین کو محفوظ بھی کر سکیں گے، حفظ اور تعلیم کے لئے وقفہ وقفہ سے قرآن کا نازل ہونا ضروری تھا، کیونکہ قرآن کی مثال بارش کی سی ہے جو وقتاً فوقتاً نازل ہو تو مفید ہوتی ہے، پورا نظام حیات بیک وقت بیان کر کے اسے قائم کرنے کا حکم دیا جاتا تو ہوش پراگندہ ہو جاتے، ہر حکم مناسب موقع پر ہو تو اس کی روح اور حکمت زیادہ اچھی طرح سمجھ میں آتی ہے۔

وَلَا يَأْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ﴿۳۳﴾

اور یہ لوگ تمہارے پاس جو (اعتراض کی) بات لاتے ہیں ہم تمہارے پاس اُن کا معقول اور خوب مشرح جواب بھیج دیتے ہیں۔ (۳۳)

قرآن کی دو اہم خوبیاں:

﴿وَلَا يَأْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا﴾

جواب کی دو خوبیاں ہیں۔ ایک ذاتی کہ فی نفسہ قاطع شبہ ہو، اور دوسری اضافی کہ اپنی وضاحت کے سبب قریب الفہم ہو۔ الحق سے خوبیِ اول اور احسن تفسیرا سے خوبیِ دوم کی طرف اشارہ ہے۔

﴿وَلَا يَأْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا﴾

Scanned by CamScanner

ظاہر ہے کہ اگر ہر اعتراض کا جواب بروقت دیا جاتا ہے تو اس کا فائدہ زیادہ ہوتا ہے بہ نسبت اس کے کہ تمام اعتراضات کے جوابات یکبارگی دے دیئے جائیں۔ یہاں "مَثَل" سے مراد سوال اور "حق" سے مراد جواب ہے۔

اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اِلٰى جَهَنَّمَ ۙ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۳۴﴾

جولوگ اپنے مونہوں کے بل دوزخ کی طرف جمع کئے جائیں گے اُن کا ٹھکانہ بھی بُرا ہے اور وہ رستے سے بھی بہکے ہوئے ہیں۔ (۳۴)

﴿اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ﴾ یہ عقل کے اوندھے اور قلب کے اوندھے ہیں، اس لئے منہ کے بل (اوندھے) ان کا حشر ہوگا۔

وَّعَادًا وَّثَمُوْدَاۡ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ وَقُرُوْنًا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا ﴿۳۸﴾

اور عاد اور ثمود اور کنوئیں والوں اور اُن کے درمیان اور بہت سی جماعتوں کو بھی (ہلاک کرڈالا)۔ (۳۸)

﴿وَعَادًا وَّثَمُوْدَاۡ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ وَقُرُوْنًا﴾ جب ایک نسل کے لوگ ختم ہو جائیں تو دوسری نسل دوسرا قرن ہے، ہر نبی کی امت بھی قرن ہوسکتی ہے۔

دعوت کا مقابلہ کرنے کے دو طریقے ہیں: ﴿اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا﴾

(۱) دلیل سے رد کرنا

(۲) اس کا مذاق اڑانا۔ پہلا طریقہ جائز ہے دوسرا ناجائز۔ مذاق اُڑانا یہ ثابت کرتا ہے کہ دلیل کے میدان میں وہ ہار چکے ہیں اور مذاق سے اپنی ہار اور خفت پر پردہ ڈال رہے ہیں۔

اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْلَآ اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا ۭ وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ حِيْنَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۴۲﴾

اگر ہم اپنے معبودوں کے بارے میں ثابت قدم نہ رہتے تو یہ ضرور ہم کو بہکا دیتا (اور ان سے پھیر دیتا) اور یہ عنقریب معلوم کرلیں گے جب عذاب دیکھیں گے کہ سیدھے رستے سے کون بھٹکا ہوا ہے۔ (۴۲)

﴿لَوْلَآ اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا﴾ غیر اللہ کے پجاری کو اہل توحید گمراہ نظر آتے ہیں۔ ﴿وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ حِيْنَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ سَبِيْلًا﴾ جب اللہ کی بارگاہ میں پہنچیں گے تو معلوم ہوگا کہ گمراہ کون تھا۔

اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ۭ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ﴿۴۳﴾

Scanned by CamScanner

کیا آپ نے اسے بھی دیکھا جو اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنائے ہوئے ہے کیا آپ اس کے ذمہ دار ہو سکتے ہیں؟۔(۴۳)

﴿مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ﴾ یہ صاف ہو گیا کہ ان کی گمراہی کی بنیاد میں کوئی شبہ عقلی یا اجتہادی نہیں بلکہ محض اتباع ھوائے نفس ہے۔

﴿اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ﴾ خواہشات کو اللہ بنا لینے کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی خواہشات کا غلام بن جائے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: قَوْلُهُ: "{أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ} [الفرقان: 43] قَالَ: كَانَ الرَّجُلُ يَعْبُدُ الْحَجَرَ الْأَبْيَضَ زَمَانًا مِنَ الدَّهْرِ فِي الْجَاهِلِيَّةِ، فَإِذَا وَجَدَ حَجَرًا أَحْسَنَ مِنْهُ يَعْبُدُ الْآخَرَ وَيَتْرُكُ الْأَوَّلَ"

(تفسیر ابن ابی حاتم، الجزء:۸ صفحہ:۲۶۹۹)

ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں ایک شخص ایک سفید پتھر کی عبادت کرتا رہتا اور جب اسے اس سے اچھا پتھر نظر آجاتا تو پہلے پتھر کو چھوڑ کر دوسرے کی پوجا شروع کر دیتا۔

اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ ۭ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ۝ۧ۴۴

یا تم یہ خیال کرتے ہو کہ ان میں اکثر سنتے یا سمجھتے ہیں؟ (نہیں) یہ تو چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ اُن سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔(۴۴)

﴿كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا﴾ جانور جان لیتے ہیں کون سی گھاس ان کے لئے نفع بخش ہے اور کون سی مضر۔ نیز جانور مالک کے سامنے گردن جھکا دیتے ہیں۔ مگر اپنی خواہشات کا غلام انسان ان جانوروں سے بھی گیا گزرا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوْ شَاۗءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا ۝۴۵

بلکہ تم نے اپنے رب (کی قدرت) کو نہیں دیکھا کہ وہ سائے کو کس طرح دراز کر (کے پھیلا) دیتا ہے اور اگر وہ چاہتا تو اُس کو (بے حرکت) ٹھہرا رکھتا پھر سورج کو اُس کا رہنما بنا دیتا ہے۔(۴۵)

اگر پھیلے ہوئے سائے کو دائمی بنا دیتا تو درختوں وغیرہ کے ایک ہی رخ پر سایہ پڑتا، اور دوسرا رخ دھوپ کی تمازت میں رہتا، لیکن سایہ کے متحرک اور کم و بیش ہونے کی وجہ سے حرارت اور ٹھنڈک میں توازن پیدا ہو گیا ہے۔ سایہ، سورج کے مخالف سمت میں گرتا ہے، سورج مشرق میں ہے تو سایہ مغرب میں، اور سورج مغرب میں ہے تو سایہ مشرق میں، یہ اس بات کی دلیل

Scanned by CamScanner

ہے کہ سایہ سورج کو سجدہ نہیں کرتا بلکہ اپنے رب کو سجدہ کرتا ہے، کافر کا معاملہ بڑا عجیب ہے کہ اس کا سایہ اللہ کو سجدہ کرتا ہے مگر وہ اللہ کو سجدہ کرنے سے انکار کرتا ہے۔

﴿اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ﴾ "ظِلَّ": "سایہ" دھوپ اور تاریکی کے درمیان ایک بین بین (درمیانی) حالت ہوتی ہے۔ تاریکی ناگوار اور دھوپ گرم ہے، متوسط حالت عمدہ ہے۔

جوں جوں سورج چڑھتا جاتا ہے اس کے مقابل مغرب کی جانب سے سایہ گھٹتا جاتا ہے۔ ٹھیک دوپہر کو ہر شئی کا سایہ اس کی جڑ میں چلا جاتا ہے، زوال کے بعد ایک طرف سے دھوپ سمٹتی ہے دوسری طرف سایہ لمبا ہونے لگتا ہے۔ آخر جب آفتاب غروب ہوتا ہے تو سایہ بھی فنا ہو جاتا ہے، وجود و عدم کا تماشہ اسی طرح روز دکھلایا جاتا ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا ﴿۴۷﴾

اور وہی تو ہے جس نے تمہارے لیے رات کو پردہ اور نیند کو آرام بنایا اور ان کو اٹھ کھڑے ہونے کا وقت ٹھہرایا۔ (۴۷)

﴿وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا﴾ "سبات"، "سَبتَ" سے مشتق ہے جس کا معنی کاٹنا اور قطع کرنا ہوتا ہے، نیند وہ چیز ہے جو دن بھر کی تکان کو قطع کر دیتی ہے۔ انسانی فطرت ہے کہ روشنی میں نیند نہیں آتی۔ آ بھی جائے تو جلد کھل جاتی ہے۔ نیند کے مناسب اللہ نے رات کو تاریک اور ٹھنڈا بنایا، اسی طرح رات خود ایک نعمت ہے۔ اور نیند دوسری نعمت، تیسری نعمت سارے جہاں کے انسانوں اور جانوروں کی نیند ایک ہی وقت جبری کر دی ورنہ ہر انسان کی نیند کے اوقات دوسرے سے مختلف ہوتے تو کچھ لوگ سونا چاہتے اور کچھ لوگ شور و شغب کرتے تو نیند میں خلل ہوتا۔

نیند ایک مختصر موت ہے اور بیداری ایک مختصر زندگی، جیسے تم سونے کے بعد صبح کو جاگ پڑتے ہو اسی طرح موت کی لمبی نیند کے بعد صبحِ قیامت کو جاگ پڑو گے۔

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۚ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا ﴿۴۸﴾

اور وہی تو ہے جو اپنی رحمت سے مینہ کے آگے ہواؤں کو خوشخبری بنا کر بھیجتا ہے اور ہم آسمان سے پاک (اور شفاف) پانی برساتے ہیں۔ (۴۸)

﴿وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا﴾ رنگ، بو، مزہ جب تک نہ بدلے پانی طاہر بھی ہے اور مطہر بھی۔

لِّنُحْيِ بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا وَّنُسْقِيَهٗ مِمَّا خَلَقْنَآ اَنْعَامًا وَّاَنَاسِيَّ كَثِيْرًا ﴿۴۹﴾

تا کہ اس سے شہر مردہ یعنی (زمین افتادہ) کو زندہ کر دیں اور پھر ہم اسے بہت سے چوپایوں اور آدمیوں

Scanned by CamScanner

کو جو ہم نے پیدا کئے ہیں پلاتے ہیں۔(۴۹)

﴿وَاَنَاسِیَّ كَثِیْرًا﴾ آسمان سے پانی اتارنے کے مقاصد کی ترتیب اس طرح ہے:

ترجیح اول: نباتات۔

ترجیح دوم: حیوانات۔

ترجیح سوم: انسان۔ کیونکہ انسان زیرزمین پانی استعمال کرسکتا ہے۔ جانور اور نباتات ایسا نہیں کرسکتے۔

فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِیْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِیْرًا ﴿۵۲﴾

توتم کافروں کا کہانہ مانو اور ان سے اس قرآن کے حکم کے مطابق بڑے شدومد سے لڑو۔(۵۲)

﴿فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِیْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِیْرًا﴾ کافروں اور مشرکوں سے قرآن سے جہاد کرو۔ ان کے تمام اعتراضات کے جوابات قرآن میں ہیں۔

جہاد بالقرآن:

جہاد کا مطلب سعیٔ بلیغ ہے، کفار سے قتال کے لئے تو بہت سی شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے مگر جہاد بالقرآن کا حکم تو مستقل اور ہر حال کے لئے ہے۔

الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ اَلرَّحْمٰنُ فَسْــَٔلْ بِهٖ خَبِیْرًا ﴿۵۹﴾

جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے چھ دن میں پیدا کیا پھر عرش پر جا ٹھہرا وہ (جس کا نام) رحمن (یعنی بڑا مہربان) ہے تو اس کا حال کسی باخبر سے دریافت کرلو۔(۵۹)

بعض نوجوان اور طالب علم صرف کتابوں سے علم کے حصول کو کافی سمجھتے ہیں ان کی یہ بہت بڑی غلطی ہے۔

﴿وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ﴾ آسمان وزمین کو چھ دن میں بنایا: یعنی اے ہمارے نبی ﷺ آپ جلدی نہ کریں۔ اللہ نے باوجود قدرت کے اس کائنات کو چھ دن میں بنایا، اسی طرح آپ کا دین بھی بتدریج پھیلے گا، وہ آپ سے کیا برگشتہ ہیں درحقیقت وہ رحمٰن سے برگشتہ ہیں۔

تَبٰرَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِیْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِیْرًا ﴿۶۱﴾

اور (اللہ) بڑی برکت والا ہے جس نے آسمانوں میں بُرج بنائے اور ان میں (آفتاب کا نہایت

Scanned by CamScanner

روشن) چراغ اور چمکتا ہوا چاند بھی بنایا۔(۶۱)

﴿بُرُوْجًا﴾: بروج سے مراد ستارے ہیں، سورج چاند کا علیحدہ ذکر اس وجہ سے ہے کہ ان کا اثر انسانی زندگی پر زیادہ پڑتا ہے۔

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا۝

اور اللہ کے بندے تو وہ ہیں جو زمین پر آہستگی سے چلتے ہیں اور جب جاہل لوگ ان سے (جاہلانہ) گفتگو کرتے ہیں تو سلام کہتے ہیں۔(۶۳)

یہاں سے عباد الرحمن کی تیرہ صفتیں بیان کی جارہی ہیں، یہاں بندگی سے مراد اختیاری بندگی ہے ویسے تکوینی طور پر بھی اللہ کے بندے ہیں۔

عباد الرحمن کی تیرہ صفتوں میں عقائد کی درستگی، اور اعمال میں خواہ وہ بدن سے متعلق ہوں یا مال سے، سب میں اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی پابندی اور دوسروں کے ساتھ معاشرت اور تعلقات کی نوعیت اور اولاد و ازواج کی فکر، ساری چیزیں آگئی ہیں۔

﴿عِبَادُ الرَّحْمٰنِ﴾ یہ پہلی صفت ہے، گویا انسان کو اپنی عبدیت کا جیسے جیسے احساس ہوتا چلا جائے گا ویسے ویسے اس کے مزاج میں اور گفتار و کردار میں نرمی آتی چلی جائے گی۔

﴿وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا﴾ جاہل جتنی زیادہ جہالت کا ثبوت دے، یہ اسی قدر حلم کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

﴿وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ﴾ پھسلنا دو طرح کا ہوتا ہے۔(۱) پیر پھسلنا (۲) زبان پھسلنا۔ لہٰذا ایک کو دوسرے کے ساتھ لایا گیا۔

﴿هَوْنًا﴾: ایسی چال جس میں تکبر، شیخی اور ذلت نہ ہو۔ اکڑ کی چال میں تکبر اور سرکشی جھلکتی ہے۔ انسان کی چال اس کے باطنی حال کا مظہر ہوتی ہے، نرم روی سے چلتا ہے تو ایمان کی عکاسی ہوتی ہے۔

﴿هَوْنًا﴾: نہ تصنع اور ریاکاری سے چلتے ہیں، نہ مریضوں کی طرح چلتے ہیں، نہ غرور کے ساتھ اتراتے ہوئے چلتے ہیں بلکہ سکینت اور وقار سے ساتھ چلتے ہیں۔

﴿هَوْنًا﴾: یہ نہیں کہا کہ ان کے اندر تواضع ہوتی ہے بلکہ ان کی چال کو نمایاں کیا گیا کیونکہ ان کی نرم چال ان کی نرم طبیعت پر دلیل ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا۝ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا۝

Scanned by CamScanner

اور جو اپنے رب کے آگے سجدہ کر کے اور (عجز و ادب سے) کھڑے رہ کر راتیں بسر کرتے ہیں۔(۶۴)
اور وہ جو دعا مانگتے ہیں کہ اے اللہ! دوزخ کے عذاب کو ہم سے دور رکھنا کہ اُس کا عذاب بڑی تکلیف کی چیز ہے۔(۶۵)

﴿وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا﴾ کے بعد فوراً ﴿رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ﴾ کہا۔ یعنی رات عبادت میں مشغول رہنے کے باوجود وہ جہنم سے پناہ مانگا کرتے ہیں، یعنی اتنی نیکیاں کرنے کے بعد بھی وہ ڈرتے رہتے ہیں اور اپنی نیکیوں پر مغرور نہیں ہوتے، کہ جنت ان کے نام الاٹ ہو چکی ہے۔
﴿اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا﴾ جہنم کے عذاب کو غرام کہا گیا کیونکہ جو قرضہ دیتا ہے وہ مقروض سے چمٹ جاتا ہے۔
نکتہ: دنیا کی کوئی بھی تکلیف ایسی نہیں ہے کہ انسان اس سے بچ نہ سکتا ہو، دنیا کی ہر تکلیف کے بعد راحت ہے مگر جہنم کی تکلیف کے بعد راحت نہیں ہے۔

يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ﴿۶۹﴾
قیامت کے دن اس کو دوگنا عذاب ہوگا اور ذلت اور خواری سے اس میں ہمیشہ رہے گا۔(۶۹)

﴿يُضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ﴾ دوہرا عذاب (۱) ایک شرک کا (۲) ان کے گناہوں کا۔ کفر و شرک کے ساتھ قتل و زنا وغیرہ کی وجہ سے دوہرا عذاب ہوگا۔

اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۷۰﴾
مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھے کام کئے تو ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔(۷۰)

﴿اِلَّا مَنْ تَابَ﴾ پہلی توبہ کے بعد آمَن ہے کیونکہ یہاں کفار و مشرکین کا معاملہ ہے جو قتل و زنا وغیرہ کے مرتکب ہوئے، دوسری توبہ میں ﴿آمَنَ﴾ نہیں ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ توبہ ان کی ہے جو پہلے سے مومن تھے۔ مگر غفلت سے گناہ میں مبتلا ہو گئے۔ ﴿وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا﴾ یہاں ''شرط'' میں زبانی توبہ اور ''جزا'' میں اس توبہ کا ذکر ہے جو عمل صالح پر مرتب ہے۔
﴿اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا. وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا﴾ پہلی توبہ کا تعلق کفر و شرک سے ہے، دوسری کا تعلق معاصی سے ہے۔

Scanned by CamScanner

﴿فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ﴾ بارش کے دنوں میں جب ندی میں پانی گدلا ہو جاتا ہے تو ملاح اس پانی کو پینے کے لائق اس طرح بناتے ہیں کہ گدلے پانی کو ایک برتن میں رکھ کر اس میں پھٹکری ڈال دیتے ہیں۔ جس سے مٹی نیچے بیٹھ جاتی ہے اور صاف پانی اوپر آ جاتا ہے۔ اسی طرح اللہ برائیوں کو نیکیوں سے بدل دیتا ہے۔

وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهُ يَتُوبُ إِلَى اللَّهِ مَتَابًا ﴿۷۱﴾

اور جو توبہ کرتا ہے اور نیک عمل کرتا ہے تو بیشک وہ اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے۔ (۷۱)

﴿وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا﴾ توبہ کی حقیقت واضح کر دی گئی کہ آدمی بدعملی میں مبتلا رہے اور زبان سے توبہ توبہ بولتا رہے یہ توبہ نہیں ہے بلکہ توبہ یہ ہے کہ آدمی برائی سے باز آئے اور نیک روی اختیار کرے۔

وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا ﴿۷۲﴾

اور وہ جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور جب ان کو بیہودہ چیزوں کے پاس سے گزرنے کا اتفاق ہو تو بزرگانہ انداز سے گزرتے ہیں۔ (۷۲)

﴿وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ﴾ ﴿الزُّورَ﴾ کا اطلاق ہر منکر کام پر ہوتا ہے، عباد الرحمٰن کی تیرہ صفتوں میں سے ایک صفت ﴿لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ﴾ ہے، یعنی وہ بے حیائی کی مجلسوں میں حاضر نہیں ہوتے۔ ابن تیمیہ نے اقتضاء الصراط المستقیم میں الزُّوْرَ کی تفسیر اعیاد المشرکین (مشرکین کے تہوار) سے کی ہے۔ یعنی وہ مشرکین کے تہوار میں حاضر نہیں ہوتے۔ اور قول زور سے مراد جھوٹی گواہی دینا بھی ہے۔

''زور'' کی تفسیر:

(۱) یحتمل کل موضع یجری فیہ مالا ینبغی (تفسیر الکبیر) ہر وہ جگہ جہاں حرام کام کئے جاتے ہیں۔

(۲) محاضر الکذب (بیضاوی) (جھوٹ کی مجلسیں) آج کل کے ''کلچرل شو''، ''کاک ٹیل پارٹی'' اور ''ورائٹی شو'' سب اس کے تحت آ جاتے ہیں۔

(۳) قال مجاہد۔ الغناء (قرطبی) زُور سے مراد ''گانا'' ہے۔

(۴) عن مجاهد قال لا یسمعون الغناء (ابن جریر) مجاہد سے روایت ہے کہ ﴿لا یشهدون الزور﴾ کا مطلب ''لا یسمعون الغناء'' (وہ گانا نہیں سنتے) ہے۔

﴿مَرُّوا كِرَامًا﴾ لغو کی مجالس میں شریک ہونے والے کرام نہیں، لئام ہوتے ہیں۔

وَالَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوا عَلَيْهَا صُمًّا وَعُمْيَانًا ﴿۷۳﴾

Scanned by CamScanner

اور وہ کہ جب ان کو رب کی باتیں سمجھائی جاتی ہیں تو ان پر اندھے اور بہرے ہو کر نہیں گرتے (بلکہ غور سے سنتے ہیں)۔ (۷۳)

﴿لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا﴾ آیات الٰہیہ سے اعراض وغفلت نہیں برتتے۔ جیسے وہ بہرے ہیں کہ سنیں ہی نہیں یا اندھے ہیں کہ دیکھیں ہی نہیں۔ بلکہ ایک طرف تو وہ غور وتوجہ سے سنتے ہیں دوسری طرف اسے حرز جاں بناتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ۝

اور وہ جو (اللہ سے) دعا مانگتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم کو ہماری بیویوں کی طرف سے (دل کا چین) اور اولاد کی طرف سے آنکھ کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں پرہیز گاروں کا امام بنا۔ (۷۴)

﴿وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا﴾ مومنوں کو اپنا حوصلہ بلند رکھنا چاہیے۔ کیونکہ یہ نہیں کہا کہ ہمیں لوگوں کا امام بنادے بلکہ یہ کہا کہ ہمیں متقیوں کا امام بنادے، ایسی دعا کرنے والوں کی اللہ نے تعریف کی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ آدمی دعا کرے تو متقیوں کا امام بن سکتا ہے۔ یعنی وہ تقویٰ کی صفت میں اتنا ممتاز ہو جائے کہ دوسرے لوگ اسے اپنا اسوہ بنائیں۔

﴿اِمَامًا﴾ ہر آدمی اپنے کنبے کا امام ہے اگر کنبے والے متقی ہیں اور اللہ پرست ہیں تو ان کا امام ہے۔

﴿وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ﴾

رحمن کے بندے صرف اپنی اصلاح ہی نہیں کرتے بلکہ اپنی اولاد و بیویوں کے عقائد و اعمال اور اخلاق کی اصلاح کی بھی فکر کرتے ہیں۔

﴿عِبَادُ الرَّحْمٰنِ﴾ کی دعا کی ابتداء ﴿اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ﴾ سے اور اختتام ﴿قُرَّةَ اَعْيُنٍ﴾ پر ہے۔ اس کے بعد اللہ نے ان کا ذکر کیا جو دعا نہیں کرتے اور فرمایا:

قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ ۚ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا ۝

کہہ دو کہ اگر تم (اللہ کو) نہیں پکارتے تو میرا رب بھی تمہاری کچھ پرواہ نہیں کرتا تم نے تکذیب کی ہے سو اس کی سزا (تمہارے لیے) لازم ہوگی۔ (۷۷)

﴿قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ﴾ آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم دعا نہ کرو تو میرے رب کو تمہاری کیا پرواہ ہو سکتی ہے؟ جہاں جی چاہے ڈوب مرو، اس سے دعا کی فضیلت بھی معلوم ہوئی اور اس سے ان جاہلوں کا بھی رد ہو گیا جو محض تبرکات یا کسی صالح آدمی کے انتساب کو اپنی نجات اور مقبولیت کے لیے کافی سمجھتے ہیں، حقیقتاً دربار الٰہی میں بندوں کی جو قدر ہے وہ ایمان و اطاعت ہی کی بنا پر ہے۔

Scanned by CamScanner

نکاتِ سورۂ فرقان:

"اَلْفُرْقَانُ" "لانہ یفرق بین الحق والباطل وبین الخیر والشر" قرآن کا ایک نام فرقان ہے کیونکہ وہ حق اور باطل، خیر اور شر کے درمیان فرق کر دیتا ہے۔ فرقان کے لئے لازم ہے کہ وہ بالکل واضح ہو، اس میں اجمال اور اشکال نہ ہو، اگر اس میں اجمال و اشتباہ ہو تو وہ فرقان کیسے ہو سکتا ہے؟

عبودیت کی تین قسمیں ہیں: ﴿عَلٰی عَبْدِهٖ﴾

(۱) عامہ

(۲) خاصہ

(۳) اخص

(۱) عامہ تمام مخلوقات کو شامل ہے اس لئے کہ تمام مخلوق اللہ کے بندے ہیں۔

(۲) خاصہ جیسے: ﴿وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا﴾

(۳) اخص۔ وھی عبودیۃ الرسالۃ، ﴿اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا﴾ یہ خاص عبودیت ہے اس لئے کہ تکلیف اور ذمہ داری (رسالت) خاص ہے۔

"اَلْفُرْقَانُ" (قرآن) کا نازل کرنا قانون ہے، اور یہ کائنات کے مالک کی طرف سے آیا ہے اور مالک کو اپنے مملوک میں تصرف کا حق حاصل ہے کہ اسے جیسا چاہے قانون دے، اسی وجہ سے آگے ﴿الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ کہا گیا۔

﴿وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ﴾ اللہ خالق ہے اور خالق مخلوق کے علاوہ ہوتا ہے اور خالق کی صفات بھی مخلوق کی صفات سے الگ ہوتی ہیں کیونکہ صفات، ذات کے تابع ہوتی ہیں۔

﴿ظُلْمًا وَّزُوْرًا﴾ "کل میل فھو زور۔ المراد بالزور کل قول منحرف" ہر منحرف قول کو زور کہتے ہیں۔

مشرکین کا چھ چیزوں پر اعتراض:

(۱) یہ نبی ہے تو کھانا کیوں کھاتا ہے؟

(۲) بازاروں میں کیوں چلتا ہے؟

(۳) اس پر خزانہ نازل کیوں نہیں کیا جاتا؟

(۴) اس کے پاس باغ ہوتا۔

Scanned by CamScanner

(۵) وہ اس باغ سے کھاتا تا اور ہم بھی کھاتے۔

(۶) اس کے ساتھ فرشتہ کیوں نہیں جاتا؟

﴿مَسْحُوْرًا﴾ کیا یہ ممکن ہے کہ مسحور ایسا کلام پیش کر سکے جس سے عقلاء عاجز ہوں اور عقلاء کو چیلنج کیا جائے کہ اس جیسا کلام لائیں اور وہ نہ لاسکیں کسی مسحور سے یہ ممکن نہیں کہ متوازن کلام لا سکے چہ جائیکہ کلام معجز پیش کر سکے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ نبی پر جادو نہیں ہوا اس طرح انھوں نے احادیث متواترہ کا انکار کیا۔ انھوں نے کہا کہ یہ سب احادیث جھوٹی ہیں کیونکہ نبی کے مسحور ہونے کا قول، قولِ کفار ہے۔

جواب یہ ہے کہ کافروں نے اپنے اس قول سے کہ یہ نبی مسحور ہے یہ مراد لیا ہے کہ جادو نبی کا لازمی وصف ہے اور اس کا ہر کلام جو وہ پیش کرتا ہے یا ہر وہ بات جو وہ کہتا ہے کلام مسحور ہے مگر وہ جادو جو نبی پر ہوا وہ سحر طاری (عارضی جادو) تھا۔ اس کے ساتھ اس جادو کا اثر آپ کی ذات پر ہوا، رسالت پر نہیں۔ کیونکہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا خیال ہوتا تھا کہ انھوں نے ایک چیز کی ہے حالانکہ وہ چیز آپ نے نہیں کی ہوتی تھی۔ بس اتنا ہی ہوا اور ایک مختصر مدت تک ہوا۔

منطق:

"کان الرد ببساطة، ان المسحور لیست له ارادة مع الساحر، بحیث یستطیع دفع السحر عن نفسه، وان الساحر یسحر من امامه رغما عن ارادتهم فاذا کان محمد ساحرا فلماذا لم یسحرکم انتم حتی تومنوا به، وبای شئی ردد تم السحر عن انفسکم"

بڑی آسانی سے مشرکین کے اس قول کو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جادوگر ہیں، رد کیا جاسکتا ہے۔ اس لئے کہ سحر زدہ کو جادوگر کے ساتھ کوئی ارادہ نہیں ہوتا اس حیثیت سے کہ وہ اپنے اوپر سے جادو کو ہٹا سکے اور جادوگر اپنے سامنے والے شخص پر اس کے ارادے کے بغیر جادو کرتا ہے۔ جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم جادوگر ہیں تو انہوں نے تم پر جادو کیوں نہیں کیا کہ تم ایمان لے آتے؟ اور اگر انہوں نے جادو کیا تو تم نے کون سے جادو کے ساتھ اپنے آپ سے اس سحر (جادو) کو دور کیا؟

﴿ثُبُوْرًا﴾ عام طور پر دنیا میں آدمی ہلاکت مانگتا ہے تو لوگ اس پر ترس کھاتے ہیں لیکن ان پر رحم نہیں کیا جائے گا۔ ان سے کہا جائے گا ﴿لَا تَدْعُوا الْیَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِیْرًا﴾ تمہارا ہلاکت طلب کرنا کوئی فائدہ نہ دے گا۔

﴿وَیَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ﴾ اس دن آسمان پھٹ جائے گا اور فرشتے نازل ہوں گے، لفظ ﴿تَنْزِیْلًا﴾ دلالت کرتا ہے کہ فرشتے "شیئاً فشیئا" اتریں گے۔ پہلے سماء دنیا والے فرشتے اتریں گے پھر دوسرے آسمان والے پھر تیسرے آسمان والے، یہاں تک کہ ساتویں آسمان والے فرشتے اتریں گے۔

﴿یٰوَیْلَتٰی لَیْتَنِیْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِیْلًا﴾

الخُلَّة: "اعلی انواع المحبة" محبت کی سب سے اعلیٰ قسم کو "خلّت" کہتے ہیں۔ "الخلیل هو الحبیب الذی

Scanned by CamScanner

بلغت محبتہ الغایۃ'' اور خلیل اس کو کہتے ہیں جس کی محبت اپنی انتہا کو پہونچ گئی ہو۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے مجھے خلیل بنایا جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا۔ اسی طرح موسیٰ کلیم اللہ فی الارض اور محمد کلیم اللہ فی السماء ہیں۔

﴿خَذُوْلًا﴾ ''فھذا الخذلان انک تتخلّی عن انسان فی موطن یحتاج فیہ الی النصر'' ''خذلان'' کا مطلب یہ ہے کہ آپ کسی انسان کو ایسی جگہ میں چھوڑ دیں جہاں اسے مدد کی سخت ضرورت ہو۔

ہجر کی تین قسمیں ہیں: ﴿مَهْجُوْرًا﴾

(۱) ہجر لفظی: تلاوت چھوڑ دے۔

(۲) ہجر العمل: تلاوت میں کوئی کسر نہ رکھے لیکن عمل نہ کرے۔

(۳) ہجر لفظی وعملی: نہ پڑھے نہ عمل کرے۔

﴿كَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا﴾ اللہ ہادی ہے تو دشمن گمراہ نہیں کر سکتا، نصیر ہے تو دشمن رسول کی دعوت کو مٹا نہیں سکتے۔

﴿اَصْحٰبَ الرَّسِّ﴾ ''رَسّ'' کے معنی ''کنواں'' ہے۔ کیوں کہ انھوں نے اپنے نبی کو اس کنویں میں زندہ دفن کر دیا تھا۔

فرعون کو بحر احمر میں غرق کر دیا کیونکہ اسے پانی پر ناز تھا وہ کہتا تھا ﴿هٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ﴾

عاد ہوا سے ہلاک کئے گئے کیونکہ انھیں اپنی قوت پر ناز تھا تو اللہ نے قوت کو لطیف چیز سے تباہ کر دیا۔ ثمود ''رجفۃ مع الصّیحۃ'' (چیخ کے ساتھ زلزلہ) سے ہلاک کئے گئے۔ اللہ نے زلزلے سے انھیں ہلا دیا اور جبرئیل علیہ السلام نے ان پر چیخ ماری یہاں تک کہ ان کے دل ان کے سینوں میں پھٹ گئے۔

﴿اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ﴾ کیونکہ چرواہا جب جانوروں کو چراگاہ کی طرف بلاتا ہے تو وہ آجاتے ہیں اور ان کے باڑے کی طرف بلاتا ہے تو آجاتے ہیں، اسی طرح جو چیز ان کے لئے نقصان دہ ہوتی ہے اس سے وہ دور رہتے ہیں مگر منکرین کا حال یہ ہے کہ رسول انہیں اس چیز کی طرف بلاتا ہے جو ان کے لئے نفع بخش ہے اور ایسی چیزوں سے خبردار کرتا ہے جو ان کے لئے مضر ہے اس کے باوجود وہ راستہ نہیں پکڑتے اور سر تسلیم خم نہیں کرتے۔

﴿اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا﴾ کیا تو نے اپنے رب کی قدرت کو نہیں دیکھا کہ وہ کس طرح سایہ کو پھیلا دیتا ہے اور اگر وہ چاہتا تو اسے ٹھہرا ہوا بنا دیتا، پھر ہم نے سورج کو اس پر دلیل بنایا۔

﴿كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ﴾ الفرق بین الظل والفیئی: ''الظل ما قبل الزوال والفیئ ما بعد الزوال۔ والفیئ ما نسخ الشمسَ والظل ما نسختہ الشمسُ'' ظل (سایہ) زوال کے پہلے ہوتا ہے اور ''فیئ'' زوال کے بعد ہوتا ہے اور فیئ وہ ہے جو سورج کو منسوخ کردے اور ظل وہ ہے کہ سورج اسے منسوخ کردے۔ فیئ: وہ ہے جو زوال کے بعد دھوپ کو ختم کر دیتا ہے کیونکہ جیسے جیسے وہ کسی چیز کی طرف بڑھتا ہے اس سے سورج کی روشنی کو زائل کر دیتا ہے۔

Scanned by CamScanner

﴿جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا﴾ سایہ اور دھوپ دونوں دال اور مدلول ہیں کیونکہ اگر دھوپ نہ ہوتی تو ہم سایے کو نہیں جانتے اور سایہ نہ ہوتا تو ہم دھوپ کو نہ جانتے۔

﴿عَلٰى رَبِّهٖ ظَهِيْرًا﴾ کافر اپنے رب کے خلاف شیطان کا مددگار ہوتا ہے کیونکہ وہ انسان جو معصیت کا ارتکاب کرتا ہے، وہ شیطان کی سرکشی اور تمرد میں مددگار ہوتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ جو بھی باطل کی مدد کرتا ہے وہ اللہ کے خلاف مدد کرتا ہے۔

﴿ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾ استویٰ علی العرش کے ساتھ رحمٰن کو کیوں ذکر کیا جاتا ہے؟ جواب یہ ہے کہ عام طور پر بادشاہ جب اپنے تخت پر چڑھتے ہیں تو ان کے پاس اکثر جبروت ہی رہتا ہے مگر اللہ اپنے عظیم عرش پر اپنی عظیم بلندی کے باوجود ﴿واسع الرحمة﴾ ہے۔

﴿فَسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا﴾ ''انه لاتُطلب معرفة الله الا من الله'' اللہ کی معرفت اللہ ہی سے طلب کی جاسکتی ہے یعنی اللہ کے اسماء وصفات توقیفی ہیں۔ کسی کے لئے جائز نہیں کہ وہ ایسے اسماء وصفات اللہ کے لئے ثابت کرے جو اللہ اور اس کے رسول نے ثابت نہیں کیا ہے۔

﴿فَسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا﴾ کا مطلب ہے''ما اعظم من اخبر ک خبرة'' یعنی جس نے تم کو خبر دیا ہے وہ کتنا عظیم باخبر ہے۔

﴿فَسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا﴾ یعنی''خذا الخبرة والعلم منی لانی خبیر بنفسی'' یعنی معلومات مجھ سے لو۔ اس لئے کہ میں ہی اپنے بارے میں جانتا ہوں۔

﴿وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا﴾ ''ان المعاصی تجر بعضها بعضاً'' ایک گناہ دوسرے گناہ کو کھینچتا ہے۔

﴿يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا﴾ ''مشية تزان هونا بدون سرعة'' بغیر جلدی کئے ہوئے متوازن رفتار سے چلتے ہیں۔

﴿هَوْنًا﴾ ''ای بسکینة وتواضع'' هَوْنًا کا مطلب ہے سکون اور تواضع کے ساتھ۔

﴿قَالُوْا سَلٰمًا﴾ ''قولاً یسلمون فیه من الاثم'' ایسی بات جس میں وہ گناہ سے محفوظ رہتے ہیں۔

﴿وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ﴾ وہ اپنے جسم اور اپنے اہل وعیال کا حق ادا کرنے کے بعد اپنی راتیں اللہ کی عبادت میں گذارتے ہیں۔

﴿لِرَبِّهِمْ﴾ ''ای لا یسجدون ریاءً وسمعةً'' اور ان کی اس عبادت میں ریاکاری اور شہرت کا حصول نہیں ہوتا۔

﴿رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ﴾ وہ اپنے اعمال پر ناز نہیں کرتے بلکہ وہ جہنم سے ڈرتے رہتے ہیں۔

﴿مَنْ تَابَ﴾ یہاں ایمان کو ذکر نہیں کیا گیا یہ توبہ عامہ ہے۔

﴿مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ﴾ یہاں ایمان کو ذکر کیا گیا یہ توبہ خاصہ ہے۔

﴿لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ﴾ ''اِزْوَرَّ'' ای مال وانحرف: فالزور کل میلٍ قولی او فعلی ان کان قولاً وُصف بالکذب وان کان فعلا وصف بالباطل۔ فکل قول او فعل مائل عن الطریق فانه زور فالکذب زور

Scanned by CamScanner

والشتم واللعن والغیبة زورایضاً والغصب والسرقة والزنا وغیر ذلک زورایضا

''زور''، اِزْوَرَّ سے ماخوذ ہے۔ زُور کے مفہوم میں ''جھکاؤ'' داخل ہے۔ تو ہر قولی اور فعلی جھکاؤ ''زور'' ہے۔ اگر وہ جھکاؤ قولی ہے تو کذب (جھوٹ) سے متصف کیا جائے گا۔ اور جھکاؤ فعلی ہے تو باطل سے متصف کیا جائے گا۔ تو ہر قول وفعل جو راستے سے ہٹا ہوا ہو وہ زُور ہے۔ تو جھوٹ زُور ہے، گالی گلوچ، لعنت اور غیبت بھی جھوٹ ہے۔ نیز غصب، چوری اور زنا وغیرہ بھی جھوٹ ہے۔

﴿تَحِیَّةً وَّسَلٰمًا﴾ تحیۃ اور سلام میں فرق ہے، تحیۃ عام ہے، ہر سلام تحیۃ ہے، تحیۃ قول وفعل دونوں سے ہوتا ہے۔

❀❀❀

سورة الشعراء (مکیة)

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا یَكُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ ۝۳

(اے پیغمبر!) شاید تم اس (رنج) سے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے اپنے آپ کو ہلاک کردو گے۔ (۳)

﴿لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا یَكُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ﴾ آپ پر اور مسلمانوں پر ہر طرف سے یلغار ہو رہی تھی، اور آپ کی نبوت پر شبہات وارد کئے جارہے تھے اور آپ سے لوگ اپنی اپنی خواہش کے مطابق معجزات کا مطالبہ کررہے تھے۔ ان تمام کج بحثوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج ہوتا تھا تو اللہ نے فرمایا ﴿لَعَلَّكَ بَاخِعٌ﴾ کہ اے ہمارے رسول لگتا ہے کہ اگر یہ ایمان نہ لائے تو آپ اپنے آپ کو ہلاک کردیں گے۔ اس لئے آپ کی تسلی کے لئے اولوالعزم انبیاء کا تذکرہ فرمایا کہ ان کے ساتھ بھی ایسا ہوتا تھا۔ پھر آخرت پر دلیل دی۔

اَوَلَمْ یَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ اَنْۢبَتْنَا فِیْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِیْمٍ ۝۷

کیا انہوں نے زمین کی طرف نہیں دیکھا کہ ہم نے اس میں ہر قسم کی کتنی چیزیں اگائی ہیں۔ (۷)

جس طرح پودے اور جڑی بوٹیاں وغیرہ برسات میں پیدا ہوتی ہیں جب کہ خزاں میں ان کا نام ونشان نہیں رہتا۔ اسی طرح مرنے کے بعد لوگوں کو زندہ کیا جائے گا۔

لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِیْنَ ۝۴۰

Scanned by CamScanner

تا کہ اگر جادوگر غالب رہیں تو ہم ان کے پیرو ہو جائیں۔(۴۰)

فرعونی بھی جادوگروں کو مذہبی امور میں قابل اتباع نہ جانتے تھے۔

وَاَوۡحَيۡنَآ اِلٰى مُوۡسٰٓى اَنۡ اَسۡرِ بِعِبَادِىۡۤ اِنَّكُمۡ مُّتَّبَعُوۡنَ ۝۵۲

اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ ہمارے بندوں کو رات کو لے نکلو کہ (فرعونیوں کی طرف سے) تمہارا تعاقب کیا جائے گا۔(۵۲)

﴿وَاَوۡحَيۡنَآ اِلٰى مُوۡسٰٓى اَنۡ اَسۡرِ بِعِبَادِىۡۤ اِنَّكُمۡ مُّتَّبَعُوۡنَ﴾ اللہ نے موسیٰ کو وحی کی کہ ﴿اَنۡ اَسۡرِ بِعِبَادِىۡۤ﴾ مگر جب قوم موسیٰ نے اللہ کی مدد کو کافی نہ سمجھا تو اللہ نے ان کا یہ وصف چھین لیا اور آگے یہ فرمایا ﴿قَالَ اَصۡحٰبُ مُوۡسٰٓى اِنَّا لَمُدۡرَكُوۡنَ﴾ پہلے ﴿بِعِبَادِىۡۤ﴾ کہا پھر ﴿اَصۡحٰبُ مُوۡسٰٓى﴾ کہا۔ قوم موسیٰ نے جب کہا ﴿اِنَّا لَمُدۡرَكُوۡنَ﴾ تو موسیٰ نے جواب دیا ﴿كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِىَ رَبِّىۡ سَيَهۡدِيۡنِ﴾

نکتہ: موسیٰ کو اپنے رب کی ذات پر اتنا بھروسہ تھا کہ انھوں نے یہ جملہ ﴿اِنَّ مَعِىَ رَبِّىۡ سَيَهۡدِيۡنِ﴾ استعمال کیا اور ﴿معی﴾ کہا کیونکہ قوم کو بھروسہ نہیں تھا، اس کے برعکس غار ثور میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ﴿ان اللہ معنا﴾ کہا جب کہ وہاں آپ کے ساتھ صرف ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔ اس سے یہ نکتہ ملا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اکیلے ایک امت کے برابر ہیں۔

قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِىَ رَبِّىۡ سَيَهۡدِيۡنِ ۝۶۲

موسیٰ نے کہا کہ ہرگز نہیں میرا رب میرے ساتھ ہے وہ مجھے رستہ بتائے گا۔(۶۲)

موسیٰ نے کہا ﴿كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِىَ رَبِّىۡ سَيَهۡدِيۡنِ﴾ اور جس دن کہا وہ عاشورہ کا دن تھا۔ لہٰذا مسلمان ہر سال موسیٰ کے اس جملے کو یاد کریں اور ظاہری اسباب کے نہ ہونے کے باوجود اللہ سے حسن ظن رکھیں اور اس پر بھروسہ رکھیں۔ نئے سال کی ابتدا بھی محرم سے ہوئی ہے تو اس جملے کو یاد کر کے حسن ظن رکھیں کہ آنے والا سال اللہ کی مدد لے کر آئے گا۔ یہ ایک قسم کا تفاول ہے۔

وَاِذَا مَرِضۡتُ فَهُوَ يَشۡفِيۡنِ ۝۸۰

اور جب میں بیمار پڑتا ہوں تو مجھے شفا بخشتا ہے۔(۸۰)

﴿وَاِذَا مَرِضۡتُ فَهُوَ يَشۡفِيۡنِ﴾ ابراہیم علیہ السلام نے مرض کی نسبت اپنی طرف کی۔ اس میں یہ ادب ہے کہ اللہ کی طرف شر کی نسبت نہ کی جائے دوسرے یہ کہ بہت سی بیماریاں خود انسان کے اعمال کا نتیجہ ہوتی ہیں۔

وَالَّذِىۡۤ اَطۡمَعُ اَنۡ يَّغۡفِرَ لِىۡ خَطِيۡٓـئَتِىۡ يَوۡمَ الدِّيۡنِ ۝۸۲

Scanned by CamScanner

اور وہ جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ قیامت کے دن میرے گناہ بخشے گا۔(۸۲)

﴿وَالَّذِیٓ اَطۡمَعُ اَنۡ یَّغۡفِرَ لِیۡ خَطِیٓـَٔتِیۡ یَوۡمَ الدِّیۡنِ﴾ یہ نہیں کہا کہ میرا رب مجھے بخش ہی دے گا بلکہ یہ کہا کہ میں تمنا رکھتا ہوں (لالچ رکھتا ہوں) کہ وہ مجھے بخش دے گا۔ جب اللہ کے خلیل کا یہ حال ہے تو ہمیں اپنے گناہوں کے بارے میں کس قدر حساس ہونا چاہئے۔

رَبِّ هَبۡ لِیۡ حُکۡمًا وَّاَلۡحِقۡنِیۡ بِالصّٰلِحِیۡنَ ﴿۸۳﴾ وَاجۡعَلۡ لِّیۡ لِسَانَ صِدۡقٍ فِی الۡاٰخِرِیۡنَ ﴿۸۴﴾

اے اللہ! مجھے علم و دانش عطا فرما اور نیکوکاروں میں شامل کر۔(۸۳) اور پچھلے لوگوں میں میرا ذکرِ نیک (جاری) کر۔(۸۴)

﴿رَبِّ هَبۡ لِیۡ حُکۡمًا﴾ ایسی قوت فیصلہ دے کہ ادراک حق کر سکوں۔ ﴿وَّاَلۡحِقۡنِیۡ بِالصّٰلِحِیۡنَ﴾ اور ایسی قوت عملیہ دے کہ خیر کو عمل میں لاسکوں۔ ﴿وَاجۡعَلۡ لِّیۡ لِسَانَ صِدۡقٍ فِی الۡاٰخِرِیۡنَ﴾ اور توحید کا جو طریقہ مجھے نصیب ہوا میرے بعد بھی رہے۔ دیکھئے نبی کی سوچ کتنی اعلیٰ ہوتی ہے۔ جب کہ اکثر لوگ اپنی ذات اور اپنے گھر والوں سے آگے نہیں بڑھتے۔

﴿وَاجۡعَلۡ لِّیۡ لِسَانَ صِدۡقٍ فِی الۡاٰخِرِیۡنَ﴾ اور میرا ذکر خیر پچھلے لوگوں میں بھی باقی رکھ۔ امام مالک رحمہ اللہ نے اس سے ایک استدلال کیا ہے کہ اگر آدمی یہ خواہش رکھے کہ اس کی تعریف کی جائے اور نیک لوگوں میں اس کا شمار کیا جائے اور مقصود رضائے الٰہی ہو، ریاکاری نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

اِلَّا مَنۡ اَتَی اللّٰہَ بِقَلۡبٍ سَلِیۡمٍ ﴿۸۹﴾

ہاں جو شخص اللہ کے پاس پاک دل لے کر آیا (وہ بچ جائے گا)۔(۸۹)

﴿اِلَّا مَنۡ اَتَی اللّٰہَ بِقَلۡبٍ سَلِیۡمٍ﴾ دل کا معاملہ سب سے زیادہ اہم ہے۔ اس کا تمام گندگیوں سے پاک و صاف ہونا نہایت ضروری ہے، لوگ اعمال صالحہ انجام دے رہے ہوتے ہیں مگر دل گندگیوں سے بھرا ہوا ہوتا ہے۔

قال الإمام ابن القيم رحمه الله في "الفوائد" (1/149): "اطلب قلبك في ثلاثة مواطن: عند سماع القرآن، وفي مجالس الذكر، وفي أوقات الخلوة، فان لم تجده في هذه المواطن، فسل الله أن يمن عليک بقلب، فانه لا قلب لك".

اپنے دل کو تین جگہوں پر تلاش کرو:

امام ابن قیم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب الفوائد میں لکھا کہ اپنے دل کو تین جگہوں پر تلاش کرو۔

(۱) قرآن کو سننے کے وقت۔

Scanned by CamScanner

(۲) ذکر کی محفلوں میں۔
(۳) تنہائی کے اوقات میں، اگر ان تینوں جگہوں میں تمہیں تمہارا دل نہ ملے تو اللہ سے سوال کرو کہ وہ تمہیں کوئی دل دیدے، اس لئے کہ تمہارے پاس دل ہی نہیں ہے۔

فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾

تو (آج) نہ کوئی ہمارا سفارش کرنے والا ہے۔ (۱۰۰) اور نہ گرم دوش دوست۔ (۱۰۱)

﴿فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ﴾ ﴿وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ﴾ ﴿شَافِعِيْنَ﴾ جمع لایا گیا اور ﴿صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ﴾ کو واحد لایا گیا۔ اس لیے کہ دنیا میں شافعین (سفارش کرنے والے) بہت ہوتے ہیں، مگر اچھے دوست بہت کم ہوتے ہیں اسی لیے یہ بات جہنمی کہیں گے۔

﴿كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ِالْمُرْسَلِيْنَ﴾ قوم نوح نے صرف ایک نبی نوح کی تکذیب کی تھی، مگر اس آیت میں کہا گیا کہ قوم نوح نے تمام رسولوں کو جھٹلایا، اس سے یہ نکتہ ملا کہ ایک رسول کی تکذیب تمام رسولوں کی تکذیب کے مرادف ہے۔

سورۂ شعراء میں تمام نبیوں کے واقعات میں ایک چیز مشترک ہے کہ ہر نبی نے اپنی قوم سے کہا ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ﴾ اس سے یہ معلوم ہوا کہ اللہ کا تقویٰ اطاعت رسول کے ساتھ مشروط ہے۔ اگر کوئی رسول کا متبع نہیں ہے تو لاکھ تقوی کا دعوی کرے اس کا اللہ کے یہاں اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ ﴿۱۲۸﴾

بھلا تم جو ہر اونچی جگہ پر نشان تعمیر کرتے ہو۔ (۱۲۸)

﴿اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ﴾ قوم عاد کی تعمیرات کا مقصد قومی یادگاریں قائم کرنا تھا نہ کہ کسی جائز تمدنی ضرورت کی تکمیل، تا کہ ان پر فخر کیا جا سکے۔ دنیا پرست لوگ ایسی عمارتوں کے بنانے والے کے فن تعمیر کی داد دیتے ہیں مگر اسلام کی نظر میں یہ سب فضول کام ہیں۔ کیونکہ اپنی قوتوں اور وسائل کو نمائشی کاموں میں لگانے سے آدمی اپنے مقصد حیات سے غافل ہو جاتا ہے، قطب مینار اور تاج محل کو قومی اثاثہ سمجھا جاتا ہے اور ان پر فخر کیا جاتا ہے۔ جب کہ اسلام کی نظر میں یہ ایک مسرفانہ کام تھا جو قابل فخر نہیں بلکہ قابل افسوس ہے، اس سے زیادہ قابل اعتراض وہ شاندار درگاہیں ہیں جو بزرگوں کی عقیدت میں تعمیر کی گئیں اور آج شرک وگمرہی کا ذریعہ بنی ہوئی ہیں۔

﴿اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ﴾ قوم عاد کا پہاڑوں کو تراش کر گھر بنالینا اپنی واقعی ضرورتوں کے لئے نہیں بلکہ اپنے فن تعمیر کے مظاہرہ کے لئے تھا تا کہ آنے والی نسلیں ان کے کمال فن کی داد دیں، ایلورا، اجنتا وغیرہ کے غار بھی ثمودی طرز تمدن کا نمونہ پیش کرتے ہیں، ان کا آرٹ بے حیائی اور بت پرستی کو فروغ دینے والا ہے۔

Scanned by CamScanner

ایک عجیب نکتہ: اللہ نے مختلف قوموں پر جو عذاب نازل کیے تو ان کے کرتوتوں اور عذاب میں ایک قسم کی مناسبت پائی جاتی ہے۔ جیسے لوط کی بستی کو الٹ دیا کیونکہ انھوں نے قانون فطرت کو الٹ دیا۔ فرعون اور اس کے حواریوں کو غرقاب کیا گیا۔ کیونکہ فرعون معصیت کے سمندر میں گہرائی تک اتر چکا تھا، وہ نہ صرف اللہ کا منکر تھا بلکہ خود کو رب اعلیٰ کہلاتا تھا۔ قوم عاد دنیا کی طاقتور ترین قوم تھی، وہ کہتے تھے ﴿من اشد مناقوۃ﴾ کہ ہم سے زیادہ طاقتور کون ہے؟ ان کے بارے میں اللہ نے بھی کہا ﴿التی لم یخلق مثلها فی البلاد﴾ لیکن یہ قوم بگڑی تو اس کے اوپر بادصرصر کو بھیج دیا جو انھیں اس طرح اُڑا کر گراتی تھی کہ ان کا دماغ پھٹ جاتا اور بغیر سر کے ان کی لاشیں اس طرح پڑی ہوتیں جیسے کھجور کے کھوکھلے تنے۔

نبیوں کے سات قصے بیان کیے گئے:

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٤١﴾

اور قوم ثمود نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا۔(۱۴۱)

﴿كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ صالح کی دعوت پر دو فریق ہو گئے:

(۱) ایمان والے۔

(۲) کافرین۔ پھر دونوں جھگڑنے لگے۔ صالح علیہ السلام نے کہا اگر نہیں مانو گے تو تم پر عذاب نازل ہوگا تو وہ کہنے لگے تو پھر تُو عذاب کیوں نہیں لے آتا؟ صالح نے کہا اللہ سے بدی کیوں مانگتے ہو بھلائی کیوں نہیں مانگتے؟ ایمان لاؤ اور استغفار کرو۔ شہر میں نو لوگ بڑے بدمعاش تھے۔ انھوں نے رات میں صالح علیہ السلام کے قتل کا ارادہ کیا۔ مگر اللہ نے انھیں محفوظ رکھا۔

كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْئَيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٧٦﴾

اور بَن کے رہنے والوں نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا۔(۱۷۶)

﴿كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْئَيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ سے مراد اہل مدین ہیں۔ ان کی طرف حضرت شعیب علیہ السلام کو بھیجا گیا۔ قوم نے کہا اگر تم ہماری ملت میں نہیں لوٹے تو ہم تم کو اپنے شہر سے نکال پھینکیں گے۔ اور انہوں نے حضرت شعیب کی نماز کا مذاق اُڑاتے ہوئے کہا ﴿قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ۭ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ﴾ (سورۂ ہود: ۸۱) اور ہٹ دھرمی سے کہنے لگے ﴿فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ (کہ اے شعیب اگر تو سچا ہے تو ہمارے اوپر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دے) تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اوپر سائبان کا عذاب بھیجا۔

فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۸۹﴾

تو ان لوگوں نے ان کو جھٹلایا پس سائبان کے عذاب نے ان کو آ پکڑا بیشک وہ بڑے (سخت) دن کا عذاب تھا۔ (۱۸۹)

قال یزید الباھلی۔ سَأَلْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبَّاسٍ عَنْ هٰذِهِ الْآيَةِ: {فَأَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ، إِنَّهُ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ}، فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبَّاسٍ: بَعَثَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَمَدَةً وَحَرًّا شَدِيدًا، فَأَخَذَ بِأَنْفَاسِهِمْ، فَدَخَلُوا الْبُيُوتَ، فَدَخَلَ عَلَيْهِمْ أَجْوَافَ الْبُيُوتِ، فَأَخَذَ بِأَنْفَاسِهِمْ، فَخَرَجُوا مِنَ الْبُيُوتِ هِرَابًا إِلَى الْبَرِّيَّةِ، فَبَعَثَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ سَحَابَةً فَأَظَلَّتْهُمْ مِنَ الشَّمْسِ، فَوَجَدُوا لَهَا بَرْدًا وَلَذَّةً، فَنَادَى بَعْضُهُمْ بَعْضًا، حَتّٰى إِذَا اجْتَمَعُوا تَحْتَهَا، أَرْسَلَهَا اللّٰهُ عَلَيْهِمْ نَارًا «. قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبَّاسٍ: »فَذٰلِكَ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ، إِنَّهُ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ (تفسیر طبری، جزء:۱۹ صفحہ ۳۹۴)

یزید باہلی کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ واقعہ یہ ہے کہ اللہ نے اس قوم پر سخت گرمی مسلط فرما دی کہ انھیں نہ مکان کے اندر چین رہا، نہ باہر چین رہا۔ پھر ان کے قریبی جنگل کے اوپر ایک گہرا بادل بھیج دیا۔ سب دوڑ دوڑ کر اس بادل کے نیچے جمع ہو گئے تو اس بادل سے پانی کے بجائے آگ برسی۔ معلوم ہوا کہ اللہ کا مجرم اپنے پاؤں چل کر آتا ہے اسے وارنٹ کی ضرورت نہیں ہوتی۔

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۹۲﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ﴿۱۹۳﴾ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ﴿۱۹۵﴾ وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۹۶﴾

اور یہ (قرآن اللہ) رب العالمین کا اتارا ہوا ہے۔ (۱۹۲) اس کو امانت دار فرشتہ لے کر اترا ہے۔ (۱۹۳) (یعنی اس نے) تمہارے دل پر (القا) کیا ہے تا کہ (لوگوں کو) نصیحت کرتے رہو۔ (۱۹۴) (اور القا بھی) فصیح عربی زبان میں (کیا ہے)۔ (۱۹۵) اس کی خبر پہلے پیغمبروں کی کتابوں میں (لکھی ہوئی) ہے۔ (۱۹۶)

پھر ﴿وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اثبات اور رد منکرین ہے۔ ﴿وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ﴾ سے بتایا گیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر پہلی کتابوں میں ہے۔ جو آپ کی حقانیت کی دلیل ہے۔ اور بہت سے دینداروں (جیسے عبداللہ بن سلام اور کچھ علماء بنی اسرائیل) نے اقرار کیا کہ ہماری کتابوں میں ان کا ذکر ہے۔

﴿نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ. عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ﴾ قرآن جسم کے سب سے قیمتی عضو دل پر نازل ہوا تا کہ باقی اعضاء و جوارح تذکر اور عمل کے لئے تیار ہو جائیں۔ لہٰذا تلاوت قرآن کے وقت جس کا دل حاضر نہ ہو وہ قرآن سے کبھی فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ اسی لیے (سورۂ ق: ۳۷) میں کہا گیا ﴿ان فی ذلك لذكرى لمن كان قلب﴾

Scanned by CamScanner

کہ قرآن میں اس شخص کے لئے نصیحت ہے جس کے پاس دل ہے۔

﴿عَلٰى قَلْبِكَ﴾ قلب سے مراد گوشت کا لوتھڑا نہیں بلکہ وہ لطیفہ ربانی ہے جو اس مکان کا مکین ہے۔

وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰى بَعْضِ الْاَعْجَمِيْنَ ﴿۱۹۸﴾

اور اگر ہم اس کو کسی غیر اہلِ زبان پر اتارتے۔(۱۹۸)

﴿وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰى بَعْضِ الْاَعْجَمِيْنَ﴾ یہ مشرکین کا ایک اعتراض ہے کہ عربی ہماری زبان ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس زبان سے بخوبی واقف ہیں، کسی اور زبان میں کتاب لاتے تو ہم مان لیتے۔

جواب: پھر یہ اعتراض کرتے کہ (زبانِ یار من ترکی و من ترکی نمی دانم) کہ میرے محبوب کی زبان ترکی ہے اور میں ترکی زبان نہیں جانتا۔

وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ﴿۲۱۰﴾

اور اس (قرآن) کو شیطان لے کر نازل نہیں ہوئے۔(۲۱۰)

﴿وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ﴾ دوسرا اعتراض یہ تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ باتیں کوئی فرشتہ نہیں بلکہ شیاطین القاء کرتے ہیں، اس کا جواب یہ دیا گیا کہ شیاطین کی خوراک ناپاک باتیں ہیں۔ مگر اس کتاب میں روحانی مضامین، جیسے توحید، آخرت اور شہوات سے نفرت کا بیان ہے، جن سے شیطان کو نفرت ہے، اگر قرآن القائے شیطانی ہے جسے شیطان نبی کے دل میں ڈالتا ہے تو سوال یہ ہے کہ شیطانوں کو تو شر سے محبت ہے، وہ ایسا کلام کیوں نازل کرنے لگے جو سراسر خیر ہو۔

وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۲۱۱﴾

یہ کام نہ تو ان کو سزاوار ہے اور نہ وہ اس کی طاقت رکھتے ہیں۔(۲۱۱)

﴿وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ﴾ قرآن منبع ہدایت ہے، اور شیاطین منبع ضلالت ہیں، وہ ایسا کلام پیش ہی نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ان کا کام لوگوں کو گمراہ کرنا ہے، ہدایت دینا نہیں۔

اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ﴿۲۱۲﴾

وہ (آسمانی باتوں کے) سننے (کے مقامات) سے الگ کر دیئے گئے ہیں۔(۲۱۲)

﴿اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ﴾ ابطال کہانت: یہ کتاب سرچشمہ ہدایت ہے اور شیاطین سرچشمہ ضلالت۔ وہ اس کو کس طرح اتار سکتے ہیں اور ملاء اعلیٰ تک ان کی رسائی بھی نہیں پھر وہ قرآن کیسے سن سکتے ہیں؟ شیاطین جھوٹے مکاروں بدکاروں پر اترتے ہیں۔ راستبازوں کے پاس ان شیاطین کا کیا کام۔

Scanned by CamScanner

وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ﴿٢١٤﴾ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٢١٥﴾

اور اپنے قریب کے رشتہ داروں کو ڈر سنا دو۔ (۲۱۴) اور جو مومن تمہارے پیرو ہو گئے ہیں ان سے متواضع پیش آؤ۔ (۲۱۵)

﴿وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾ ﴿وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ نافرمان اقارب کو ڈرانے کا حکم دیا گیا اور فرمانبردار متبعین کے لئے تواضع برتنے کا حکم دیا گیا۔

هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَىٰ مَن تَنَزَّلُ الشَّيَاطِينُ ﴿٢٢١﴾

(اچھا) میں تمہیں بتاؤں کہ شیطان کس پر اترتے ہیں۔ (۲۲۱)

﴿هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَىٰ مَن تَنَزَّلُ الشَّيَاطِينُ﴾ کفار کا کہنا یہ تھا کہ جس طرح کاہنوں پر شیاطین کلام لے کر اترتے ہیں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھی اترنے والا کلام شیطانوں کا نازل کردہ ہے۔

جواب: یہ کام شیطانوں کے لائق نہیں ہے۔ شیطانوں کو تو شر سے دلچسپی ہے اور قرآن کی تعلیم تو اخلاق و کردار کی پاکیزگی کی تعلیم ہے، شیطانوں کو ایسی تعلیم سے کیا مناسبت؟ اور ان کے بس میں کہاں کہ وہ قرآن جیسا بلند پایہ کلام نازل کریں۔ ان حقائق سے صرف نظر کر کے جو قرآن کو شیطانی آیات کہتا ہے وہ عقل و ہوش سے کام نہ لینے والا ہے۔ سلمان رشدی نے قرآن کو شیطانی آیات سے تعبیر کر کے اسی ذہنیت کا ثبوت دیا ہے جس ذہنیت کا ثبوت نزول قرآن کے وقت منکرین نے دیا تھا۔

يُلْقُونَ السَّمْعَ وَأَكْثَرُهُمْ كَاذِبُونَ ﴿٢٢٣﴾

جو سنی ہوئی بات (اس کے کان میں) لا ڈالتے ہیں اور وہ اکثر جھوٹے ہیں۔ (۲۲۳)

﴿يُلْقُونَ السَّمْعَ وَأَكْثَرُهُمْ كَاذِبُونَ﴾ اکثر سفلی عملیات کے عامل جھوٹے ہوتے ہیں اور ناپاک اور گندے رہتے ہیں تا کہ شیاطین ان کے پاس خوشی خوشی آئیں۔

اس سوال کا جواب کہ آپ کاہن ہیں، کاہن کی پہلی صفت ﴿أَفَّاكٍ﴾ لائی گئی کہ یہ دروغ گو ہوتے ہیں۔ اور سادہ لوح لوگوں کو بیوقوف بنانے کے لئے طرح طرح کے جھوٹ گھڑتے ہیں۔ پھر اس دعوے سے پیش کرتے ہیں کہ یہ باتیں ان کی طرف غیب سے القاء ہوتی ہیں۔ دوسری صفت ﴿أَثِيمٍ﴾ لائی گئی کہ یہ اخلاقی اعتبار سے ہر گناہ میں مبتلا ہوتے ہیں۔ تیسری صفت ﴿يُلْقُونَ السَّمْعَ وَأَكْثَرُهُمْ كَاذِبُونَ﴾ لائی گئی کہ یہ کچھ عملیات سفلیہ کے ساتھ مراقبہ کرتے ہیں۔ پھر انہیں ایک مقفیٰ کلام کی صورت میں پیش کرتے ہیں۔ اس مراقبہ کو القاء سمع کہا گیا ہے۔ ملحوظ رہے کہ مراقبہ کا یہ طریقہ تمام مشرک

Scanned by CamScanner

قوموں میں رہا ہے۔ کاہن، پروہت، جوگی، صوفی اور قبروں کے مجاورین اسی طرح کی نمائش کر کے اور ارواح غیب سے رابطہ پیدا کرنے کا دعوی کر کے عوام کو بیوقوف بناتے ہیں۔

وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ﴿۲۲۴﴾

اور شاعروں کی پیروی گمراہ لوگ کیا کرتے ہیں۔ (۲۲۴)

﴿وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ﴾ شاعر کہنے کی تردید اس طرح کی گئی کہ محمد ﷺ حق کی دعوت دیتے ہیں اور آپ سے فیضیاب ہو کر ہزاروں لوگ نیکی کی راہ پر چل رہے ہیں۔ جب کہ شاعری میں نری خیالی باتیں ہوتی ہیں۔ درخت اپنے پھل سے اور آدمی اپنے ساتھیوں سے پہچانا جاتا ہے۔ شاعروں کو دیکھو کہ ان کے کلام میں کس طرح کے لوگوں کو اپنی طرف کھینچا اور متاثر کیا اور پیغمبر کے پیغام نے کس طرح کے لوگوں کو اپنی طرف جذب کیا۔ صاف نظر آئے گا کہ شاعروں کے ساتھی گمراہ، اوباش، عیاش اور شرپسند قسم کے لوگ تھے اور پیغمبر کے ساتھی شریف، نیک طینت اور متقی تھے، نیز شاعر ایک ہی سانس میں نیکی اور بدی دونوں کی باتیں کرتا ہے۔ ایک شعر سے وہ ولی معلوم ہوتا ہے اور دوسرے شعر سے شیطان نیز شاعر صرف گفتار کا غازی ہوتا ہے۔ مگر پیغمبر کے قول وفعل میں مطابقت ہوتی ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ﴿۲۲۵﴾

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر وادی میں سر مارے مارے پھرتے ہیں۔ (۲۲۵)

﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ﴾ ﴿يَهِيْمُوْنَ﴾ لفظ ھام سے ہے۔ "ای ذھب من العشق اوغیرہ لا یدری این یتوجہ" یعنی عشق وغیرہ کی وجہ سے اس کو معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کدھر جارہا ہے۔ ہر وادی میں بھٹکتے ہیں یعنی ایک ہی سانس میں نیکی اور بدی دونوں کی باتیں بے تکلف کہہ جاتے ہیں، کبھی کہتے ہیں ہجر میں جاں بلب ہوں اور اگلے شعر میں یہ ہوتا ہے کہ معشوق سے وصال نصیب ہو گیا کبھی کہتا ہے محبوب کی یاد میں خون کے آنسو رو رہا ہوں، حالانکہ اس وقت ہوٹل میں بیٹھا چائے کی چسکیاں لے رہا ہوتا ہے۔ شاعر کے اشعار میں کبھی مدح، کبھی ہجو، کبھی خوشامد، کبھی جھوٹ اور کبھی مبالغہ ہوتا ہے۔ جس کا مقصد مختلف طبائع کو خوش کر کے داد وصول کرنا ہوتا ہے۔ یہ عاشقوں، معشوقوں، غریبوں، امیروں، ظالموں، مظلوموں، سب کو خوش کرتے ہیں، اگر آپ ﷺ شاعر ہوتے اور شاعروں کی طرح نفسانی باتیں کرتے تو آپ ﷺ کی پیروی کرنے والے فسق وفجور سے بیزار نہ ہوتے۔

لطیفہ: ایک شخص بھوکا تھا اس نے کچھ لوگوں کو اچھے کپڑے پہنے ہوئے ایک طرف جاتے دیکھا تو خیال کیا کہ غالباً یہ دعوت میں جارہے ہیں، وہ ان کے ساتھ میں ہولیا۔ وہ سب بادشاہ کے دربار میں پہونچے اور اس کی شان میں قصیدے پڑھنے شروع کر دیئے۔ یہ شخص سخت حیران ہوا۔ شاعر تو نہیں تھا مگر طبیعت میں بذلہ سنجی تھی۔ جب سارے شاعر قصائد سنا چکے

Scanned by CamScanner

اور انعام لے کر روانہ ہو گئے تو بادشاہ اس سے مخاطب ہوا کہ اب آپ قصیدہ سنائیں۔اس نے کہا میں شاعر نہیں بلکہ غاوی ہوں جس کا ذکر اس آیت ﴿وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ﴾ میں ہے۔

وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۲۲۶﴾

اور کہتے وہ ہیں جو کرتے نہیں۔(۲۲۶)

﴿وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ﴾ شاعروں کا قول کچھ ہوتا ہے اور عمل کچھ۔وہ لوگوں کو اخلاق حسنہ کی تلقین کرتے ہیں مگر خود شرابیں پیتے ہیں، وہ لوگوں کو اللہ سے ڈرنے کی نصیحتیں کرتے ہیں مگر خود روزہ ونماز کے قریب نہیں جاتے۔

اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ۭ وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ﴿۲۲۷﴾

مگر جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے اور اللہ کو بہت یاد کرتے رہے اور اپنے اوپر ظلم ہونے کے بعد انتقام لیا اور ظالم عنقریب جان لیں گے کہ کون سی جگہ لوٹ کر جاتے ہیں۔(۲۲۷)

اس سے وہ شعراء مستثنیٰ ہیں جو اہل ایمان ہوں اور عمل صالح کرنے والے ہوں اور اللہ کو بکثرت یاد کرنے والے ہوں اور ان کی شاعری تعمیری اور دین کی مدافعت میں ہو، وہ خود کسی پر ظلم نہیں کرتے، مگر کوئی ظلم کرے تو پیچھے نہیں ہٹتے۔اور اپنے اشعار کے ذریعے بھی ظالم سے بدلہ لیتے ہیں۔جیسے حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ وغیرہ۔

قرآن شاعری نہیں اور محمد ﷺ شاعر نہیں۔شاعر تو اخلاق بگاڑنے والے ہوتے ہیں۔قرآن اخلاق سنوارنے والا ہے۔شاعر گفتار کا غازی ہوتا ہے اور رسول، اخلاق حسنہ کا پیکر۔

﴿وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ﴾ اس آیت میں جیسی ہیبت ناک بات کہی گئی ہے اس سے زیادہ ہیبت ناک کوئی بات نہیں ہو سکتی۔

﴿وَسَيَعْلَمُ﴾ میں جو وعید بلیغ ہے اور ﴿الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا﴾ میں جو اطلاق ہے اور ﴿اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ﴾ میں جو ابہام ہے، سب نے مل کر اس وعید کی شدت کو دوبالا کر دیا ہے۔اسی لئے سلف صالحین اس جملے کو اپنی نصیحتوں میں پیش کیا کرتے تھے۔

(۱) عنقریب جان لیں گے اس میں وعید ہے۔'س' تقریب کے لئے ہے کہ عنقریب انھیں اپنے ظلم کا بدلہ ملے گا۔(۲) کوئی بھی ظالم ہو اور کسی بھی قسم کا ظلم کرنے والا ہو۔(۳) انھیں کس گھاٹ اتار دیا جائے گا۔اگر اس طریقے کی دھمکی کسی خطرناک غنڈے کی طرف سے ہو تو راتوں کی نیند اڑ جائے گی۔مگر معاذ اللہ لوگ ہیں کہ اللہ کی اس وعید کو سنی ان سنی کر دیتے ہیں۔

Scanned by CamScanner

سورة النمل (مكية)

الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ③

وہ جو نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے اور وہ آخرت کا یقین رکھتے ہیں۔(۳)

منکرین آخرت بھٹک رہے ہیں۔کوئی کمیونزم کی طرف بھاگ رہا ہے،کوئی نیشنلزم کی طرف تو کوئی وحدت ادیان کا راگ الاپ رہا ہے۔کوئی فرقہ پرستی کو فروغ دے رہا ہے،کوئی سیاست کو مذہب سے بےتعلق دیکھنا چاہتا ہے۔کوئی ہم دو ہمارے دو کی رٹ لگائے بیٹھا ہے اور کوئی دہشت گردی کا بدترین نمونہ پیش کر رہا ہے۔آخرت کے انکار کے بعد کوششوں کا محور ایک نہیں رہ جاتا۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ وَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ⑤

یہی لوگ ہیں جن کے لیے بڑا عذاب ہے اور آخرت میں بھی وہ بہت نقصان اٹھانے والے ہیں۔(۵)

﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ وَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ﴾ اس سے منکرین آخرت کا بدنتیجہ بھی بیان کر دیا گیا۔کیونکہ جب وہ آخرت کے منکر ہیں تو اس کے لئے توشہ کیوں جمع کرنے لگے؟ یہی خسارہ ہے۔پھر ﴿زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ﴾ سے آخرت کے انکار کی وجہ بھی بیان کر دی۔

اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖٓ اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا ؕ سَاٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِيْكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ⑦

جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ میں نے آگ دیکھی ہے میں وہاں سے (رستے کا) پتہ لاتا ہوں یا سلگتا ہوا انگارا لاتا ہوں تا کہ تم تاپو۔(۷)

﴿اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖٓ﴾ کوئی شخص مجالس میں اپنی بیوی کا ذکر کرے تو اس کا نام نہ لے۔بلکہ عام لفظوں سے اس کا ذکر کرنا بہتر ہے جیسے ہمارے عرف میں کہا جاتا ہے کہ ”گھر والوں نے کہا۔“

Scanned by CamScanner

فَلَمَّا جَآءَهَا نُوْدِيَ اَنْۢ بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸﴾

جب موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس آئے تو ندا آئی کہ وہ جو آگ میں (تجلی دکھاتا) ہے بابرکت ہے اور وہ جو آگ کے اردگرد ہیں اور اللہ جو تمام عالم کا رب ہے پاک ہے۔(۸)

﴿نُوْدِيَ اَنْۢ بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ ندا اگرچہ آگ کے اندر سے آرہی تھی لیکن اللہ کا وجود اس سے پاک ہے کہ وہ کسی چیز میں حلول کر جائے۔ وہ عرش پر مستوی ہے۔ مگر بندہ کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ ﴿وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ﴾ (سورہ انعام:۳) کا یہ مطلب نہیں کہ وہ عرش چھوڑ کر زمین میں سرایت کر گیا ہے۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ ارشاد کہ 'مبارک ہے وہ جو آگ میں ہے' اس کی صفت ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ﴾ (سورۂ شوریٰ:۱۱) ہے، مادی دنیا میں یہ مشاہدہ ہم کرتے ہیں کہ آئینے میں آدمی کی تصویر ہوتی ہے مگر آدمی اس میں موجود نہیں ہوتا۔ ٹی وی اسکرین پر بولنے والا دکھائی دیتا ہے، مگر وہ ٹی وی میں نہیں ہوتا۔ آفتاب آئینے میں متجلی ہوتا ہے تو کیا کرۂ شمس چھوٹے سے آئینے میں ہی سما گیا۔ یہ مثال تقریب الی الفہم کے لئے ہے ورنہ کیفیت کا علم صرف اللہ کو ہے۔ ﴿وللہ المثل الاعلیٰ﴾ (سورۃ النحل:۶۰)

اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًاۢ بَعْدَ سُوْٓءٍ فَاِنِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱﴾

ہاں جس نے ظلم کیا پھر برائی کے بعد اُسے نیکی سے بدل دیا تو میں بخشنے والا مہربان ہوں۔(۱۱)

﴿بَدَّلَ حُسْنًا﴾ : گناہ کے بعد نیکوکاری کرنے والے کے لئے اللہ غفور رحیم ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا ۚ وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵﴾

اور ہم نے داؤد اور سلیمان کو علم بخشا اور انہوں نے کہا کہ اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں بہت سے مومن بندوں پر فضیلت دی۔(۱۵)

اللہ نے داؤد و سلیمان علیہ السلام کو دنیا اور آخرت کی بے شمار نعمتوں سے نوازا، مگر ان تمام نعمتوں میں امتیازی طور پر علم کی نعمت کو ذکر کیا۔ اس سے یہ واضح ہوا کہ تمام نعمتوں میں حقیقی نعمت، علم ہے۔ جس کو اللہ نے حقیقی علم عطا کر دیا اس کے سامنے بڑے بڑے بادشاہوں کا تاج و تخت اور اصحاب قوت کا زور و دبدبہ کوئی معنی نہیں رکھتا، علم وہ چیز ہے جو انسان کو اقوام پر فضیلت دیتا ہے۔ لہٰذا جسے اللہ نے علم کی دولت عطا کی اسے وہی دعا کرنی چاہئے جو داؤد و سلیمان علیہما السلام نے کی۔

حَتّٰٓى اِذَآ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ ۙ قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰٓاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا

Scanned by CamScanner

يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ ۙ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۸﴾

یہاں تک کہ جب چیونٹیوں کے میدان میں پہنچے تو ایک چیونٹی نے کہا کہ اے چیونٹیو! اپنے اپنے بلوں میں داخل ہو جاؤ ایسا نہ ہو کہ سلیمان اور اس کے لشکر تمہیں کچل ڈالیں اور ان کو خبر بھی نہ ہو۔ (۱۸)

بلاغت کا اسلوب:

بلاغت کا ایک اسلوب ''احتراس'' ہے یعنی کہیں پر بھی اگر کسی آیت میں مقصود کے خلاف سمجھے جانے کا ڈر ہو تو قرآن فوراً وضاحت کرتا ہے۔ جیسے چیونٹی کا قول نقل کیا۔ ﴿لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ ۙ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ﴾ اس میں ﴿وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ﴾ احتراس ہے۔ اس لئے کہ سلیمان کے عدل کا تقاضا یہ ہے کہ وہ جان بوجھ کر کسی چیونٹی کو روند نہیں سکتے اسی لئے آگے ﴿وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ﴾ لایا گیا۔ اور ﴿ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ﴾ سے معلوم ہوا کہ اگر خطرہ نظر آجائے تو سیلف ڈیفنس کرنا چاہئے۔ اس میں اتحاد کی بھی دلیل ملی، کیونکہ چیونٹیوں میں ایسا اتحاد ہے کہ ایک کے کہنے پر سب عمل کرتی ہیں۔

پنجاب یونیورسٹی کی اردو کی آٹھویں کی کتاب میں ہے کہ چیونٹیاں اپنا ٹھکانہ نہیں بھولتیں، یگانے بیگانے میں تمیز کرتی ہیں اور اگر بھٹک کر ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں تو ملنے پر ایک دوسرے کو پہچان جائیں گی اور انسان کی طرح جنازہ نکالتی ہیں اور میت کو دفن کرتی ہیں۔

﴿وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ﴾ سلیمان علیہ السلام کے پاس تین قسم کا لشکر تھا: (۱) آدمیوں کا (۲) جنوں کا (۳) پرندوں کا۔ اس پر سلیمان علیہ السلام نے ﴿اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ﴾ کہا۔ یعنی اللہ سے نعمت پر شکریے کی توفیق مانگی۔ کہ اے اللہ یہ جو جاہ وحشم اور خاص طور سے علم جو تُو نے مجھے عطا کیا ہے اس پر مجھے شکر گزاری کی توفیق دے۔

سلیمان علیہ السلام پرندوں کی بولی بھی سمجھتے تھے۔ جنوں پر بھی ان کی حکومت تھی۔ جنوں سے بوجھل کام اور سراغ رسانی کا کام اور پرندوں سے پیغام رسانی کا کام لیتے تھے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ پرندوں کو بھی شعور ہے کہ انبیاء، غیب کا علم نہیں رکھتے۔ اور جو لوگ ولایت کو نبوت سے افضل سمجھتے ہیں اس میں ان کا رد ہے کہ ''ھدھد'' کو بعض ایسی چیزوں کا علم تھا جس کا علم سلیمان علیہ السلام کو نہیں تھا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ پرندہ سلیمان علیہ السلام سے افضل تھا۔ اسی طرح تمام پرندے اللہ کی وحدانیت کا احساس وشعور رکھتے ہیں۔ تبھی تو ھدھد نے حیرت کے انداز میں کہا کہ ملکہ اور اس کی قوم اللہ کے بجائے سورج کی پجاری ہے! یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ اگر جانور کو قوت گویائی دیدے تو وہ بھی شرک کی مذمت کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ نیز اس پرندے کی نگاہ میں عورت کی حکمرانی بھی ایک تعجب خیز چیز تھی۔

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَآ اَرَى الْهُدْهُدَ ۖ اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِيْنَ ﴿۲۰﴾ لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِيْدًا اَوْ لَاَاذْبَحَنَّهٗٓ اَوْ لَيَاْتِيَنِّيْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۱﴾

Scanned by CamScanner

انھوں نے جانوروں کا جائزہ لیا تو کہنے لگے کہ کیا سبب ہے کہ ہدہد نظر نہیں آتا؟ کیا کہیں غائب ہو گیا ہے؟(۲۰) میں اُسے سخت سزا دوں گا یا اُسے ذبح کر ڈالوں گا یا میرے سامنے (اپنی بے قصوری کی) دلیل صریح پیش کرے۔(۲۱)

﴿وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ﴾ حکام کو حکومت کی ہر چیز پر باریک نظر رکھنی چاہیے۔

﴿لَأُعَذِّبَنَّهُ عَذَابًا شَدِيدًا أَوْ لَأَاذْبَحَنَّهُ أَوْ لَيَأْتِيَنِّي بِسُلْطَانٍ مُّبِينٍ﴾ حاکم کو چاہیے کہ ملزم کو صفائی کا موقع دے اور اگر عذر صحیح ہو تو اسے معاف کر دے۔ نیز حاکم کو چاہیے کہ جرم کے لحاظ سے سزاؤں کو متعین کرے۔ اگر جرم ثابت ہو جائے تو مجرم کو قرار واقعی سزا دینی چاہیے اور اگر جرم قابل معافی نہ ہو تو اسے معاشرے میں جینے کا حق نہیں دینا چاہیے۔ نیز سزا کا حکم سنانے سے پہلے مجرم سے جرم کی وجہ دریافت کرنی چاہیے۔ اور اسے اپنے حق میں دفاع کی پوری اجازت دی جائے۔ اور دلیل کا مطالبہ کیا جائے۔

قَالَ سَنَنظُرُ أَصَدَقْتَ أَمْ كُنتَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ﴿٢٧﴾

سلیمان نے کہا (اچھا) ہم دیکھیں گے تو نے سچ کہا ہے یا تو جھوٹا ہے۔(۲۷)

﴿سَنَنظُرُ أَصَدَقْتَ أَمْ كُنتَ مِنَ الْكَاذِبِينَ﴾ اس آیت میں ایک اصول بتایا گیا ہے کہ ملزم اگر چرب زبان ہو تو فوراً اس کے بیان کی تصدیق نہیں کرنی چاہیے بلکہ تحقیق کرنی چاہیے۔ آیت کے اس ٹکڑے ﴿أَوْ لَيَأْتِيَنِّي بِسُلْطَانٍ مُّبِينٍ﴾ میں اسی طرف اشارہ ہے۔ نیز میڈیا اور دیگر نظام مواصلات کے ذریعے فی زمانا دعوتی کام کرنا چاہیے۔

ھدھد کے قول سے علامہ ابن القیم رحمہ اللہ کا استدلال:

ھدھد کا قول ﴿أَحَطتُ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهِ﴾ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے اس سے استدلال کیا ہے کبھی کبھی ایک عام آدمی کو ایسی چیز کا علم ہو سکتا ہے جس کا علم وقت کے امام کو نہ ہو اور اس سے یہ نکتہ بھی ملا کہ کوئی عام آدمی بھی قرآن پر تدبر کرے تو شرعی ضوابط کی روشنی میں اسرار و معانی کے بہت سے دراُس پر وا ہو سکتے ہیں۔

قرآن کے تین جانور اور دعاۃ کے لیے پیغام:

(۱) اگر داعی، مدعو کی زبان سے ناواقف ہو تو ایسے دعاۃ کو لا کر دعوت کا کام کرایا جائے جو اہل زبان ہوں جیسے سلیمان کا ھدھد سے کام لینا۔

(۲) اور اگر اہل زبان ہو تو اسے فوراً اپنی قوم کے بچاؤ کی فکر کرنا چاہیے جیسے ﴿يَا أَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوا مَسَاكِنَكُمْ﴾

(۳) یا کم از کم داعیان کا ساتھ دے جیسے اصحاب کہف کا کتا۔ ﴿وَكَلْبُهُم بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيدِ﴾

(۴) داعی افصح (زبان و بیان کا ماہر) ہو۔

Scanned by CamScanner

ھدھد کو دو چیزوں پر بڑا تعجب ہوا۔

(۱) عورت کی فطری کمزوری کے باوجود اسے حکومت کرتے دیکھا یعنی ھدھد بھی یہ سمجھتا تھا کہ عورت اپنی فطری کمزوریوں کی وجہ سے حکومت کرنے کے قابل نہیں ہوتی لیکن اس نے ملک سبا میں جب عورت کو حکمرانی کرتے دیکھا تو اسے یہ چیز تعجب انگیز لگی۔

(۲) اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز چیز جو ھدھد کو نظر آئی وہ سورج کی پوجا تھی۔ گویا شرک ایک جانور کے نزدیک بھی انتہائی ناپسندیدہ چیز ہے۔ ھدھد نے شرک کو باطل اور شیطان کا فریب کہا۔ عجیب بات ہے کہ وہ اس معاملے میں بے شعور ہو کر باشعور ہے اور مشرکین باشعور ہو کر بے شعور۔

إِنَّهُ مِن سُلَيْمَٰنَ وَإِنَّهُ بِسْمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحْمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ ۝٣٠

وہ سلیمان کی طرف سے ہے اور مضمون یہ ہے کہ شروع اللہ کا نام لے کر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ (۳۰)

خطوط میں بسم اللہ لکھنا سنت انبیاء:

مشرکین کو خط لکھنا دعوت وتبلیغ کے لئے جائز ہے اور جب خط لکھے تو اس میں بسم اللہ پوری لکھی جائے خواہ مشرک کے پاس لکھے۔ یہاں باسمہ تعالیٰ اور ۷۸۶ وغیرہ کا رد ہوا۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ خطوط میں بسم اللہ لکھنا سنت انبیاء ہے۔ محمد ﷺ کے خطوط اس پر شاہد ہیں۔ خط لکھتے وقت پہلے بسم اللہ، پھر کاتب کا نام، پھر مکتوب الیہ کا نام لکھا جائے۔

قَالَتْ يَٰٓأَيُّهَا ٱلْمَلَؤُا۟ أَفْتُونِى فِىٓ أَمْرِى مَا كُنتُ قَاطِعَةً أَمْرًا حَتَّىٰ تَشْهَدُونِ ۝٣٢ قَالُوا۟ نَحْنُ أُو۟لُوا۟ قُوَّةٍ وَأُو۟لُوا۟ بَأْسٍ شَدِيدٍ وَٱلْأَمْرُ إِلَيْكِ فَٱنظُرِى مَاذَا تَأْمُرِينَ ۝٣٣

(خط سنا کر) کہنے لگی کہ اے اہلِ دربار! میرے اس معاملے میں مجھے مشورہ دو جب تک تم حاضر نہ ہو (اور صلاح نہ دو) میں کسی کام کا فیصلہ کرنے والی نہیں۔ (۳۲) وہ بولے کہ ہم بڑے زور آور اور سخت جنگ جو ہیں اور حکم آپ کے اختیار میں ہے تو جو حکم دیجئے گا (اس کے مآل پر) نظر کر لیجئے گا۔ (۳۳)

﴿ أَفْتُونِى فِىٓ أَمْرِى ﴾ اہم امور میں مشورہ کی اہمیت معلوم ہوئی۔ یعنی اہم امور میں مشورہ ضروری ہے اس سے دوسروں کی رائے سے فائدہ بھی حاصل ہوتا ہے اور دوسرے لوگوں کی دلجوئی بھی ہوتی ہے۔ اور مشورہ کرنے کے بعد حاکم کو مشورہ قبول کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہے۔ ﴿ وَٱلْأَمْرُ إِلَيْكِ فَٱنظُرِى مَاذَا تَأْمُرِينَ ﴾ میں اسی طرف اشارہ ہے۔ مگر وہ اپنی رائے کے صواب ہونے کی دلیل دے۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَا خَابَ مَنِ اسْتَخَارَ، وَلَا نَدِمَ مَنِ اسْتَشَارَ، وَلَا عَالَ مَنِ اقْتَصَدَ" (المعجم الاوسط)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ استخارہ کرنے والا ناکام نہیں ہوتا اور مشورہ طلب کرنے والا شرمندہ نہیں ہوتا۔ اور اگر کوئی عورت درست بات کہتی ہے تو اس کی تائید کرنی چاہئے۔ آیت کے اس ٹکڑے ﴿ وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴾ میں عورت کی بات کی تائید اللہ نے کی۔

قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّاُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ ۙ وَّالْاَمْرُ اِلَيْكِ فَانْظُرِيْ مَاذَا تَاْمُرِيْنَ ﴿۳۳﴾

وہ بولے کہ ہم بڑے زور آور اور سخت جنگ جو ہیں اور حکم آپ کے اختیار میں ہے تو جو حکم دیجئے گا (اس کے مآل پر) نظر کر لیجئے گا۔ (۳۳)

جنگ میں دو چیزیں ضروری ہیں: ﴿قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّاُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ﴾

(۱) افرادی قوت۔ (۲) اسلحہ کی قوت۔

ملکہ کے مزاج میں سلامت روی تھی اس نے جنگ کی بجائے مصالحت کی پالیسی اختیار کرنے کا مشورہ دیا۔ اس نے درباریوں کو جنگ کے عواقب سے ڈرایا کیونکہ درباریوں کا رجحان جنگ کی طرف تھا۔ ملکہ سبا کو معلوم ہو گیا تھا کہ یہ خط عام خطوط کی طرح نہیں ہے۔ کیونکہ عام ذرائع سے خط نہیں آیا۔ اسے لانے والا ایک پرندہ ہے۔ اور خط کا آغاز بسم اللہ سے ہے اور انداز تخاطب جلالی ہے جو آیت کریمہ کے ٹکڑے ﴿ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ ﴾ سے ظاہر ہے۔ نیز سلیمان کے اس کے تحفے لوٹانے پر ملکہ کو اندازہ ہو گیا کہ وہ کوئی دنیادار بادشاہ نہیں ہے۔

﴿بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ﴾ اپنے ان تحائف سے تم خود ہی خوش رہو

عَنْ عِيَاضِ بْنِ حِمَارٍ، قَالَ: أَهْدَيْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَاقَةً، فَقَالَ: "أَسْلَمْتَ؟"، فَقُلْتُ: لَا، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنِّي نُهِيتُ عَنْ زَبْدِ الْمُشْرِكِينَ" (ابوداؤد: ۳۰۵۷)

عیاض بن حمار سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک اونٹنی ھدیہ کرنی چاہی۔ تو آپ نے مجھ سے پوچھا کیا تم اسلام لائے ہو؟ تو میں نے کہا نہیں۔ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے مشرکین کے تحفے سے منع کیا گیا ہے۔ سلیمان علیہ السلام کے ھدیہ لوٹانے کی دو وجہیں تھیں (۱) غصے کا اظہار کیا کہ وہ اسلام لے آئے۔ (۲) ھدیہ کا تعلق دل سے ہوتا ہے اور آپ یہ ظاہر کرنا چاہتے تھے کہ آپ کا میلان قلب کسی مشرک کی طرف نہیں ہے۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، أَنَّ يَهُودِيَّةً أَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَاةٍ مَسْمُومَةٍ، فَأَكَلَ مِنْهَا، فَجِيءَ بِهَا فَقِيلَ: أَلَا نَقْتُلُهَا، قَالَ: "لَا"، فَمَا زِلْتُ أَعْرِفُهَا فِي لَهَوَاتِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (بخاری: ۲۶۱۷)

ایک یہودیہ عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک زہر آلود بکری لے کر کے آئی۔ اور آپ نے اس سے کھایا۔ ابن حجر نے تطبیق دی ہے کہ ھدیہ وہاں قبول کرنا ہے جہاں اس تودّد اور موالات مقصود ہو لیکن ایسے شخص کا ھدیہ قبول کرنے میں کوئی مضائقہ

Scanned by CamScanner

نہیں کہ جس سے تالیف اسلام مقصود ہو۔ اس کے ناجائز ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔ آج اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ایک نفرت کا ماحول ہے۔ اس حال میں مسلمانوں کی طرف سے اس قسم کا تشدد لوگوں کو اسلام سے اور دور کر سکتا ہے۔ لہٰذا خاص طور پر ہمارے ملک میں برادران وطن کو اسلام کی طرف مائل کرنے کے لئے تحفوں کا تبادلہ اور دعوتیں قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ اَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۳۷﴾

اس کے پاس واپس جاؤ ہم ان پر ایسے لشکر سے حملہ کریں گے جس کے مقابلے کی ان کو طاقت نہ ہوگی اور ان کو وہاں سے بے عزت کر کے نکال دیں گے اور وہ ذلیل ہوں گے۔ (۳۷)

سلیمان علیہ السلام نے سفیر بلقیس کے ساتھ سختی کیوں کی؟

سوال پیدا ہوتا ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے سفیر بلقیس کے ساتھ ایسی سختی کیوں کی؟ جب کہ شریعت میں حکم ہے کہ ایلچیوں کے ساتھ حسن سلوک کرو۔ جواب یہ ہے کہ آپ نے سفیر کی توہین نہیں کی تھی بلکہ اسے عزت کے ساتھ اتارا تھا۔ سختی کی وجہ یہ تھی کہ ایلچی کوئی پیغام صلح یا ماتحتی کا اقرار لے کر نہیں آیا تھا، صرف تحفے لایا تھا۔ اس لئے سلیمان نے اسے متنبہ کیا کہ جب تک مصالحت یا ماتحتی کا اقرار نہ ہو ہم راضی نہیں ہو سکتے۔ معلوم ہوا کہ اسلام غالب ہونے کے لئے آیا ہے مغلوب ہونے کے لیے نہیں۔

قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ ۖ لِيَبْلُوَنِيْٓ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ؕ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ ﴿۴۰﴾

ایک شخص جس کو کتابِ الٰہی کا علم تھا کہنے لگا کہ میں آپ کی آنکھ جھپکنے سے پہلے پہلے اُسے آپ کے پاس حاضر کئے دیتا ہوں جب سلیمان نے تخت کو اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا تو کہا کہ یہ میرے رب کا فضل ہے تا کہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا کفرانِ نعمت کرتا ہوں اور جو شکر کرتا ہے تو اپنے ہی فائدے کیلئے شکر کرتا ہے اور جو ناشکری کرتا ہے تو میرا رب بے پروا (اور) کرم کرنے والا ہے۔ (۴۰)

﴿قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ﴾ وہ کون شخص تھا؟ یہ کتاب کون سی تھی؟ وہ علم کیا تھا؟ جس کے زور پر یہ دعویٰ کیا گیا۔ ان تینوں کی پوری حقیقت اللہ ہی جانتا ہے۔ قرآن کے الفاظ سے جو معلوم ہوتا ہے وہ اتنا ہے کہ وہ کوئی انسان تھا جس کے پاس کتاب الٰہی کا علم تھا۔ اللہ نے کرامت کے طور پر اسے یہ قدرت دیدی کہ وہ پلک جھپکتے تخت لے آیا۔ حقیقت

Scanned by CamScanner

میں یہ مشیت الٰہی ہی کی کارفرمائی تھی۔ سلیمان اس حقیقت سے آگاہ تھے اسی لئے جب انھوں نے تخت کو دیکھا تو ﴿هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ﴾ کہا۔

سبا اور یروشلم کے درمیان دو ہزار کلومیٹر کا فاصلہ ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ جنوں کو اللہ نے انسانوں کے مقابلے میں غیر معمولی قوتوں سے نوازا ہے۔

﴿فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ﴾ اتنی سرعت کے ساتھ ملکہ سبا کا تخت لایا گیا، اس کے باوجود اللہ نے اس کے لئے ﴿مُسْتَقِرًّا﴾ کا لفظ استعمال کیا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ وہ زمانے سے وہاں رکھا ہوا تھا۔ اور اس پر سرعت کے آثار نہیں تھے کہ اتنی جلدی میں لے آیا گیا ہے۔ کیونکہ کوئی چیز تیزی سے کہیں پہونچے تو اس پر تیزی سے پہونچنے کے آثار ظاہر ہوتے ہیں، مگر یہاں ایسا نہیں تھا۔

قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ اَتَهْتَدِیْۤ اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِیْنَ لَا یَهْتَدُوْنَ ﴿۴۱﴾

سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ ملکہ (کے امتحانِ عقل کے) لیے اس کے تخت کی صورت بدل دو دیکھیں کہ وہ سوجھ رکھتی ہے یا ان لوگوں میں سے ہے جو سوجھ نہیں رکھتے۔ (۴۱)

تخت کی ہیئت بدلنا ایک قسم کا تفنن:

﴿نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا﴾ تخت کی ہیئت بدلنا ایک قسم کا تفنن تھا۔ تخت کی شکل بدلنے کا حکم ایک خاص مقصد کے تحت تھا۔ وہ یہ تھا کہ ملکہ کو دعوت فکر دی جائے۔ اگر وہ شناخت کر لیتی ہے کہ ظاہری تبدیلی کے باوجود یہ تخت اسی کا ہے تو اس کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوگا کہ میرا تخت یہاں کیسے آ گیا؟ اس پر غور کرے گی تو یہ بات اس پر واضح ہو جائے گی کہ سلیمان نبی ہیں۔ اور اگر تخت نہیں پہچانا تو واضح ہوگا کہ وہ غور و فکر نہیں کرتی اور جو غور و فکر نہیں کرتا وہ ہدایت سے محروم رہتا ہے۔

قِیْلَ لَهَا ادْخُلِی الصَّرْحَ ۚ فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّكَشَفَتْ عَنْ سَاقَیْهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِیْرَ ؕ قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَیْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۴۴﴾

(پھر) اس سے کہا گیا کہ محل میں چلئے جب اس نے اس (کے فرش) کو دیکھا تو اسے پانی کا حوض سمجھا اور (کپڑا اٹھا کر) اپنی پنڈلیاں کھول دیں سلیمان نے کہا یہ ایسا محل ہے جس میں (نیچے بھی) شیشے جڑے ہوئے ہیں وہ بول اٹھی کہ الٰہی! میں اپنے آپ پر ظلم کرتی رہی تھی اور (اب) میں سلیمان کے ہاتھ پر اللہ رب العالمین پر ایمان لاتی ہوں۔ (۴۴)

﴿قِیْلَ لَهَا ادْخُلِی الصَّرْحَ﴾ ملکہ اسلام کی معترف ہو گئی لیکن کھل کر اظہار نہیں کیا۔ سلیمان نے اس کی فکری غلطی

Scanned by CamScanner

کو واضح کرنے کے لئے اپنے شیش محل میں داخل ہونے کے لئے کہا۔ جب وہ داخل ہونے لگی تو پائنچے چڑھا لئے کیونکہ شیشے کا فرش اسے پانی معلوم ہوا۔ اس سے اسے معلوم کرانا تھا کہ سورج کی چمک دمک سے مرعوب ہو کر اُسے اللہ سمجھ لینا ایسا دھوکا ہے جیسے آدمی چمکتے شیشے کو پانی سمجھ بیٹھے۔ اس سے ملکہ کو سلیمان کے کمال عقل کا اندازہ ہوا۔

قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ؕ آٰللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۹﴾

کہہ دو کہ سب تعریف اللہ ہی کو سزاوار ہے اور اس کے بندوں پر سلام ہے جن کو اس نے منتخب فرمایا بھلا اللہ بہتر ہے یا وہ جن کو یہ اس کا شریک ٹھراتے ہیں۔(۵۹)

﴿ آٰللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴾ صاف الفاظ میں یہ سوال رکھا گیا کہ اللہ بہتر یا تمہارے معبود؟ کوئی کٹے سے کٹا کافر یہ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا کہ ہمارے معبود بہتر ہیں۔ اور یہ مان لینے کے بعد کہ اللہ بہتر ہے ان کے پورے دین کی بنیاد ڈھ جاتی ہے۔ اس لئے کہ بات سراسر نامعقول ہے کہ بہتر کو چھوڑ کر بدتر کو اختیار کیا جائے۔

Scanned by CamScanner

پارہ نمبر

۲۰

سورۃ النمل
(آیت: ۶۰)

تا

سورۃ العنکبوت
(آیت: ۴۴)

مُجمعِ بلقیس للبحوث الاسلامیۃ
حیدر آباد الہند

Scanned by CamScanner

بیسواں پارہ

اَمَّنۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَاَنۡزَلَ لَکُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنۡۢبَتۡنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهۡجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمۡ اَنۡ تُنۡۢبِتُوۡا شَجَرَهَا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلۡ هُمۡ قَوۡمٌ يَّعۡدِلُوۡنَ ؕ﴿۶۰﴾

بھلا کس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور (کس نے) تمہارے لیے آسمان سے پانی برسایا (ہم نے) پھر ہم ہی نے اُس سے سرسبز باغ اُگائے تو تمہارا کام تو نہ تھا کہ تم ان کے درختوں کو اُگاتے تو کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟ (ہرگز نہیں) بلکہ یہ لوگ راستے سے الگ ہو رہے ہیں۔ (۶۰)

﴿اَمَّنۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ... الخ﴾ یہاں سے قرآن اللہ کے وجود اور توحید پر فطری استدلال پیش کر رہا ہے۔

اَمَّنۡ جَعَلَ الۡاَرۡضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَاۤ اَنۡهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِىَ وَجَعَلَ بَيۡنَ الۡبَحۡرَيۡنِ حَاجِزًا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلۡ اَكۡثَرُهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ؕ﴿۶۱﴾

بھلا کس نے زمین کو قرار گاہ بنایا اور اس کے بیچ نہریں بنائیں اور اُس کے لیے پہاڑ بنائے اور (کس نے) دو دریاؤں کے بیچ اوٹ بنائی (یہ سب کچھ اللہ نے بنایا) تو کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟ (ہرگز نہیں) بلکہ ان میں اکثر عقل و دانش نہیں رکھتے۔ (۶۱)

﴿قَرَارًا﴾ زمین کو جائے قرار بنایا۔ نہ تو اس کی کشش ثقل اتنی زیادہ ہے کہ آدمی زمین میں دھنستا چلا جائے نہ اتنی کم ہے کہ فضا میں لڑکنیاں کھاتا پھرے۔

اَمَّنۡ يُّجِيۡبُ الۡمُضۡطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكۡشِفُ السُّوۡٓءَ وَيَجۡعَلُكُمۡ خُلَفَآءَ الۡاَرۡضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِيۡلًا مَّا تَذَكَّرُوۡنَ ؕ﴿۶۲﴾

Scanned by CamScanner

بھلا کون بے قرار کی التجا قبول کرتا ہے؟ جب وہ اس سے دعا کرتا ہے اور (کون اس کی) تکلیف کو دور کرتا ہے اور (کون) تمہیں زمین میں (اگلوں کا) جانشین بناتا ہے؟ (یہ سب کچھ اللہ کرتا ہے) تو کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟ (ہرگز نہیں مگر) تم بہت کم غور کرتے ہو۔ (۶۲)

﴿ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ ﴾ کسی ضرورت سے مجبور و بے قرار ہونے کو اضطرار کہا جاتا ہے۔ یہ جبھی ہوتا ہے جب اس کا کوئی یار و مددگار اور سہارا نہ رہے۔ اللہ نے مضطر کی دعا قبول کرنے کا ذمہ لیا خواہ وہ مومن ہو یا کافر۔ وجہ یہ ہے کہ دنیا کے سارے سہاروں سے کٹ کر صرف اللہ کو کارساز سمجھ کر دعا کرتا ہے اور یہی سرمایہ اخلاص ہے۔ اللہ کے نزدیک اخلاص کا بڑا درجہ ہے، جس کسی بندے سے بھی پایا جائے۔

﴿ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ﴾ ایک نسل کے بعد دوسری نسل پیدا کرتا ہے ورنہ سب کو ایک ساتھ وجود بخش دیتا تو زمین تنگ دامانی کا شکوہ کرنے لگتی اور اکتساب معیشت میں دشواریاں ہوتیں، سب ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچنے میں مشغول رہتے۔

کرۂ ارض پر پانچ سو میل کی بلندی تک ہوا کا ایک کثیف رداچڑھا دیا گیا ہے جو شہابوں کی خوفناک بمباری سے اسے بچائے ہوئے ہے، ورنہ روزانہ دو کروڑ شہابے جو ۳۰ میل فی سکنڈ کی رفتار سے زمین کی طرف گرتے ہیں اس سے وہ تباہی ہوتی کہ کوئی جاندار اور درخت جیتا نہ بچتا۔

اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۳﴾

بھلا کون تمہیں جنگل اور دریا کے اندھیروں میں راستہ بتاتا ہے اور (کون) ہواؤں کو اپنی رحمت کے آگے خوشخبری بنا کر بھیجتا ہے (یہ سب کچھ اللہ کرتا ہے) تو کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟ (ہرگز نہیں) یہ لوگ جو شرک کرتے ہیں اللہ (کی شان) اس سے بلند ہے۔ (۶۳)

﴿ اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ... الخ ﴾ موجودہ زمانے میں Navigation کے کام میں ان سے رہنمائی حاصل کی جاتی ہے۔

اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۶۴﴾

بھلا کون خلقت کو پہلی بار پیدا کرتا ہے پھر اُس کو بار بار پیدا کرتا رہتا ہے اور (کون) تمہیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے (یہ سب کچھ اللہ کرتا ہے) تو کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟ (ہرگز

Scanned by CamScanner

نہیں) کہہ دو کہ (مشرکو!) اگر تم سچے ہو تو دلیل پیش کرو۔(۶۴)

﴿ اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ﴾ ابداءِ خلق کے ایک بدیہی نتیجہ کو ظاہر فرمایا کہ جب وہی ہر چیز کا آغاز فرماتا ہے تو وہ اس کا اعادہ بھی کرسکتا ہے۔

﴿ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ﴾ یہ ساری چیزیں جو مذکور ہوئیں ان کا کوئی فاعل ماننا تو ناگزیر ہے۔ کسی فاعل کے بغیر یہ وجود میں نہیں آئیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایک اللہ کا وجود تو برہانِ قطعی سے ثابت ہے اور اگر تم دعویٰ کرتے ہو کہ اس کے سوا اور معبود بھی ہیں تو ان کے ثبوت میں دلیل پیش کرنا تمہاری ذمہ داری ہے۔

﴿ اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ... الخ ﴾ ہر سائنسی تجربہ گاہ میں بے جان چیز سے جاندار پیدا کرنے کی ساری کوششیں اب تک ناکام ہو چکی ہیں۔ زیادہ سے زیادہ جو چیز معلوم کی جاسکی ہے وہ صرف وہ مادہ ہے جسے اصطلاح میں D.N.A. کہا جاتا ہے۔ یہ مادہ زندہ خلیوں میں پایا جاتا ہے۔ یہ جوہرِ حیات تو ہے مگر خود جاندار نہیں ہے۔ زندگی اب بھی ایک رازِ سربستہ ہے۔ جس کی کوئی علمی توجیہ اب تک نہیں ہوسکی۔

﴿ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ...الخ ﴾ اس بات پر دلیل لاؤ کہ ان کاموں میں واقعی کوئی اللہ کا شریک ہے اور اگر نہیں ہے تو کسی معقول دلیل سے یہ بات سمجھا دو کہ یہ سارے کام تو ہوں صرف اللہ کے، اور بندگی کا حق پہونچے کسی اور کو یعنی جو اللہ کو نہیں مانتا وہ ان سوالوں کا اطمینان بخش جواب دے۔ اور اگر مانتا ہے لیکن دوسرے معبودوں کو شریک کرتا ہے تو ان معبودوں کے حق میں دلیل پیش کرے۔ دلیل کی ذمہ داری بہرحال منکرین و مشرکین پر ہے۔

پانچ سوالات ہیں اور ہر سوال کے آخر میں الگ تبصرہ ہے:

(۱) ﴿ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ﴾ مشرک راہِ حق عدول کئے ہوئے ہے۔

(۲) ﴿ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ علم سے جاہل ہے۔

(۳) ﴿ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴾ سمجھاتے رہو۔

(۴) ﴿ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴾ ان کی منطقی اور بے ہودہ مثالوں سے اللہ پاک ہے۔

(۵) ﴿ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴾ آخری تبصرہ کہ اگر واقعی تم اپنے شرک پر مصر ہو اور اس کی حمایت کرتے ہو تو کوئی برہان لے آؤ۔

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴿۶۵﴾

کہہ دو کہ جو لوگ آسمانوں اور زمین میں ہیں اللہ کے سوا غیب کی باتیں نہیں جانتے اور نہ یہ جانتے ہیں کہ کب (زندہ کرکے) اٹھائے جائیں گے؟(۶۵)

Scanned by CamScanner

الوہیت اور علم غیب کے درمیان ایک گہرا تعلق ہے، جو ہستی سب کچھ جانتی ہو، ہر ایک کی مدد کو پہونچنا اسی کا کام ہو سکتا ہے۔

بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ﴿۶۶﴾

بلکہ آخرت (کے بارے) میں اُن کا علم منتہی ہو چکا ہے بلکہ وہ اس سے شک میں ہیں بلکہ اس سے اندھے ہو رہے ہیں۔(۶۶)

﴿بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ﴾ آخرت کے بارے میں ان کا علم گڈ مڈ ہو گیا ہے۔

آخرت کے باب میں مشرکین ایک ذہنی کشمکش میں مبتلا تھے، بعض لاابالی قسم کے لوگ ضد کے جوش میں اس کا انکار کر بیٹھے تھے لیکن عام حالت ایسی نہیں تھی۔ وہ کہتے تھے بھلا سڑگل جانے کے بعد دوبارہ پیدا کرنا اور ساری دنیا کا حساب لینا کس کے بس کی بات ہے؟ لیکن اس پر ان کا ذہن پوری طرح مطمئن نہ تھا اس لیے وہ یہ بھی کہتے تھے کہ بالفرض مرنے کے بعد جی اٹھنا پڑا تو ہمارے شرکاء اپنی سفارش سے ہمیں بچالیں گے۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ وہ آخرت کے مطلق منکر نہ تھے بلکہ اس تصور آخرت کے منکر تھے جس کو پیغمبر پیش کرتے تھے۔ مثلاً نبی کہتے تھے آخرت میں ایمان، عمل صالح اور رحمت الٰہی کام آئے گی اور وہ لوگ کہتے تھے کہ نسب و حسب اور بزرگوں سے وابستگی نجات کا ذریعہ بن جائے گی۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّاٰبَآؤُنَآ اَئِنَّا لَمُخْرَجُوْنَ ﴿۶۷﴾

اور جو لوگ کافر ہیں کہتے ہیں کہ ہم اور ہمارے باپ دادا مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہم پھر (قبروں سے) نکالے جائیں گے؟(۶۷)

بدن کے اجزاء منتشرہ کا علم اس کے کمال علم کی دلیل ہے اور انہیں جمع کرنا کمال قدرت کی دلیل ہے۔

وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۴﴾ وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۷۵﴾

اور جو باتیں ان کے سینوں میں پوشیدہ ہوتی ہیں اور جو کام وہ ظاہر کرتے ہیں تمہارا رب ان (سب) کو جانتا ہے۔(۷۴) اور آسمانوں اور زمین میں کوئی پوشیدہ چیز نہیں ہے مگر (وہ) کتاب روشن میں (لکھی ہوئی) ہے۔(۷۵)

پھر کمال علم کا اثبات مذکورہ دو آیتوں سے ہوتا ہے جن میں کہا گیا کہ وہ سینوں کے رازوں سے واقف ہے اور کائنات کی کوئی شئی اس کی نگاہوں سے اوجھل نہیں۔

Scanned by CamScanner

إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَقُصُّ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَكْثَرَ الَّذِي هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿٧٦﴾

بیشک یہ قرآن بنی اسرائیل کے سامنے اکثر باتیں جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں بیان کردیتا ہے۔(۷۶)

پھر قرآن کے کلام الٰہی ہونے کی دلیل اس آیت سے دی گئی، یعنی جہاں خود اہل کتاب گرداب اختلاف باہمی، میں غوطے کھارہے اور ترددات گوناگوں اور شکوک وشبہات بوقلموں میں گرفتار ہیں، قرآن رہنمائی کرتا ہے، جو اس کے کلام الٰہی ہونے کی دلیل ہے۔

پھر علامات قیامت بیان کی گئیں۔جس میں ایک علامت دابۃ الارض کا خروج ہے۔

إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِينَ ﴿٨٠﴾

کچھ شک نہیں کہ تم مُردوں کو (بات) نہیں سنا سکتے اور نہ بہروں کو جب کہ وہ پیٹھ پھیر کر پھر جائیں آواز سنا سکتے ہو۔(۸۰)

بہرے کو دیکھو کہ رُودررُو کوئی بات نہیں سن سکتا۔ایسے ہی مرنے کے بعد آدمی نے منھ پھیر لیا تو وہ نہیں سن سکتا۔اس آیت کریمہ میں ﴿إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ﴾ دعویٰ ہے اور ﴿وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ﴾ اسی دعوے کی دلیل ہے۔یعنی اگر میں بہرے کا کان لے لوں تو نہیں سنا سکتے۔جان لے لوں تو کیسے سنا سکتے ہو۔یہ مُردے سنتے نہیں اور بعث بعدالموت کی عقلی دلیل ہے۔اور ساری آسمانی کتابوں سے قیامت کے وقوع کا ثبوت دلیل نقلی ہے۔﴿إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَقُصُّ﴾ سے اسی طرف اشارہ ہے۔کسی خبر کا صحیح ہونا اس بات پر موقوف ہے کہ اس کا مخبر صادق ہو اور آیت میں کہا گیا کہ اس کا مخبر قرآن ہے۔جس کا مخبر صادق ہونا، ناقابل انکار ہے۔یہاں تک کہ وہ مسائل جن میں علماء بنی اسرائیل سخت اختلافات رکھتے تھے،ان مسائل میں قرآن نے محاکمہ کرکے صحیح فیصلوں کی طرف رہنمائی کی ہے۔

وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ أَنَّ النَّاسَ كَانُوا بِآيَاتِنَا لَا يُوقِنُونَ ﴿٨٢﴾

اور جب ان کے بارے میں (عذاب کا) وعدہ پورا ہوگا تو ہم اُن کیلئے زمین میں سے ایک جانور نکالیں گے جو اُن سے بیان کردے گا اس لیے کہ لوگ ہماری آیتوں پر ایمان نہیں لاتے تھے۔(۸۲)

علامتِ قیامت کا ذکر:

عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ أَسِيدٍ الْغِفَارِيِّ، قَالَ: اطَّلَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْنَا وَنَحْنُ نَتَذَاكَرُ، فَقَالَ: »مَا تَذَاكَرُونَ؟« قَالُوا: نَذْكُرُ السَّاعَةَ، قَالَ: "إِنَّهَا لَنْ تَقُومَ حَتَّى تَرَوْنَ قَبْلَهَا عَشْرَ آيَاتٍ - فَذَكَرَ - الدُّخَانَ،

Scanned by CamScanner

وَالدَّجَّالَ، وَالدَّابَّةَ، وَطُلُوعَ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا، وَنُزُولَ عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَيَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ، وَثَلَاثَةَ خُسُوفٍ: خَسْفٌ بِالْمَشْرِقِ، وَخَسْفٌ بِالْمَغْرِبِ، وَخَسْفٌ بِجَزِيرَةِ الْعَرَبِ، وَآخِرُ ذَلِكَ نَارٌ تَخْرُجُ مِنَ الْيَمَنِ، تَطْرُدُ النَّاسَ إِلَى مَحْشَرِهِمْ (مسلم، کتاب الفتن:۲۹۰۱)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب دس نشانیاں (دخان، دجال، دابۃ الارض، مغرب سے سورج کا نکلنا، نزول عیسیٰ، خروج یاجوج وماجوج اور تین جگہ زمین کا دھنسنا۔ ایک مشرق میں، ایک مغرب میں اور ایک جزیرۃ العرب میں۔ اور ایک آگ جو یمن سے نکلے گی۔ جو لوگوں کو میدان حشر تک پہونچا دے گی) ظاہر ہو جائیں تو قیامت آئی سمجھو۔ اس وقت ایمان لانے کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ سورج مغرب سے نکلے گا اور چاشت کے وقت دابۃ الارض نکلے گا۔ یہ جانور آخرت کے وقوع پر حجت اور قرآن و پیغمبر کی صداقت کا کھلا ثبوت ہوگا۔

جو معجزات (مثلاً ھدھد کا کلام کرنا) پر یقین نہیں رکھتے جب قرب قیامت میں یہ جانور ان کے روبرو کھڑا ہوگا اور ان سے بات کرے گا تو اس وقت اس کی کیا توجیہہ کریں گے۔ جس دن دجال نکلے گا وہ دن ایک برس کے برابر ہوگا۔ دوسرا دن مہینے کے برابر، تیسرا دن ہفتہ کے برابر، باقی دن ایسے ہوں گے جیسے ہوا کرتے ہیں۔

وَيُهْلِكُ الْمَسِيحَ الدَّجَّالَ، فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ أَرْبَعِينَ سَنَةً، ثُمَّ يُتَوَفَّى فَيُصَلِّي عَلَيْهِ الْمُسْلِمُونَ

(ابوداؤد، کتاب الملاحم:۴۳۲۴)

عیسیٰ علیہ السلام زمین میں چالیس سال رہیں گے، پھر ان کی وفات ہوگی اور مسلمان ان کی نماز جنازہ پڑھیں گے۔

قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "يَخْرُجُ الدَّجَّالُ فِي أُمَّتِي فَيَمْكُثُ أَرْبَعِينَ - لَا أَدْرِي: أَرْبَعِينَ يَوْمًا أَوْ أَرْبَعِينَ شَهْرًا أَوْ أَرْبَعِينَ عَامًا" (مسلم، کتاب الفتن:۲۹۴۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دجال چالیس دن ٹھہرے گا، چالیس دن یا چالیس مہینے یا چالیس سال، پھر اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام کو نازل فرمائے گا وہ دجال کو ہلاک کریں گے۔ پھر سات سال ایسے گذریں گے کہ ساری دنیا میں امن ہوگا پھر ایسا زمانہ آئے گا کہ اہل ایمان ختم ہو جائیں گے۔ اور اشرار پر قیامت قائم ہوگی۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "تَخْرُجُ الدَّابَّةُ مَعَهَا خَاتَمُ سُلَيْمَانَ وَعَصَا مُوسَى فَتَجْلُو وَجْهَ الْمُؤْمِنِ وَتَخْتِمُ أَنْفَ الْكَافِرِ بِالْخَاتَمِ حَتَّى إِنَّ أَهْلَ الْخُوَانِ لَيَجْتَمِعُونَ فَيَقُولُ: هَاهَا يَا مُؤْمِنُ وَيُقَالُ: هَاهَا يَا كَافِرُ وَيَقُولُ: هَذَا يَا كَافِرُ وَهَذَا يَا مُؤْمِنُ" (ترمذی، ابواب تفسیر القرآن:۳۱۸۷، ضعیف)

"دابۃ الارض" نکلے گا اس کے پاس سلیمان کی انگوٹھی اور موسیٰ کا عصا ہوگا" وغیرہ۔ اس حدیث کو علامہ البانی رحمہ اللہ نے ضعیف کہا ہے۔

قیامت کا علم نہیں دیا گیا۔ مخلوق کو اگر قیامت کا علم نہیں دیا گیا تو اس کا عدم وقوع کیسے لازم آ گیا، یعنی مشرکین وقوع قیامت کی عدم تعیین کو اس کے عدم وقوع کی دلیل بناتے تھے۔

Scanned by CamScanner

وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُكَذِّبُ بِآيَاتِنَا فَهُمْ يُوزَعُونَ ۝

اور جس روز ہم ہر اُمت میں سے اس گروہ کو جمع کریں گے جو ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے تھے تو ان کی جماعت بندی کی جائے گی۔ (۸۳)

حشر ونشر کی کیفیت ﴿وَيَوْمَ نَحْشُرُ...الخ﴾ سے بیان کی گئی۔

حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوا قَالَ أَكَذَّبْتُمْ بِآيَاتِي وَلَمْ تُحِيطُوا بِهَا عِلْمًا أَمَّاذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝

یہاں تک کہ جب (سب) آجائیں گے تو (اللہ) فرمائے گا کہ کیا تم نے میری آیتوں کو جھٹلایا تھا اور تم نے (اپنے) علم سے ان پر احاطہ تو کیا ہی نہ تھا بھلا تم کیا کرتے تھے؟ (۸۴)

﴿أَكَذَّبْتُمْ بِآيَاتِي وَلَمْ تُحِيطُوا بِهَا عِلْمًا﴾ یا تم نے میری آیات کو جھٹلا دیا جب کہ تم نے اسے اچھی طرح نہیں سمجھا۔ اہل بدعت اور مستشرقین اور ان کے عقل پرست شاگردوں کا یہی شیوہ ہے کہ صحیح احادیث کو اپنی سمجھ یا مسلک کے خلاف پا کر رد کر دیتے ہیں اور یا ان کی ایسی تاویل کرتے ہیں جو ان کی تحریف معنوی ہوتی ہے۔

وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ ۚ وَكُلٌّ أَتَوْهُ دَاخِرِينَ ۝

اور جس روز صور پھونکا جائے گا تو جو لوگ آسمانوں میں اور جو زمین میں ہیں سب گھبرا اٹھیں گے مگر وہ جسے اللہ چاہے اور سب اس کے پاس عاجز ہو کر چلے آئیں گے۔ (۸۷)

﴿وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ فَفَزِعَ﴾ کی تفسیر:

پہلا نفخہ تو گھبراہٹ کا ہوگا، دوسرا بے ہوشی اور موت کا، تیسرا جی کر رب العالمین کے دربار میں حاضر ہونے کا۔

وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ۚ صُنْعَ اللَّهِ الَّذِي أَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ إِنَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَفْعَلُونَ ۝

اور تم پہاڑوں کو دیکھتے ہو تو خیال کرتے ہو کہ (اپنی جگہ پر) کھڑے ہیں مگر وہ (اس روز) اس طرح اڑتے پھریں گے جیسے بادل (یہ) اللہ کی کاریگری ہے جس نے ہر چیز کو مضبوط بنایا بیشک وہ تمہارے سب افعال سے باخبر ہے۔ (۸۸)

﴿صُنْعَ اللَّهِ الَّذِي أَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ إِنَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَفْعَلُونَ﴾ یہ پہاڑ جو تجھے جمے ہوئے دکھائی دے

Scanned by CamScanner

رہے ہیں بادلوں کی طرح اڑتے پھریں گے، اب کوئی عقل کا دشمن کہے کہ یہ کیسے ہوگا؟ تو ارشاد ہوا ﴿صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِیْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَیْءٍ﴾ یعنی یہ کام اسی اللہ کا ہوگا جس نے ہر شئے کو مستحکم کیا ہے، وہ انھیں اکھیڑنے کی بھی قوت رکھتا ہے، یعنی پہاڑ بادلوں کی طرح کیسے اڑیں گے؟ اس وہم کا جواب یہ ہے کہ جو ان کو مستحکم کر سکتا ہے، وہ اسے اکھیڑ بھی سکتا ہے۔

اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِیْ حَرَّمَهَا وَلَهٗ كُلُّ شَیْءٍ وَّاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۹۱﴾ وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا یَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ اِنَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ ﴿۹۲﴾

(کہہ دو کہ) مجھے یہی ارشاد ہوا ہے کہ اس شہر (مکہ) کے مالک کی عبادت کروں جس نے اس کو محترم (اور مقامِ ادب) بنایا ہے اور سب چیز اُسی کی ہے اور یہ بھی حکم ہوا ہے کہ اس کا حکم بردار رہوں۔ (۹۱) اور یہ بھی کہ قرآن پڑھا کروں تو جو شخص راہِ راست اختیار کرتا ہے تو اپنے ہی فائدے کیلئے اختیار کرتا ہے اور جو گمراہ رہتا ہے تو کہہ دو کہ میں تو صرف نصیحت کرنے والا ہوں۔ (۹۲)

﴿وَّاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۹۱﴾ وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ...﴾

نبی کو دو اہم چیزوں کا حکم دیا گیا:

(۱) ﴿اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ﴾

(۲) ﴿وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ﴾ اس سے معلوم ہوا کہ تلاوت قرآن دین اسلام کا ایک اہم تقاضا ہے۔ آج ہم نے اسے چھوڑ دیا ہے جو ہماری ذلت وخواری کا بہت بڑا سبب ہے۔ آگے ﴿فَمَنِ اهْتَدٰى﴾ لاکر یہ بتایا گیا کہ ہدایت اسی پر موقوف ہے۔ اس کو چھوڑ کر کوئی قوم ہدایت یاب نہیں ہوسکتی۔

سورۂ نمل کو تین احکام کے بیان پر ختم کیا گیا ہے جن پر آخرت کی کامیابی کا دارومدار ہے:

(۱) اللہ کی عبادت یعنی توحید خالص

(۲) دین اسلام پر استقامت

(۳) تلاوت قرآن۔

❀❀❀

Scanned by CamScanner

نکاتِ سورۂ نمل

﴿وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ﴾ الیقین، العلم الذی لا یتطرّق إلیہ الاحتمال: یقین وہ علم ہے جس میں احتمال راہ نہ پائے یہ علم کا اعلیٰ درجہ ہے اور یہ استدلال سے ہوتا ہے، گویا الیقین: "العلم بالاشیاء عن طریق الاستدلال" اشیاء کو استدلال کے طریقے سے جان لینے کا نام "یقین" ہے۔

﴿وَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ﴾

آخرت میں لوگوں کی تین قسمیں ہوں گی:

(۱) رابحون

(۲) خاسرون

(۳) اخسرون

(۱) رابحون: جو مستحق عذاب نہیں ہوئے خواہ توبہ کی وجہ سے، یا مصائب کی وجہ سے، یا بڑے بڑے اعمال صالحہ کی وجہ سے۔

(۲) خاسرون: صاحب المعاصی من المومنین (مؤمنین گناہ گار) جن سے گناہوں کا صدور ہوا اور انہیں سزا دی گئی۔

(۳) اخسرون: جن کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ یہ کفار و مشرکین ہیں۔

﴿مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ﴾ آپ دیکھیں گے کہ حکیم کبھی علیم کے ساتھ اور کبھی عزیز کے ساتھ آتا ہے، اس میں حکمت یہ ہے کہ کبھی بعض لوگوں پر حکمت مخفی ہوتی ہے اور لوگوں کے اوپر حکمت کا مخفی ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ اللہ کو معلوم نہیں، اللہ حکیم و علیم ہے، وہ چیزوں کو ان کی جگہوں پر رکھتا ہے اگر چہ وہ ہم پر مخفی ہو، تا کہ بندوں کو اطمینان ہو کہ اگر چہ حکمت ہم پر مخفی ہے مگر اللہ کو اس کی حکمت کا علم ہے۔

﴿سَاٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ﴾

انسانوں کی تین قسمیں ہیں:

۱) قسم یُوثق بہ

۲) قسم لا یوثق بہ

۳) قسم محتمل

الموثوق بہ یقبل الذی لا یوثق بہ لا یقبل، والمحتمل یُتوقف حتی یتبین امرہ، با اعتماد کو قبول کیا جاتا ہے، بے اعتماد کو قبول نہیں کیا جاتا، احتمال رکھنے والے کے بارے میں توقف کیا جاتا ہے، یہاں تک کہ اس کا معاملہ واضح ہو جائے۔

Scanned by CamScanner

فسق کی دو قسمیں ہیں: ﴿قَوْمًا فٰسِقِيْنَ﴾

(۱) فسق اکبر: وھو الخروج عن مطلق الطاعة، مطلق اطاعت سے نکلنا فسق اکبر ہے۔

(۲) فسق اصغر: وھو الخروج عن الطاعة المطلقة، اطاعت مطلقہ سے نکلنا فسق اصغر ہے۔

ان مطلق الشئی معناہ وجود ای جزء منہ مطلق شئے کا مطلب اس کے کسی بھی جز کا پایا جانا ہے۔

والشئی المطلق الکامل اور شئے مطلق کامل ہوتی ہے۔

جب کہا جائے کہ یہ طاعۃ مطلقہ سے خارج ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ اس کے پاس اطاعت تو ہے مگر کامل اطاعت نہیں ہے، طاعۃ مطلقہ میں، طاعت کے تمام افراد شامل ہوتے ہیں یعنی وہ ہر معاملے میں اطاعت کرتا ہے اور مطلق الطاعۃ کا مطلب ہے لیس عندھم طاعة ان کے پاس اطاعت ہے ہی نہیں، خلاصہ یہ نکلا "فالفسق المطلق ھو الکفر ومطلق الفسق ھو العصیان من المومنین" اگر طاعت سے مکمل خروج ہے تو فسق مطلق ہے اور اگر بعض خروج ہے تو مطلق فسق ہے۔

﴿وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا﴾ "جحد" کے معنی انکار کے ہیں مگر جب وہ باء کے ساتھ متعدی ہو تو تکذیب کے معنی میں آتا ہے۔

﴿اِسْتَيْقَنَتْهَا﴾ "استیقان" تیقن سے زیادہ بلیغ ہے کیوں کہ استیقان میں سین کی زیادتی ہے اور قاعدہ ہے "زیادۃ المبانی تدل علی زیادۃ المعانی" (حروف کی زیادتی معنی کی زیادتی پر دلالت کرتی ہے) مطلب یہ ہوا کہ انھیں ایسا کامل یقین تھا جس میں کوئی شک ہی نہ تھا اس کے باوجود انھوں نے انکار کر دیا۔

﴿ظُلْمًا وَّعُلُوًّا﴾ موسیٰ علیہ السلام اور اپنے اوپر ظلم اور موسیٰ جو کچھ لائے اس سے خود کو بلند سمجھنا۔

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ "تحدث بنعمة الله غیر مفتخر بها، فانه لا باس بذلك" گر کوئی شخص اللہ کی نعمتوں کو بلا فخر بیان کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

﴿فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا﴾ الفرق بین التبسم والضحك والقهقهة۔

ان التبسم ينفتح فيه الفم بدون صوت والضحك يكون بصوت لكن بدون قهقهة والقهقهة هي تكرار الصوت، تبسم میں منہ کھلتا ہے مگر آواز نہیں ہوتی اور ہنسی میں آواز ہوتی ہے لیکن قہقہہ نہیں ہوتا اور قہقہہ میں ہنسی کے ساتھ آواز کی تکرار ہوتی ہے۔

﴿اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ﴾ النعمة تنقسم الى قسمين: إما حصول مطلوب وإما نجاة مرهوب

نعمت کی دو قسمیں ہیں:

(۱) مطلوب کا حصول

(۲) ڈری جانے والی چیز سے نجات۔

Scanned by CamScanner

عمل صالح ہونے کے لیے دو بنیادی شرطیں ہیں: ﴿أَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا﴾

(۱) الاخلاص

(۲) المتابعة، ففی فقد الاخلاص یکون الشرك وفی فقد المتابعة یکون الابتداع،

عمل اگر اخلاص سے خالی ہو تو شرک بن جاتا ہے اور اگر متابعتِ رسول سے خالی ہو تو بدعت بن جاتا ہے۔

﴿قَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَدْخِلْنِي بِرَحْمَتِكَ فِي عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ﴾

کہنے لگے اے پروردگار! مجھے توفیق عطا کر کہ جو احسان تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کیے ہیں ان کا شکر کروں اور ایسے نیک کام کروں کہ تو ان سے خوش ہو جائے اور مجھے اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں داخل فرما۔

اتنی بڑی حکومت پا کر بھی سلیمان علیہ السلام غرور میں مبتلا نہیں ہوئے جو اس دعا سے ظاہر ہے۔

﴿تَرْضَاهُ﴾ یحصل منه اعجاب فی عمله، هذا الإعجاب یمنع من رضا الله، انسان اپنے عمل کے بارے میں خود پسندی میں مبتلا ہو جائے تو یہ خود پسندی اللہ کی خوشنودی سے روک دیتی ہے۔

غیر عمل صالح کا کوئی فائدہ نہیں بلکہ وہ دو چیزوں کے درمیان دائر ہے، یا اثم یا فقط سلامة۔ اگر وہ علم سے صادر ہو تو "اثم" ہے اور اگر جہالت سے صادر ہو تو انسان "سالم" ہے لیکن اس میں کوئی فائدہ نہیں، جیسے کسی شخص نے بے وضو نماز پڑھی، اگر جان بوجھ کر ایسا کیا تو آثم (گنہ گار) ہے اور جہالت میں کیا تو لوٹانے کا مطالبہ کیا جائے گا، نیز نعمت کا شکریہ بھی نعمت ہے۔

﴿فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيدٍ﴾ سلیمان علیہ السلام کے لشکر کا ہر کوئی فرد اپنے کاموں میں تاخیر نہیں کرتا تھا۔

﴿أَتُمِدُّونَنِ بِمَالٍ﴾ اگر ضرورت اور مصلحت ہو تو بات میں سختی کی اجازت ہے۔

﴿وَلَنُخْرِجَنَّهُم مِّنْهَا أَذِلَّةً﴾

ذلت اور صغار میں فرق:

الذلة: الذل فی النفس والصغار فی البدن فیکون مستسلمًا ظاهرًا وباطنًا

ذلت کا تعلق نفس سے ہے اور صغار کا تعلق بدن سے ہے، گویا وہ ظاہر اور باطن دونوں میں ذلیل ہیں۔

﴿إِنَّهَا كَانَتْ مِن قَوْمٍ كَافِرِينَ﴾ التحذیر من مصاحبة الاشرار، اس میں خراب لوگوں کی صحبت سے ڈرایا گیا ہے۔

﴿قِيلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ﴾ اگر ملکۂ سبا بزدل ہوتی تو محل میں بالکل داخل نہ ہوتی اور اگر بیوقوف ہوتی تو پائنچے نیچے کرتے ہوئے داخل ہوتی، اس سے ثابت ہوا کہ وہ عقلمند بھی تھی اور بہادر بھی تھی۔

﴿صَرْحٌ﴾ بلند عمارت (البناء العالی) کو کہتے ہیں لیکن اس کا اطلاق سطح پر ہوتا ہے اگر چہ وہ اونچی نہ ہو۔

﴿مُمَرَّدٌ﴾ ای مُمَلَّس (چکنا)

Scanned by CamScanner

﴿ قَوَارِيْرَ ﴾ ای زجاج (شیشہ)

شفاف اور سفید شیشے کی سطح جس کے نیچے پانی بہہ رہا تھا۔

﴿ قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ ملکہ پکار اٹھی، اے میرے رب! میں اپنی جان پر ظلم کرتی رہی ہوں، اور اب میں نے سلیمان کے ساتھ اپنے آپ کو اللہ رب العالمین کے حوالہ کیا، اس سے معلوم ہوا کہ ملکہ سبا ایمان لے آئی تھی اس پر لفظ ''مع'' دلالت کرتا ہے، یہ لفظ مصاحبت کے لیے آتا ہے، یعنی وہ سلیمان علیہ السلام کے ان ساتھیوں میں سے ہوگئی جو ان پر ایمان لائے تھے، نیز ﴿ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ ﴾ سے بھی یہ بات مترشح ہے۔

﴿ قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ ﴾ وہ کہنے لگے کہ تم سب مل کر اس بات پر اللہ کی قسم کھالو کہ ہم صالح کو اور اس کے گھر والوں کو راتوں رات ایسی حالت میں قتل کر دیں گے کہ انہیں اس کا دھیان بھی نہیں ہوگا، التبییت اغتیال، هو القتل علی غرة، ''تبییت'' کا معنیٰ اغتیال ہے اور اغتیال کا معنیٰ ''گھات لگا کر قتل کرنا'' ہے۔

صفات الٰہیہ تین قسم کی ہیں:

(۱) صفات حسنیٰ بکل حال جیسے سمع، بصر، علم، حیات اور قدرت وغیرہ۔

(۲) صفات نقص بکل حال جیسے ظلم، جہل، موت اور مرض وغیرہ۔

(۳) صفات ذات: وجهين تكون مدحا في حال وتكون ذما في حال، فهذه لا يوصف الله بها على الاطلاق ولا تنفى على الاطلاق، مثل المكر والخداع والاستهزاء والسخرية، هذه لا يوصف الله بها على كل حال، ولا تنفى عنه بكل حال، بل يوصف بها حيث يكون كمالا وتنفى عنه حيث تكون نقصا۔

دو پہلوؤں والی صفات جو ایک حال میں مدح (تعریف) اور ایک حال میں ذم (برائی) ہوتی ہے۔ یہ اللہ پر مطلق نہیں بولی جائے گی اور نہ اللہ سے اس کی مطلق نفی کی جائے گی۔ بلکہ تقیید (قید لگا کر) کے ساتھ بولا جائے گا جیسے کہا جائے ماکر باعدائه أو بمن يستحق المكر یعنی وہ اپنے دشمنوں کے ساتھ مکر کرنے والا ہے یا اس کے ساتھ مکر کرنے والا ہے جو مکر کا مستحق ہے۔

﴿ وَاَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴾ ایمان اور تقویٰ سبب نجات ہیں۔

﴿ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ﴾ یہ شہوت فطرت کے تقاضے کی وجہ سے نہیں بلکہ جہالت کی وجہ سے صادر ہو رہی تھی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ سب عورتوں کے منزلے میں ہو گئے۔ کوئی مرد نہ رہا۔ نیز بدی کی قباحت اس وقت دو چند ہو جاتی ہے جب اس کا کوئی اچھا بدل موجود ہو۔

﴿ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ۚ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴾ اس آیت میں ڈانٹ اور ملامت دونوں موجود ہیں، یہ جہالت اور حماقت ہی تو ہے کہ آدمی محل طاہر (پاک جگہ) کو چھوڑ کر محل خبث (گندگی کی جگہ) استعمال کرے، نیز ﴿ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴾ جملہ اسمیہ ہے جو ثبوت واستمرار پر دلالت کرتا ہے، یہ بتاتا ہے کہ یہ صرف بیوقوفی اور جہالت ہی نہیں، بہت بڑی بیوقوفی اور بہت بڑی جہالت تھی، جس میں یہ مسلسل مبتلا تھے۔

Scanned by CamScanner

﴿اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ﴾ انہوں نے اس منکر کومعروف سمجھ لیا تھااور اس فاحشہ (بدکاری) کو ہلکا سمجھ لیا تھا۔

﴿فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ؗ قَدَّرْنٰهَا مِنَ الْغٰبِرِيْنَ﴾ بیوی ''اہل'' میں سے ہےاور یہ بھی معلوم ہوا کہ جو ہلاک کے اسباب کو اختیار کرے گا وہ ہلاک ہو جائے گا، اگر چہ وہ نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرتا ہو۔

﴿وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ﴾ سُوْء، سوء حسی اور معنوی دونوں کو شامل ہے، سوء حسّی جیسے فقر اور مرض وغیرہ اور سوء معنوی جیسے جہالت اور خباثت وغیرہ، یہ بھی معلوم ہوا ''الدعاء من اسباب رفع البلاء'' کہ دعاؤں سے بلائیں پسپا ہوتی ہیں۔

﴿اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ﴾ مضطر (لاچار) کی دعا قبول ہوتی ہے خواہ وہ مومن ہو یا کافر ہو کیونکہ مضطر عام ہے، یہاں مومن کی قید نہیں لگائی گئی ہے اور مضطر کی دعا کی قبولیت کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ دعا کرے، اگر دعا نہ کرے تو اللہ کبھی اس کی تکلیف دور کرتا ہے کبھی نہیں کرتا ہے۔

﴿وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ . بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ ۚ بَلْ هُمْ فِىْ شَكٍّ مِّنْهَا بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ﴾

یہاں چار مراتب ذکر کیے گئے ہیں:

(۱) نفی الشعور

(۲) ضعف العلم

(۳) شک

(۴) عمی

(۱) نفی الشعور یعنی انہیں شعور نہیں کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے۔ یہ ﴿وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ﴾ سے معلوم ہوا۔

(۲) آخرت کے باب میں ان کا علم انتہائی کمزور ہے۔ یہ ﴿بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ﴾ سے ظاہر ہے کیوں کہ اٰدّٰرَكَ (گم ہو گیا، نیست ہو گیا) بمعنی ''هَلَكَ'' ہے یعنی اس بارے میں ان کا علم تباہ یا ضعیف ہے۔

(۳) وہ شک میں پڑے ہوئے ہیں کہ آیا آخرت ہے یا نہیں ہے۔ یہ ﴿بَلْ هُمْ فِىْ شَكٍّ﴾ سے ظاہر ہے۔

(۴) ان کی بصیرت اندھی ہو چکی ہے، انھیں آخرت کا یقین تھا مگر اس کے باوجود انھوں نے تکذیب کی تو ان کی بصیرت اندھی بنا دی گئی، کیونکہ جو شخص حق کا ارادہ نہیں کرتا تو اسے حق سے محروم کر دیا جاتا ہے، پھر حق اس کے لیے واضح نہیں ہوتا، یہ ﴿بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ﴾ (بلکہ وہ آخرت سے اندھے ہیں) سے ظاہر ہے۔

﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّاٰبَآؤُنَآ اَئِنَّا لَمُخْرَجُوْنَ﴾ منکرین آخرت کا وہی پرانا اور گھسا پٹا شبہ ذکر کیا گیا کہ اگر مرنے کے بعد کوئی زندگی ہے تو ہمارے آباء کو زندہ کر کے دکھاؤ۔ جواب یہ ہے کہ لوگوں کو زندہ کر کے اٹھانے کا وعدہ قیامت کے دن کیا گیا ہے۔ یہ وعدہ نہیں کیا گیا ہے کہ انھیں آج زندہ کیا جائے گا۔

Scanned by CamScanner

﴿إِنْ هٰذَآ إِلَّآ أَسَاطِيْرُ الْأَوَّلِيْنَ﴾ (یہ پہلے لوگوں کی فرضی کہانیاں ہیں) اساطیر: "عبارۃ عن کلام لا اصل لہ وغالبھا اکاذیب"، اساطیر، اسطورۃ کی جمع ہے اور اسطورۃ ایسی بات کو کہتے ہیں جو بے اصل ہے اور اس کا زیادہ تر حصہ جھوٹ پر مشتمل ہوتو کافروں نے حق کو جھٹلایا ہی نہیں بلکہ عیب بھی لگایا، یہ اساطیر (فرضی کہانیاں) ہیں۔

﴿قُلْ عَسٰى أَنْ يَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ تَسْتَعْجِلُوْنَ﴾ جس عذاب کے بارے میں تم جلدی کر رہے ہو اس کا بعض حصہ تم تک آپہونچا ہے، عدل کا تقاضہ تو یہ ہے کہ مجرم کو ارتکاب جرم کے وقت ہی پکڑ لیا جائے مگر اسے ڈھیل دیا جانا یہ اللہ کا فضل ہے۔

عن ابن عباس قَالَ: عَسَى مِنَ اللّٰهِ وَاجِبٌ (تفسیر ابن ابی حاتم) ابن عباس نے کہا کہ اللہ کے کلام میں عسیٰ وجوب کے لیے آتا ہے۔

معاملہ تین طرح کا ہوتا ہے: ﴿وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ﴾

(۱) عدل

(۲) فضل

(۳) جور (ظلم)

اللہ اپنے بندوں کے ساتھ عدل اور فضل کا معاملہ کرتا ہے اور ظلم اس کے حق میں ممتنع (محال) ہے۔

﴿فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۖ إِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ﴾ توکل، نصف دین ہے۔

﴿فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ﴾ اور دین نام ہے عبادت اور توکل کا۔ اور توکل نام ہے اعتماد اور ثقہ کا، یعنی کسی پر اسے ثقہ سمجھتے ہوئے بھروسہ کرنا جیسے آپ کسی انسان پر اعتماد کرتے ہیں کہ وہ آپ کے لیے کوئی چیز خریدے لیکن آپ اسے ثقہ نہیں سمجھتے اور کبھی آپ کسی کو ثقہ سمجھتے ہیں مگر اس کی کمزوری کی وجہ سے اس پر اعتماد نہیں کرتے، متوکل انسان اسباب نافعہ اختیار کرتا ہے مگر وہ اسباب جو نافع نہیں ہیں ان کا اختیار کرنا ایک قسم کا شرک ہے، پس جس شخص نے ایسا سبب اختیار کیا جو نافع نہیں یعنی ما دل علی نفعہ الحس ولا الشرع یعنی جس کے نفع پر حس اور شرع دلالت نہ کریں، اس نے ایک قسم کا شرک کیا اور اس کے شرک ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس نے اس چیز کو سبب بنایا جس کو اللہ نے سبب نہیں بنایا، تو اس کی تقدیر میں اللہ کا شریک بن گیا کیوں کہ اسباب کو سبب بنانے والا اللہ ہے تو آپ کہیں کہ یہ سبب ہے اور وہ سبب نہیں ہے تو آپ نے اللہ کے ساتھ شرک کیا۔

اسباب حقیقیہ پر اعتماد کرنا جائز ہے لیکن اس اعتقاد کے ساتھ کہ وہ سبب ہے، مستقل نہیں ہے، پتہ چلا کہ توکل اسباب کے منافی نہیں شرط یہ ہے کہ اسباب کو مستقل بالذات موثر نہ سمجھے۔

﴿إِنْ تُسْمِعُ إِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ ایمان اسلام کو مستلزم ہے لیکن اسلام ایمان کو مستلزم نہیں ایسا ہوتا ہے کہ ایک آدمی مسلم ہوتا ہے مگر مومن نہیں ہوتا، یہی وجہ ہے کہ ایک آدمی کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے

Scanned by CamScanner

پاس کہا گیا کہ وہ مومن ہے تو آپ نے فرمایا کہ وہ مسلم ہے۔

عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَسَمَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَسْمًا، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، أَعْطِ فُلَانًا فَإِنَّهُ مُؤْمِنٌ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَوْ مُسْلِمٌ" أَقُولُهَا ثَلَاثًا، وَيُرَدِّدُهَا عَلَيَّ ثَلَاثًا "أَوْ مُسْلِمٌ"، ثُمَّ قَالَ: "إِنِّي لَأُعْطِي الرَّجُلَ، وَغَيْرُهُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْهُ، مَخَافَةَ أَنْ يَكُبَّهُ اللّٰهُ فِي النَّارِ" (مسلم، کتاب الإیمان:١٥٠)

مسلمان آج تین قسم کے ہیں:

(١) مستسلم

(٢) مسلم

(٣) مومن۔

ان میں مومن سب سے کم ہیں، مستسلم کی تعداد دنیا میں بہت زیادہ ہے۔ مستسلم وہ ہے جس کے "بطاقۃ الھویۃ" (آئیڈینٹٹی کارڈ) پر مسلم لکھا ہوتا ہے جنہیں اوقات صلوٰۃ اور طریقۂ نماز تک کا علم نہیں ہوتا۔

مسلم غیر المومن: یہ مسلمان تو ہیں مگر مومن نہیں ہیں کیونکہ وہ اعمال واخلاق جو ایمان کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں وہ ان میں مفقود ہوتے ہیں۔

سوال: مستسلم اور منافق کے درمیان کیا فرق ہے؟

جواب: مستسلم کے پاس ایمان ہوتا ہے مگر منافق کے پاس ایمان نہیں ہوتا۔ مستسلم شرعاً مسلم ہے وہ جنت میں جائے گا مگر چونکہ وہ گنہ گار ہے اس لیے یا تو اسے عذاب دیا جائے گا یا معاف کر دیا جائے گا۔

﴿وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ﴾ صور ایک بُوق یعنی بگل ہوگا یا ایک قرن عظیم (بڑی سینگ) ہوگا جس کا اندازہ اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں اور یہ صور اسرافیل پھونکیں گے۔ اسرافیل حملۃ العرش میں سے ایک ہیں۔ یہ ان تین فرشتوں میں سے ایک ہیں جن کا نام اس دعا میں ہے جس سے نبی کریم ﷺ صلاۃ اللیل کا آغاز کرتے تھے۔

عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اللَّهُمَّ رَبَّ جِبْرَائِيلَ وَمِيكَائِيلَ، وَرَبَّ إِسْرَافِيلَ، أَعُوذُ بِكَ مِنْ حَرِّ النَّارِ، وَمِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ: (نسائی، کتاب الإستعاذۃ:٥٥١٩، صحیح)

اس دعا میں حکمت یہ ہے کہ ان تینوں فرشتوں میں سے ہر ایک حیات پر مقرر ہے۔ جبرئیل علیہ السلام وحی پر مقرر ہیں جو دلوں کی حیات ہے۔ میکائیل بارش پر مقرر ہیں جس سے زمین کی حیات ہے۔ اور اسرافیل صور پر مقرر ہیں جس سے جسموں کی حیات ہوگی۔ اور صلاۃ اللیل میں اس دعا سے افتتاح کی مناسبت ظاہر ہے کیونکہ انسان اپنی موت کے بعد اٹھایا جاتا ہے یا اپنی نیند سے اٹھایا جاتا ہے۔

Scanned by CamScanner

نفخہ کی قسمیں:

بعض لوگوں کے نزدیک تین نفخے ہیں بعض کے نزدیک دو نفخے ہیں جن لوگوں کے نزدیک تین نفخے ہیں:

(۱) نفخۂ فزع۔

(۲) نفخۂ صعق۔

(۳) نفخۂ بعث۔

اور جن لوگوں کے نزدیک دو ہی نفخے ہیں وہ نفخہ فزع اور نفخہ صعق کو ایک مانتے ہیں کہ پہلا صور جب پھونکا جائے گا تو پہلے لوگ گھبرا جائیں گے پھر مر جائیں گے اور دوسرا صور جب پھونکا جائے گا تو زندہ ہو کر رب کی بارگاہ میں کھڑے ہوں گے۔ اور ان دو نفخوں کے درمیان چالیس کا فاصلہ ہوگا ابو ہریرہ نے چالیس سنا مگر یہ چالیس دن ہے یا سال ہے یا مہینہ ہے وہ نہیں جان سکے۔

پہلے نفخے کے بعد اللہ آسمان سے بارش نازل کرے گا، گویا شبنم ہو پھر اس پانی سے اجسام اُگیں گے اور جب آخری صور پھونکا جائے گا تو ارواح نکل کر اپنے جسموں میں لوٹ جائیں گی، پھر اس کے بعد لوگ قبروں سے نکلیں گے ﴿يَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا﴾ زمین پھٹے گی پھر نکلیں گے اور یہ قیاس کے مطابق بھی ہے کہ انسان ماں کے پیٹ میں پہلے جمع ہوتا ہے پھر زندہ ہوتا ہے پھر نکلتا ہے اور زمین انسان کے لیے ماں کے پیٹ کی طرح ہے۔

﴿صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ﴾ یہ اللہ کی کاری گری ہے جس نے ہر چیز کو ٹھیک طرح بنایا ہے۔

"لاإتقان الا بعلم وحكمة، والخبرة أخص من العلم المطلق- والخبير:العالم ببواطن الامور- الخبير وهوالمزارع الذی یدفن الحب فی الارض فیخفی" اور کاریگری بغیر علم اور حکمت کے نہیں ہوسکتی۔ اور خبرۃ (خبر رکھنا) علم مطلق سے خاص ہے۔ اور خبیر اس کو کہتے ہیں جو چھپی ہوئی چیزوں کا جاننے والا ہو۔ اور جب وہ بواطن (چھپی ہوئی چیزیں) کا علم ہوگا تو وہ ظواہر (ظاہر چیزیں) کا بھی عالم ہوگا۔ اور اسی سے خبیر کسان کو بھی کہتے ہیں جو دانے کو زمین میں دفن کرتا ہے اور دانہ چھپ جاتا ہے۔

﴿وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَىِٕذٍ اٰمِنُوْنَ﴾ "الفزع بمعنى الخوف ولكنه ليس مجرّد خوف بل خوف بقلق و حركة واضطراب"۔ فزع کے معنی خوف کے ہیں۔ لیکن صرف خوف ہی نہیں بلکہ اس کے مفہوم میں ایسا خوف داخل ہے جس کے اندر الجھن، حرکت اور بے چینی ہو۔

نیکی کرنے والے اس فزع سے مامون رہیں گے۔

﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ﴾ "من فعل الحسنة" نہیں کہا بلکہ ﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ﴾ کہا، کیونکہ انسان دنیا میں نیکی کرتا ہے لیکن اس کو لا نہیں سکتا، کیونکہ کچھ ایسی چیزوں کے پائے جانے کی وجہ سے وہ نیکی ساقط اور زائل ہو جاتی ہے۔

Scanned by CamScanner

﴿هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِیْ حَرَّمَهَا﴾ "العقل یحسّن ویُقبح ولا یوجب ویحرّم" عقل کسی چیز کو اچھا یا برا کہتی ہے مگر حلال وحرام نہیں کر سکتی۔ اللہ ہی کی ہر چیز ہے وہی حلال کرتا ہے اور وہی حرام کرتا ہے۔ "حَرَم بمعنی انها محترمة وحرام بمعنی انها مُحَرّمة" حرم کے معنی محترم اور حرام کے معنی کہ وہاں کوئی داخل ہو تو احرام کے ساتھ داخل ہو۔

تلاوت کی دو قسمیں ہیں: ﴿وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ﴾

(۱) تلاوت لفظیہ

(۲) تلاوت معنویہ۔

تلاوت لفظیہ قرآن کا پڑھنا ہے اور تلاوت معنویہ اس پر عمل کرنا ہے۔ بالفاظ دیگر "تلاوت قرأت" اور "تلاوت اتباع" کہہ سکتے ہیں۔

﴿وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾ اللہ غافل نہیں ہے۔ یہ صفات سلبیہ میں سے ایک صفت ہے اور صفات سلبیہ دو چیزوں کو متضمن ہوتی ہیں۔ "نفی الصفة المذکورة واثبات کمال ضدها": (ذکر کی ہوئی صفت کی نفی اور اس کی ضد کے کمال کا اثبات) تو اللہ اپنے کمال علم اور کمال مراقبة (نگرانی) کی وجہ سے غافل نہیں یعنی وہ کامل العلم اور کامل المراقبة ہے۔

❀❀❀

سورۃ القصص (مکیۃ)

اَحۡسَنُ الۡقَصَصِ اور قَصَصٌ میں ایک خوبصورت مناسبت:

سورۂ یوسف جس طرح سے احسن القصص ہے اسی طرح یہ سورۂ کریمہ قصص ہے۔ وہاں ایک ہی جگہ یوسف علیہ السلام کا پورا واقعہ بیان ہوا اور یہاں موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے لے کر ان کی زندگی کے آخری حالات تک تمام تفصیلات بیان کی گئیں۔ لہٰذا دونوں سورتوں میں ایک خوبصورت مناسبت ہے وہ احسن القصص ہے اور یہ قصص ہے۔

اِنَّ فِرۡعَوۡنَ عَلَا فِی الۡاَرۡضِ وَجَعَلَ اَہۡلَہَا شِیَعًا یَّسۡتَضۡعِفُ طَآئِفَۃً مِّنۡہُمۡ یُذَبِّحُ اَبۡنَآءَہُمۡ وَیَسۡتَحۡیٖ نِسَآءَہُمۡ ؕ اِنَّہٗ کَانَ مِنَ الۡمُفۡسِدِیۡنَ ﴿۴﴾

کہ فرعون نے ملک میں سر اٹھا رکھا تھا اور وہاں کے باشندوں کو گروہ گروہ بنا رکھا تھا ان میں سے ایک گروہ کو (یہاں تک) کمزور کر دیا تھا کہ ان کے بیٹوں کو ذبح کر ڈالتا اور اُن کی لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتا بیشک وہ مفسدوں میں سے تھا۔ (۴)

﴿اِنَّ فِرۡعَوۡنَ عَلَا فِی الۡاَرۡضِ﴾ فرعون نے تعصب اور ناروا سیاسی مصلحتوں کی بنا پر باشندگان ملک کو مختلف کلاسیس (درجات) میں تقسیم کر رکھا تھا۔ حکمراں طبقے کے حقوق محفوظ تھے اور دوسرے طبقے کے حقوق اس کے رحم وکرم پر موقوف تھے۔ ان کے ساتھ امتیازی سلوک روا تھا۔ بالفاظ دیگر فرعونی حکومت بدترین فرقہ پرست حکومت تھی۔ Devide and rule (تقسیم کرو اور حکومت کرو) کا فلسفہ غالباً انگریزوں نے اسی سے لیا۔ دنیا میں طبقاتی تقسیم کے نظام کا بانی فرعون تھا۔ انسانی معاشرے میں اونچ نیچ چلی آ رہی تھی۔ اس میں سردار و رئیس بھی ہوتے تھے اور غریب بھی۔ مگر طبقاتی فاصلے زیادہ نہ تھے۔ مگر فرعون وہ پہلا حکمراں تھا جس نے طبقاتی نظام کی بنیاد ڈالی۔ ایک طبقہ اشرافیہ کا قائم ہوا۔ جو محنت کش لوگوں کی کمائی پر پلنے لگا۔ اس نظام کو دوام بخشنے کے لیے غریب طبقے کو سماجی و سیاسی حقوق سے محروم کر دیا گیا۔ بنی اسرائیل میں قارون کی طرح کچھ لوگ تھے جو مصر کے بورژوا سرمایہ دار طبقے کے تلوے چاٹ کر اور ان کی ثقافت اپنا کر اسی طبقے میں شامل ہو گئے۔

Scanned by CamScanner

﴿شِيَعًا﴾ قوم قبط کو معزز مناصب حاصل تھے اور بنی اسرائیل تمام سیاسی وسماجی حقوق سے محروم تھے۔

﴿يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ﴾ کے مقابلے میں ﴿نِسَآءَهُمْ﴾ لایا گیا"بناتھم"نہیں۔اس لیے کہ بچیاں جب جوان ہو جاتی تھیں تو فرعونی انھیں لونڈی بنا لیتے تھے۔اسی لیے بعض مفسرین نے ﴿يَسْتَحْيُوْنَ﴾ کی تفسیر "یسترِقُّون" (لونڈی اور غلام بنالیتے تھے) سے کی ہے۔

﴿يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ﴾ مفسرین نے لکھا ہے کہ ایک سال فرعون بچوں کے قتل کا حکم دیتا تھا اور ایک سال چھوڑ دیتا تھا تا کہ ان کی نسل ختم نہ ہو جائے۔بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ پہلے بچے کو چھوڑ دیتا تھا اس کے بعد جتنے بچے ہوتے تھے انھیں قتل کر دیتا تھا۔

نکتہ فیملی پلاننگ کا موجد:

ہم دو ہمارے دو اور فیملی پلاننگ کا موجد فرعون ہے یعنی آپ ایک ہی بچے کی پرورش کر سکتے ہیں۔

﴿اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ﴾ فساد یہ بھی ہے کہ دو قوموں میں امتیاز کیا جائے۔ایک قوم کو ہر قسم کے مواقع عطا کئے جائیں اور دوسرے کو اس کے جائز حقوق سے بھی یکسر محروم کر دیا جائے۔

وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِى الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿۵﴾

اور ہم چاہتے تھے کہ جو لوگ ملک میں کمزور کر دیئے گئے ہیں ان پر احسان کریں اور ان کو پیشوا بنائیں اور انہیں (ملک کا) وارث کریں۔(۵)

ہم کمزوروں کو امام بنا دیں اور حکومت دیدیں۔اگر وقت کی فرعون صفت حکومت نے اہل ایمان کے کسی گروہ کو مظلوم بنا رکھا ہے تو اللہ کی خاموش تدبیر اس مظلوم اقلیت کو ظالم اکثریت کی سرکوبی کا ذریعہ بنا سکتی ہے۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِى الْيَمِّ وَلَا تَخَافِىْ وَلَا تَحْزَنِىْ ۚ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۷﴾

اور ہم نے موسیٰ کی ماں کی طرف وحی بھیجی کہ اس کو دودھ پلاؤ جب تم کو اس کے بارے میں کچھ خوف پیدا ہو تو اُسے دریا میں ڈال دینا اور نہ تو خوف کرنا اور نہ رنج کرنا ہم اُس کو تمہارے پاس واپس پہنچا دیں گے اور (پھر) اُسے پیغمبر بنا دیں گے۔(۷)

Scanned by CamScanner

اس آیت میں دو چیزوں کا حکم دیا گیا ہے۔

(۱) ﴿ اَرۡضِعِیۡهِ ﴾

(۲) ﴿ فَاَلۡقِیۡهِ ﴾

اور دو چیزوں کی نہی کی گئی ہے:

(۱) ﴿ وَلَا تَخَافِیۡ ﴾

(۲) ﴿ وَلَا تَحۡزَنِیۡ ﴾

اور دو چیزوں کی بشارت ہے:

(۱) ﴿ اِنَّا رَآدُّوۡهُ اِلَیۡكِ ﴾

(۲) ﴿ وَجَاعِلُوۡهُ مِنَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ ﴾

موسیٰ علیہ السلام کی ماں سے یہ کہا گیا کہ اس کو ایک بار دودھ پلا دو پھر دریا کے حوالے کر دو کہ موسیٰ علیہ السلام کی میموری (یادداشت) میں وہی دودھ feed (مطلوبہ معلومات بھرنا) کر دیا اسی وجہ سے جب تک وہی دودھ نہ ملا تب تک موسیٰ علیہ السلام چپ نہ ہوئے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ایک ماں سے اس کے بچے کو جدا کرنا اور وہ بھی اس وقت جب وہ شیر خوار ہو، ماں کے لیے انتہائی مشکل امر ہے۔ اس لیے تسلی دی گئی کہ بچہ واپس مل جائے گا اور سب سے اشرف مقام (مقامِ رسالت) پائے گا۔ اس سے یہ نکتہ عجیبہ حاصل ہوا کہ اللہ جب کسی سے کوئی نعمت چھینتا ہے تو اس سے عظیم نعمت اسے عطا کرتا ہے۔ اللہ نے اپنے تمام نبیوں میں دنیا میں مقام کلیمی کے لیے موسیٰ کو منتخب کیا اور منتخب بھی کیا تو ایسے نبی کو جس کی زبان میں لکنت تھی جو خود شکوہ کرتا تھا کہ ﴿ لَا یَنۡطَلِقُ لِسَانِیۡ ﴾۔ (میری زبان نہیں چلتی ہے)

وَقَالَتۡ لِاُخۡتِهٖ قُصِّیۡهِ ۫ فَبَصُرَتۡ بِهٖ عَنۡ جُنُبٍ وَّهُمۡ لَا یَشۡعُرُوۡنَ ﴿۱۱﴾

اور اس کی بہن سے کہا کہ اس کے پیچھے پیچھے چلی جا تو وہ اُسے دُور سے دیکھتی رہی اور اُن (لوگوں) کو کچھ خبر نہ تھی۔ (۱۱)

﴿ وَقَالَتۡ لِاُخۡتِهٖ قُصِّیۡهِ ﴾ خواہر موسیٰ کا نام، مریم بنت عمران تھا۔ انھوں نے دیکھ لیا کہ ان کا بھائی فرعون کے محل میں پہونچ گیا۔ کوشش بسیار کے بعد کوئی انا دودھ پلانے اور چپ کرانے میں کامیاب نہ ہو سکی۔ یہ منظر وہ خاموشی سے دیکھ رہی تھیں، بول پڑیں کہ میں ایسا گھرانہ نہ بتاؤں جو تمہارے بچے کی پرورش کرے۔ کہا جا اس عورت کو لے آ۔ وہ دوڑی دوڑی گئیں اور ماں کو لے آئیں۔ ماں کا دودھ پی لیا تو فرعون نے والدۂ موسیٰ کو محل میں رہنے کے لیے کہا۔ انھوں نے کہا میں

اپنے خاوند اور بچوں کو چھوڑ کر یہاں نہیں آسکتی۔ بالآخر یہ طے پایا کہ وہ بچے کو ساتھ لے کر گھر جائیں وہیں پرورش کریں۔ اجرت شاہی خزانے سے دی جاتی رہے گی۔ سبحان اللہ! اللہ کی قدرت کے کیا کہنے۔ دودھ پلائیں اپنے بچے کو، تنخواہ لیں بچے کے دشمن (فرعون) سے۔

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰٓى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴﴾

اور جب موسیٰ جوانی کو پہنچے اور بھرپور (جوان) ہو گئے تو ہم نے اُن کو حکمت اور علم عنایت کیا اور ہم نیکوکاروں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔(۱۴)

﴿وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰٓى﴾، ﴿بَلَغَ اَشُدَّهٗ﴾ (اٹھارہ سے تیس سال کی عمر تک) اور ﴿اِسْتَوٰٓى﴾ (تیس سے چالیس تک)

﴿فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى﴾ **نکتہ:** موسیٰ نے قبطی کو گھونسہ مارا پھر نادم ہوئے۔ اور کہا ﴿هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ﴾ عام طور پر شیطان کی صفت عدو مبین بیان کی جاتی ہے۔ یہاں مبین کے ساتھ مضل کا اضافہ ہے اشارہ اس طرف ہے کہ شیطان اتنا خطرناک ہے کہ نبی بھی اس سے نہ بچ سکا۔ اور موسیٰ علیہ السلام پر اس کا داؤ چل گیا۔ تو ہم اور آپ کی کیا حیثیت ہے؟ اس وجہ سے یہاں مضل کا اضافہ کیا گیا کہ ایک تو وہ بہت بڑا دشمن ہے دوسرے بڑا گمراہ کن ہے۔ آیت کریمہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی غیر مسلم کو بھی بلاوجہ مارنا گناہ ہے۔

قَالَ رَبِّ بِمَآ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۷﴾

کہنے لگے کہ اے اللہ! تو نے جو مجھ پر مہربانی فرمائی ہے میں (آئندہ) کبھی گنہگاروں کا مددگار نہ بنوں گا۔(۱۷)

﴿لَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ﴾ مجرموں کی مدد نہیں کرنی چاہئے۔ یہ آیت ہمارے آج کے وکلاء کے لیے لمحۂ فکریہ ہے۔

فَلَمَّآ اَنْ اَرَادَ اَنْ يَّبْطِشَ بِالَّذِىْ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا ۙ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اَتُرِيْدُ اَنْ تَقْتُلَنِىْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًاۢ بِالْاَمْسِ ۖ اِنْ تُرِيْدُ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا فِى الْاَرْضِ وَمَا تُرِيْدُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴿۱۹﴾

جب موسیٰ نے ارادہ کیا کہ اس شخص کو جو ان دونوں کا دشمن تھا پکڑ لیں تو وہ (یعنی موسیٰ کی قوم کا آدمی) بول اٹھا کہ اے موسیٰ! جس طرح تم نے کل ایک شخص کو مار ڈالا تھا (اُسی طرح) چاہتے ہو کہ مجھے بھی مار ڈالو؟ تم تو یہی چاہتے ہو کہ ملک میں ظلم و ستم کرتے پھرو اور یہ نہیں چاہتے کہ نیکوکاروں میں ہو۔(۱۹)

Scanned by CamScanner

﴿اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا فِی الْاَرْضِ وَمَا تُرِیْدُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِیْنَ﴾ جبابرہ کی علامت ناحق قتل کرنا ہے۔

فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا یَّتَرَقَّبُ٘ قَالَ رَبِّ نَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ﴿۲۱﴾

موسیٰ وہاں سے ڈرتے ڈرتے نکل کھڑے ہوئے کہ دیکھیں (کیا ہوتا ہے اور) دعا کرنے لگے کہ اے اللہ! مجھے ظالم لوگوں سے نجات دے۔(۲۱)

﴿خَآئِفًا یَّتَرَقَّبُ﴾ خَآئِفًا کے ساتھ یَتَرَقَّبُ لایا گیا ہے۔ نکتہ یہ ہے کہ موسیٰ ڈرے ہوئے تھے مگر بدحواس نہ تھے، بلکہ چوکنے تھے۔

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْیَنَ قَالَ عَسٰی رَبِّیْٓ اَنْ یَّهْدِیَنِیْ سَوَآءَ السَّبِیْلِ﴿۲۲﴾

اور جب مدین کی طرف رُخ کیا تو کہنے لگے کہ امید ہے کہ میرا رب مجھے سیدھا رستہ بتائے۔(۲۲)

﴿وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْیَنَ﴾ مدین، خلیج عقبہ کے ساحل پر مصر سے آٹھ دن کے مسافت پر تھا۔ یہ شہر فرعون کی سلطنت سے باہر تھا۔

وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْیَنَ وَجَدَ عَلَیْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ یَسْقُوْنَ٘ وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَیْنِ تَذُوْدٰنِ٘ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا٘ قَالَتَا لَا نَسْقِیْ حَتّٰی یُصْدِرَ الرِّعَآءُ٘ وَاَبُوْنَا شَیْخٌ كَبِیْرٌ﴿۲۳﴾

اور جب مدین کے پانی (کے مقام) پر پہنچے تو دیکھا کہ وہاں لوگ جمع ہو رہے ہیں (اور اپنے چوپایوں کو) پانی پلا رہے ہیں اور ان کے ایک طرف دو عورتیں (اپنی بکریوں کو) روکے کھڑی ہیں موسیٰ نے (ان سے) کہا تمہارا کیا کام ہے؟ وہ بولیں کہ جب تک چرواہے (اپنے چوپایوں کو) لے نہ جائیں ہم پانی نہیں پلا سکتے اور ہمارے والد بڑی عمر کے بوڑھے ہیں۔(۲۳)

﴿اِمْرَاَتَیْنِ تَذُوْدٰنِ٘ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا٘ قَالَتَا لَا نَسْقِیْ حَتّٰی یُصْدِرَ الرِّعَآءُ٘ وَاَبُوْنَا شَیْخٌ كَبِیْرٌ﴾

عورتیں شرعی حدود میں رہ کر حیا کی پاسداری کرتے ہوئے باہر کوئی کام کریں تو ممنوع نہیں۔

شریف لڑکیوں کے اطوار یہ ہوتے ہیں کہ مردوں کی بھیڑ سے دور کھڑی ہوتی ہیں۔ نیز وہ حیا کی پتلی ہوتی ہیں

Scanned by CamScanner

شعیب علیہ السلام کی بیٹی جب موسیٰ علیہ السلام کو بلانے کے لیے آئیں تو بے دھڑک موسیٰ کے سامنے کھڑی نہیں ہو گئیں بلکہ سمٹی سمٹائی ہوئی تھیں۔

﴿لَا نَسْقِیْ حَتّٰی یُصْدِرَ الرِّعَآءُ وَاَبُوْنَا شَیْخٌ کَبِیْرٌ﴾ شعیب علیہ السلام کی دونوں بیٹیاں اتنی باحیا تھیں کہ غیر مرد (موسیٰ علیہ السلام) سے بقدر ضرورت بات کی۔اس سے معلوم ہوا کہ باحیا عورتوں کی یہ صفت ہوتی ہے کہ وہ غیر مردوں سے لمبی چوڑی باتیں نہیں کرتیں۔

فَسَقٰی لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰۤی اِلَی الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّیْ لِمَاۤ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ۝۲۴ فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِیْ عَلَی اسْتِحْیَآءٍ قَالَتْ اِنَّ اَبِیْ یَدْعُوْكَ لِیَجْزِیَكَ اَجْرَ مَا سَقَیْتَ لَنَا فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَیْهِ الْقَصَصَ قَالَ لَا تَخَفْ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۝۲۵ قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا یٰۤاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ اِنَّ خَیْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِیُّ الْاَمِیْنُ۝۲۶

تو موسیٰ علیہ السلام نے ان کے لیے (بکریوں کو) پانی پلا دیا پھر سائے کی طرف چلے گئے اور کہنے لگے کہ الٰہی! میں اس کا محتاج ہوں کہ تو مجھ پر اپنی نعمت نازل فرمائے۔(۲۴) (تھوڑی دیر کے بعد) ان میں سے ایک عورت جو شرماتی اور لجاتی چلی آتی تھی موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئی (اور) کہنے لگی کہ تم کو میرے والد بلاتے ہیں کہ تم نے جو ہمارے لئے پانی پلایا تھا اُس کی تمہیں اُجرت دیں۔جب وہ اُن کے پاس گئے اور اُن سے (اپنا) ماجرا بیان کیا تو انہوں نے کہا کہ کچھ خوف نہ کرو تم ظالم لوگوں سے بچ آئے ہو۔(۲۵) ایک لڑکی بولی کہ ابا ان کو نوکر رکھ لیجئے کیونکہ بہتر نوکر جو آپ رکھیں وہ ہے (جو) توانا اور امانتدار (ہو)۔(۲۶)

﴿فَسَقٰی لَهُمَا﴾ موسیٰ علیہ السلام نے مدد کی مگر اس کے بعد ان کا نام نہیں پوچھا، گھر نہیں پوچھا، نہ شکریے کا مطالبہ کیا۔یہ موسیٰ کی عفت کی دلیل ہے۔آج کا نوجوان اگر کسی لڑکی کی مدد کرے تو اس کا پتہ پوچھے گا۔اس کے ساتھ عشق و محبت کی پینگیں بڑھانے کی کوشش شروع کر دے گا۔موسیٰ درخت کے نیچے آئے اور دعا کی اور دعا فوراً قبول ہوئی۔کیونکہ "ف" تعقیب کے لیے ہے۔پھر وہ جو لڑکی آئی تھی، اُس کی چلنے کی کیفیت کو قرآن نے ﴿تَمْشِیْ عَلَی اسْتِحْیَآءٍ﴾ کے جملے سے بیان کیا۔گویا وہ جس راستے پر چل کر آئی تھی وہ راستہ نہیں بلکہ اس کی شرم و حیا تھی جس پر وہ چل کر آئی تھی۔﴿عَلَی اسْتِحْیَآءٍ﴾ سے مبالغہ کیا گیا کہ وہ راستہ ہی "حیا" تھا۔ورنہ "شرماتے ہوئے" کہا جا سکتا تھا۔﴿عَلَی اسْتِحْیَآءٍ﴾ لڑکی کا شرماتے ہوئے آنا اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ عورت کو مرد سے بات کرنے کی ضرورت پیش آئے تو عورت، شرم و

Scanned by CamScanner

حیا کی پوری پاسداری کرے۔ لڑکی نے کہا ﴿ اِنَّ اَبِیْ یَدْعُوْكَ ﴾ یعنی میں نہیں بلا رہی ہوں، میں لینے کے لیے آئی ہوں۔
یہاں بھی ایک جملے میں مدعا کہہ ڈالا۔ موسیٰ علیہ السلام ان کے گھر پہونچے تو ﴿ وَقَصَّ عَلَیْهِ الْقَصَصَ ﴾ کہا۔ "وقصّ علیہ قصتہ" نہیں کہا۔ یعنی بچپن سے لے کر جوانی تک پوری زندگی کی کہانی بتادی۔ شعیب نے کتنے اچھے انداز میں تسلی دی۔ ﴿ لَا تَخَفْ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴾ اور "تنجو" (بچ جاؤگے) نہیں کہا بلکہ ﴿ نَجَوْتَ ﴾ (تم بچ گئے) کہا۔ لڑکی نے اپنے والد شعیب سے کہا ﴿ یٰۤاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ اِنَّ خَیْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِیُّ الْاَمِیْنُ ﴾
لڑکی نے یہ نہیں کہا کہ یہ بہت طاقتور اور امین ہیں۔ بلکہ اس نے ایک عام بات کہی۔ یہ بھی اس کے شرم وحیا کی دلیل ہے۔ اپنے باپ کو اشارہ دے دیا کہ یہ قوی وامین ہیں۔ اس نے اس طرح بات کی کہ موسیٰ علیہ السلام کے منہ پر ان کی تعریف نہیں کی۔

﴿ رَبِّ اِنِّیْ لِمَاۤ اَنْزَلْتَ ﴾ مسافر کی دعا قبول ہوتی ہے اور کسی مجبور و بے سہارا کی مدد کے بعد جو دعا کی جائے وہ قبول ہوتی ہے۔ اور موسیٰ علیہ السلام کی خودداری دیکھو کہ زبان سے کھانا وغیرہ نہیں مانگا۔ لڑکی کی بات سن کر شعیب نے ان کا مشورہ قبول کرلیا۔ نکتہ یہ ملا کہ گھریلو معاملات میں بیٹیوں سے مشورے لینے چاہئیں اور ان کے معقول مشوروں کو قبول بھی کرنا چاہئے۔

﴿ رَبِّ اِنِّیْ لِمَاۤ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ ﴾ موسیٰ علیہ السلام کس قدر پریشان حال تھے غالباً فاقہ کی نوبت آگئی تھی مگر ان کی خودداری دیکھئے کہ اس حال میں بھی کسی سے کچھ نہیں مانگا۔ اور مانگا تو صرف اللہ سے مانگا۔ یہ اپنے رب پر توکل کی اعلیٰ مثال ہے۔ دوسروں کی مدد کی (دو لڑکیوں کی مدد) یہ واقعہ ان کے والد تک پہونچنے کا ذریعہ بنا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ سفر کی دعا قبول ہوتی ہے۔ نیز موسیٰ علیہ السلام نے حمایت ضعیف کا حق بھی ادا کیا۔

کوئی ملازمت یا عہدہ سپرد کرنے کی دو شرطیں:

(۱) کام کی قوت وصلاحیت

(۲) امانتداری

آج کل سرکاری عہدوں کے لیے صلاحیت اور ڈگریوں کو ہی دیکھا جاتا ہے۔ امانت و دیانت کی طرف توجہ نہیں دی جاتی۔ اسی وجہ سے بدعنوانی (Corruption) اور اقرباپروری کی وجہ سے قانون معطل ہوکر رہ گیا ہے۔ اگر اس قرآنی ہدایت پر عمل کیا جائے تو سارا نظام سدھر جائے۔ اچھی صفات کا حامل لڑکا مل جائے تو لڑکی کے رشتے کی بات کرنا لڑکی والوں کے لیے معیوب نہیں۔ امانت (Honesty) اور قوت ومحنت (Hard working) یہ دو صفتیں انتخاب کا معیار ہیں۔

عورت کی عظمت:

نیک عورت کا پانا اتنا آسان نہیں۔ اس کے لیے پیغمبر کو بھی آٹھ سال بکریاں چرانی پڑی ہیں۔ اس سے جہیز کا بھی رد ہوتا ہے۔ یہاں لڑکے کو لڑکی کے گھر والوں کی آٹھ سال تک خدمت کرنی پڑی۔

دونوں لڑکیاں الگ کھڑی تھیں۔ مردوں کے ساتھ ان کا اختلاط نہیں تھا۔ موسیٰ نے پوچھا: ﴿ مَا خَطْبُكُمَا ﴾ ان

Scanned by CamScanner

دونوں لڑکیوں کی مالی حالت اچھی نہیں تھی اس لیے مجبوری میں بکریاں چرانے کے لیے آیا کرتی تھیں۔ان کی صورت حال (Situation) بہت تفصیلی گفتگو کی متقاضی تھی کہ باپ بوڑھے ہیں۔کوئی بھائی نہیں ہے اور خادم رکھنے کی طاقت نہیں ہے۔ اتنی ساری باتوں کو ایک جملے میں ختم کر دیا۔

ملازم کی دوصفات:

کوئی ملازم بھی رکھا جائے تو اس میں یہی دو صفتیں (کام کی قوت اور امانتداری) دیکھی جائیں۔کنویں کا بھاری ڈھکنا اٹھا کر بکریوں کو پانی پلانے سے موسیٰ علیہ السلام کی قوت کا اور اس کے صلے میں لڑکیوں سے کچھ نہ طلب کرنے سے ان کی امانتداری کا تجربہ ہوا۔یہ بھی معلوم ہوا کہ از راہ ہمدردی ایسے موقعوں پر اجنبی عورت سے بات کرنا جائز ہے۔

قَالَ اِنِّیۡۤ اُرِیۡدُ اَنۡ اُنۡکِحَکَ اِحۡدَی ابۡنَتَیَّ هٰتَیۡنِ عَلٰۤی اَنۡ تَاۡجُرَنِیۡ ثَمٰنِیَ حِجَجٍ ۚ فَاِنۡ اَتۡمَمۡتَ عَشۡرًا فَمِنۡ عِنۡدِكَ ۚ وَمَاۤ اُرِیۡدُ اَنۡ اَشُقَّ عَلَیۡكَ ؕ سَتَجِدُنِیۡۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِیۡنَ ﴿۲۷﴾

انہوں نے (موسیٰ علیہ السلام سے) کہا میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان دو بیٹیوں میں سے ایک کو تم سے بیاہ دوں اس (عہد) پر کہ تم آٹھ برس میری خدمت کرو اور اگر دس سال پورے کر دو تو وہ تمہاری طرف سے (احسان) ہے۔اور میں تم پر تکلیف ڈالنی نہیں چاہتا تم مجھے ان شاء اللہ نیک لوگوں میں پاؤ گے۔(۲۷)

﴿ثَمٰنِیَ حِجَجٍ﴾ موسیٰ علیہ السلام دس سال تک مدین میں رہے۔نکتہ یہ ہے کہ اللہ ایسے ہی نبوت نہیں دیتا بلکہ ان سے بہت ریاضت ومجاہدے کرواتا ہے۔محلوں میں پلے بڑھے انسان کو دس سال تک بکریاں چرانی پڑیں اور صحراؤں کی خاک چھاننی پڑی تب جا کر نبوت ملی۔

وَاَنۡ اَلۡقِ عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهۡتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰی مُدۡبِرًا وَّلَمۡ یُعَقِّبۡ ؕ یٰمُوۡسٰۤی اَقۡبِلۡ وَلَا تَخَفۡ ۟ اِنَّكَ مِنَ الۡاٰمِنِیۡنَ ﴿۳۱﴾

اور یہ کہ اپنی لاٹھی ڈال دو جب دیکھا کہ وہ حرکت کر رہی ہے گویا کہ وہ سانپ ہے تو پیٹھ پھیر کر چل دیئے اور پیچھے پھر کر بھی نہ دیکھا (ہم نے کہا کہ) موسیٰ آگے آؤ اور ڈرو مت تم امن پانے والوں میں ہو۔(۳۱)

﴿وَلّٰی مُدۡبِرًا وَّلَمۡ یُعَقِّبۡ﴾ موسیٰ علیہ السلام سے اللہ نے کلام کیا اور کہا ﴿اَلۡقِ عَصَاكَ﴾ (اپنی لاٹھی زمین پہ ڈال دے) اور زمین پر ڈالتے ہی لاٹھی جب سانپ بن گئی تو ﴿وَلّٰی مُدۡبِرًا وَّلَمۡ یُعَقِّبۡ﴾ یعنی ایسا بھاگے کہ پیچھے مڑ کر

Scanned by CamScanner

نہ دیکھا۔ اس سے یہ نکتہ معلوم ہوا کہ یہ ضروری نہیں کہ کوئی پہلوان یا باڈی بلڈر ہے تو اس کو کسی چیز سے ڈر نہ ہو مگر لاٹھی جو زمین پر ڈلوائی اور موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے سفیدی کو ظاہر کروائی یہ درحقیقت مشق تھی کہ ان دونوں چیزوں کو دربار فرعون میں پیش کرنا تھا۔ ورنہ فرعون کے یہاں وہ ڈر جاتے۔

اُسْلُكْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ ۡ وَّاضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۳۲﴾

اپنا ہاتھ گریبان میں ڈالو تو بغیر کسی عیب کے سفید نکل آئے گا اور خوف دُور ہونے (کی وجہ) سے اپنے بازو کو اپنی طرف سکیڑ لو یہ دو دلیلیں تمہارے رب کی طرف سے ہیں (ان کیساتھ) فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس (جاؤ) کہ وہ نافرمان لوگ ہیں۔ (۳۲)

﴿وَاضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ﴾ خوف سے بچنے کے لیے اپنے بازوؤں کو اپنی طرف ملالے خوف دور ہو جائے گا۔

قصہ فرعون و موسیٰ قرآن میں کئی جگہ ہے مگر اس میں ہر جگہ نیا پیرایہ، نیا رنگ اور نیا نتیجہ پایا جاتا ہے۔

خشیت: خوف کے ساتھ عظمت ہو تو اسے خشیت کہتے ہیں۔ سانپ سے انسان ڈرتا تو ہے مگر دل میں اس کی عظمت نہیں ہوتی۔ ورنہ سانپ کو لوگ لاٹھی سے کیوں مارتے؟

وَاَخِيْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْاً يُّصَدِّقُنِيْٓ ۡ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ﴿۳۴﴾

اور ہارون (جو) میرا بھائی (ہے) اس کی زبان مجھ سے زیادہ فصیح ہے تو اُس کو میرے ساتھ مددگار بنا کر بھیج کہ میری تصدیق کرے مجھے خوف ہے کہ وہ میری تکذیب کریں گے۔ (۳۴)

(۱) ﴿اَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا﴾ (۲) ﴿رِدْاً يُّصَدِّقُنِيْٓ﴾ سے معلوم ہوا کہ وعظ و تبلیغ میں مقبول طرز خطابت محمود ہے۔ اور ایک انسان کی بات کی بہ نسبت دو کی بات زیادہ موثر ہوتی ہے۔

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَآ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۴۴﴾

اور جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف حکم بھیجا تو تم (طور کے) مغرب کی طرف نہیں تھے اور نہ اس

Scanned by CamScanner

واقعے کے دیکھنے والوں میں تھے۔(۴۴)

﴿وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ﴾ اس میں محمد ﷺ کی رسالت کا اثبات، شبہات کے جوابات کے ساتھ ہے۔اس واقعہ کا نہ تو آپ نے مشاہدہ کیا ہے نہ کسی کتاب میں پڑھا ہے صرف ہماری وحی سے اس کا علم ہوا جو آپ کے مُرسَل من اللہ ہونے کی واضح دلیل ہے۔

فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ ؕ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۰﴾

پھر اگر یہ تمہاری بات قبول نہ کریں تو جان لو کہ یہ صرف اپنی خواہشوں کے پیچھے چلے بیشک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔(۵۰)

﴿فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ﴾ ہدایت کی پیروی نہ کرنے والا خواہشات کا پیرو ہے۔

وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۱﴾

اور ہم پے درپے ان لوگوں کے پاس (ہدایت کی) باتیں بھیجتے رہے ہیں تاکہ نصیحت پکڑیں۔(۵۱)

نصیحت کو بار بار دہرانے میں کیا حکمت ہے؟

حکمت در تکریر موعظت: ﴿وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ﴾

(۱) ہم نے حق اور ہدایت کو خوب واضح کردیا۔

(۲) حجت پوری کردی ہے۔تاکہ لوگ حق وحقیقت کو اچھی طرح سمجھ جائیں۔کیونکہ صرف ایک ہی بار حق بات بتانے پر آدمی کہہ سکتا ہے کہ مجھے ایک سے زائد مرتبہ بتایا جاتا تو میں مان لیتا۔

(۳) کسی بات کو بار بار دہرانے سے وہ بات اچھی طرح دل میں بیٹھ جاتی ہے۔اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ اذا تکرر، تکرر فی القلب۔

اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۵۴﴾

ان لوگوں کو دگنا بدلا دیا جائے گا کیونکہ صبر کرتے رہے ہیں اور بھلائی کیساتھ بُرائی کو دُور کرتے ہیں اور جو (مال) ہم نے اُن کو دیا ہے اُس میں سے خرچ کرتے ہیں۔(۵۴)

Scanned by CamScanner

﴿أُولَٰئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُم مَّرَّتَيْنِ﴾ انہیں دوہرا اجر دیا جائے گا۔

صابرین کی صفات:

وصف اول: ﴿وَيَدْرَءُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ﴾ برائی کو بھلائی سے دفع کرتے ہیں۔گالی کے بدلے دعا دیتے ہیں۔

وصف ثانی: ﴿وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ﴾ صرف زبانی جمع خرچ نہیں کرتے بلکہ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہتے ہیں۔

وَإِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ أَعْرَضُوا عَنْهُ وَقَالُوا لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجَاهِلِينَ ﴿٥٥﴾

اور جب بیہودہ بات سنتے ہیں تو اُس سے منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم کو ہمارے اعمال اور تم کو تمہارے اعمال تم کو سلام ہم جاہلوں کو منہ نہیں لگاتے۔(۵۵)

وصف ثالث: ﴿وَإِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ أَعْرَضُوا عَنْهُ وَقَالُوا لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجَاهِلِينَ﴾ رکیک حجتوں سے اعراض کرتے ہیں۔اور کہتے ہیں کہ تمہارے اعمال تمہارے لیے اور ہمارے اعمال ہمارے لیے ہیں۔ہم تم سے تکرار نہیں کرنا چاہتے۔

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ ۚ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿٥٦﴾

(اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!) تم جس کو دوست رکھتے ہو اُسے ہدایت نہیں کر سکتے بلکہ اللہ ہی جسے چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے۔(۵۶)

وصف رابع: یہ دور کے (اجنبی) ہیں ان کو ہدایت مل گئی۔ان کو کیوں نہ ہوئی جن کی ہدایت میں آپ کوشاں ہیں۔اس کا جواب ﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ﴾ سے دیا گیا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَمِّهِ: "قُلْ: لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللهُ، أَشْهَدُ لَكَ بِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ"، قَالَ: لَوْلَا أَنْ تُعَيِّرَنِي قُرَيْشٌ، يَقُولُونَ: إِنَّمَا حَمَلَهُ عَلَى ذَلِكَ الْجَزَعُ لَأَقْرَرْتُ بِهَا عَيْنَكَ، فَأَنْزَلَ اللهُ: ﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ﴾ (مسلم، کتاب الإیمان:۲۵)

﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ﴾ صحیح مسلم میں ہے کہ یہ آیت ابوطالب کے بارے میں نازل ہوئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بڑی تمنا تھی کہ وہ ایمان لے آئیں اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتایا گیا کہ کسی کو ہدایت دینا آپ کا کام نہیں۔آپ کا کام صرف راستہ دکھا دینا ہے۔منزل تک پہونچانا میرا کام ہے۔

وَقَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا ؕ اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۷﴾

اور کہتے ہیں کہ اگر ہم تمہارے ساتھ ہدایت کی پیروی کریں تو اپنے ملک سے اچک لئے جائیں، کیا ہم نے اُن کو حرم میں جو امن کا مقام ہے جگہ نہیں دی؟ جہاں ہر قسم کے میوے پہنچائے جاتے ہیں (اور یہ) رزق ہماری طرف سے ہے لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔(۵۷)

﴿وَقَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى﴾ یہ قبول ہدایت کے بارے میں کافروں کا حیلہ بہانہ تھا۔ کہ اگر ہم ہدایت کی پیروی کریں تو ہم اپنے گھروں سے نکال دیئے جائیں گے۔ اس طرح کہ قبائل عرب ہمارے دشمن ہو جائیں گے اور ہم میں ان سے مقابلے کی قوت نہیں ہے۔ اکثر اہل دنیا، اغراض دنیویہ کی وجہ سے دین حق قبول نہیں کرتے۔ ان کو ان کے مسلمات سے ہی ساکت کر دیا گیا۔ فرمایا گیا ﴿اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ کہ بت پرستی میں یہ سب چیزیں مل گئی ہیں تو اللہ پرستی میں وہ ان چیزوں سے محروم کیوں رہیں گے؟ کفر کی حالت میں حرم میں تم کو پناہ دی۔ معبود پرست بن جائیں تو اللہ کی رحمت سے اور زیادہ محفوظ ہو جائیں گے۔

وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۢ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا ۚ فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا ؕ وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿۵۸﴾

اور ہم نے بہت سی بستیوں کو ہلاک کر ڈالا جو اپنی (فراخی) معیشت میں اترا رہے تھے سو یہ اُن کے مکانات ہیں جو اُن کے بعد آباد ہی نہیں ہوئے مگر بہت کم، اور اُن کے پیچھے ہم ہی ان کے وارث ہوئے۔(۵۸)

ہدایت کی اتباع نہ کرنے کے جرم میں کتنی ہی بستیاں ہلاک ہوئیں اور ان کی نعمتوں پر پانی پھر گیا۔ علت کفر تھی۔ معلوم ہوا کہ قبول ہدایت، زوال نعمت کا سبب نہیں بلکہ کفر و ضلالت پر جمود زوال نعمت کا سبب ہے۔

وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۹﴾

اور تمہارا رب بستیوں کو ہلاک نہیں کیا کرتا جب تک اُن کے بڑے شہر میں پیغمبر نہ بھیج لے جو اُن کو ہماری آیتیں پڑھ پڑھ کر سنائے اور ہم بستیوں کو ہلاک نہیں کیا کرتے مگر اس حالت میں کہ وہاں کے باشندے ظالم ہوں۔(۵۹)

﴿وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى﴾ یہ ایک اعتراض کا جواب ہے۔ اعتراض یہ ہے کہ بہت سے شہر بدکاری میں

Scanned by CamScanner

چلاتے تھے پھر بھی ہلاک نہ ہوئے؟ جواب یہ دیا گیا کہ وہاں کوئی نبی نہیں گیا، اس لیے ان پر عذاب نہیں آیا۔

وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتُهَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۗ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿٦٠﴾

اور جو چیز تمہیں دی گئی ہے وہ دنیا کی زندگی کا فائدہ اور اس کی زینت ہے اور جو اللہ کے پاس ہے وہ بہتر اور باقی رہنے والی ہے کیا تم سمجھتے نہیں؟ (۶۰)

تمہارا خیال یہ ہے کہ اگر ایمان لائے تو مال و متاع ہاتھ سے نکل جائے گا۔ اگر تمہارے اس خیال کو صحیح مان لیا جائے تو یہ سوچو کہ دنیا کا تمام مال فانی ہے۔ اگر یہ چند روزہ اور کھوٹی پونجی دے کر آخرت کی دائمی اور لازوال نعمت حاصل کرلو تو وہ تمہارے لیے بہتر ہے کیونکہ دنیا کی نعمت محدود ہے۔ اسی لیے آخر میں ﴿اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ کہا گیا۔ معلوم ہوا کہ عقلمند وہ ہے جو دنیا کے دھندوں میں زیادہ منہمک نہ ہو بلکہ آخرت کی فکر میں لگے۔

وَقِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَرَاَوُا الْعَذَابَ ۚ لَوْ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَهْتَدُوْنَ ﴿٦٤﴾

اور کہا جائے گا کہ اپنے شریکوں کو بلاؤ تو وہ ان کو پکاریں گے اور وہ ان کو جواب نہ دے سکیں گے اور (جب) عذاب کو دیکھ لیں گے (تو تمنا کریں گے کہ) کاش وہ ہدایت یافتہ ہوتے۔ (۶۴)

﴿وَقِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ﴾ آدمی حق کا انکار کرتا ہے تو کسی بھروسے پر کرتا ہے۔ کہا جائے گا ان کو بلاؤ تاکہ وہ انکارِ حق کے برے انجام سے تمہیں بچائیں۔

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ۗ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ۗ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٦٨﴾

اور تمہارا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور (جسے چاہتا ہے) برگزیدہ کر لیتا ہے ان کو اس کا اختیار نہیں ہے یہ جو شرک کرتے ہیں اللہ اُس سے پاک اور بالاتر ہے۔ (۶۸)

﴿وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ﴾ یہ ایک سوال کا جواب ہے کہ محمد ﷺ کے اوپر ہی قرآن کیوں اترا ﴿وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ﴾ (سورہ زخرف: ۳۱) جواب: وہ علام الغیوب ہے تو وہ مصلحت کو بھی جانتا ہے کہ فلاں کو کیوں نبی بنایا۔

﴿وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ﴾

Scanned by CamScanner

اللہ جس طرح تخلیق کائنات میں منفرد ہے اسی طرح اجراء احکام میں بھی منفرد ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح اختیار تکوینی میں اللہ کا کوئی شریک نہیں اسی طرح اختیار تشریعی میں بھی کوئی اس کا شریک نہیں۔ اختیار کا ایک مطلب یہ ہے کہ اللہ اپنی مخلوق میں سے جسے چاہے اعزاز و اکرام کے لیے انتخاب فرمالے۔

خلاصہ یہ ہے کہ دنیا میں مدار فضیلت دو چیزیں ہیں ایک غیر اختیاری ہے جو حق تعالیٰ کا انتخاب ہے۔ دوسرا اختیاری ہے جو اعمال صالحہ سے حاصل ہوتا ہے۔ ایک جگہ کو دوسری جگہ پر جیسے سماء عُلیا کو دوسرے سمٰوات پر اور جنت الفردوس کو دوسری جنتوں پر اور محمد ﷺ کو دوسرے انبیاء پر اور بعض دنوں اور راتوں کو دوسرے دنوں اور راتوں پر فضیلت اللہ کے اسی انتخاب کا اثر ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ؕ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ﴿۷۱﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۷۲﴾

کہو بھلا دیکھو تو اگر اللہ تم پر ہمیشہ قیامت کے دن تک رات (کی تاریکی) کئے رہے تو اللہ کے سوا کون معبود ہے جو تمہیں روشنی لا دے تو کیا تم سنتے نہیں؟ (۷۱) کہو بھلا دیکھو تو اگر اللہ تم پر ہمیشہ قیامت تک دن کئے رہے تو اللہ کے سوا کون معبود ہے کہ تم کو رات لا دے جس میں تم آرام کرو تو کیا تم دیکھتے نہیں؟ (۷۲)

رات میں دکھائی کم دیتا ہے اس لیے کانوں سے زیادہ کام لیا جاتا ہے۔ اسی لیے رات کے ذکر کے ساتھ ﴿اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ﴾ لایا گیا۔ اور چونکہ دن میں آنکھوں سے دکھائی دیتا ہے۔ اسی مناسبت سے ﴿تُبْصِرُوْنَ﴾ لایا گیا ﴿لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ﴾ یہ (سکون) رات کا فائدہ ہے۔ ﴿وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ﴾ (رزق کے لیے دوڑ دھوپ) دن کا فائدہ ہے۔ اور ﴿لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ (سورہ قصص: ۷۳) دونوں سے متعلق ہوا۔

﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ﴾ قطب شمالی پر چھ مہینے رات اور چھ مہینے دن ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے وہاں آبادی نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس کے برخلاف درمیانی عرض البلد (Latitude) پر جہاں روزانہ شب و روز کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری رہتا ہے وہاں انسان کی آبادی گنجان ہے۔ پھر وہ یہ بھی جانتا ہے کہ دن اور رات زمین کی محوری گردش کا نتیجہ ہیں۔ یہ نظام گردش لیل و نہار ایک مدبر کے وجود پر دلیل ہے۔ اگر وہ گردش کو روک دے تو زمین کے نصف کرّے پر رات رہے اور نصف کرّے پر دن۔ پھر اللہ کے سوا کون ہے جو زمین کی گردش کو جاری کرے۔ پھر اس کا شریک ٹھہرانے کا مطلب؟

Scanned by CamScanner

اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ ۪ وَاٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَآ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ اُولِی الْقُوَّةِ ۗ اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ﴿۷۶﴾ وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِی الْاَرْضِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۷۷﴾

قارون، موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں سے تھا اور ان پر ظلم کرتا تھا اور ہم نے اُس کو اتنے خزانے دیئے تھے کہ اُن کی کنجیاں ایک طاقتور جماعت کو اٹھانی مشکل ہوتیں، جب اُس سے اُس کی قوم نے کہا کہ اِترایئے مت کہ اللہ اِترانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔(۷۶) اور جو (مال) تمھیں اللہ نے عطا فرمایا ہے اس سے آخرت (کی بھلائی) طلب کیجئے اور دنیا سے اپنا حصہ نہ بھلایئے اور جیسی اللہ نے تم سے بھلائی کی ہے (ویسی) تم بھی (لوگوں سے) بھلائی کرو اور ملک میں طالبِ فساد نہ ہو کیونکہ اللہ فساد کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔(۷۷)

قارون، موسیٰ علیہ السلام کے سگے چچا کا لڑکا تھا۔ اس کے خزانے کی کنجیاں اتنی تھیں کہ ایک قوی جماعت ان کو اٹھاتی تو جھک جاتی۔ اس نے کہا کہ یہ دولت مجھے اپنے ذاتی علم و ہنر سے ملی ہے۔ اس میں اللہ کے احسان کا کیا دخل؟ یہاں اس نے پہلی غلطی یہ کی کہ اس نے یہ سمجھا کہ مال و دولت اس کے علم و ہنر سے جمع ہوا ہے۔ حالانکہ دنیا میں مشاہدہ کیا جاسکتا ہے کہ علم و ہنر کے باوجود بہت سے لوگ تنگدستی کی زندگی گذارتے ہیں۔ دوسری غلطی اس نے یہ کی کہ جاہل نے یہ نہ سمجھا کہ صنعت و تجارت کا علم اللہ کی دی ہوئی چیز ہے۔ اس کا ذاتی کمال نہیں۔

قارون کا عناد موسیٰ علیہ السلام سے اس وجہ سے تھا کہ وہ چاہتا تھا کہ میرے پاس دولت ہے تو مذہبی پیشوائی بھی اسے ہی حاصل رہے۔ قارون کا نام یہودی کتابوں میں قورح آیا ہے۔ یہ بنی اسرائیل کا فرد تھا اور اپنی قوم سے کٹ کر فرعون کا وفادار ہوگیا تھا۔ اس کو فائدہ یہ ملا کہ وہ فرعون کا مقرب بن گیا۔ جس طرح دنیا کے حصول کی خاطر بہت سے نام نہاد مسلمان اپنی قوم کو نظر انداز کر کے دوسری قوم کی وفاداری کا دم بھرتے ہیں۔

قارون کو پانچ چیزوں کا مشورہ دیا گیا:

یہ پانچ چیزیں ایسی ہیں جو دولت کو فتنہ بنانے سے روکتی ہیں:

(۱) ﴿لَا تَفْرَحْ﴾ (نہ اترائے)

(۲) ﴿وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ﴾ (اپنے مال کو آخرت کی تیاری میں لگائے)

Scanned by CamScanner

(۳)﴿وَلَا تَنْسَ نَصِیْبَكَ مِنَ الدُّنْیَا﴾ (اپنے دنیاوی حقوق کی تکمیل کرے)
(۴)﴿وَاَحْسِنْ كَمَاۤ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَیْكَ﴾ (لوگوں کے ساتھ بھلائی کرے)
(۵)﴿وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِی الْاَرْضِ﴾ (پیسہ آجانے کے بعد اُسے زمین میں فساد کرنے کے لیے استعمال نہ کرے) یہ پانچ سنہرے اصول اگر کوئی مالدار اپنا لے تو مال اس کے لیے فتنہ نہیں بنے گا۔

جمع شدہ دولت کو گردش میں لانا اصلاح ہے اور دولت کو جمع رکھنا اور صرف اپنی ذات پر خرچ کرنا فساد ہے۔ زمین پر سمندر وغیرہ میں جو پانی جمع رہتا ہے۔ اسے بھاپ بنا کر فضا میں پھیلا دیا جاتا ہے۔ جو پھر بارش بن کر زمین پر نازل ہوتا ہے۔ یہ اللہ کی دنیا میں اصلاح کا ایک نمونہ ہے۔ زمین کا لفظ اسی وجہ سے لایا گیا ہے۔

فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِیْ زِیْنَتِهٖ ؕ قَالَ الَّذِیْنَ یُرِیْدُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا یٰلَیْتَ لَنَا مِثْلَ مَاۤ اُوْتِیَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ ﴿۷۹﴾

تو (ایک روز) قارون (بڑی) آرائش (اور ٹھاٹھ) سے اپنی قوم کے سامنے نکلا جو لوگ دنیا کی زندگی کے طالب تھے کہنے لگے کہ جیسا (مال ومتاع) قارون کو ملا ہے کاش (ایسا ہی) ہمیں بھی ملے وہ تو بڑا ہی نصیب والا ہے۔ (۷۹)

کچے ایمان والے اور کچے ذہن کے لوگ جب کسی با اقتدار یا دولت مند کو دیکھتے ہیں تو رشک سے مرنے لگتے ہیں۔ لیکن دولت مندوں کا عبرتناک انجام دیکھنے کے بعد انھیں ناصحوں کی باتیں یاد آتی ہیں۔ وہ پکار اٹھتے ہیں کہ اس نے بالکل ٹھیک کہا تھا۔ قارون کی دولت دیکھ کر کچھ لوگوں نے ﴿یٰلَیْتَ لَنَا مِثْلَ مَاۤ اُوْتِیَ قَارُوْنُ﴾ کہا۔ انھوں نے بعد میں جب قارون کا انجام دیکھا تو ان کی زبان سے یہ نکلا ﴿لَوْلَاۤ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَیْنَا لَخَسَفَ بِنَا ؕ وَیْكَاَنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ بسا اوقات آدمی دعا کرتا ہے اور اس کی دعا قبول نہیں ہوتی اور اسے مطلوبہ چیز نہیں ملتی تو وہ ملول ہو جاتا ہے۔ ایسا نہیں ہونا چاہئے۔ کیونکہ ہم اللہ سے وہ مانگتے ہیں جو ہم اپنے لیے بہتر سمجھتے ہیں اور اللہ ہمیں وہ دیتا ہے جو وہ ہمارے لیے بہتر سمجھتا ہے۔ قارون کا انجام دیکھ کر انھوں نے کہا بڑا اچھا ہوا ورنہ ہم بھی اس کے ساتھ دھنس گئے ہوتے۔

وَقَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَیْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَیْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۚ وَلَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ﴿۸۰﴾

اور جن لوگوں کو علم دیا گیا تھا وہ کہنے لگے کہ تم پر افسوس مومنوں اور نیکوکاروں کیلئے (جو) ثواب اللہ (کے ہاں تیار ہے وہ) کہیں بہتر ہے اور وہ صرف صبر کرنے والوں کو ہی ملے گا۔ (۸۰)

یہاں علم سے مراد اللہ کی معرفت کا علم ہے۔ اگر علم کی اس روشنی سے انسان محروم ہے تو وہ شاطر تو بن جاتا ہے، مگر انسان

Scanned by CamScanner

نہیں بنتا۔ اور بغیر انسان بنے چالاکی نہایت خطرناک ہے۔ یہ بندر کے ہاتھ میں استرے جیسا ہے۔ نیز اہل علم کے نزدیک آخرت کا اجر دنیا کی دولت پر مقدم ہوتا ہے اور جس شخص کی نظریں دنیا ہی پر ہوں تو وہ عالم کہلانے کے لائق نہیں ہے۔

﴿لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا﴾ آج انسانی سوسائٹی کا بڑا برا حال ہے۔ ہر شخص پر بڑا بننے کا بھوت سوار ہے۔ چھوٹا بن کر رہنے کے لیے کوئی تیار نہیں۔ مگر آخرت کا گھران کے لیے ہے جو زمین میں ''علوّ'' (بلندی) نہیں چاہتے۔

﴿اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ﴾ قرآن کو آپ پر فرض کرنے والا آپ کو پھر مکہ لوٹائے گا۔ (اس کی تلاوت، تبلیغ اور اس پر عمل فرض کیا گیا ہے) اس آیت میں اشارہ ہے کہ قرآن کی تلاوت و تبلیغ اور اس پر عمل ہی نصرت الٰہی اور فتح مبین کا سبب ہوگی۔

Scanned by CamScanner

سورۃ العنکبوت (مکیۃ)

الٓمّٓ ۝۱ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ۝۲

الٓم۔(۱) کیا لوگ یہ خیال کئے ہوئے ہیں کہ (صرف) یہ کہنے سے کہ ہم ایمان لے آئے چھوڑ دیئے جائیں گے اور ان کی آزمائش نہیں کی جائے گی؟۔(۲)

ایمان اور آزمائش دونوں لازم وملزوم ہیں، عربی میں فتنہ کا معنی آزمائش کے ہیں، اگر یہ اللہ کی طرف سے ہو تو آزمائش ہے اور بندے کی طرف سے ہے تو ظلم ہے، جو لوگ "آمنّا" کہتے ہیں ان کو اس لیے آزمایا جاتا ہے تاکہ معلوم ہو کہ کون اپنے دعویٰ ایمان میں صادق ہے اور کون کاذب؟

آزمائش اور امتحان تین طریقے سے ہوگا:

(۱) احکام الٰہیہ کی پابندی سے۔

(۲) مصائب وامراض سے۔

(۳) کافروں کی ایذارسانیوں سے۔

وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ حُسْنًا ؕ وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِیْ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ؕ اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۸

اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کیساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے (اے مخاطب) اگر تیرے ماں باپ تیرے درپے ہوں کہ تو میرے ساتھ کسی کو شریک بنائے جس کی حقیقت سے تجھے واقفیت نہیں تو اُن کا کہنا نہ ماننا تم (سب) کو میری طرف لوٹ کر آنا ہے پھر جو کچھ تم کرتے تھے میں تمہیں بتاؤں گا۔(۸)

ماں باپ کی اطاعت ہے نہ کہ عبادت، ان کے حقوق کی بھی ایک حد ہے کہ وہ اللہ کے حقوق سے نہ ٹکرائیں۔

Scanned by CamScanner

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ۭ وَلَىِٕنْ جَاۗءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ۭ اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِيْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ ⑩

اور بعض لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان لائے جب ان کو اللہ (کے رستے) میں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو لوگوں کی ایذا کو (یوں) سمجھتے ہیں جیسے اللہ کا عذاب اور اگر تمہارے رب کی طرف سے مدد پہنچے تو کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ تھے کیا جو اہلِ عالم کے سینوں میں ہے اللہ اس سے واقف نہیں؟ (۱۰)

جب مومن بننے میں دنیوی فائدہ نظر آئے تو بڑھ چڑھ کر اپنے ایمان کا اظہار کرے اور جب مومن بننے میں دنیوی نقصان نظر آئے تو الٹے پیروں پھر جائے۔ قرآن کی اصطلاح میں اس کو منافق کہتے ہیں۔

بزرگوں کی غلط منطق:

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ ۭ وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ⑫

اور جو کافر ہیں وہ مومنوں سے کہتے ہیں کہ ہمارے طریق کی پیروی کرو ہم تمہارے گناہ اٹھا لیں گے حالانکہ وہ اُن کے گناہوں کا کچھ بھی بوجھ اٹھانے والے نہیں کچھ شک نہیں کہ یہ جھوٹے ہیں۔ (۱۲)

وہ کفار مراد ہیں جن کی اولاد یا ان کے زیردست لوگ اسلام میں داخل ہو چکے تھے، یہ لوگ انہیں اسلام سے پھیرنے کے لیے ان پر طرح طرح کے ظلم کرتے اور اخلاقی دباؤ ڈالتے کہ ہم خیر و شر کو تم سے زیادہ سمجھتے ہیں، اس وجہ سے تم ہمارے طریقے پر چلتے رہو، اور اگر ہمارا طریقہ غلط ہوا تو اس کا عذاب ہماری گردن پر۔

﴿وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ﴾

اس میں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ یہ لوگ کہیں گے کہ ہم تمہاری خطاؤں کو اپنی گردن پر لے لیں گے تو اللہ نے جواب میں ﴿اثقالهم﴾ کہا، جس سے یہ نکتہ ملا کہ گناہ کرنے والا اپنے اوپر بوجھ لا د رہا ہے اور گناہ سے وزنی کوئی بوجھ نہیں، اور یہ پہلے ہی اپنے گناہوں کے بوجھ تلے دبے ہوں گے اور دنیا میں جتنے لوگوں کو سنہرے خواب دکھائے ہوں گے، ان کے گناہوں کے بوجھ بھی ان کی گردنوں پر لاد دیئے جائیں گے۔

﴿وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ﴾

کفار مسلمانوں سے کہتے تھے کہ تم اسلام چھوڑ کر ہمارے مذہب میں آملو، اگر ایسا کرنے میں مواخذہ کا اندیشہ کرتے

Scanned by CamScanner

ہوتو اللہ کے یہاں ہمارا نام لے دینا کہ ہم ہی لوگوں نے تم کو مشورہ دیا تھا، ساری ذمہ داری ہم اٹھالیں گے۔

جواب: یہ جھوٹے ہیں، تمہارا رتی، بھر بھی بوجھ ہلکا نہیں کر سکتے۔ ہاں اپنا بوجھ بھاری کر رہے ہیں، ایک تو ان کے ذاتی گناہوں کا بوجھ اور دوسرے اوروں کے اضلال کا بار۔

وَلَيَحۡمِلُنَّ اَثۡقَالَهُمۡ وَاَثۡقَالًا مَّعَ اَثۡقَالِهِمۡ ۚ وَلَيُسۡـَٔلُنَّ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوۡا يَفۡتَرُوۡنَ ﴿۱۳﴾

اور یہ اپنے بوجھ بھی اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ اور (لوگوں کے) بوجھ بھی۔ اور جو بہتان یہ باندھتے رہے قیامت کے دن اُن کی ان سے ضرور پرسش ہوگی۔ (۱۳)

ایک چور تھا اس نے ایک نئے آدمی کو چوری کے لیے ساتھ میں لے لیا۔ اب دونوں پکڑے گئے۔ تو پہلے والے کو پولیس اس لیے نہیں چھوڑ سکتی کہ پرانا چور یہ کہہ دے کہ میں اسے اپنے ساتھ لایا تھا۔ ظاہر ہے کہ دونوں کو سزا ملے گی، لیکن پرانے چور کو اس لیے زیادہ سزا ملے گی کہ اس نے دوسرے کو بھی بگاڑ دیا تھا۔

اِنَّمَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اَوۡثَانًا وَّتَخۡلُقُوۡنَ اِفۡكًا ؕ اِنَّ الَّذِيۡنَ تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ لَا يَمۡلِكُوۡنَ لَكُمۡ رِزۡقًا فَابۡتَغُوۡا عِنۡدَ اللّٰهِ الرِّزۡقَ وَاعۡبُدُوۡهُ وَاشۡكُرُوۡا لَهٗ ؕ اِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۱۷﴾

تم تو اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو پوجتے اور طوفان باندھتے ہو تو جن لوگوں کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو وہ تمہیں رزق دینے کا اختیار نہیں رکھتے پس اللہ ہی کے ہاں سے رزق طلب کرو اور اُسی کی عبادت کرو اور اُسی کا شکر ادا کرو اُسی کی طرف تم لوٹ کر جاؤ گے۔ (۱۷)

The Idol Is Most Concrete Form of God مورتی معبود کی سب سے ٹھوس شکل ہے۔ اس کے پیچھے عقیدہ یہ ہے کہ اللہ اس کے اندر داخل ہوتا ہے۔

﴿فَابۡتَغُوۡا عِنۡدَ اللّٰهِ الرِّزۡقَ﴾ مسلمانوں کا ایک گروہ نبی ﷺ اور اولیاء سے مانگتا ہے، کوئی کہتا ہے بھر دو جھولی میری یا محمد۔ کوئی کہتا ہے فلاں خواجہ کے در سے سب کچھ ملتا ہے۔ اسی بدعقیدگی کا اس آیت میں رد کیا گیا ہے۔

قُلۡ سِيۡرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ فَانۡظُرُوۡا كَيۡفَ بَدَاَ الۡخَلۡقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنۡشِئُ النَّشۡاَةَ الۡاٰخِرَةَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۲۰﴾

کہہ دو کہ ملک میں چلو پھرو اور دیکھو کہ اُس نے کس طرح خلقت کو پہلی بار پیدا کیا ہے پھر اللہ ہی پچھلی پیدائش پیدا کرے گا بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (۲۰)

Scanned by CamScanner

توحید و قیامت کے لیے باہر سے دلیل ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں، دنیا کے شب و روز کے مشاہدات میں ہر چیز کی شہادت موجود ہے، ایک قوم کو وجود بخشتا ہے پھر اس کو مٹا کر دوسری قوم لاتا ہے۔ رات کے بعد دن نمودار کرتا ہے۔ خزاں کے بعد بہار آتی ہے، اللہ یہ سارے مشاہدات اس لیے کرا رہا ہے کہ انسان مرنے کے بعد کی زندگی کو بعید از امکان تصور نہ کرے۔

﴿فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ﴾ شاہ عبدالقادر دہلوی رحمہ اللہ نے اس پر ایک بامعنی نوٹ لکھا ہے: شروع تو دیکھتے ہو دہرانا اسی سے سمجھ لو۔

وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۫ وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۵﴾

اور ابراہیم نے کہا کہ تم جو اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو لے بیٹھے ہو تو دنیا کی زندگی میں باہم دوستی کیلئے (مگر) پھر قیامت کے دن تم ایک دوسرے (کی دوستی) سے انکار کرو گے اور ایک دوسرے پر لعنت بھیجو گے اور تمہارا ٹھکانہ دوزخ ہوگا اور کوئی تمہارا مددگار نہ ہوگا۔ (۲۵)

کتنے لوگ بت پرستی کو نامعقول سمجھتے ہوئے بھی اسے چھوڑنے کے لیے اس لیے تیار نہیں کہ ان کا رشتہ اپنی قوم سے کٹ جائے گا، یہ کیسے عقل مند ہیں کہ دنیوی عارضی اور وقتی خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں اور آخرت کے مستقل اور دائمی عذاب کو بھگتنے کے لیے تیار ہیں۔

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ ۡ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۸﴾

اور لوط (کو یاد کرو) جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ تم (عجب) بے حیائی کے مرتکب ہوتے ہو تم سے پہلے اہلِ عالم میں سے کسی نے ایسا کام نہیں کیا۔ (۲۸)

لوط نے اپنی قوم سے کہا کہ تم ایسا غلیظ ترین کام کر رہے ہو کہ تم سے پہلے دنیا میں کسی نے یہ کام نہیں کیا۔

عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ، يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "كُلُّ أُمَّتِي مُعَافًى إِلَّا الْمُجَاهِرِينَ، وَإِنَّ مِنَ الْمُجَاهَرَةِ أَنْ يَعْمَلَ الرَّجُلُ بِاللَّيْلِ عَمَلًا، ثُمَّ يُصْبِحَ وَقَدْ سَتَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ، فَيَقُولَ: يَا فُلَانُ، عَمِلْتُ الْبَارِحَةَ كَذَا وَكَذَا، وَقَدْ بَاتَ يَسْتُرُهُ رَبُّهُ، وَيُصْبِحُ يَكْشِفُ سِتْرَ اللّٰهِ عَنْهُ" (بخاری، کتاب الادب: ۶۰۶۹)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''میرا ہر امتی معاف کر دیا جائے گا سوائے اس کے جو اپنے گناہ کو فخر یہ بیان کرتا پھرے۔
معلوم ہوا کہ اللہ گناہ تو معاف کر سکتا ہے، لیکن مجاہر بالمعاصی یعنی گناہ پر فخریہ اعلان کرنے والے کو معاف نہیں کرتا''۔

اَىِٕنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِیْلَ ۙ۬ وَتَاْتُوْنَ فِیْ نَادِیْكُمُ الْمُنْكَرَؕ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۲۹﴾

تم کیوں (لذت کے ارادے سے) لونڈوں کی طرف مائل ہوتے اور (مسافروں کی) رہزنی کرتے ہو اور اپنی مجلسوں میں ناپسندیدہ کام کرتے ہو؟ تو اُن کی قوم کے لوگ جواب میں بولے تو یہ بولے کہ اگر تم سچے ہو تو ہم پر اللہ کا عذاب لے آؤ۔(۲۹)

قوم لوط کا حال:

(۱) تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے پاس جانے کی وجہ سے قطع نسل کرتے ہو۔
(۲) اور اپنی بستی سے گزرنے والوں، مسافروں اور نوواردوں کو زبردستی پکڑ کر ان سے بے حیائی کرتے ہو۔
(۳) اور ان کا مال لوٹ لیتے ہو۔ ان تمام بری حرکتوں کی وجہ سے لوگوں کے لیے اس راستے سے گذرنا مشکل ہو گیا ہے۔
(۴) اور اپنی برائیوں کو اپنی مجلسوں میں علی الاعلان بیان کرتے ہو۔

﴿وَتَاْتُوْنَ فِیْ نَادِیْكُمُ الْمُنْكَرَ﴾ عربی میں نادی کا معنیٰ Club ہوتا ہے، یعنی برائی کا ارتکاب کھلے طور پر مجلسوں میں کرنے لگے، موجودہ دور میں نائٹ کلب جیسی چیزیں وجود میں آ گئی ہیں۔

قَالَ اِنَّ فِیْهَا لُوْطًاؕ قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِیْهَا٘ۗ لَنُنَجِّیَنَّهٗ وَاَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۗ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِیْنَ ﴿۳۲﴾

ابراہیم نے کہا کہ اس میں تو لوط بھی ہیں، وہ کہنے لگے کہ جو لوگ یہاں (رہتے) ہیں ہمیں سب معلوم ہیں ہم اُن کو اور اُن کے گھر والوں کو بچا لیں گے بجز اُن کی بیوی کے کہ وہ پیچھے رہنے والوں میں ہوگی۔(۳۲)

لوط علیہ السلام کی بیوی کے ذکر کی خاص وجہ یہ ہے کہ وہ ایک جلیل القدر پیغمبر کی بیوی تھی، لیکن چونکہ خود نا ہنجار تھی لہٰذا لوط علیہ السلام سے اس کی جو نسبت تھی کچھ کام نہ آ سکی یعنی دین کے معاملے میں کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔

وَلَمَّاۤ اَنْ جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالُوْا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ ۫ اِنَّا مُنَجُّوْكَ وَاَهْلَكَ اِلَّا امْرَاَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِیْنَ ﴿۳۳﴾

Scanned by CamScanner

اور جب ہمارے فرشتے لوط کے پاس آئے تو وہ ان (کی وجہ) سے ناخوش اور تنگ دل ہوئے فرشتوں نے کہا کہ کچھ خوف نہ کیجئے اور نہ رنج کیجئے ہم آپ کو اور آپ کے گھر والوں کو بچا لیں گے مگر آپ کی بیوی کہ پیچھے رہنے والوں میں ہوگی۔ (۳۳)

ابن قیم رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جب "لمّا" اور فعل کے درمیان "اَنْ" آجائے تو شرط و جزا میں سبب و مسبب کا تعلق پیدا ہو جاتا ہے۔

جو فرشتے ابراہیم علیہ السلام کے لیے بیٹے اور پوتے کی خوشخبری لے کر آئے، وہی قوم لوط کے لیے تازیانہ عذاب لے کر آئے۔ جیسے ایک ہی بارش کسی کے لیے رحمت اور کسی کے لیے زحمت ہو جاتی ہے، اس سے ان مشرکوں کے اس واہمے کی تردید ہو گئی جنھوں نے خیر و شر کے الگ الگ معبود مان لیے تھے۔ معلوم ہوا کہ رحمت اور عذاب دونوں اللہ کے اختیار میں ہیں۔

وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَآ اٰيَةًۢ بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۳۵﴾

اور ہم نے سمجھنے والوں کے لیے اس بستی سے ایک کھلی نشانی چھوڑ دی۔ (۳۵)

قرآن کی نگاہ میں جو نشانی اور عبرت ہے غیر قرآنی مشاہدہ میں وہ ایک طبعی واقعہ ہے۔

وَعَادًا وَّثَمُوْدَاۡ وَقَدْ تَّبَيَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ ۫ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَكَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ ﴿۳۸﴾

اور عاد اور ثمود کو بھی (ہم نے ہلاک کر دیا) چنانچہ اُن کے (ویران گھر) تمہاری آنکھوں کے سامنے ہیں اور شیطان نے اُن کے اعمال ان کو آراستہ کر کے دکھائے اور اُن کو (سیدھے) رستے سے روک دیا حالانکہ وہ دیکھنے والے (لوگ) تھے۔ (۳۸)

عاد و ثمود دنیا کے معاملات میں ہوشیار تھے، مگر آخرت کے معاملات میں بڑے نادان نکلے، وہ پہاڑوں سے محلات بنانے کا ہنر تو جان گئے مگر پیغمبر کے ذریعہ اپنی زندگی بنانے کا راز نہ جان سکے، تزئین اعمال یہ ہے کہ شیطان نے انہیں دھوکے میں رکھا کہ دنیا کی تعمیر ہی ساری تعمیر ہے، دنیا بن گئی تو اس کے بعد کوئی مسئلہ نہیں۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ۭ وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾

جن لوگوں نے اللہ کے سوا (اوروں کو) کارساز بنا رکھا ہے ان کی مثال مکڑی کی سی ہے کہ وہ بھی ایک (طرح کا)

Scanned by CamScanner

گھر بناتی ہے اور کچھ شک نہیں کہ تمام گھروں سے کمزور مکڑی کا گھر ہے کاش یہ (اس بات کو) جانتے۔(۴۱)

غیر اللہ کے پرستاروں کی مثال:

جانوروں کے جتنی قسم کے گھونسلے اور گھر معروف ہیں، مکڑی کا گھر سب سے کمزور ہے۔ غیر اللہ کی پرستش کرنے والوں کا غیر پر بھروسہ ایسا ہے جیسے مکڑی کے جالے پر بھروسہ، ان کو حاجت روا بنانا ایسا ہی ہے جیسے مکڑی کا گھر بنانا، وہ اتنا بودا ہوتا ہے کہ ہوا کے ایک جھونکے سے وہ نیچے آ رہتا ہے، اسی طرح غیر اللہ کا آسرا بھی بودا ہے جو انہیں کسی مصیبت کے وقت کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔

﴿كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ﴾ مکڑی اپنے اندر ہی سے لعاب نکال کر جالا بناتی ہے۔ اسی طرح مشرک بھی اپنے خیالات کا تانا بانا بنا کر ایک عقیدہ گھڑ لیتا ہے اور جس طرح مکڑی اپنے کمزور ترین گھر میں بیٹھ کر یہ سمجھتی ہے کہ وہ محفوظ ترین قلعے میں ہے اسی طرح مشرک بھی اپنے من گھڑت شرکاء کے بارے میں یہ سمجھتا ہے کہ اسے ان کی پشت پناہی حاصل ہے، وہ اس کی بگڑی بنا دیں گے اور اسے بخشوا لیں گے۔

اس مثال سے مقصود داستان سرائی نہیں، بلکہ مقصود یہ ہے کہ اس کے اندر انسان کو اس کا ماضی و مستقبل دکھا دیا جائے، اور ﴿لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ﴾ سے اشارہ کیا گیا کہ دوسروں کی مثال سے خود سبق حاصل کرنا ہر شخص کا کام نہیں، یہ کام وہی کرتے ہیں جن کے پاس علم کی روشنی ہو۔

بدعتی کہتے ہیں اس قسم کی آیتوں سے بت مراد ہیں اولیاء نہیں، کوئی کہے اللہ کے سوا کسی کے آگے سر نہ جھکاؤ تو کوئی شخص اس کے جواب میں یہ کہے کہ سر تو حجام کے آگے بھی جھکایا جاتا ہے، یہ کٹھ حجتی ہے، عبادت کے طور پر سجدہ کرنا اور ضرورت کے طور پر سر جھکانا اسی طرح زمین پر سجدہ کرنا اور زمین کے لیے سجدہ کرنا دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے جسے ایک بچہ بھی اچھی طرح جانتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۴۲﴾

یہ جس چیز کو اللہ کے سوا پکارتے ہیں (خواہ) وہ کچھ ہی ہو اللہ اُسے جانتا ہے اور وہ غالب اور حکمت والا ہے۔(۴۲)

یعنی اللہ کو معلوم ہے کہ ان کے معبودوں کی حقیقت کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مشرکین ان کے بارے میں الٰہی اختیارات یا اس کے حضور سفارشی ہونے کے کیسے ہی دعوے کریں، اللہ جانتا ہے کہ یہ سارے دعوے غلط اور بے بنیاد ہیں۔

وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ﴿۴۳﴾

اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے (سمجھانے کے) لیے بیان کرتے ہیں اور اسے تو اہلِ دانش ہی سمجھتے ہیں۔(۴۳)

Scanned by CamScanner

﴿عٰلِمُوْنَ﴾ سے مراد وہ لوگ ہیں جن کی فطری صلاحیتیں زندہ ہیں اور وہ عقل سے کام لیتے ہیں۔ اور ہر واقعہ سے سبق حاصل کرتے ہیں اور ان کے علم میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

بعض جُہال اس مثال پر یہ طعن کرتے ہیں کہ اللہ نے مکڑی کا ذکر کیوں کیا وہ تو ایک ذلیل چیز ہے اور بھی کوئی مثال۔ نہ تھی؟ اس کے جواب میں فرمایا ﴿وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ﴾ یعنی ذی علم جان لیتے ہیں کہ مکڑی خواہ کیسی ہی ذلیل چیز ہو۔ غرض تو مشرکوں کے مذہب کو اس ذلیل چیز کے ذلیل گھر سے تشبیہ دینا ہے، سو وہ بخوبی حاصل ہے۔

❀❀❀

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

جامع مسجد اہل حدیث
آکوٹ

Scanned by CamScanner